خلافة علٰی منهاج النبوة

افاضات

سیّدنا حضرتؓ مرزا بشیر الدّین محمود احمد المصلح الموعود

خلیفۃ المسیح الثانی

فضلِ عمر فاؤنڈیشن

KHILĀFAT ALĀ MINHAJ-E-NOBUWWAT

BY

HADHRAT MIRZA BASHIR-UD-DIN MAHMOOD AHMAD
KHALIFATUL MASIH II

Published by:-

FAZLE-UMAR FOUNDATION

Printed by:-

SUNRISE PRINTERS

LAHORE

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدّین محمود احمد المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　　　نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیشگوئی مصلح موعود

''اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بُہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃُ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دِل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْھَرُ الْاَوَّلِ وَ الْاٰخِرِ مَظْھَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شُہرت پائے گا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔''　　(اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ صد سالہ خلافت جوبلی ۲۰۰۸ء کے تاریخی اور بابرکت موقع پر فضل عمر فاؤنڈیشن کو خلافت کے موضوع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی تحریرات وارشادات کو تین دیدہ زیب جلدوں میں احبابِ جماعت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کتاب کا نام ''خلافۃ علیٰ منھاج النبوۃ'' منظور فرمایا ہے۔ اس کتاب کی دوسری جلد اس وقت احباب کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے کماحقہٗ استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

خاکسار مکرم مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب، مکرم حبیب اللہ باجوہ صاحب، مکرم عبدالرشید اٹھوال صاحب اور مکرم فضل احمد شاہد صاحب مربیان سلسلہ کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان جلدوں کی تدوین واشاعت کے مختلف مراحل، مسودات کی ترتیب و تصحیح، پروف ریڈنگ، حوالہ جات کی تلاش، Rechecking اور اعراب کی درستگی کے سلسلہ میں ان سب نے بہت ہی محنت اور خلوص سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

مکرم صفدر نذیر صاحب گولیکی اور مکرم محمد محمود طاہر صاحب مربیانِ سلسلہ کا بھی خاکسار دلی شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے مختلف کتب اور خطابات کے ابتدائی نوٹس کی تیاری کا کام بڑی محنت، دلی لگن اور مہارت سے سرانجام دیا۔ اسی طرح محترم بشارت احمد صاحب صابر کارکن فضل عمر فاؤنڈیشن نے جلد ھٰذا کی تدوین واشاعت کے مختلف مراحل میں کام کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

محترم سید عبدالحیٔ صاحب ناظر اشاعت کی راہنمائی بھی ہمارے لئے بہت سہولت کا موجب ہوئی ادارہ ان کا بھی بے حد شکر گزار ہے۔فجزاہ اللہ خیر الجزاء

اللہ تعالیٰ فضل عمر فاؤنڈیشن کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن رنگ میں بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

والسلام

خاکسار

ناصر احمد شمس

سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے عقلمند اور مدبر ہو اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔ جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو ہرگز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے ۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یاد رکھو اس کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اٹھنا ، بیٹھنا ، کھڑا ہونا اور چلنا ، تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو ۔'' (المصلح الموعود)

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۷۷ ۳)

''اے دوستو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ سب برکتیں خلافت میں ہیں ۔ نبوت ایک بیج ہوتی ہے جس کے بعد خلافت اس کی تاثیر کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے ۔ تم خلافتِ حقہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کی برکات سے دنیا کو متمتع کرو تا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تم کو اس دنیا میں بھی اونچا کرے اور اس جہاں میں بھی اونچا کرے ۔ تا مرگ اپنے وعدوں کو پورا کرتے رہو اور میری اولاد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو بھی ان کے خاندان کے عہد یاد دلاتے رہو ۔ احمدیت کے مبلغ اسلام کے سچے سپاہی ثابت ہوں اور اس دنیا میں خدائے قدوس کے کارندے بنیں ۔'' (المصلح الموعود)

(الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۹ء)

فہرست عناوین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　　نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خلافت رحمت خداوندی

(تحریر فرمودہ ۲۳؍جنوری ۱۹۲۲ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نائیجیریا جانے والے دوسرے احمدی مبلغ حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو ۲۳ جنوری ۱۹۲۲ء بعد از نماز فجر مسجد مبارک میں چند ہدایات لکھ کر دیں ان میں سے ایک حصہ یہ تھا کہ خلافت رحمت خداوندی ہے حضرت مصلح موعود تحریر فرماتے ہیں۔

''خلافت کا سلسلہ ایک رحمت ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی رحمت کی ناشکری کرنی دُکھ میں ڈالتی ہے۔ انسان خواہ کس قدر بھی ترقی کر جائے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ پس خلافت سے مسلمان کسی وقت بھی مستغنی نہیں ہو سکتے نہ اب نہ آئندہ کسی زمانہ میں۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی برکات اس سے متعلق اور وابستہ ہیں اور اس سے جو خلافت سے دور ہو جاتا ہے، دور ہو جاتا ہے اللہ اس سے۔ جو اس سے تعلق کرتا ہے، اپنا تعلق مضبوط کرتا ہے۔''

حضور نے مزید تحریر فرمایا:۔

''اطاعت ایک اعلیٰ جوہر ہے اسے پیدا کرنے کی کوشش کرو اور جو آپ کا افسر ہو اس کی اطاعت کرو اور اپنے نفس کو اپنے پر غالب مت آنے دو۔ اگر کسی بات پر اعتراض ہو تو اس سے خلیفہ وقت کو اطلاع دو۔ خود ہی اس پر فیصلہ نہ دو کیونکہ تفرقہ طاقت کو توڑ دیتا ہے اور یہی کھڑکی ہے جس میں سے آدم کا دشمن اس کے گھر میں داخل ہوا کرتا ہے اور اس کو اس کے عزیزوں سمیت جنت میں سے خارج کر دیا کرتا ہے۔

ہمیشہ خلیفۂ وقت سے تعلق کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہو اور خط و کتابت میں کبھی سستی نہ کرو۔ وہ لوگ جن کو آپ کے ذریعہ سے ہدایت ہو ان کو بھی ان سب نصائح پر عمل کرنے کی تحریک کرو جو اوپر بیان ہوئیں یا بعد میں آپ تک پہنچتی رہیں۔

دینی لٹریچر سے آگاہ رہنے کی ہمیشہ کوشش کرو قرآن کریم کے متعلق تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو مومن کی جان ہے۔ مگر حدیث اور کتب مسیح موعود کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان سے غافل نہ ہو۔ کوئی نہ کوئی اخبار قادیان کا جس میں مرکز اور سلسلہ کے حالات ہوں ضرور زیر مطالعہ رہنا چاہیے کہ یہ ایمان کو تازہ کرتا ہے اور اس کی تاکید وہاں کے لوگوں کو بھی کریں جنہیں آپ تبلیغ کر رہے ہوں اور پھر خلفاء کے اعلانات اور ان کی کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی مرضی کو ظاہر کرتا ہے اور انسان کے لئے ان کا کلام بھی بمنزلہ دودھ کے ہوتا ہے''۔

(الفضل ۳۰؍جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۴)

امریکہ جانے والے مبلغ
حضرت ماسٹرمحمد دین صاحب بی اے کو ہدایات

''زندگی کا اعتبار نہیں اس امر کو خوب یاد رکھیں کہ ہم آدمیوں کے پرستار نہیں خدا کے بندے ہیں۔ جوشخص بھی اور جب بھی مسند خلافت پر بیٹھے اُس کی فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائیں اور یہی روح اپنے زیر اثر لوگوں میں پیدا کریں۔ اسلام تفرقوں سے تباہ ہوا اور اب بھی سب سے بڑا دشمن یہی ہے۔ کاش! انسان اس دل کو نکال کر پھینک دیتا جو اسے نفسانیت کی وجہ سے سلسلہ کے مفاد کو قربان کرنے کی تحریک کرتا ہے گو بعض دفعہ نیکی کے رنگ میں بھی یہ تحریک ہوتی ہے کہ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَلَيْسَ مِنَّا۔''[1]

(الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۲۳ء)

---

[1] مسلم کتاب الامارة باب وجوب ملازمة المسلمین

روحانی خلافت سیاست سے بالاتر ہوگی

۱۹۲۴ء میں لندن میں ویمبلے نمائش منعقد ہوئی جس کے پروگرام میں ایک مذہبی کانفرنس کا انعقاد بھی شامل تھا۔ دنیا کے چوٹی کے علماء کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں۔ حضرت مصلح موعود کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ آپ نے ۲۴ رمئی تا ۶ رجون ۱۹۲۴ء دو ہفتے کے دَوران ایک ضخیم کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں تمدن کی دوسری قسم یعنی حکومت اور رعایا، امیر اور غریب کے متعلق احکام بیان فرماتے ہوئے خلافت کے بارے میں فرمایا:۔

''چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خداتعالیٰ نے صرف روحانی خلافت دے کر بھیجا تھا اس لئے آئندہ جہاں تک ہو سکے آپ کی خلافت اُس وقت بھی جب کہ بادشاہتیں اس مذہب میں داخل ہوں گی سیاسیات سے بالا رہنا چاہتی ہے۔ وہ لیگ آف نیشنز کا اصلی کام سرانجام دے گی اور مختلف ممالک کے نمائندوں سے مل کر ملکی تعلقات کو درست رکھنے کی کوشش کرے گی اور خود مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور علمی ترقی اور اصلاح کی طرف متوجہ رہے گی تا کہ پچھلے زمانہ کی طرح اس کی توجہ کو سیاست ہی اپنی طرف کھینچ نہ لے اور دین و اخلاق کے اہم امور بالکل نظرانداز نہ ہو جائیں۔

جب میں نے کہا جہاں تک ہو سکے تو میرا یہ مطلب ہے کہ اگر عارضی طور پر کسی مُلک کے لوگ کسی مشکل کے رفع کرنے کے لیے استمداد کریں تو ان کے مُلک کا انتظام نیابتاً خلافت روحانی کرا سکتی ہے مگر ایسے انتظام کو کم سے کم عرصہ تک محدود رکھا جانا ضروری ہوگا''۔

(انوارالعلوم جلد ۸ صفحہ ۲۹۵)

خلیفہ کا مرکز میں رہنا ضروری ہے

۱۹۲۴ء میں انگلستان میں ویمبلے کے مقام پر منعقد ہونے والی مذہبی کانفرنس کے منتظمین نے حضرت مصلح موعود کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ آپ نے بعد از مشورہ یہ دعوت قبول فرمائی۔ انگلستان جانے سے پہلے ''امام جماعت احمدیہ کا عزمِ یورپ'' کے عنوان سے حضور کی ایک تحریر جون ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی جس میں آپ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ خلیفہ کا مرکز میں رہنا ضروری ہے۔فرمایا:۔

''اس کے بعد میں احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ بعض احباب نے اپنے مشورہ کی بناء اس امر پر رکھی ہے کہ مذہبی کانفرنس نے چونکہ بُلایا ہے اس لئے وہاں ضرور جانا چاہیے اور یہ خیال کیا ہے کہ گویا اس سفر کے ساتھ ہی یورپ فتح ہو جائے گا اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک اس امر پر اور اس امید پر مشورہ دینا درست نہ تھا۔ میں نے پہلے بھی بارہا بیان کیا ہے کہ خلیفہ دورہ کرنے والا واعظ نہیں کہ وہ جس جگہ لیکچر دینے کی ضرورت ہو وہاں جائے۔ وہ ایک سپاہی نہیں کہ لڑنے کے لئے جائے بلکہ ایک کمانڈر ہے جس نے سپاہیوں کو لڑوانا ہے۔ کسی مذہبی کانفرنس کی درخواست پر اس کا باہر جانا یا محض لیکچر دینے کے لئے اس کا مرکز سے نکلنا درست نہیں۔ یہی طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا اور یہی آپ سے پہلے اُمت محمدیہ کے خلفاء کا رہا ہے۔ پس میں طبعًا اس خیال کے مخالف ہوں کہ کسی مذہبی کانفرنس کے بُلاوے پر مرکز کو چھوڑوں۔ ایک دوست نے خوب لکھا ہے کہ اگر اگلے سال اس سے بڑی مذہبی کانفرنس ہوگئی تو پھر کیا ہم اپنے خلیفہ سے درخواست کریں گے کہ وہ اب وہاں جائے۔ یہ بات بالکل درست ہے مذہبی کانفرنسیں تو ہر سال ہوسکتی ہیں اور لوگوں کی توجہ اگر مذہب کی طرف پھر

جائے تو بہت بڑے بڑے پیمانوں پر ہوسکتی ہیں مگر ان کی وجہ سے خلیفۂ وقت اپنے مرکز کو نہیں چھوڑ سکتا ورنہ اس کے لئے مرکز میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک مشہور جرمن مدبر فلاسفر کا یہ قول مجھے نہایت پسند ہے اور بہت ہی سچا معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کے افسروں کو بالکل کام سے الگ اور فارغ رہنا چاہیے تا کہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ کام کرنے والے فارغ نہیں ہیں۔ اگر وہ خود کام میں لگ جائیں گے تو دوسرے کام کرنے والوں کی نگرانی نہیں کرسکیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرکزی کارکنوں کو صرف نگرانی کا کام کرنا چاہیے جزئی کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ یہ بات اَور محکموں کے متعلق بھی درست ہوتی ہے مگر خلافت کے متعلق تو بہت ہی درست ہے۔ میں اپنے تجربہ کی بناء پر جانتا ہوں کہ خلافت ایک مردم کش عہدہ ہے۔ اس کا کام اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل اس کے ساتھ نہ ہو تو یقیناً ایک قلیل عرصہ میں اس عہدہ پر متمکن انسان ہلاک ہو جائے مگر چونکہ خدا تعالیٰ اس عہدہ کا نگران ہے وہ اپنے فضل سے کام چلا دیتا ہے۔

غرضیکہ وعظوں اور لیکچروں کے لئے باہر جانا خواہ وہ کسی عظیم الشان مذہبی کانفرنس کی دعوت ہی پر کیوں نہ ہو خلفاء کے کام کے خلاف بلکہ مشکلات پیدا کرنے کا موجب ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آئندہ امریکہ جاپان وغیرہ ممالک میں مذہبی کانفرنسیں ہوں اور وہاں کے لوگ دعوت دیں۔ اگر وہاں بھی جاویں تو ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اگر نہ جاویں تو قومی تعصب کی وجہ سے ان مُلکوں کے لوگ اس کو اپنی ہتک خیال کریں گے اور تبلیغ سلسلہ میں رُکاوٹ پیدا ہوگی۔ مغربی ممالک کے لوگ قومی عزت کا اس قدر احساس رکھتے ہیں کہ جن امور کو ہم لوگ بالکل معمولی خیال کرتے ہیں وہ اسے اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھ بیٹھتے ہیں۔ پس میں مذہبی کانفرنس کی دعوت کے جواب میں جانے کے مخالف ہوں اور اس امر میں جو لوگ نہ جانے کا مشورہ دیتے ہیں اُن سے متفق ہوں''۔

(انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۸۱، ۳۸۲)

مسلمان صرف روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر جمع ہو سکتے ہیں

حضرت مصلح موعود نے سفر انگلستان ۱۹۲۴ء کے دوران ۱۵/ اگست کو جہاز سے احبابِ جماعت کے نام تیسرا خط تحریر فرمایا اس میں مصر، فلسطین اور شام کے جو حالات حضور کو ملاحظہ کرنے کا موقع ملا بیان کر کے ان کا حیرت انگیز تجزیہ کیا۔ جامعہ ازہر کی خلافت کمیٹی سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''آج اگر ایک ہاتھ پر مسلمان جمع ہو سکتے ہیں تو صرف روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر کیونکہ اس کے ہاتھ پر جمع ہونے سے کوئی حکومت مانع نہیں ہوگی یا کم از کم اس کو منع کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر منع کرے گی تو سب دنیا میں ظالم کہلائے گی۔ سیاسی معاملات کا حال بالکل الگ ہے۔ کوئی حکومت اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی اور ہر حکومت حق بجانب ہوگی اگر وہ اجازت نہ دے کہ اس کی رعایا کسی دوسرے شخص کی سیاسی امور میں فرمانبرداری کرنے کا عہد کرے درآنحالیکہ وہ شخص جس کے ہاتھ پر اس کی رعایا مجتمع ہو اس کے قبضہ سے باہر اور اس کے تصرف سے الگ ہو''۔ (انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۴۴۳)

کیا خلیفہ سے اختلاف ہوسکتا ہے؟

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۲۵ء کو قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنی تقریر میں چند متفرق امور جو جماعت کی اصلاح اور ترقی کے لئے ضروری تھے بیان فرمائے۔ یہ تقریر منہاج الطالبین کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضور ''خلیفہ کے ساتھ اختلاف ہوسکتا ہے یا نہیں'' کے مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''ایک اور خیال مجھے بتایا گیا ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ سے چونکہ اختلاف جائز ہے اس لئے ہمیں ان سے فلاں فلاں بات میں اختلاف ہے۔ میں نے ہی پہلے اس بات کو پیش کیا تھا اور میں اب بھی پیش کرتا ہوں کہ خلیفہ سے اختلاف جائز ہے مگر ہر بات کا ایک مفہوم ہوتا ہے۔ اس سے بڑھنا دانائی اور عقلمندی کی علامت نہیں ہے۔ دیکھو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر کی ہر رائے درست ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر بیسیوں دفعہ غلطی کرتے ہیں مگر باوجود اس کے کوئی یہ نہیں کہتا کہ چونکہ ڈاکٹر کی رائے بھی غلط ہوتی ہے اس لئے ہم اپنا نسخہ آپ تجویز کریں گے، کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر نے ڈاکٹری کا کام باقاعدہ طور پر سیکھا ہے اور اس کی رائے ہم سے اعلیٰ ہے۔ اسی طرح وکیل بیسیوں دفعہ غلطی کر جاتے ہیں مگر مقدمات میں انہی کی رائے کو وقعت دی جاتی ہے اور جو شخص کوئی کام زیادہ جانتا ہے اس میں اس کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ پس اختلاف کی بھی کوئی حد بندی ہونی چاہیے۔ ایک شخص جو خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اُسے سمجھنا چاہیے کہ خلفاء خدا مقرر کرتا ہے اور خلیفہ کا کام دن رات لوگوں کی راہنمائی اور دینی مسائل میں غور و فکر ہوتا ہے۔ اس کی رائے کا دینی مسائل میں احترام ضروری ہے اور اس کی رائے سے اختلاف اُسی وقت جائز ہوسکتا ہے جب اختلاف کرنے والے کو ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہو جائے کہ جو بات

وہ کہتا ہے وہی درست ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ پہلے وہ اس اختلاف کو خلیفہ کے سامنے پیش کرے اور بتائے کہ فلاں بات کے متعلق مجھے یہ شبہ ہے اور خلیفہ سے وہ شبہ دُور کرائے۔ جس طرح ڈاکٹر کو بھی مریض کہہ دیا کرتا ہے کہ مجھے یہ تکلیف ہے آپ بیماری کے متعلق مزید غور کریں۔ پس اختلاف کرنے والے کا فرض ہے کہ جس بات میں اُسے اختلاف ہوا ُسے خلیفہ کے سامنے پیش کرے نہ کہ خود ہی اس کی اشاعت شروع کردے۔ ورنہ اگر یہ بات جائز قرار دے دی جائے کہ جو بات کسی کے دل میں آئے وہی بیان کرنی شروع کردے تو پھر اسلام کا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ ہر شخص میں صحیح فیصلہ کی طاقت نہیں ہوتی۔ ورنہ قرآن شریف میں یہ نہ آتا کہ جب امن یا خوف کی کوئی بات سنو تو اُولِی الْاَمْرِ کے پاس لے جاؤ۔ کیا اُولِی الْاَمْرِ غلطی نہیں کرتے؟ کرتے ہیں مگر ان کی رائے کو احترام بخشا گیا ہے اور جب ان کی رائے کا احترام کیا گیا ہے تو خلفاء کی رائے کا احترام کیوں نہ ہو۔ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ ہر بات کے متعلق صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص تقویٰ کے لئے سَو بیویاں بھی کرے تو اس کے لئے جائز ہیں۔ ایک شخص نے یہ بات سن کر دوسرے لوگوں میں آکر بیان کیا کہ اب چار بیویاں کرنے کی حد نہ رہی سَو تک انسان کرسکتا ہے اور یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرما دی ہے۔ آپ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میری تو اِس سے یہ مراد تھی کہ اگر کسی کی بیویاں مرتی جائیں تو خواہ اُس کی عمر کوئی ہو تقویٰ کے لئے شادیاں کرسکتا ہے۔

پس ہر شخص ہر بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا اور جماعت کے اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اگر کسی کو کسی بات میں اختلاف ہو تو اُسے خلیفہ کے سامنے پیش کرے۔ اگر کوئی شخص اس طرح نہیں کرتا اور اختلاف کو اپنے دل میں جگہ دے کر عام لوگوں میں پھیلاتا ہے تو وہ بغاوت کرتا ہے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے‘‘۔

(انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳)

خلیفہ کا ادب اور مقام

جلسہ سالانہ ۱۹۲۶ء کے دوسرے دن ۲۷؍دسمبر کی تقریر میں دیگر متفرق امور کے علاوہ احبابِ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے خلیفہ کے ساتھ ادب اور تقویٰ سے معاملات کرنے کے بارہ میں حضرت مصلح موعود نے فرمایا:۔

''اسی طرح یہاں جب ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ خلیفہ قائم کرتا ہے وہ اگر اموال تلف کرتا ہے یا تلف کرنے دیتا ہے تو وہ خود خدا کے حضور جوابدہ ہے تم اس پر اعتراض نہیں کرسکتے لیکن اگر بہترین نتائج پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے تو پھر معترض شخص خطرہ میں ہے۔

تقویٰ اور ادب سیکھو

آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ تم نے اقرار کیا ہے کہ تم ہر چیز کو میرے حکم پر قربان کردو گے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس اقرار کا پورے طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔ اقرار تو یہ تھا کہ جو کچھ میں کہوں وہ تم کرو گے لیکن عمل یہ ہے کہ چند پیسوں پر ابتلاء آ جاتا ہے۔ یہ تمام وسوسے تقویٰ کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے میں تقویٰ کے حصول کے لئے اور اس میں ترقی کے لئے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ خواہ آپ میں سے بعض مجھ سے عمر میں بڑے ہوں لیکن ایک بات آپ میں سے کسی میں نہیں۔ وہ یہ کہ میں خدا کا قائم کردہ خلیفہ ہوں۔ میری تمام زندگی میں لوگ میری بیعت کریں گے۔ میں کسی کی خدا کے قانون کے مطابق بیعت نہیں کرسکتا اور یہ عہدہ میری موجودگی میں تم میں سے کسی کو نہیں مل سکتا۔ نبوت کے بعد سب سے بڑا عہدہ یہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ ہم کوشش کرتے ہیں تا گورنمنٹ آپ کو کوئی خطاب دے۔ میں نے کہا یہ خطاب تو ایک معمولی بات ہے۔ میں شہنشاہِ عالَم کے عہدہ

کو بھی خلافت کے مقابلہ میں ادنیٰ سمجھتا ہوں۔ پس میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے معاملات میں ایسا رنگ اختیار کریں جس میں تقویٰ اور ادب ہو۔ اور میں کبھی یہ بھی نہیں پسند کر سکتا کہ وہ ہمارے دوست جن کو اعتراض پیدا ہوتے ہیں ضائع ہوں کیونکہ خلافت کے عہدہ کے لحاظ سے بڑی عمر کے لوگ بھی میرے لئے بچہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی باپ نہیں چاہتا کہ اس کا ایک بیٹا بھی ضائع ہو۔ میں تو ہمیشہ یہی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر ابتلاء سے ہمیشہ دوستوں کو محفوظ رکھے''۔

(انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۴۲۵، ۴۲۶)

خلافت اور مرکز سے مضبوط تعلق رکھیں

۲۰؍مئی ۱۹۲۸ء کو امریکہ اور ماریشس کے مبلغین کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خلافت اور مرکز سے تعلق پیدا کرنے کے بارہ میں فرمایا:۔

''روحانی امور میں ایک نظام پر سارا کام چلتا ہے جسمانیات میں نیچے سے اوپر کی طرف ترقی ہوتی ہے لیکن روحانیات میں اوپر سے نیچے کی طرف فیض پہنچتا ہے۔ اس لئے روحانیت میں نظام بہت بڑا تعلق رکھتا ہے۔ پس کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں کا مرکز اور خلافت سے تعلق مضبوط ہو۔ ان کو یاد دلاتے رہنا چاہیے کہ مرکز میں خط لکھیں سلسلہ کی طرف سے جو تحریکیں ہوں، وہ سنائی جائیں، خطبات پڑھائے جائیں، مذہبی طور پر خلافت کے نظام کی اہمیت بتائی جائے اور بتایا جائے کہ خلافت مذہبی نظام کا جز ہے''۔

(الفضل ۲۹ مئی ۱۹۲۸ء)

خلیفہ سے تعلق ارادت

۱۱؍ستمبر ۱۹۲۸ء تعلیم الاسلام ہائی سکول اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی طرف سے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے باغ میں ملک غلام فرید صاحب ایم اے کے اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی اور ایڈریس پیش کیا گیا اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جو تقریر فرمائی اس میں خلیفہ کے ساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''سو کبھی اخلاق کی درستی، کارکنوں میں توازن قائم رکھنے اور دیگر کئی ایک وجوہ کے باعث کام لینے والے کو جذبات کو دبانا پڑتا ہے لیکن یہ دبانے سے اور بھی تیز ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو دین کا کوئی بھی کام کرتا ہے گو وہ اپنا فرض ہی ادا کرتا ہے لیکن خلیفہ پر احسان بھی کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری خلیفہ پر ہے اور میں اس احسان کو اچھی طرح محسوس کرتا ہوں۔

ایک اور بات بھی ہے خلیفہ کے تعلقات جماعت سے باپ بیٹے کے ہوتے ہیں۔ اس لئے جہاں اسے مختلف موقعوں پر جذبات کو دبانا پڑتا ہے وہاں دوسروں کا فرض ہے کہ انہیں ظاہر کریں۔ خلیفہ نے چونکہ بہتوں سے کام لینا ہوتا ہے اس لئے اسے جذبات تو دبانے پڑتے ہیں لیکن دوسروں کو ضرور ظاہر کرنے چاہئیں کیونکہ جذبات کے اظہار سے ظاہر کرنے والوں کی حقیقت اور میلانِ طبعی کا پتہ چلتا ہے اور اگر ہر کوئی اپنے جذبات کو دبائے ہی رکھے تو پھر کام لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن ظاہر کرنے کے بعد کام لینے والے کے دل میں جو بھی خدا تعالیٰ ڈالے وہ اس کے مطابق کام لے سکتا ہے۔ پس دوسروں کو اپنے جذبات دبانے نہیں چاہئیں کیونکہ جذبات کا دبانا بعض اوقات ٹھوکر کا موجب بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص خادم تھے۔ وہ حضور کی مجالس میں نہیں آتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ حضور کے رُعب کے باعث جانے کی جرأت نہیں

ہوتی۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا یہ بھی شیطانی وسوسہ ہے۔ حضرت ابوبکر اور دیگر اکابر صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجالس میں آتے تھے۔ ہماری مجلس میں کسی کا نہ آنا سخت غلطی ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ جذبات کو دبانا نہیں چاہیے۔

پیر مرید کا تعلق دراصل جذبات کا ہی تعلق ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]۔ یہ بھی دراصل جذبات کا ہی اظہار ہے۔ یہاں اتباع فرمایا۔ جس کے معنی ہیں پیچھے چلنا۔ یہاں حکم ماننا یا اطاعت کرنا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ جیسے بچہ اپنی ماں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اسی طرح تم رسول کے پیچھے پیچھے اگر چلو گے تو خدا تعالیٰ تم سے اس کے نتیجہ میں محبت کرے گا اور پیچھے چلنا محض جذبات کا تعلق ہے اور خلیفہ بھی رسول کا ظل ہوتا ہے اس لئے وہ بھی جذبات سے ہی تعلق رکھنے والی چیز ہے۔

ایڈریس کے متعلق جو اس وقت پیش کیا گیا ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ اس میں عام ایڈریسوں سے جو ایسے موقعوں پر پیش کئے جاتے ہیں ایک قدم آگے اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی اس میں محبت آمیز جرح بھی تھی۔ میرے نزدیک اپنے خیالات کو اس حد تک بیان کرنا کہ محبت اور ادب و احترام کا پہلو مدنظر رہے ایک خوشنما پہلو ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ آپ آئے اور بہت خوشی ہوئی اس میں کوئی زیادہ لذت نہیں ہوتی بلکہ اس میں تکلّف پایا جاتا ہے پس ایڈریس کے طریق بیان پر بھی میں اظہارِ خوشنودی کرتا ہوں''۔ (الفضل ۵۔اکتوبر ۱۹۲۸ء)

---

[1] آل عمران: ۳۲

امارت کا خلافت کے ماتحت نظام اور خلافت سے وابستگی

۱۹۳۰ء میں جماعت احمدیہ صوبہ بنگال کے عہدیداروں میں اختلاف کی وجہ سے جماعتی کام میں نقص پیدا ہونے لگا۔ اس پر حضور نے صوبہ کے آئندہ نظام کے بارہ میں احباب جماعت بنگال سے مشورہ طلب کیا۔ حصولِ مشورہ کے بعد آپ نے ایک مضمون تحریر فرمایا کہ امارت کا نظامِ خلافت کے ماتحت بہترین نظام ہے جسے اگر صحیح چلایا جائے تو تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ابتداءً یہ مضمون حضور نے ۱۳؍ دسمبر ۱۹۳۰ء کو تحریر فرمایا جو ''امیر جماعت اور منصب امارت کی حقیقت'' کے نام سے شائع ہوا اس میں خلافت سے وابستگی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''دوسری طرف آپ کی تحریرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس جماعت کی ترقی خلافت سے وابستگی کے ساتھ مشروط رکھتے ہیں۔ خلیفہ کو واجب الاطاعت قرار دیتے ہیں اور اس کے وجود کو خدا تعالیٰ کے فضل کا نشان اور ذریعہ فرماتے ہیں جس کے فقدان کے ساتھ سلسلہ کی برکات بھی ختم ہو جائیں گی اور اس سے بغاوت کو شقاوت اور طغیانی قرار دیتے ہیں۔

خلافت کے لئے مشورہ کی ضرورت

تیسری طرف اسلام سے یہ امر باوضاحت ثابت ہے کہ کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں چل سکتی اور یہ کہ جہاں تک ہو خلیفہ کو کثرتِ رائے کا احترام کرنا چاہیے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کثرتِ رائے میں پائے یا اسلام کو کوئی واضح نقصان پہنچتا دیکھے یا مشورہ کو جماعت کی کثرتِ رائے کا آئینہ نہ سمجھے وغیرہ وغیرہ۔

مجلس عاملہ کی حیثیت

ان تینوں امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خلیفہ کو سب کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرنے چاہئیں بلکہ ایک مجلس عاملہ کے ذریعہ سے کرنے چاہئیں تا کہ اس کی رائے میں کوئی خاص تعصب نہ پیدا ہو جائے۔ وہ مجلس عاملہ اپنے دائرہ عمل میں سب دنیا کی جماعتوں کیلئے واجب الاطاعت ہونی چاہیے۔خلیفہ کو جماعت سے مشورہ لے کر اپنی پالیسی کو طے کرنا چاہیے اور اس مشورہ کا انتہائی حد تک لحاظ کرنا چاہیے اور اس سے یہ امر خود بخود نکل آیا کہ جب جماعت کے مشورہ سے کوئی امور طے ہوں تو مجلس عاملہ اس کی پابند ہو۔

بہترین نظام

جب قادیان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجلس عاملہ کا مرکز قرار دیا تو بدرجہ اَوْلیٰ خلیفہ اور مجلس شوریٰ کیلئے اس مرکز کی پابندی ضروری ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہتر نظام کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نظام میں بغیر کسی حصۂ ملک کو تکلیف میں ڈالنے کے ترقی کی بے انتہاء گنجائش ہے اور باوجود مختلف صوبہ جات کی مخصوص ضرورتوں کو پورا کرنے کے قومیت کے تنگ بندھنوں سے نکالنے کی بھی پوری صورت موجود ہے۔

خلیفہ کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ کس مُلک کا باشندہ ہو۔ انجمن عاملہ کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ کس مُلک کے باشندوں سے چنی جائے۔مجلس شوریٰ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے لازماً سب دنیا کی طرف سے چنی جانی چاہیے اور چونکہ بیشتر حصہ اصولی تجاویز کا ایسی مجلس کے ہاتھوں سے گزرنا ہے اس وجہ سے ہر مُلک اور قوم کے افراد کو سلسلہ کے کام میں اپنی رائے دینے کا موقع ہوگا اور یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ مسیحی پاپائیت کی طرح کسی خاص قوم کے ہاتھ میں سلسلہ کا کام چلا جائے گا۔ کیونکہ رومن کیتھولک نظام میں مجلس شوریٰ پوپ کے مقرر کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے لیکن اسلامی مجلس شوریٰ میں سب مسلمانوں کو نمائندگی کا کافی موقع ملتا ہے۔ پس اس نظام کے ذریعہ سے ہر مُلک کو یکساں نمائندگی سلسلہ کے کام میں حاصل ہونے کے لئے راستہ کھلا ہے اور اس کے ماتحت سب دنیا کو ایک نقطہ پر جمع کیا جانا ممکن ہے اور یہی مقصد اسلام کا ہے جو قومیت کے تنگ دائرہ سے دنیا کو نکالنا چاہتا ہے''۔

(انوار العلوم جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۷ تا ۲۳۹)

خلفاء کی اقسام

حضور نے ۲۷؍دسمبر ۱۹۳۰ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر خواتین سے خطاب میں خلفاء کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''دنیا میں خلیفہ دوقسم کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جنہیں انسان بناتا ہے دوسرے جنہیں خدا الہام کے ذریعہ بناتا ہے۔الہام کی بناء پر ہونے والے خلیفہ کو نبی کہتے ہیں جوملہم خلیفے ہوتے ہیں ان کے آنے پر دنیا میں فساد برپا ہوجاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود فسادی ہوتے ہیں بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبائع ناموافق ہوتی ہیں۔اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیدائش کے واقعہ کے متعلق فرمایا کہ اُس وقت فرشتوں نے بھی یہی کہا کہ آپ دنیا میں ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد کرے۔یعنی فرشتوں نے سوال کیا کہ آپ کی غرض تو اصلاح معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ فساد کا موجب ہے۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ میں خلیفہ اس لئے بناتا ہوں کہ تا اچھے اور خراب علیحدہ کئے جائیں''۔ (انوارالعلوم جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۷)

انتخابِ خلافت کی مشکل گھڑی

۱۹۳۰ء میں جب حضور کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو حضور نے جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۷؍دسمبر ۱۹۳۰ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''بہت سے خطوط مجھے ایسے آئے جن میں جماعت کے معزز افراد نے لکھا ہے کہ اس خبر کے سنتے ہی اُنہوں نے ارادہ کرلیا کہ ''ملازمتیں چھوڑ کر بقیہ عمر دین کی خدمت میں صرف کریں گے اور اسلام کی اشاعت میں لگ جائیں گے''۔

''جہاں خدا تعالیٰ نے جماعت کو اخلاص کے اظہار کا موقع دیا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ انسان آخر انسان ہی ہے خواہ وہ کوئی ہو جب ایسا وقت آئے تو انتخاب خلافت کس طرح کرنا ہے''۔

انتخاب خلافت کے متعلق جماعت کو ہدایت

''اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں خدا تعالیٰ نے اس طرح جماعت کو اخلاص کے اظہار کا موقع دیا، مخلصین کے اخلاص کو انتہا تک پہنچا دیا اور کثیر حصہ کو دشمنوں کی شرارت سے محفوظ رکھا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ انسان آخر انسان ہی ہے خواہ وہ کوئی ہو آخر ایک نہ ایک دن اسے اپنے مخلصین سے جدا ہونا ہے اس بات کا احساس خدا تعالیٰ نے جماعت کو کرا دیا۔ جماعت کے لحاظ سے اس سے ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے اور وہ یہ کہ انسان مرتے ہیں، رسول اور خلفاء فوت ہوتے ہیں، تمام انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے، آپ کے خلفاء بھی فوت ہو گئے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی انتقال ہوگیا۔ ایک وقت تک لوگوں کو ایک ہی کی امید تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی بھی موت ثابت کر دی۔ غرض موت ہر ایک کے لئے مقدر ہے۔ مگر یاد رکھو دشمن اب بھی

زندہ ہے وہ مرانہیں صرف ڈرا ہے۔ اس صورت میں تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ سے جماعت کو جو تعلق ہے وہ جماعت ہی کی بہتری اور بھلائی کا موجب ہے اور جو بھی خلیفہ ہو اس سے تعلق ضروری ہے۔ پس اسلام اور احمدیت کی امانت کی حفاظت سب سے مقدم ہے اور جماعت کو تیار رہنا چاہیے کہ جب کبھی بھی خلفاء کی وفات ہو اُس وقت جو اسلام کی بہترین خدمت وہ کر سکتی ہے وہ یہی ہے کہ صحیح ترین انسان کو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے اور اُس سے الہام پانے کے بعد جماعت کی راہنمائی کے لئے منتخب کیا جائے اور ساری جماعت اِس پر متفق ہو جائے۔ انتخابِ خلافت سے بڑی آزمائش مسلمانوں کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے باریک دھار پر چلنا جس سے ذرا قدم لڑکھڑانے سے انسان دوزخ میں جا گرتا ہے۔ اور ذرا سی احتیاط سے جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ ذمہ داری اس لئے بھی نہایت نازک ہے کہ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا الہام قلوب میں نازل ہوتا ہے۔ الفاظ میں نازل نہیں ہوتا۔ الفاظ میں جو الہام ہو اُسے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے لیکن قلوب میں نازل ہونے والے الہام کے متعلق ہوسکتا ہے کہ جو کچھ خیال کیا جائے وہ اصل الہام نہ ہو۔

خلافت خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ جب تک لوگ اس کے پانے کے قابل رہتے ہیں یہ انہیں حاصل رہتا ہے لیکن جب وہ اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں رکھتے تو چھین لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ [1] کہ یہ مومنوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے انعام ہے۔ اگر لوگ مومن ہونگے اور عمل صالح کریں گے تو یہ انعام ملے گا ورنہ چھن جائے گا۔ پس ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جسے خلافت کے لئے منتخب کیا جائے اُس کا انتخاب صحیح الہام کے ماتحت نہ ہو بلکہ اپنی نفسی حالت کے ماتحت ہوا ور وہ جماعت کو غلط راستہ پر لے جائے۔

پس یاد رکھو کہ انتخابِ خلافت سے بڑھ کر مشکل اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ باقی جس قدر ذمہ داریاں ہیں ان کے متعلق ضروری ہدایات الفاظ میں موجود ہیں لیکن اس کے لئے

الفاظ میں کوئی ہدایت نہیں ہے۔اس کی مثال وائرلیس کے آلہ کی سی ہے اگر اس کی تاریں ٹھیک ہوں تو صحیح پیغام سنا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

پس جماعت کو اس کے متعلق اپنی ذمہ داری پہچاننی چاہیے اور نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ یہ روایت چھوڑ جانی چاہیے کہ ایک موقع جماعت پر ایسا آتا ہے جب کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بہترین انسان پر متفق ہو جانا چاہیے''۔(غیر مطبوعہ مواد)

غیر مبائعین کی کذب بیانی

اس کے بعد حضور نے غیر مبائعین کے فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ لوگ جھوٹ اور غلط بیانی میں کس طرح حد سے گزر چکے ہیں اور اس بات پر اظہارِ تعجب و افسوس فرمایا کہ ایسے ایسے جھوٹ دیکھ کر ان لوگوں کے دل میں کیوں درد نہیں پیدا ہوتا جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تعلیم دی کہ کسی حالت میں خفیف سے خفیف جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہیے۔حضور نے ان لوگوں کے حد سے بڑھے ہوئے جھوٹ کی مثال میں ۳۰ ستمبر کے ''پیغام'' کا ایک مضمون پڑھ کر سنایا جس میں لکھا ہے کہ خلیفہ قادیان کو اپنے بعد کی خلافت کی فکر ابھی سے دامن گیر ہے اور اس منصب جلیلہ کے لئے اپنے لختِ جگر میاں ناصر احمد کے نام قرعہ فال نکالا ہے۔اس انتخاب کے بعد ولی عہد خلافت پرنس آف ویلز کی طرح دورہ پر نکلے۔تمام قادیانی جماعتوں کو اپنے دیدار فیض آثار سے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور عطا فرمایا۔ ہدیے، نذرانے اور تحائف وصول کر کے کامیابی سے قادیان واپس تشریف فرما ہوئے۔اس کامیاب دورہ کا اندازہ لگانے کے بعد کہ مریدوں نے میاں ناصر کو سر آنکھوں پر قبول کیا۔اخباروں، پوسٹروں، اشتہاروں اور خطوط وغیرہ کی پیشانیوں کو هُوَالنَّاصِرُ کے فقرہ سے مزین کیا جانے لگا اور یوں ایک رنگ میں اعلان کیا گیا کہ ہونے والا خلیفہ ناصر میاں ہے۔تمام حاضرین نے لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کہتے ہوئے شہادت دی کہ میاں ناصر احمد صاحب نے کوئی دورہ نہیں کیا۔حضور نے وضاحت کے ساتھ پیغام کے اس مضمون کی تردید کی اور بتایا کہ میاں ناصر احمد کو خلافت کے لئے دورہ کرانے کا الزام لگانے والے دیکھیں میں تو وہ ہوں جس نے ۱۹۲۴ء کی مجلس مشاورت میں یہ بات پیش کی تھی کہ کوئی خلیفہ

اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین نہیں مقرر کر سکتا چنانچہ میں نے پیش کیا تھا کہ :۔

’’کوئی خلیفہ اپنے بعد اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو یعنی اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا بہنوئی یا داماد کو یا اپنے باپ یا بیٹوں یا بیٹیوں یا بھائیوں کے اوپر یا نیچے کی طرف کے رشتہ داروں کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکتا۔ نہ کسی خلیفہ کی زندگی میں مجلس شوریٰ اس کے کسی مذکورہ بالا رشتہ دار کو اس کا جانشین مقرر کر سکتی ہے۔ نہ کسی خلیفہ کے لئے جائز ہوگا کہ وہ وضاحتاً یا اشارتاً اپنے کسی ایسے مذکورہ بالا رشتہ دار کی نسبت تحریک کرے کہ اس کو جانشین مقرر کیا جائے۔ اگر کوئی خلیفہ مذکورہ بالا اصول کے خلاف جانشین مقرر کرے تو وہ جائز نہ سمجھا جائے گا اور مجلس شوریٰ کا فرض ہوگا کہ خلیفہ کی وفات پر آزادانہ طور سے خلیفہ حسب قواعد تجویز کرے اور پہلا انتخاب یا نامزدگی چونکہ ناجائز تھی وہ مسترد سمجھی جائے گی‘‘۔

اب دیکھو غیر مبائعین کی طرف سے یہ الزام اس شخص پر لگایا جاتا ہے جس نے خلافت کے متعلق پیش بندیاں پہلے سے ہی کر دی ہیں تا کہ کوئی ایسی کارروائی نہ کر سکے اور اگر کرے تو اسے مسترد کر دیا جائے‘‘۔　(انوار العلوم جلد ۱۱ صفحہ ۵۳۶، ۵۳۷)

۱؎ النور: ۵۶

خلیفہ کا احترام اور مقام

۱۹۳۲ء کے جلسہ سالانہ کے دوسرے دن ۲۷؍دسمبر کو حضور نے حسب معمول متفرق امور کے بارہ میں تقریر فرمائی۔ ابتداءً حضور نے فرمایا کہ عورتوں کی جلسہ گاہ ناکافی ہونے کی وجہ سے بہت دِقت پیش آئی ہے اس لئے منتظمین کو توجہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح کی توجہ طلب مزید کچھ باتوں کی طرف توجہ دلائی اور مقامِ خلافت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ ایک طبقہ ایسا ہے جو سفارش میں خلافت کو بھی کھینچ کر لانا چاہتا ہے۔ یہ بہت گری ہوئی اور نہایت قابلِ نفرت بات ہے۔ خلافت نبوت کی نیابت ہے اور نبوت خدا کی نیابت ہے پس خلیفہ کو ایسی جگہ کھڑا کرنا جہاں اس کی گردن نیچی ہو، بہت بڑی ہتک ہے۔ ہم دُنیوی لحاظ سے بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں مگر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خلیفہ کا درجہ تمام دنیا کے بادشاہوں سے بڑا ہے۔ اگر کوئی یہ نہیں یقین رکھتا تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مسیحیت سے واقف نہیں۔ خلیفہ کے پاس اس لئے آنا کہ ڈپٹی کمشنر یا کسی مجسٹریٹ کو سفارش کرائی جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کی ان حکّام کے سامنے نظر نیچی کرائی جائے اور اگر اس حد تک خلیفہ کی سفارش لے جائیں تو پھر خدا تعالیٰ پر توکّل کہاں رہا۔ جو شخص کسی مجسٹریٹ کے لئے سفارش چاہتا ہے اسے تو میں مجرم سمجھتا ہوں۔ میں نے جب یہ رکھا ہے کہ اپنی جماعت کے کسی قاضی کے متعلق اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے کسی معاملہ میں کسی کی سفارش قبول کی ہے تو میں اسے نکال دوں گا تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی مجسٹریٹ سے خود سفارش کروں۔ بعض دفعہ کر دیتا ہوں مگر وہ اور رنگ کی سفارش ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ مقدمہ کا جلدی تصفیہ کر دیا جائے اس قسم کی سفارش میں نقص نہیں مگر یہ کہ فلاں کے حق میں فیصلہ کیا جائے یہ نہیں ہوسکتا۔ ایک شخص نے تو یہاں تک کہہ دیا

کہ میرا کیس اتنا اہم ہے کہ خلیفہ کوخود گورنر کے پاس جا کر کہنا چاہیے کہ فیصلہ میرے حق میں ہو۔ایک شخص نے کہا ہمارے علاقہ میں تبلیغ کا بڑا موقع نکلا ہے اور وہ یہ کہ مجھے نمبردار بنوا دیا جائے ۔ میں متنبہ کرتا ہوں کہ اس قسم کی سفارشات چاہنا خلافت کی ہتک ہے اور اسے جاری نہیں رہنا چاہیے۔ اِس قسم کے کاموں کے لئے مجھے مت کہا کرو بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہ کہا کرو اور خدا تعالیٰ پر توکّل کرو۔ جب ہمارے آپس کے ایسے تعلقات نہ تھے اُس وقت کون حفاظت کرتا تھا۔ خدا پر ہی توکّل کرو تا کہ کسی مشکل اور مصیبت کے وقت خود خداتمہاری سفارش کرنے والا ہو''۔ (انوارالعلوم جلد۱۲ صفحہ۶۰۴)

خلیفہ کی ذات پر حملہ لعنت الٰہی کا مستحق بناتا ہے

مورخہ ۲۶؍ جون ۱۹۳۷ء کو بمقام بیت اقصیٰ قادیان سیدنا المصلح الموعود نے خطاب فرمایا جس میں میاں فخر الدین صاحب ملتانی کی فتنہ پردازیوں اور جماعت کے خلاف بغض و کینہ کی تفصیلات سے احباب جماعت کو آگاہ فرمایا اور اسے اخراج اور مقاطعہ کی سزا سنائی۔ حضور نے خلافت کی حفاظت اور اس کی عزت اور وقار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے جماعت کو نصیحت فرمائی کہ:۔

"قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ جب رسول یا اس کا خلیفہ فیصلہ کرے تو اسے ٹھیک مان لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ غلط فیصلہ کر دے مگر پھر بھی اسے رغبتِ دل کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سزا دینا چاہے اور اس لئے وہ سچا ہونے کے باوجود مقدمہ میں جھوٹا ثابت ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ آیت صرف آنحضرت ﷺ کیلئے ہے کیونکہ وہ نبی تھے۔ مگر اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ نبی اور خلیفہ میں اس جگہ فرق ہوتا ہے جہاں نبوت کا مخصوص سوال ہو۔ اور مقدمات میں نبوت کے مقام کو کوئی دخل نہیں کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں مقدمات کے فیصلہ کرنے میں غلطی کر سکتا ہوں۔ اگر نبی کے فیصلے منصبِ نبوت کے ماتحت ہوتے تو وہ ان میں کبھی غلطی نہ کر سکتا۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ایک شخص کے حق میں کر دیا تو دوسرے نے کہا کہ میں اس فیصلے کو تو مانتا ہوں مگر یہ ہے غلط۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی لسّان شخص مجھے دھوکا دیکر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کروا لے مگر میرا فیصلہ اسے خدا تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا[1] گویا آپ تسلیم کرتے

ہیں کہ قضاء کے بارہ میں مَیں بھی غلطی کر سکتا ہوں مگر باوجود اس کے قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ شرح صدر سے تیرے فیصلے کو نہیں مانیں گے تو یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ پس اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ کی پوزیشن ایک ہی ہے۔ نظام کے قیام کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ ایک انسان کو ایسا حکم مان لیا جائے کہ جس کے فیصلہ کے آگے کوئی چون و چرا نہ کرے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا خلیفہ بے گناہ ہوتا ہے؟ کیا وہ غلط فیصلہ نہیں کر سکتا ؟ مگر میں کہتا ہوں کہ اے بیوقوفو! کیا مجسٹریٹ بے گناہ ہوتے ہیں؟ کیا وہ غلطی نہیں کر سکتے ؟ پھر یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ رشوت بھی لیتے ہیں، جھوٹے بھی ہوتے ہیں، متعصّب بھی ہوتے ہیں، پکڑے جاتے اور سزا بھی پاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکومتوں نے ان کے فیصلہ پر سخت جرح کرنے کو ہتکِ عدالت قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ تم اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے خلاف اِس قسم کی بات کہو کہ اُس نے رعایت سے کام لیا ہے تو فوراً جیل خانہ میں بھیج دیئے جاؤ۔ مگر کیا خدائی گورنمنٹ کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں کہ جو کچھ منہ میں آئے کہہ دیتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی عَلَی الْاِعْلَان کہہ سکتا ہے کہ مجسٹریٹ نے دیانت داری کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ مگر یہ کہنے میں تمہیں کوئی باک نہیں کہ خلیفہ نے دیانت داری کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور اس کا نام حُریّت و آزادی رکھتے ہو۔ لیکن سرکاری مجسٹریٹ کے فیصلہ کے متعلق یہ بات کہتے وقت حُریّت و آزادی کہاں جاتی ہے۔ اس کے متعلق صرف اس وجہ سے نہیں کہتے کہ گورنمنٹ کی جوتی سر پر ہوتی ہے۔ تم میں بعض لوگ بیٹھے ہیں جو کہتے ہیں کہ کیا چھوٹی سی بات پر جماعت سے نکال دیا مگر سوچو! کیا یہ بات چھوٹی ہے؟ قرآن کریم نے کہا ہے کہ جو کہتا ہے کہ نبی یا اس کے جانشینوں کا فیصلہ غلط ہے وہ مومن ہی نہیں۔ صحابہؓ نے تو اس بات کو اِس قدر اہم قرار دیا ہے کہ ایک دفعہ دو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا فیصلہ کر دیں۔ ان میں سے ایک منافق تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بات سن ہی رہے تھے کہ اُس نے خیال کیا، شاید فیصلہ میرے خلاف ہی نہ کر دیں اس لئے اُس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا لے

جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور دورانِ گفتگو میں حضرت عمرؓ کو اِس بات کا علم ہوا کہ پہلے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے مگر وہاں منافق یہ کہہ کر آیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے ہم فیصلہ کرالیں گے۔اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں گھر گئے اور تلوار لاکر اُس شخص کی گردن اُڑا دی[۲] اُس کے رشتہ دار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر گئے۔ آپؐ نے فرمایا میں یہ ماننے کو تیار نہیں کہ عمر مومنوں کی گردنیں کاٹتا پھرتا ہے۔ مگر آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ بات درست ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ شخص اس طرح آپ کو کہہ کر گیا ہے اس لئے میں نے مار دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمر پر زیادہ اعتبار کرتا ہے اُس کی سزا یہی ہے۔ بیشک حضرت عمرؓ کا یہ فعل درست نہ تھا، ہماری شریعت اِس کی اجازت نہیں دیتی لیکن جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بِحُکْمِ اللّٰہ اُن کے اِس فعل کو ناپسند فرمایا، وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کے اصل کو تسلیم کیا کہ ایسا کہنے والا مومن نہیں کہلا سکتا اور فرمایا۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ[۳] ہم اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ گو قتل کا فعل درست نہیں مگر یہ بھی درست نہیں کہ وہ شخص مومن تھا اور عمرؓ نے مومن کو قتل کیا۔ جو شخص تیرے فیصلہ کو نہیں مانتا وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہرگز مومن نہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک فاسق کو مارا تھا۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ میں غلطی کرسکتا ہوں تو پھر خلیفہ سے غلطی کس طرح ناممکن ہے۔ مگر پھر بھی اس کے فیصلہ کو شرح صدر کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ اس اصل کو بُھلا دو تو تمہارے اندر بھی تفرقہ اور تنفر پیدا ہو جائے گا۔ اِسے مٹا دو اور لوگوں کو کہنے دو کہ خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے تو تم بھی پراگندہ بھیڑوں کی طرح ہو جاؤ گے جن کو بھیڑیئے اُٹھا کر لے جائیں گے اور دنیا کی لعنتیں تم پر پڑیں گی۔ جسے خدا نے عزت دی ہے، تمہارے لئے اس کی عیب جوئی جائز نہیں۔ اگر وہ غلطی بھی کرتا ہے اور اُس کی غلطی سے تمہیں نقصان پہنچتا ہے تو تم صبر کرو۔ خدا دوسرے ذریعہ سے تمہیں اس کا اجر دے گا اور اگر وہ گندہ ہو گیا ہے تو جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں، تم خدا کے آگے اس کا معاملہ پیش کرو۔ وہ اگر تم کو حق پر دیکھے گا اُسے خود موت

دے دیگا اور تمہاری تکلیف دور کر دے گا۔ مگر تمہارا اپنے ہاتھ میں قانون لینا اور ظاہر یا خفیہ خلیفہ کی ذات یا عزت پر حملہ کرنا تم کو خدا تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بناتا ہے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے قائم کردہ کی عزت پر ہاتھ ڈالو گے تو یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری عزت کی چادر کو چاک چاک کر دے گا اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ تمہاری عزت اسی میں ہے کہ خلافت کی عزت کرو اور جو شخص اس کی بے عزتی کیلئے کھڑا ہو، تم اُس سے تعلق نہ رکھو۔ بے شک اسلام میں قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے لیکن ایسے شخص سے بیزاری اور قطع تعلق کا اظہار کر کے تم اپنے فرض کو ادا کر سکتے ہو اور اعلان کر سکتے ہو کہ اب یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔ اب یہ بات تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔ چاہے تو خدا تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ کی عزت کو قائم کر کے خود بھی عزت پاؤ اور چاہے تو اس کی عزت پر ہاتھ ڈالو اور خدائی تلوار تمہیں اور تمہاری اولادوں کو تباہ و برباد کر دے''۔

(انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۴۷۶ تا ۴۷۸)

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۲۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۱۳ھ

[۲] **الصَّارِمُ الْمَسْلُول عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ لابن تیمیه** صفحہ ۳۹، ۴۰ **الطبعة الاولٰی** حیدر آباد دکن

[۳] **النساء: ٦٦**

خلیفہ کی کامل اطاعت

۱۹۳۴ء کے فتنہ میں احراریوں کی زبردست شکست کے بعد مخالفین نے جماعت کے خلاف کئی نئے محاذ کھول لئے ۔ ایک فتنہ مرتدین کا تھا۔حضور نے خلیفہ کی کامل اطاعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اگست ۱۹۳۷ء میں اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ حدیث کی تشریح میں فرمایا:۔

''دوسری بات جس کی طرف مَیں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ موجودہ فتنہ خلافت کے خلاف ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلافت اسلام کا ایک اہم جزو ہے اور جو اس سے بغاوت کرتا ہے وہ اسلام سے بغاوت کرتا ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال درست ہے تو جو لوگ اس عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں، ان کیلئے اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ[1] کا حکم بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ خلافت کی غرض تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحادِ عمل اور اتحادِ خیال پیدا کیا جائے اور اتحادِ عمل اور اتحادِ خیال خلافت کے ذریعہ سے تبھی پیدا کیا جا سکتا ہے اگر خلیفہ کی ہدایات پر پورے طور پر عمل کیا جائے۔ اور جس طرح نماز میں امام کے رکوع کے ساتھ رکوع اور قیام کے ساتھ قیام اور سجدہ کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح خلیفۂ وقت کے اشارہ کے ماتحت ساری جماعت چلے اور اس کے حکم سے آگے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ نماز کا امام جو صرف چند مقتدیوں کا امام ہوتا ہے جب اس کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اس کے رکوع اور سجدہ میں جانے سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جاتا ہے یا اس سے پہلے سر اُٹھاتا ہے، وہ گنہگار ہے[2] تو جو شخص ساری قوم کا امام ہو اور اُس کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی ہو اُس کی اطاعت کتنی ضروری سمجھی جائے گی۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ اِسی اہمیت کو واضح کرنے کیلئے فرماتے ہیں کہ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ تم اپنی انفرادی

عبادتوں میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق جس طرح چاہو عمل کرو لیکن اپنی قوم کے مخالفوں کے مقابلہ کا جب وقت آئے ، اُس وقت تمہاری سب آزادی سلب ہو جاتی ہے اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ امام کی موجودگی اور آزادی کے وقت میں تم اس بارہ میں کوئی آزاد فیصلہ کرو بلکہ چاہئے کہ امام تمہارے لئے بطور ڈھال کے ہو۔ جس طرح سپاہی ڈھال کے پیچھے چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ڈھال سے اِدھر اُدھر ہؤا اور مرا۔ اسی طرح تم سب امام کے اشارہ پر چلو اور اس کی ہدایات سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو۔ جب وہ حُکم دے بڑھو اور جب وہ حُکم دے ٹھہر جاؤ۔ اور جدھر بڑھنے کا وہ حُکم دے اُدھر بڑھو اور جدھر سے ہٹنے کا حُکم دے اُدھر سے ہٹ آؤ۔

اِس حُکم کی جب تک فرمانبرداری نہ کی جائے ، خلافت ایک بے معنی شَے رہ جاتی ہے اور وہ اتحاد جس کے پیدا کرنے کیلئے اسلام نے یہ سب سامان پیدا کیا ہے کسی طرح بھی پیدا نہیں ہوسکتا اور اسلام کی وہ ترقی جو اِس اتحاد سے مقصود ہے حاصل نہیں ہوسکتی ۔ ادھوری اتباع صرف طاقت کو ضائع کرنے والی ہوتی ہے ۔ اس سے صرف لوگوں کی آزادی چھنتی ہے اور وہ شیریں پھل نہیں پیدا ہوتے جن پھلوں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا منشا ہے اور جن پھلوں کو کھا کر مومن اِسی دنیا میں جنت کے مزے لُوٹ سکتا ہے''۔

(انوار العلوم جلد۱۴ صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶)

ا؎ بخاری کتاب الجهاد باب یقاتل من وراء الامام

۲؎ بخاری کتاب الاذان باب اثم من رفع رأسه قبل الامام
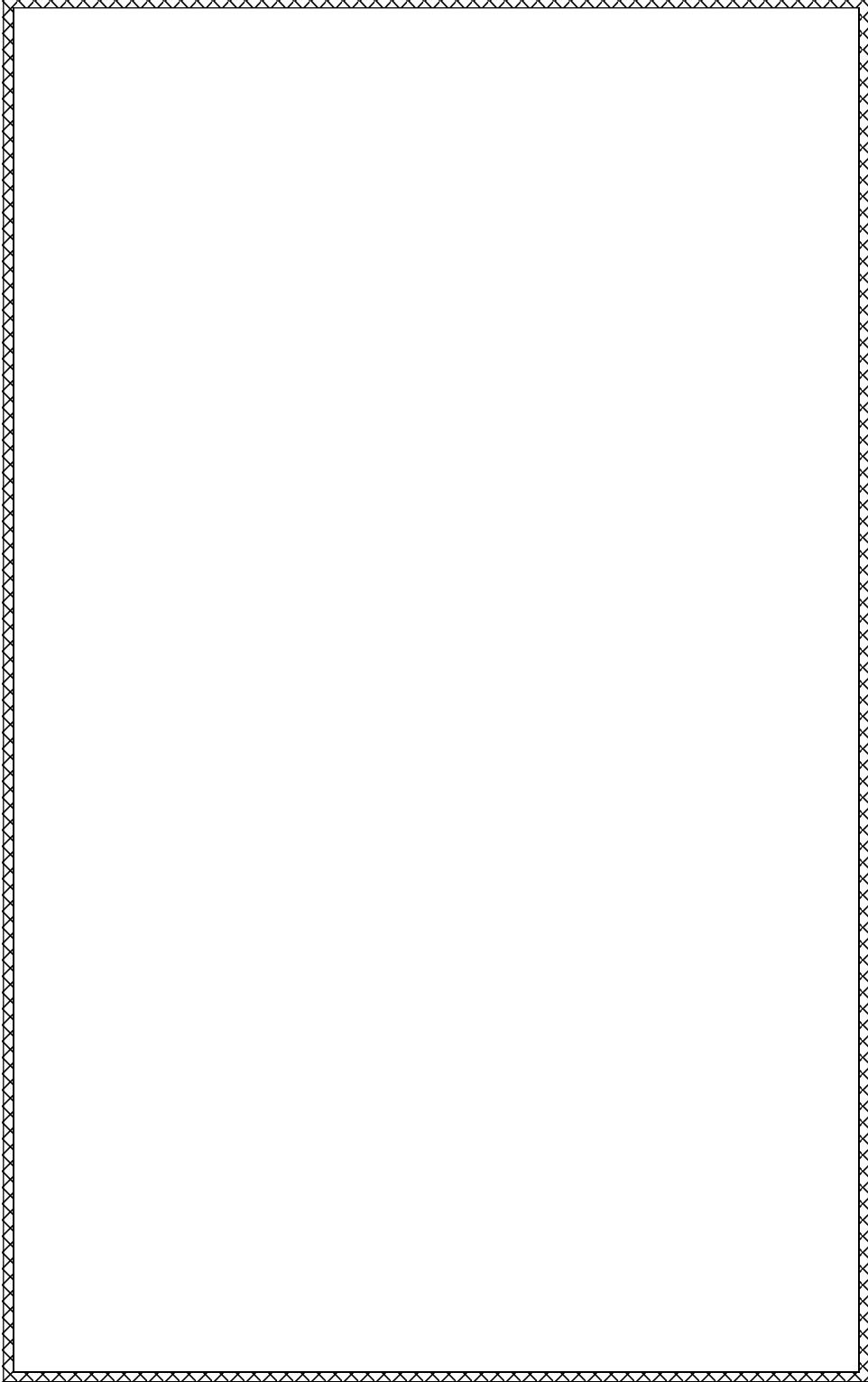
جلسہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء

تقریر بجواب ایڈریس ہائے جماعتہائے احمدیہ

(تقریر فرمودہ ۲۸ ؍دسمبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مَیں جب سے تقریر کے میدان میں آیا ہوں اور جب سے مجھے تقریر کرنے یا بولنے کا موقع ملا ہے مَیں نے شروع دن سے یہ بات محسوس کی ہے کہ ذاتی بناوٹ کے لحاظ سے تقریر کرنا میرے لئے بڑا ہی مشکل ہوتا ہے اور میری کیفیت ایسی ہو جاتی ہے جسے اُردو میں ''گھبرا جانا'' کہتے ہیں اور انگریزی میں NERVAUS ہو جانا کہتے ہیں۔مَیں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ اپنی دماغی کیفیت کے لحاظ سے مَیں ہمیشہ نروس ہو جاتا ہوں یا گھبرا جاتا ہوں۔ مجھے یاد ہے جب مَیں نے پہلی تقریر کی اور اس کے لئے کھڑا ہؤا تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور کچھ دیر تک تو حاضرین مجھے نظر نہ آتے تھے اور یہ کیفیت تو پھر کبھی پیدا نہیں ہوئی لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک خاص وقت میں جس کی تفصیل مَیں آگے چل کر بیان کروں گا میرے دل میں ایک اضطراب سا پیدا ہو جاتا ہے لیکن وہ حالت اُس وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ بجلی کا وہ کنکشن قائم نہیں ہوتا جو شروع دن سے کسی بالا طاقت کے ساتھ میرے دماغ کا ہو جایا کرتا ہے اور جب یہ دَور آ جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مقرر اور لسّان جو اپنی زبانوں کے ماہر ہیں میرے سامنے بالکل ہیچ ہیں اور میرے ہاتھوں میں کھلونے کی طرح ہیں۔ جب مَیں پہلے پہل تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور قرآن کریم

سے آیات پڑھنے لگا تو مجھے الفاظ نظر نہ آتے تھے اور چونکہ وہ آیات مجھے یاد تھیں مَیں نے پڑھ دیں لیکن قرآن گو میرے سامنے تھا مگر اِس کے الفاظ مجھے نظر نہ آتے تھے اور جب مَیں نے آہستہ آہستہ تقریر شروع کی تو لوگ میری نظروں کے سامنے سے بالکل غائب تھے۔ اس کے بعد یکدم یوں معلوم ہوا کہ کسی بالا طاقت کے ساتھ میرے دماغ کا اتّصال ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب مَیں نے تقریر ختم کی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ تقریر سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے قرآن کریم کے جو معارف بیان کئے ہیں باوجود اس کے کہ میں نے بڑی بڑی تفاسیر پڑھی ہیں اور میری لائبریری میں بعض نایاب تفاسیر موجود ہیں مگر یہ معارف نہ مجھے پہلے معلوم تھے اور نہ میں نے کہیں پڑھے ہیں۔ سو جب دَورانِ تقریر میں وہ کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے تو مَیں محسوس کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ کَل دبائی گئی ہے اور اب اللہ تعالیٰ میرے دماغ میں ایسے معارف نازل کرے گا کہ جو میرے علم میں نہیں ہیں اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قرآن شریف پڑھتے ہوئے بھی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آج بھی وہ کیفیت شروع ہوئی تھی مگر اِس وقت جو ایڈریس پڑھے گئے ہیں اِن کو سن کر وہ دُور ہو گئی۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو دو شخص آپس میں لڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے متعلق بتایا تھا کہ وہ کونسی رات ہے مگر ان کی لڑائی کو دیکھ کر وہ مجھے بھول گئی۔[1] اِسی طرح مجھ پر بھی وہ کیفیت طاری ہوئی تھی مگر اسکے بعد ایڈریس شروع ہوئے۔ ان میں سے بعض ایسی زبانوں میں تھے کہ نہ میں کچھ سمجھ سکا اور نہ آپ لوگ۔ اور میں نے محسوس کیا کہ یہ بناوٹ ہے اور منتظمین دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم میں ایسی ایسی زبانیں جاننے والے لوگ موجود ہیں اور اس ظاہر داری کو دیکھ کر میری طبیعت پر ایسا بُرا اثر ہؤا کہ وہ کیفیت جاتی رہی۔ ہم لوگ تو اپنے جذبات کو دبانے کے عادی ہیں اور جن لوگوں نے بڑے کام کرنے ہوتے ہیں اُن کو یہ مشق کرنی پڑتی ہے۔ سرکاری افسروں کو دیکھ لو مثلاً تحصیلدار اور تھانیدار وغیرہ ہیں سب قِسم کے لوگ ان کے پاس آتے اور باتیں کرتے ہیں اور وہ سب کی باتیں سُنتے جاتے ہیں لیکن اس مجلس میں ایسے لوگ بھی

تھے جو جذبات کو دبانے کے عادی نہیں اِس لئے اِن میں ایک بے چینی سی تھی اور وہ بھاگ رہے تھے اور یہ نظارہ میرے لئے تکلیف دِہ تھا اور اِس وجہ سے وہ کیفیت دُور ہوگئی۔ گو اَب میں اگر اِسی مضمون کو بیان کرنا شروع کر دوں تو وہ بٹن پھر دَب جائے گا مگر پہلے جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ اب یاد نہیں آ سکتا۔ بہرحال مجھے کچھ کہنا چاہئے اور اس کارروائی کے متعلق جہاں تک دُنیوی عقل کا تعلق ہے میں اَب بھی بیان کرسکتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہر ایک نمائندہ نے وعدہ کیا تھا کہ تین منٹ کے اندر اندر اپنا ایڈریس ختم کر دے گا لیکن سوائے اس ایڈریس کے جو ہندوستان کی جماعتوں کی طرف سے پیش کیا گیا اور کسی نے یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔

پھر وہ جس طرح پیش کیا گیا ہے اِس میں حقیقی اِسلامی سادگی کا نمونہ نظر آتا ہے اور اِس لئے میں انہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ محض چھاپ لینے کو مَیں سادگی کے خلاف نہیں سمجھتا۔ باقی جو ایڈریس پیش کئے گئے ہیں اِن میں سادگی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ حقیقی سادگی وہ ہوتی ہے جسے انسان ہر جگہ اور ہمیشہ نباہ سکے اور اِس کی قدر دانی کے طور پر مَیں اِن سے وعدہ کرتا ہوں کہ اِن کا سارا ایڈریس پڑھوں گا۔

جب سے یہ خلافت جوبلی کی تحریک شروع ہوئی ہے میری طبیعت میں ہمیشہ ایک پہلو سے انقباض سا رہتا آیا ہے اور میں سوچتا رہا ہوں کہ جب ہم خود یہ تقریب منائیں تو پھر جو لوگ ''برتھ ڈے'' یا ایسی دیگر تقاریب مناتے ہیں اُنہیں کس طرح روک سکیں گے۔ اَب تک اِس کے لئے کوئی دلیل میری سمجھ میں نہیں آ سکی اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اِس کے نتیجہ میں ایسی رسوم جماعت میں پیدا نہ ہو جائیں جن کو مٹانے کے لئے احمدیت آئی ہے۔ ہماری کامیابی اور فتح یہی ہے کہ ہم دین کو اُسی طرح دوبارہ قائم کر دیں جس طرح رسول کریم ﷺ اِسے لائے تھے اور ایسے رنگ میں قائم کر دیں کہ شیطان اس پر حملہ نہ کر سکے اور کوئی کھڑکی، کوئی روشن دان اور کوئی دَر اِس کے لئے کُھلا نہ رہنے دیں۔ اور جب سے یہ تقریب منانے کی تحریک شروع ہوئی ہے میں یہی سوچتا رہا ہوں کہ ایسا کرتے ہوئے ہم کوئی ایسا روشن دان تو نہیں کھول رہے کہ جس سے شیطان کو حملہ کا موقع مل سکے اور اس لحاظ سے مجھے شروع سے ہی

ایک قسم کا انقباض سا رہا ہے کہ مَیں نے اس کی اجازت کیوں دی اور اس کے متعلق سب سے پہلے انشراحِ صدر مجھے مولوی جلال الدین صاحب شمس کا ایک مضمون الفضل میں پڑھ کر ہؤا جس میں لکھا تھا کہ اِسوقت گویا ایک اور تقریب بھی ہے اور وہ یہ کہ سلسلہ کی عمر پچاس سال پوری ہوتی ہے۔ تب میں نے سمجھا کہ یہ تقریب کسی انسان کے بجائے سلسلہ سے منسوب ہو سکتی ہے اور اِس وجہ سے مجھے خود بھی اِس خوشی میں شریک ہونا چاہئے۔ دوسرا انشراح مجھے اِس وقت پیدا ہوا جب دُرثمین سے وہ نظم پڑھی گئی جو آمین کہلاتی ہے۔ اِس کو سُن کر مجھے خیال آیا کہ یہ تقریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کرنے کا ذریعہ ہے جو اِس میں بیان کی گئی ہے اور اِس کا منانا اِس لحاظ سے نہیں کہ یہ میری پچیس سالہ خلافت کے شکر یہ کا اظہار ہے بلکہ اِس لئے کہ خدا تعالیٰ کی بات کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے نامناسب نہیں اور اِس خوشی میں مَیں بھی شریک ہوسکتا ہوں اور مَیں نے سمجھا کہ گو اپنی ذات کے لئے اِس کے منائے جانے کے متعلق مجھے انشراح نہ تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لحاظ سے انشراح ہوگیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک صحابی کے متعلق فرمایا تھا کہ مَیں نے دیکھا ہے اِس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کڑے ہیں۔ چنانچہ جب ایران فتح ہؤا اور وہ کڑے جو کسریٰ دربار کے موقع پر پہنا کرتا تھا غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے اِس صحابی کو بُلایا اور باوجودیکہ اِسلام میں مردوں کیلئے سونا پہننا ممنوع ہے آپ نے اِسے فرمایا کہ یہ کڑے پہنو۔ حالانکہ خلفاء کا کام قیامِ شریعت ہوتا ہے نہ کہ اِسے مٹانا مگر جب اِس صحابی نے یہ کہا کہ سونا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ پہنو۔ ورنہ میں کوڑے لگاؤں گا۔[۲] اِسی طرح میں نے یہ خیال کیا کہ گو یہ کڑے مجھے ہی پہنائے گئے ہیں مگر چونکہ اِس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے اِس لئے اِس کے منانے میں کوئی حرج نہیں اور اِس لئے میرے دل میں جو انقباض تھا وہ دُور ہوگیا اور میری نظریں اِس مجلس سے اُٹھ کر خدا تعالیٰ کی طرف چلی گئیں اور مَیں نے کہا ہمارا خدا بھی کیسا سچا خدا ہے۔

مجھے یاد آیا کہ جب یہ پیشگوئی کی گئی اُس وقت میری ہستی ہی کیا تھی پھر وہ نظارہ میری

آنکھوں کے سامنے پھر گیا جب ہمارے نانا جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس شکایت کی کہ آپ کو پتہ ہی نہیں یہ لڑکا کیسا نالائق ہے پڑھتا لکھتا کچھ نہیں اس کا خط کیسا خراب ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے بلایا۔مَیں ڈرتا اور کانپتا ہؤا گیا کہ پتہ نہیں یہ کیا فرمائیں گے۔آپ نے مجھے ایک خط دیا کہ اِسے نقل کرو۔مَیں نے وہ نقل کر کے دیا تو آپ نے حضرت خلیفہ اوّل کو جج کے طور پر بلایا اور فرمایا۔میر صاحب نے شکایت کی ہے کہ یہ پڑھتا لکھتا نہیں اور کہ اِس کا خط بہت خراب ہے۔مَیں نے اِس کا امتحان لیا ہے آپ بتائیں کیا رائے ہے؟ لیکن جیسا امتحان لینے والا نرم دل تھا ویسا ہی پاس کرنے والا بھی تھا۔حضرت خلیفہ اوّل نے عرض کیا کہ حضور! میرے خیال میں تو اچھا لکھا ہے۔حضور نے فرمایا۔کہ ہاں اس کا خط کچھ میرے خط سے مِلتا جُلتا ہی ہے اور بس ہم پاس ہو گئے۔ماسٹر فقیر اللہ صاحب جو اَب پیغامیوں میں شامل ہیں ہمارے اُستاد تھے اور حساب پڑھایا کرتے تھے جس سے مجھے نفرت تھی۔میری دماغی کیفیت کچھ ایسی تھی جو غالباً میری صحت کی خرابی کا نتیجہ تھا کہ مجھے حساب نہیں آتا تھا اور نہ اَب تو اچھا آتا ہے۔ماسٹر صاحب ایک دن بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ میں تمہاری شکایت کروں گا کہ تم حساب نہیں پڑھتے اور جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہہ بھی دیا۔میں بھی چُپ کر کے کمرہ میں کھڑا رہا۔حضور نے ماسٹر صاحب کی شکایت سُن کر فرمایا کہ اس نے دین کا کام ہی کرنا ہے اِس نے کونسی کسی دفتر میں نوکری کرنی ہے۔مسلمانوں کے لئے جمع تفریق کا جاننا ہی کافی ہے وہ اِسے آتا ہے یا نہیں؟ ماسٹر صاحب نے کہا وہ تو آتا ہے۔اس سے پہلے تو مَیں حساب کی گھنٹیوں میں بیٹھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا تھا مگر اس کے بعد مَیں نے وہ بھی چھوڑ دیا اور خیال کر لیا کہ حساب جتنا آنا چاہئے تھا مجھے آ گیا تو یہ میری حالت تھی جب یہ آمین لکھی گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ اِسے دین کی خدمت کی توفیق عطا کر۔

دُنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ سب بی۔اے اور ایم۔اے لائق نہیں ہوتے۔لیکن جو لوگ لائق ہوتے ہیں وہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔سارے وکیل لائق نہیں ہوتے مگر جو ہوتے ہیں وہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔سب ڈاکٹر خدا تعالیٰ کی صفتِ شافی کے مظہر نہیں ہوتے مگر

بہترین ڈاکٹر انہی میں سے ہوتے ہیں جنہوں نے ڈاکٹری کے امتحان پاس کئے ہوں۔ ہر زمیندار مٹی سے سونا نہیں بنا سکتا مگر جو بناتے ہیں انہی میں سے ہی ہوتے ہیں ترکھانوں میں سے نہیں۔ ہر ترکھان اچھی عمارت نہیں بنا سکتا مگر جو بناتے ہیں وہ ترکھانوں میں سے ہی ہوتے ہیں لوہاروں میں سے نہیں۔ پھر ہر انجینئر ماہرِ فن نہیں مگر جو ہوتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے۔ ہر معمار دہلی اور لاہور کی شاہی مساجد اور تاج محل نہیں بنا سکتا مگر اِن کے بنانے والے بھی معماروں میں سے ہی ہوتے ہیں کپڑا بُننے والوں میں سے نہیں ہوتے۔ پس ہر فن کا جاننے والا ماہر نہیں ہوتا مگر جو ماہر نکلتے ہیں وہ اِنہی میں سے ہوتے ہیں۔ مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دعا کی اُس وقت مَیں ظاہری حالات کے لحاظ سے اپنے اندر کوئی بھی اہلیت نہ رکھتا تھا لیکن اِس وقت اِس آمین کو سُن کر مَیں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے آپؑ کی دعائیں سن لیں۔ جب یہ دعائیں کی گئیں مَیں معمولی رِیڈریں بھی نہیں پڑھ سکتا تھا مگر اَب خدا تعالیٰ کا ایسا فضل ہے کہ مَیں کسی علم کی کیوں نہ ہو انگریزی کی مشکل سے مشکل کتاب پڑھ سکتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں اور گو مَیں انگریزی لکھ نہیں سکتا مگر بی۔اے اور ایم۔اے پاس شُدہ لوگوں کی غلطیاں خوب نکال لیتا ہوں۔ دینی علوم میں مَیں نے قرآن کریم کا ترجمہ حضرت خلیفہ اوّل سے پڑھا ہے اور اِس طرح پڑھا ہے کہ اَور کوئی اِس طرح پڑھے تو کچھ بھی نہ سیکھ سکے۔ پہلے تو ایک ماہ میں آپ نے مجھے دو تین سیپارے آہستہ آہستہ پڑھائے اور پھر فرمایا میاں! آپ بیمار رہتے ہیں میری اپنی صحت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ آؤ کیوں نہ ختم کر دیں اور مہینہ بھر میں سارا قرآن کریم مجھے ختم کرا دیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل تھا پھر کچھ اُن کی نیت اور کچھ میری نیت ایسی مبارک گھڑی میں ملیں کہ وہ تعلیم ایک ایسا بیج ثابت ہؤا جو برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اِس طرح بخاری آپ نے مجھے تین ماہ میں پڑھائی اور ایسی جلدی جلدی پڑھاتے کہ باہر کے بعض دوست کہتے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اگر کوئی سوال کرتا تو آپ فرماتے پڑھتے جاؤ اللہ تعالیٰ خود سب کچھ سمجھا دے گا۔ حافظ روشن علی مرحوم کو کُرید نے کی بہت عادت تھی اور اُن کا دماغ بھی منطقی تھا۔ وہ درس میں شامل تو نہیں تھے مگر جب مجھے پڑھتے دیکھا تو آکر بیٹھنے لگے اور سوالات دریافت کرتے۔ اُن کو دیکھ کر مجھے بھی جوش آیا اور مَیں

نے اُسی طرح سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ ایک دو دن تو آپ نے جواب دیا اور پھر فرمایا تم بھی حافظ صاحب کی نقل کرنے لگے ہو مجھے جو کچھ آتا ہے وہ خود بتا دوں گا بُخل نہیں کروں گا اور باقی اللہ تعالیٰ خود سمجھا دے گا۔ اور میں سمجھتا ہوں سب سے زیادہ فائدہ مجھے اِسی نصیحت نے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سمجھا دے گا۔ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ میرے ہاتھ آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسا سمجھایا ہے کہ میں غرور تو نہیں کرتا مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت ہے کہ میں کوئی کتاب یا کوئی تفسیر پڑھ کر مرعوب نہیں ہوتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کچھ مجھے ملا ہے اُن کو نہیں ملا۔ بیس بیس جلدوں کی تفسیریں ہیں مگر مَیں نے کبھی اِن کو بالاستیعاب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اِن کے مطالعہ میں مجھے کبھی لذت محسوس نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن کریم کے چھوٹے سے لفظ میں ایسے مطالب سکھا دیتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں مَیں اِن کتابوں کے مطالعہ میں کیوں وقت ضائع کروں اور کبھی کوئی مسئلہ وغیرہ دیکھنے کے لئے کبھی ان کو دیکھتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اِس مقام سے بہت دُور کھڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے اور یہ سب اس کا فضل ہے ورنہ بظاہر میں نے دنیا میں کوئی علم حاصل نہیں کیا حتّٰی کہ اپنی زبان تک بھی صحیح نہیں سیکھی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کر کے اُس نے مجھے ایک ایسا گُر بتا دیا کہ جس سے مجھے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت حاصل ہو جاتی ہے۔ مَیں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ مَیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہتھیار کی مانند ہوں اور مَیں نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ کوئی چیز چاہیئے اور اُس نے مجھے نہ دی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ اِس سے ہر اندھیرا دُور ہو۔ دشمنوں کی طرف سے مجھ پر کئی حملے کئے گئے، اعتراضات کئے گئے اور کہا کہ ہم خلافت کو مٹا دیں گے اور یہی وہ اندھیرا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے دُور کر دیا اور خلافت جوبلی کی تقریب منانے کے متعلق میرے دل میں جو انقباض تھا وہ اِس وقت یہ نظم سُن کر دُور ہو گیا اور میں نے سمجھا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا اظہار ہو رہا ہے۔ دشمنوں نے کہا کہ ہم جماعت کو پھرا لیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اور بھی زیادہ لوگوں کو لائیں گے اور جب

ہم روشن کرنا چاہیں تو کوئی اندھیرا رہ نہیں سکتا اور اِس طرح اِس تقریب کے متعلق میرے دل میں جو انقباض تھا وہ یہ نظارہ دیکھ کر دُور ہو گیا ورنہ مجھے تو شرم آتی ہے کہ میری طرف یہ تقریب منسوب ہو مگر ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اِس کے ذریعہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی باتیں پوری ہوتی ہیں اِس لئے اِس کے منانے میں کوئی حرج نہیں ۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں اگر وہ نہ کرتا تو نہ مجھ میں طاقت تھی اور نہ آپ میں، نہ میرے علم نے کوئی کام کیا اور نہ آپ کی قربانی نے ۔ جو کچھ ہؤا خدا تعالیٰ کے فضل سے ہؤا اور ہم خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نشان دکھایا۔ دنیا نے چاہا کہ ہمیں مٹا دیں مگر خدا تعالیٰ نے نہ مٹایا اور یہ نظارہ دیکھ کر میرے دل میں جو انقباض تھا وہ سب دُور ہو گیا۔ اس لئے جن دوستوں نے اِس تقریب پر اپنی انجمنوں کی طرف سے ایڈریس پڑھے ہیں مثلاً چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب، پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب، حکیم خلیل احمد صاحب، چوہدری ابوالہاشم خان صاحب، حاجی جنود اللہ صاحب اِسی طرح دمشق، جاوا، سماٹرا اور علی گڑھ اور بعض دوسری جگہوں کے دوستوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے پھر بعض ہندو صاحبان نے بھی اس موقع پر خوشی کا اظہار کیا ہے میں اِن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اِن سب کو **جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ** کہتا ہوں اور یہ ایسی دُعا ہے کہ جس میں سارے ہی شکریے آ جاتے ہیں ۔ پس میں اِن دوستوں کا اور اِن کے ذریعہ اِن کی تمام جماعتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور **جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ** کہتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ میرے زندگی کے اور جو دن باقی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دین کی خدمت، اسلام کی تائید اور اِس کے غلبہ اور مضبوطی کے لئے صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا جب اُس کے حضور پیش ہونے کا موقع ملے تو شرمندہ نہ ہوں اور کہہ سکوں کہ تو نے جو خدمت میرے سپرد کی تھی تیری ہی توفیق سے مَیں نے اِسے ادا کر دیا۔ پھر میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنے فضل نازل کرے اور نیک اعمال کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم میں سے جس کے دل میں بھی کوئی کمزوری ہو اُسے دُور کرے، اخلاص میں مضبوط کرے اور ہماری زندگیوں کو اپنے لئے وقف کر دے۔ ہماری زندگیوں کو بھی خوشگوار بنائے اور ہماری موتوں کو بھی تا جب جنّتی سُنیں تو خوش ہوں کہ اور پاکیزہ روحیں

ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لئے آ رہی ہیں''۔

اِس کے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور کہا کہ پروگرام میں اِس وقت میری کوئی تقریر نہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم آمین کے جوابھی پڑھی گئی ہے ایک شعر کے متعلق مَیں مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اِس وقت جماعت کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ایک حقیر سی رقم پیش کی جانے والی ہے جس سے حضور کی وہ دُعا کہ ''دے اِس کو عمر و دولت'' کی قبولیت بھی ظاہر ہوگی۔آج ہم حضور کی خلافت پر پچیس سال گزرنے پر حضور کی خدمت میں حقیر سی رقم پیش کرتے ہیں اور مَیں آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ تشریف لاکر یہ رقم حضور کی خدمت میں پیش کریں۔

اِس کے بعد جناب چوہدری صاحب نے چیک کی صورت میں یہ رقم پیش کی اور کہا حضور اِسے قبول فرمائیں اور جس رنگ میں پسند فرمائیں اِسے استعمال کریں اور حضور مجھے اجازت دیں کہ مَیں دوستوں کے نام پڑھ کر سُنا دوں جنہوں نے اِس فنڈ میں نمایاں حصہ لیا ہے تا حضور خصوصیت سے اِن کے لئے دُعا فرمائیں۔ اور حضور کی اجازت سے جناب چوہدری صاحب نے وہ نام پڑھ کر سُنائے۔

اِس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''مَیں نے جو کہا تھا کہ جس وقت آمین پڑھی جا رہی تھی میرے دل میں ایک تحریک ہوئی تھی وہ دراصل یہ مصرع تھا جس کا ذکر میر صاحب نے کیا ہے مگر چونکہ ابھی تک وہ رقم مجھے نہ دی گئی تھی اِس لئے مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ پہلے ہی اِس کا ذکر کروں۔ اِس کے لئے میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری حقیقی دولت تو دین ہی ہے دین کے بغیر دولت کوئی چیز نہیں اور اگر دین ہو اور دولت نہ ہو تو بھی ہم خوش نصیب ہیں۔ مجھے یہ علم پہلے سے تھا کہ یہ رقم مجھے اِس موقع پر پیش کی جائے گی اور اِس دَوران میں مَیں یہ غور بھی کرتا رہا ہوں کہ اِسے خرچ کِس طرح کیا جائے لیکن بعض دوست بہت جلد باز ہوتے ہیں اور وہ اس عرصہ میں مجھے کئی مشورے دیتے رہے کہ اِسے یوں خرچ کیا جائے اور فلاں کام پر صَرف

کیا جائے یہ بات مجھے بہت بُری لگتی تھی کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ ایک طرف تو اِس کا نام تحفہ رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف اِس کے خرچ کرنے کے متعلق مجھے مشورے دیئے جا رہے ہیں اگر یہ تحفہ ہے تو اِس سے مجھے اتنی تو خوشی حاصل ہونی چاہئے کہ مَیں نے اِسے اپنی مرضی سے خرچ کیا ہے۔ بہرحال میں اِس امر پر غور کرتا رہا ہوں کہ اِسے کس طرح خرچ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اِس سے برکاتِ خلافت کے اظہار کا کام لیا جائے۔ یہ امر ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اِس کام کے کرنے والے تھے جو آپ کے اپنے کام تھے یعنی یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ [۳] قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کے چار کام بیان کئے گئے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نشان بیان کرتا ہے، اِن کا تزکیہ کرتا، اِن کو کتاب پڑھاتا اور حکمت سکھاتا ہے۔ کتاب کے معنے کتاب اور تحریر کے بھی ہیں اور حکمت کے معنی سائنس کے بھی اور قرآن کریم کے حقائق و معارف اور مسائلِ فقہ کے بھی ہیں۔ پھر مَیں نے خیال کیا کہ خلیفہ کا کام استحکامِ جماعت بھی ہے اِس لئے اِس روپیہ سے یہ کام بھی کرنا چاہئے۔ بے شک بعض کام جماعت کر بھی رہی ہے مگر یہ چونکہ نئی چیز ہے اِس سے نئے کام ہونے چاہئیں اور اِس پر غور کرنے کے بعد مَیں نے سوچا کہ ابھی کچھ کام اِس سلسلہ میں ایسے ہیں کہ جو نہیں ہو رہے۔ مثلاً یہ نہیں ہو رہا کہ غیر مُسلموں کے آگے اسلام کو ایسے رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ اِس طرف متوجہ ہوں چنانچہ مَیں نے ارادہ کیا کہ یہ سلسلہ پہلے ہندوستان میں اور پھر بیرونِ ممالک میں شروع کیا جائے اور اِس غرض سے ایک، چار یا آٹھ صفحہ کا ٹریکٹ لکھا جائے جسے لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں چھپوا کر شائع کیا جائے۔ اِس وقت تک اِن زبانوں میں ہمارا تبلیغی لٹریچر کافی تعداد میں شائع نہیں ہؤا۔ اُردو کے بعد میرا خیال ہے سب سے زیادہ اِس ٹریکٹ کی اشاعت ہندی میں ہونی چاہئے۔ ابھی تک یہ سکیم مَیں نے مکمل نہیں کی۔ فوری طور پر اِس کا خاکہ ہی میرے ذہن میں آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کم سے کم ایک لاکھ اشتہار یا ہینڈ بل وغیرہ اذان اور نماز کی حقیقت اور فضیلت پر شائع کئے جائیں تا ہندوؤں کو سمجھایا جا سکے کہ جس وقت آپ لوگ

مساجد کے سامنے سے باجہ بجاتے ہوئے گزرتے ہیں تو مسلمان یہ کررہے ہوتے ہیں۔ یہ بات معقول رنگ میں ان کے سامنے پیش کی جائے کہ مسلمان تو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور آپ اُس وقت ڈھول کے ساتھ ڈَم ڈَم کا شور کرتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ کیا یہ وقت اِس طرح شور کرنے کیلئے مناسب ہوتا ہے؟ جب یہ آواز بلند ہو رہی ہو کہ خدا تعالیٰ سب سے بڑا ہے تو اُس وقت چُپ ہو جانا چاہئے یا ڈھول اور باجہ کے ساتھ شور مچانا چاہئے؟ تو اِن کو ضرور سمجھ آ جائے گی کہ اِن کی ضد بے جا ہے اور اِس طرح اِس سے ہندو مسلمانوں میں صلح و اتحاد کا دروازہ بھی کُھل جائے گا۔ تعلیم یافتہ غیر مُسلم اب بھی اِن باتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

اِسی طرح میں نے جلسہ ہائے سیرت کی جو تحریک شروع کی ہوئی ہے اِسے بھی وسعت دینی چاہئے یہ بھی بہت مفید تحریک ہے اور سیاسی لیڈر بھی اِسے تسلیم کرتے ہیں۔ بابو بپن چندر پال کانگرس کے بہت بڑے لیڈروں میں سے ہیں انہوں نے اِن جلسوں کے متعلق کہا تھا کہ یہ ہندو مُسلم اتحاد کے لئے بہترین تجویز ہے اور مَیں اِن جلسوں کو سیاسی جلسے کہتا ہوں اِس لئے کہ اِن کے نتیجہ میں ہندو مسلم ایک ہو جائیں گے اور اِس طرح دونوں قوموں میں اتحاد کا دروازہ کُھل جائے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ ایسے اشتہار ایک لاکھ ہندی میں، ایک لاکھ گورمکھی میں، پچاس ہزار تامل میں اور اِسی طرح مختلف زبانوں میں بکثرت شائع کئے جائیں اور ملک کے ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک اسلام کے موٹے موٹے مسائل غیر مُسلموں تک پہنچا دیئے جائیں۔ اشتہار ایک صفحہ، دو صفحہ یا زیادہ سے زیادہ چار صفحہ کا ہو اور کوشش کی جائے کہ ہر شخص تک اِسے پہنچا دیا جائے اور زیادہ نہیں تو ہندوستان کے ۳۳ کروڑ باشندوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک اشتہار پہنچ جائے یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اِسی طرح میرا اِرادہ ہے کہ ایک چھوٹا سا مضمون چار یا آٹھ صفحات کا مسلمانوں کیلئے لکھ کر ایک لاکھ شائع کیا جائے جس میں مسلمانوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور آپ کے دعاوی سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ آپ نے آ کر کیا پیش کیا ہے تا لوگ غور کر سکیں۔ پہلے یہ کام چھوٹے پیمانہ پر ہوں مگر کوشش کی جائے کہ آہستہ آہستہ

اِن کووسیع کیا جائے۔

مَیں چاہتا ہوں کہ اِس رقم کو ایسے طور پرخرچ کیا جائے کہ اِس کی آمد میں سے خرچ ہوتا رہے اور سرمایہ محفوظ رہے۔ جیسے تحریک جدید کے فنڈ کے متعلق میں کوشش کررہا ہوں تا کسی سے پھر چندہ مانگنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اِس میں دینی تعلیم جو خلفاء کا کام ہے وہ بھی آ جائے گی پھر آرٹ اور سائنس کی تعلیم نیز غرباء کی تعلیم و ترقی بھی خلفاء کا اہم کام ہے۔ ہماری جماعت کے غرباء کی اعلیٰ تعلیم کے لئے فی الحال انتظامات نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کُند ذہن لڑکے جن کے ماں باپ استطاعت رکھتے ہیں تو پڑھ جاتے ہیں مگر ذہین بوجہ غربت کے رہ جاتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ ایک یہ بھی ہے کہ ملک کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے اِس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ اِس رقم سے اِس کا بھی انتظام کیا جائے اور مَیں نے تجویز کی ہے کہ اِس کی آمد سے شروع میں فی الحال ہر سال ایک ایک وظیفہ مستحق طلباء کو دیا جائے۔ پہلے سال مڈل سے شروع کیا جائے۔ مقابلہ کا امتحان ہو اور جو لڑکا اوّل رہے اور کم سے کم ستّر فی صدی نمبر حاصل کرے اسے انٹرنس تک بارہ روپیہ ماہوار وظیفہ دیا جائے اور پھر انٹرنس میں اوّل، دوم اور سوم رہنے والوں کو تیس روپیہ ماہوار، جو ایف۔اے میں یہ امتیاز حاصل کریں انہیں ۴۵ روپے ماہوار اور پھر جو بی۔اے میں اوّل آئے اِسے ۶۰ روپے ماہوار دیا جائے اور تین سال کے بعد جب اِس فنڈ سے آمد شروع ہو جائے تو احمدی نوجوانوں کا مقابلہ کا امتحان ہو اور پھر جو لڑکا اوّل آئے اُسے انگلستان یا امریکہ میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے اڑھائی سَو روپیہ ماہوار تین سال کے لئے امداد دی جائے۔ اِس طرح غرباء کی تعلیم کا انتظام ہو جائے گا اور جوں جوں آمد بڑھتی جائے گی اِن وظائف کو ہم بڑھاتے رہیں گے۔ کئی غرباء اس لئے محنت نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں ہم آگے تو پڑھ نہیں سکتے خواہ مخواہ کیوں مشقت اُٹھائیں لیکن اِس طرح جب اِن کے لئے ترقی کا امکان ہوگا تو وہ محنت سے تعلیم حاصل کریں گے۔ مڈل میں اوّل رہنے والوں کیلئے جو وظیفہ مقرر ہے وہ صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے طلباء کے لئے ہی مخصوص ہوگا کیونکہ سب جگہ مڈل میں پڑھنے والے احمدی طلباء میں مقابلہ کے امتحان کا انتظام ہم نہیں کر سکتے۔ یونیورسٹی کے امتحان میں امتیاز

حاصل کرنے والا خواہ کسی یونیورسٹی کا ہو وظیفہ حاصل کر سکے گا۔ ہم صرف زیادہ نمبر دیکھیں گے کسی یونیورسٹی کا فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ رہنے والا طالب علم بھی اِسے حاصل کر سکے گا اور اگر کسی بھی یونیورسٹی کا کوئی احمدی طالب علم یہ امتیاز حاصل نہ کر سکے تو جس کے بھی سب سے زیادہ نمبر ہوں اُسے یہ وظیفہ دے دیا جائے گا۔ انگلستان یا امریکہ میں حصولِ تعلیم کے لئے جو وظیفہ مقرر ہے اِس کے لئے ہم سارے ملک میں اعلان کر کے جو بھی مقابلہ میں شامل ہونا چاہیں ان کا امتحان لیں گے اور جو بھی فرسٹ رہے گا اُسے یہ وظیفہ دیا جائے گا۔

یُزَكِّيْهِمْ کے ایک معنی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف لے جانے کے بھی ہیں اور اِس طرح اِس میں اقتصادی ترقی بھی شامل ہے اس کی فی الحال کوئی سکیم میرے ذہن میں نہیں مگر میرا ارادہ ہے کہ انڈسٹریل تعلیم کا کوئی معقول انتظام بھی کیا جائے تا پیشہ وروں کی حالت بھی بہتر ہو سکے۔ اِسی طرح ایگریکلچرل تعلیم کا بھی ہو، تا زمینداروں کی حالت بھی درست ہو سکے۔

خلفاء کا ایک کام مَیں سمجھتا ہوں اِس عہدہ کا استحکام بھی ہے۔ میری خلافت پر شروع سے ہی پیغامیوں کا حملہ چلا آتا ہے مگر ہم نے اِس کے مقابلہ کے لئے کماحقہٗ توجہ نہیں کی۔ شروع میں اِس کے متعلق کچھ لٹریچر پیدا کیا تھا مگر اَب وہ ختم ہو چکا ہے۔ پس اِس فنڈ سے اِس قوم کی ہدایت کے لئے بھی جدوجہد کی جانی چاہئے اور اِس کے لئے بھی کوئی سکیم مَیں تجویز کروں گا۔ ہماری جماعت میں بعض لوگ اچھا لکھتے ہیں مَیں نے الفضل میں اِن کے مضامین پڑھے ہیں اِن سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی صورت کی جائے گی۔

پس یہ خلفاء کے چار کام ہیں اور انہی پر یہ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔ پہلے اِسے کسی نفع مند کام میں لگا کر ہم اِس سے آمد کی صورت پیدا کریں گے اور پھر اِس آمد سے یہ کام شروع کریں گے۔ ایک تو ایسا اُصولی لٹریچر شائع کریں گے کہ جس سے ہندو، سکھ اسلامی اُصول سے آگاہی حاصل کرسکیں۔ اب تک ہم نے اِن کی طرف پوری طرح توجہ نہیں کی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات سے پتہ لگتا ہے کہ اِن لوگوں کے لئے بھی ہدایت مقدر ہے۔ مثلاً آپ کا ایک الہام ہے کہ ''آریوں کا بادشاہ'' [۴]۔ ایک ہے

''جے سنگھ بہادر''۔ ''ہے کرشن رودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے''۔[۵] مگر ہم نے ابھی تک اِن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پس اَب اِن کے لئے لٹریچر شائع کرنا چاہئے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ یہ اتنا مختصر ہو کہ اِسے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر سکیں۔ پھر ایک حصہ مسلمانوں میں تبلیغ پر خرچ کیا جائے۔ ایک آرٹ، سائنس، انڈسٹری اور زراعت وغیرہ کی تعلیم پر اور ایک حصہ نظامِ سلسلہ پر دشمنوں کے حملہ کے مقابلہ کے لئے۔ آہستہ آہستہ کوشش کی جائے کہ اِس کی آمد میں اضافہ ہوتا رہے اور پھر اِس آمد سے یہ کام چلائے جائیں۔ اِس روپیہ کو خرچ کرنے کے لئے یہ تجویزیں ہیں۔ اِس کے بعد میں جھنڈے کے نصب کرنے کا اعلان کرتا ہوں منتظمین اِس کے لئے سامان لے آئیں۔

جھنڈا نصب کرنے کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کانگرس کی رسم ہے لیکن اِس طرح تو بہت سی رسمیں کانگرس کی نقل قرار دینی پڑیں گی۔ کانگرسی جلسے بھی کرتے ہیں اِس لئے یہ جلسہ بھی کانگرس کی نقل ہوگی۔ گاندھی جی دودھ پیتے ہیں دودھ پینا بھی اِن کی نقل ہوگی اور اِس اصل کو پھیلاتے پھیلاتے یہاں تک پھیلانا پڑے گا کہ مسلمان بہت سی اچھی باتوں سے محروم رہ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کانگرس کی نقل نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے خود جھنڈا باندھا اور فرمایا کہ یہ مَیں اُسے دوں گا جو اِس کا حق ادا کرے گا۔[۶] پس یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے تاریخ اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جھنڈا لہرانا ناجائز نہیں ہاں البتہ اِس ساری تقریب میں مَیں ایک بات کو برداشت نہیں کر سکا اور وہ ایڈریسوں کا چاندی کے خولوں وغیرہ میں پیش کرنا ہے اور چاہے آپ لوگوں کو تکلیف ہو مَیں حُکم دیتا ہوں کہ اِن سب کو بیچ کر قیمت جوبلی فنڈ میں دے دی جائے۔ پس جھنڈا رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے اور لڑائی وغیرہ کے مواقع پر اِس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے تو جہاد سے ہی منع کر دیا ہے پھر جھنڈے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر مَیں کہوں گا کہ اگر لوہے کی تلوار کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے لئے جھنڈا ضروری ہے تو قرآن کی تلوار سے لڑنے والوں کے لئے کیوں نہیں۔ اگر اَب ہم لوگ کوئی جھنڈا معیّن نہ کریں گے تو بعد میں آنے والے ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

صحابہ ہی جھنڈا بنا جاتے تو کیا اچھا ہوتا۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے ایک مجلس میں یہ سُنا ہے کہ ہمارا ایک جھنڈا ہونا چاہئے۔ جھنڈا لوگوں کے جمع ہونے کی ظاہری علامت ہے اور اِس سے نوجوانوں کے دلوں میں ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود۔'' یعنی میرے جھنڈے کی پناہ ہر سعید کو حاصل ہوگی اور اِس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ہم اپنا جھنڈا نصب کریں تا سعید روحیں اس کے نیچے آ کر پناہ لیں۔ یہ ظاہری نشان بھی بہت اہم چیزیں ہوتی ہیں۔

جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ ایک اُونٹ پر سوار تھیں دشمن نے فیصلہ کیا کہ اُونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں تو آپ نیچے گر جائیں اور آپ کے ساتھی لڑائی بند کر دیں لیکن جب آپ کے ساتھ والے صحابہ نے دیکھا کہ اس طرح آپ گر جائیں گی تو گو آپ دین کا ستون نہ تھیں مگر بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی مظہر تھیں اس لئے صحابہ نے اپنی جانوں سے ان کے اونٹ کی حفاظت کی اور تین گھنٹہ کے اندر اندر ستّر جلیل القدر صحابی کٹ کر گر گئے۔[۷] قربانی کی ایسی مثالیں دِلوں میں جوش پیدا کرتی ہیں۔ پس جھنڈا نہایت ضروری ہے اور بجائے اس کے کہ بعد میں آ کر کوئی بادشاہ اِسے بنائے یہ زیادہ مناسب ہے کہ یہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھوں اور موعودہ خلافت کے زمانہ میں بن جائے۔ اگر اب کوئی جھنڈا نہ بنے تو بعد میں کوئی جھنڈا کسی کیلئے سند نہیں ہوسکتا۔ چینی کہیں گے ہم اپنا جھنڈا بناتے ہیں اور جاپانی کہیں گے اپنا اور اس طرح ہر قوم اپنا اپنا جھنڈا ہی آگے کرے گی۔ آج یہاں عرب، سماٹری، انگریز سب قوموں کے نمائندے موجود ہیں ایک انگریز نومُسلمہ آئی ہوئی ہیں اور انہوں نے ایڈریس بھی پیش کیا ہے۔ جاوا، سماٹرا کے نمائندے بھی ہیں، افریقہ کے بھی ہیں انگریز گویا یورپ اور ایشیا کے نمائندے ہیں۔ افریقہ کا نمائندہ بھی ہے امریکہ والوں کی طرف سے بھی تار آ گیا ہے اور اِس لئے جو جھنڈا آج نصب ہوگا اِس میں سب قومیں شامل سمجھی جائیں گی اور وہ جماعت کی شَوکت کا نشان ہوگا اور یہی مناسب تھا کہ جھنڈا ابھی بن جاتا تا بعد میں اِس کے متعلق کوئی اختلافات پیدا نہ ہوں۔ پھر یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک شعر کو بھی پورا

کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسیح دمشق کے منارۂ شرقی پر اُترے گا[۸] اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے وہ مینارہ بنوایا تا رسول کریم ﷺ کی بات ظاہری رنگ میں بھی پوری ہو اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں یہ جھنڈا بنانے کی توفیق دی کہ جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر ظاہری رنگ میں بھی پورا ہوتا ہے اور اِس وجہ سے کہ ہم لوگوں کو باطن کا بھی خیال رہے اور یہ محض ظاہری رسم ہی نہ رہے مَیں نے ایک اقرار نامہ تجویز کیا ہے پہلے مَیں اِسے پڑھ کر سُنا دیتا ہوں اِس کے بعد میں کہتا جاؤں گا اور دوست اِسے دُہراتے جائیں۔ اقرار نامہ یہ ہے:۔

''میں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اسلام اوراحمدیت کے قیام، اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کیلئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اِس امر کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کروں گا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اِس کا جھنڈا کبھی سَر نِگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اُونچا اُڑتا رہے۔

اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّااِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(انوارالعلوم جلد ۱۵ صفحہ ۴۲۷ تا ۴۴۰)

---

۱ بخاری کتاب فضل لیلة القدر باب رفع معرفة لیلة القدر

۲ اسد الغابة جلد۲ صفحہ ۲۶۵۔۲۶۶

۳ الجمعة: ۳

۴ تذکرہ صفحہ ۳۸۱ ایڈیشن چہارم

۵ تذکرہ صفحہ ۳۸۰ ایڈیشن چہارم

۶ مسند احمد بن حنبل صفحہ ۳۵۴ المکتب الاسلامی بیروت

۷ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۵۷۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۸ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال

خلافت راشدہ

(تقریر فرمودہ ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء برموقع [خلافت جوبلی] جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

خلافت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ضرورت

''میرا طریق ہے کہ ہر جلسہ سالانہ پر میں ایک علمی تقریر کیا کرتا ہوں اِسی کے مطابق مَیں آج ایک اہم موضوع کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ یہ جلسہ اس بات میں خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کا تعلق ''خلافت جوبلی'' کے ساتھ ہے اور اس کے مضامین کا تعلق بھی مسئلہ خلافت سے ہی ہے اس لئے مَیں سمجھتا ہوں میری تقریر میں بھی زیادہ تر خلافت کے مختلف پہلوؤں پر ہی بحث ہونی چاہئے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کیلئے یہ امر ملالِ طبع کا موجب ہو کہ جو شخص بھی تقریر کیلئے اُٹھتا ہے وہ خلافت کے موضوع پر تقریر کرنا شروع کر دیتا ہے مگر اس موضوع کی اہمیت اور موجودہ جلسہ سالانہ کا اقتضاء یہی ہے کہ اِس مسئلہ کے متعلق عمدگی کے ساتھ تمام قسم کی تفصیلات بیان کر دی جائیں کیونکہ جس طرح انسانی فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ اگر اسے کھانے کیلئے مختلف قسم کی چیزیں دی جائیں تو اُسے فائدہ ہوتا ہے اِسی طرح بعض دفعہ ایک ہی چیز بار بار بھی کھانی پڑتی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ ہمارے کھانے پینے کے دن ہیں[1] اور عیدالاضحیہ کے ایام میں تو خصوصیت کے ساتھ گوشت کے سوا اور کوئی غذا ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ حج کے دنوں میں بڑی کثرت سے بکرے وغیرہ ذبح ہوتے ہیں اور اُن کا گوشت جتنا کھایا جا سکتا ہے کھا لیا جاتا ہے اور باقی پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ ایک ہی عنوان پر مختلف رنگوں میں روشنی ڈالنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

مخالفینِ سلسلہ کی طرف سے خلافت کی تنقیص کی کوشش

اِس وقت ہمارے سلسلہ کے خلاف دشمنوں کی طرف سے جو منصوبے کئے جا رہے ہیں اور جن جن تدابیر سے وہ احمدیت کے وقار کو ضعف پہنچانا چاہتے ہیں اُن میں سے ایک منصوبہ اور تدبیر یہ ہے کہ ان کی طرف سے متواتر خلافت کی تنقیص کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں شیطان کو زندہ کیا جاسکے تو اس کے دل میں شیطان کو زندہ کر دیں۔ اسی وجہ سے مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اَب کی دفعہ مَیں خلافت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں تا کہ جو لوگ فائدہ اُٹھانا چاہیں اس سے فائدہ اُٹھا سکیں اور دین سے محبت رکھنے والوں کیلئے یہ تعلیم برکت اور راہنمائی کا موجب ہو جائے۔

خلافت کا مسئلہ اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے

خلافت کا مسئلہ میرے نزدیک اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے بلکہ مَیں سمجھتا ہوں اگر کلمۂ شریفہ کی تفسیر کی جائے تو اس تفسیر میں اس مسئلہ کا مقام سب سے بلند درجہ پر ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے مگر یہ کلمہ اپنے اندر جو تفصیلات رکھتا ہے اور جن امور کی طرف یہ اشارہ کرتا ہے اُن میں سے سب سے بڑا امر مسئلہ خلافت ہی ہے۔ پس مَیں نے چاہا کہ اس مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات جماعت کے سامنے واضح طور پر پیش کر دوں تا کہ مخالفین پر حجت تمام ہو اور لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ [۲] کا نظارہ نظر آ جائے۔ یعنی جو شخص دلیل سے گھائل ہونے والا ہو اس کے سامنے دلیل کو کھول کر بیان کر دیا جائے اور جس کا ایمان بصیرت پر مبنی ہو اس کے ہاتھ میں ایسی بیّن دلیل آ جائے جس سے اس کا ایمان تازہ ہو جائے۔

اُمّتِ مُسلمہ کا نظام کسی مذہبی مسئلہ کے ساتھ وابستہ کرنیکی ضرورت

سب سے پہلے میں اس سوال کو لیتا ہوں جو مغربی تعلیم کے اثر کے نیچے اُٹھایا جاتا ہے اور وہی ایک اصولی سوال ہے جس پر اس مسئلہ کا انحصار ہے اور وہ یہ ہے کہ نظام بہر حال ایک دُنیوی چیز ہے اور جب کہ نظام ایک

دُنیوی چیز ہے دینی چیز نہیں تو اُمّتِ مسلمہ کے نظام کو کسی مذہبی مسئلہ کے ساتھ وابستہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے اور مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر اس پر مذہبی نقطۂ نگاہ سے غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین اُتارا اور ہم نے اسے مان لیا اب اسے اس امر میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں کہ ہم اپنے لئے کونسا نظام تجویز کرتے ہیں یہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی مرضی پر منحصر ہے وہ جس طرح چاہیں اس کا فیصلہ کر لیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو ایک خود مختار بادشاہ پر متفق ہو جائیں، چاہیں تو جمہوریت کو پسند کر لیں، چاہیں تو بولشویک اصول کو قبول کر لیں اور چاہیں تو آئینی بادشاہت کے طریق کو اختیار کر لیں کسی ایک اصل کو مذہب کے نام پر رائج کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ مفید ہوسکتا ہے اصل غرض تو دین کو پھیلانا ہے۔ بھلا اس میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے کہ وہ نظام کیسا ہو جس کے ماتحت کام کیا جائے۔ موجودہ زمانہ میں نَو تعلیم یافتہ مغرب زدہ نوجوانوں نے اس بحث کو اُٹھایا ہے اور درحقیقت اس کے پیچھے وہ غلط حریّت کی روح کام کر رہی ہے جو مختلف خیالاتِ فلاسفہ سے متأثر ہو کر مسلمانوں میں موجودہ زمانہ میں پیدا ہوئی ہے۔ وہ اس سوال کو بار بار اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس رنگ میں مذہب بدنام ہوتا اور نَو تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بدظن ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مذہب کو اپنی جگہ پر رہنے دو اور سیاست کو اپنی جگہ۔

مغربی اثر کے ماتحت خیالات کی یہ رَو مدت سے چل رہی تھی مگر مسلمانوں میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ عَلَی الْاِعْلَان اس کا اظہار کرے۔ جب تُرکی خلافت تباہ ہوئی اور کمال اتاترک نے خلافت کو منسوخ کر دیا تو عالمِ اسلامی میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور پُرانے خیالات کے جو لوگ تھے انہوں نے خلافت کمیٹیاں بنائیں۔ ہندوستان میں بھی کئی خلافت کمیٹیاں بنیں اور لوگوں نے کہا کہ ہم اس رَو کا مقابلہ کریں گے مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو چکے تھے کہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک فاتح بادشاہ جس کی لوگوں کے دلوں میں بہت بڑی عزت ہے اُس نے اپنے عمل سے اُن کے خیالات کی تائید کر دی ہے تو وہ اور زیادہ دلیر ہو گئے اور اُن میں سے بعض نے اس کے متعلق رسائل لکھے۔ اس قسم کے رسائل مسلمانوں نے بھی لکھے ہیں، یورپین لوگوں

نے بھی لکھے ہیں اور بعض روسیوں نے بھی لکھے ہیں مگر اس خیال کو ایک مدلّل صورت میں ایک مصری عالم علی بن عبدالرزاق نے جو جامعہ ازہر کے علماء میں سے ہیں اور محاکمِ شرعیہ کے قاضی ہیں اپنی کتاب "اَلْاِسْلَامُ وَ اُصُوْلُ الْحِکَم" میں پیش کیا ہے اور اس کا محرّک جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں وہ شدید اضطراب ہؤا جو ترکی خلافت کی منسوخی سے عالمِ اسلامی میں عموماً اور عربی ممالک میں خصوصاً پیدا ہؤا تھا۔

ایک سوال کا جواب

شاید کہا جائے کہ اس بحث کا اس خلافتِ احمدیہ سے کیا تعلق ہے جو اصل بحث میرے مضمون کا ہوسکتا ہے کیونکہ وہ خلافت جو اس کتاب میں زیر بحث ہے خلافتِ سلطنت ہے اور احمدیہ جماعت کو جس خلافت سے تعلق ہے وہ مذہبی خلافت ہے تُرک بادشاہ ہیں اور احمدی بادشاہ نہیں۔ پس تُرکوں کی خلافت کی تائید میں جو دلائل ہونگے وہ اور رنگ کے ہونگے اور ان کی خلافت کی تردید میں جو دلائل ہونگے وہ بھی اور رنگ کے ہونگے۔ بھلا اس خلافت کا خلافتِ احمدیہ سے کیا تعلق ہے جسے کسی قسم کی بادشاہت حاصل نہیں اور جس کی خلافت محض مذہبی رنگ رکھتی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے ضروری نہیں ہوتا کہ اُس کے صرف اُس پہلو پر روشنی ڈالی جائے جس کے متعلق کوئی سوال کرے بلکہ بسا اوقات اس کے تمام پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے اور یہ کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم سے کوئی پوچھے کہ وضو میں ہاتھ کس طرح دھوئے جاتے ہیں تو اس کے جواب میں اگر ہم وضو کی تمام تفصیل اس کو بتا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے مفید ہوگا کیونکہ وہ باقی باتیں بھی سمجھ جائے گا۔ اسی طرح گو احمدیہ جماعت کو جس خلافت سے تعلق ہے وہ مذہبی خلافت ہے لیکن اگر خلافت سلطنت کے متعلق بھی بحث کر دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا بلکہ اس مضمون کی تکمیل کیلئے ایسا کرنا ضروری ہوگا۔

سیاست صرف حکومت کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی

دوسرا جواب یہ ہے کہ درحقیقت سیاست نظام کا دوسرا نام ہے اور یہ سیاست حکومت کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے اور حکومت کے بغیر بھی سیاست ہوتی ہے۔ یہ لوگوں

کی غلطی ہے کہ انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ سیاست صرف حکومت کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہے حالانکہ بغیر حکومت کے بھی سیاست ہوتی ہے اور بغیر حکومت کے بھی نظام کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تین شخص اکٹھے کہیں سفر پر جانے لگیں تو وہ اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنالیں[۳۲] تاکہ نماز کے وقت اُسے امام بنایا جاسکے اور سفر میں جو جو ضرورتیں پیش آئیں اُن کے بارہ میں اُس سے مشورہ لیا جاسکے۔ اب یہ ایک نظام ہے مگر اس کا تعلق حکومت سے نہیں۔ نظام درحقیقت ایک مستقل چیز ہے اگر حکومت شامل ہو تو اس پر بھی حاوی ہوتا ہے اور اگر نہ ہو تو باقی لوگوں کے لئے اُس کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ پس مسئلہ خلافت ایک اسلامی نظام سے تعلق رکھتا ہے خواہ وہ سلطنت پر مشتمل ہو یا نہ ہو۔

مذہبی خلافت پر اعتراض

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی ثابت کردے کہ اسلام نے کوئی خاص نظام پیش نہیں کیا تو اس کی زد خلافت سلطنت پر ہی نہیں پڑے گی بلکہ اُس خلافت پر بھی پڑے گی جو ہم پیش کرتے ہیں گویا خلافت سلطنت اور خالص مذہبی نظام دونوں یکساں اس کی زد میں آئیں گے۔ پس گو وہ دلائل ترکی خلافت کے خلاف پیش کئے گئے ہیں لیکن چونکہ وہ احمدیہ خلافت پر بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح خلافت سلطنت پر، اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان دلائل کا جائزہ لیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر اسلام نے کوئی معیّن نظام پیش نہیں کیا تو جس طرح نظامِ سلطنت میں مسلمان آزاد ہونگے اسی طرح خالص نظامِ مذہبی میں بھی وہ آزاد سمجھے جائیں گے اور انہیں اختیار ہوگا کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں وہ جس طرح چاہیں اور جس شکل میں چاہیں ایک نظام اپنے لئے تجویز کرلیں۔

ابتدائے اسلام میں نظامِ مملکت اور نظامِ دینی کا اجتماع

اس سوال کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں نظامِ مملکت اور نظامِ دینی اکٹھے تھے۔ یعنی مذہب کا نظام تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ہی وہ فوجیں بھی رکھتے تھے، اُن میں قاضی بھی موجود تھے، وہ حدود

بھی جاری کرتے تھے، وہ قصاص بھی لیتے تھے، وہ لوگوں کوعہدوں پر بھی مقرر کرتے تھے، وہ وظائف بھی تقسیم کرتے تھے، اِسی طرح نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ان میں جاری تھی گویا ابتدائے اسلام میں دونوں قسم کے نظام جمع ہو گئے تھے۔ پس اگر کوئی نظام اسلام سے ثابت نہیں تو خلافتِ مذہبی کی ابتداء بھی صرف اُس وقت کے مسلمانوں کا ایک وقتی فیصلہ قرار دیا جائے گا اور اس سے آئندہ کیلئے کوئی استدلال کرنا اور سند پکڑنا درست نہ ہوگا۔ اور جب خلافت کا وجود ابتدائے اسلام میں ہی ثابت نہ ہوگا تو بعد میں کسی وقت اس کے وجود کو قائم کرنا کوئی مذہبی مسئلہ نہیں کہلا سکتا۔ پس اگر خلافت کے مسئلہ پر کوئی زد آئے گی تو یہ تو نہیں ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ صرف ترکوں کی خلافت ناجائز ہے بلکہ وہ سرے سے خلافت کا ہی انکار کر دیں گے اور اس طرح ہم پر بھی جو مسئلۂ خلافت کے قائل ہیں اس کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جیسے اگر ہندوؤں اور عیسائیوں پر کوئی ایسا اعتراض کیا جائے جو اسلام پر بھی وارد ہوتا ہو تو یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ اس سے ہندوؤں اور عیسائیوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے اسلام کو اس سے کیا ڈر ہے کیونکہ اگر وہی بات اسلام میں بھی پائی جاتی ہے تو ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اس اعتراض کا ازالہ کریں کیونکہ اگر لوگ اس کی وجہ سے مذہب سے بدظن ہونگے تو صرف ہندوؤں اور عیسائیوں سے ہی نہیں ہونگے بلکہ مسلمانوں سے بھی ہونگے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ ہم خلافتِ احمدیہ کے ثبوت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کی مثال لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوئے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی خلافت کا وجود ضروری ہے۔ اگر وہی خلافت اُڑ جائے تو لازماً خلافتِ احمدیہ بھی باطل ہو جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام کے قیام سے تعلق رکھنے والا حصہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے یا غیر مذہبی؟

اس کے ساتھ ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس عقیدہ کو درست تسلیم کر لیا جائے جو علی بن عبدالرزاق نے لوگوں

کے سامنے پیش کیا ہے اور جسے غیر مبائعین بھی پیش کرتے ہیں تو اس سے ایک اور اہم سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آیا رسولِ کریم ﷺ کے اعمال کا وہ حصہ جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتا ہے مذہبی حیثیت رکھتا ہے یا غیر مذہبی۔ کیونکہ جب ہم یہ فیصلہ کر دیں کہ اسلام کوئی معیّن نظام پیش نہیں کرتا بلکہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ کی خلافت مسلمانوں کا ایک وقتی فیصلہ تھا اور وہ نظامِ مملکت کے استحکام کیلئے جو کام کرتے تھے وہ محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں کرتے تھے تو طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جو حکومت اور نظام کے قیام سے تعلق رکھتے تھے وہ محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپ سے صادر ہوتے تھے یا اسے کوئی مذہبی تائید بھی حاصل تھی۔ اگر وہ وقتی ضرورت کے ماتحت تھے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے آپ کے تتبُّع میں جو کچھ بھی کیا ہوگا وقتی ضرورت کے ماتحت کیا ہوگا اور وہ ہمارے لئے حُجّت شرعی نہیں ہوگا اور اگر رسول کریم ﷺ کے وہ اعمال جو حکومت اور نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مذہبی حیثیت رکھتے تھے تو لازماً ہمیں ان سے سند لینی پڑے گی۔ پس یہ سوال صرف خلفاء تک محدود نہیں رہتا بلکہ رسول کریم ﷺ تک بھی جا پہنچتا ہے کہ اگر نظامِ خلافت کا اصول مذہبی نہیں تو چونکہ یہ نقل ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی اس لئے ان کے وہ اعمال بھی مذہبی نہیں ہوں گے جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے لئے ان کی اتباع ضروری نہیں ہوگی جیسے کپڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق کوئی نہیں کہتا کہ رسول کریم ﷺ نے فلاں قسم کے کپڑے پہنے یا فلاں کھانا کھایا اس لئے لازماً وہی کپڑا پہننا اور وہی کھانا کھانا چاہئے۔ مثلاً کوئی نہیں کہتا کہ رسول کریم ﷺ چونکہ تہہ بند باندھا کرتے تھے اس لئے تم بھی تہہ بند باندھو یا رسول کریم ﷺ چونکہ کھجوریں کھایا کرتے تھے اس لئے تم بھی کھجوریں کھاؤ بلکہ اس سے اصولی رنگ میں ایک نتیجہ اُخذ کر لیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کو سادہ زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اسی طرح اگر رسول کریم ﷺ کے ان اعمال کو جو نظام کے قیام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں شرعی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ضرورتِ زمانہ کے ماتحت قرار دیا جائے گا تو وہ ہمارے لئے حُجّت نہیں ہوں گے اور ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکیں گے کہ

عرب میں دشمنوں کی حکومت چونکہ ٹوٹ گئی تھی اور وہ سب آپ کے تابع ہو گئے تھے اس لئے آپ مجبور تھے کہ کوئی نہ کوئی نظام قائم کریں اور چونکہ نظام کے قیام کیلئے کچھ قوانین کی بھی ضرورت تھی اس لئے آپ نے بعض قوانین بھی بنا دیئے اور اس سے آپ کی غرض محض ان لوگوں کی اصلاح تھی۔ یہ غرض نہیں تھی کہ کوئی ایسا نظام قائم کریں جسے ہمیشہ کیلئے مذہبی تائید حاصل ہو جائے۔ غرض اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے یہ امر لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود رسول کریم ﷺ کے اعمال کا وہ حصہ جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتا ہے مذہبی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ کام محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپ کرتے تھے اسے کوئی مذہبی تائید حاصل نہ تھی اگر مذہبی تائید حاصل ہوتی تو وہ بعد کے لوگوں کیلئے بھی سُنت اور قابلِ عمل قرار پاتے۔ یہ ایک طبعی نتیجہ ہے جو اس عقیدہ سے پیدا ہوتا ہے مگر منکرین خلافت اس طبعی نتیجہ کو ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ کہہ دیا کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کا وہ حصہ جو سلطنت کے اُمور کے انصرام کے متعلق تھا محض ایک دُنیوی کام تھا اور وقتی ضرورتوں کے ماتحت تھا تو مسلمان اسے برداشت نہیں کریں گے اور وہ کہیں گے کہ تم رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہو اسی لئے خلافت کے منکر اس بارہ میں ہمیشہ غیر منطقی طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں مگر علی بن عبدالرزاق جو جامعہ ازہر کے شیوخ میں سے ہے اس نے آزادی اور دلیری سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور اس وجہ سے قدرتی طور پر وہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ یہ عجیب توارد ہوا کہ ادھر جب اس مضمون پر میں نے نوٹ لکھنے شروع کئے تو لکھتے لکھتے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر اس دلیل کو اسی طرح اوپر کی طرف چلایا جائے تو اس کی زد رسول کریم ﷺ پر بھی پڑتی ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی زندگی کا یہ حصہ محض ایک دُنیوی کام تھا جسے آپ نے وقتی ضروریات کے ماتحت اختیار کیا۔ غرض پہلے میں اس نتیجہ پر پہنچا بعد میں جب میں نے اس کی کتاب کو پڑھا تو میں نے دیکھا کہ بعینہٖ اس نے یہی استنباط کیا ہؤا ہے اور گو مسلمانوں کے خوف سے اُس نے اس کو کھول کر بیان نہیں کیا بلکہ شکر کی گولی میں زہر دینے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی اس کا مطلب خوب واضح ہے کہ قضاء وغیرہ کا انتظام اس وقت ثابت نہیں اور نہ دوسری

ضروریات کا جو حکومت کیلئے ضروری ہیں مثلاً میزانیہ وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ اُس وقت جو کچھ کیا جاتا تھا صرف وقتی مصالح کے ماتحت کیا جاتا تھا۔

خلافت کے انکار کا ایک خطرناک نتیجہ

حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے انکار کرنے کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حکومت مذہبی نہیں تھی اور خواہ اس خیال کو مسلمانوں کی مخالفت کے ڈر سے کیسے ہی نرم الفاظ میں بیان کیا جائے صرف خلفاء کے نظامِ سلطنت کو ہی مذہبی حیثیت سے نہیں گرانا پڑتا بلکہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اس حصہ کے متعلق بھی جو امورِ سلطنت کے انصرام کے ساتھ تعلق رکھتا تھا کہنا پڑتا ہے کہ وہ محض ایک دُنیوی کام تھا جسے وقتی ضرورتوں کے ماتحت آپ نے اختیار کیا ورنہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے نظامی حصہ آپ نے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور آپ کی طرف سے اس بات کی کُھلی اجازت ہے کہ اپنی سہولت کے لئے جیسا نظام کوئی چاہے پسند کرے۔ علی بن عبدالرزاق نے اس بات پر بھی بحث کی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ کو صحیح معنوں میں حکومت حاصل ہوتی تو آپ ہر جگہ جج مقرر کرتے مگر آپ نے ہر جگہ جج مقرر نہیں کئے اسی طرح باقاعدہ میزانیہ وغیرہ بنائے جاتے مگر یہ چیزیں بھی آپ کے عہد میں ثابت نہیں۔ اسی طرح اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر امورِ سلطنت کے انصرام میں کوئی حصہ لیا ہے تو وہ وقتی ضرورتوں کے ماتحت لیا ہے جیسے گھر میں کرسی نہیں ہوتی تو انسان فرش پر ہی بیٹھ جاتا ہے اسی طرح اُس وقت چونکہ کوئی حکومت نہیں تھی آپ نے عارضی انتظام قائم کرنے کیلئے بعض قوانین صادر کر دیئے۔ پس آپ کا یہ کام ایک دُنیوی کام تھا اس سے مذہبی رنگ میں کوئی سند نہیں لی جاسکتی۔

غرض اس اصل کو تسلیم کر کے خلفاء کے نظامِ حکومت کو ہی مذہبی حیثیت سے نہیں گرانا پڑتا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کاموں کو بھی جو نظامِ سلطنت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں دُنیوی کام قرار دینا پڑتا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ بعد کے لوگوں کیلئے سنت اور قابلِ عمل نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اصولی طور پر خلافت و نظامِ اسلامی کے مسئلہ کو لیتا ہوں۔

مذہب کی دو قسمیں

میرے نزدیک اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ امر سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا کے مذاہب دو قسم کے ہیں (۱) اوّل وہ مذاہب جو مذہب کا دائرہ عمل چند عبادات اور اذکار تک محدود رکھتے ہیں اور امورِ اعمالِ دُنیوی کو ایک علیحدہ امر قرار دیتے ہیں اور ان میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ وہ کہیں گے نماز یوں پڑھو، روزے یوں رکھو، صدقہ و خیرات یوں کرو، لوگوں کے حقوق یوں بجالاؤ، غرض عبادات اور اذکار کے متعلق وہ احکام بیان کریں گے مگر کوئی ایسا حکم نہیں دیں گے جس کا نظام کے ساتھ تعلق ہو یا اقتصادیات کے ساتھ تعلق ہو یا بَیْنَ الاقوامی حالات کے ساتھ تعلق ہو یا لین دین کے معاملات کے ساتھ تعلق ہو یا ورثہ کے ساتھ تعلق ہو۔ وہ ان امور کے متعلق قطعاً کوئی تعلیم نہیں دیں گے۔

مسیحی مذہب میں شریعت کو لعنت قرار دینے کا اصل باعث

اِس قسم کے مذاہب میں سے ایک مسیحی مذہب ہے اور اس مذہب میں جو شریعت کو لعنت قرار دینے پر زور دیا گیا ہے اس کی وجہ بھی زیادہ تر یہی ہے کہ وہ افراد کے اعمال کو مذہب کی پابندیوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مذہب کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کہے تم نمازیں پڑھو، تم روزہ رکھو، تم حج کرو، تم زکوٰۃ دو، تم عیسیٰ کو خدا سمجھو۔ اسے اس بات سے کیا واسطہ ہے کہ قتل، فساد، چوریوں اور ڈاکوں کے متعلق کیا احکام ہیں یا یہ کہ قومیں آپس میں کس طرح معاہدات کریں، یا اقتصاد کو کس طرح کنٹرول میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں شریعت کا اِن امور سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر لڑکوں اور لڑکیوں کو ورثہ میں سے حصہ دینے کا سوال ہو تو وہ کہہ دیں گے کہ اس میں شریعت کا کیا دخل ہے یہ ہمارے ملک کی پارلیمنٹ کا کام ہے کہ وہ جس امر میں قوم کا فائدہ دیکھے اسے بطور قانون نافذ کر دے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم سود لیں گے چاہے روپیہ کی صورت میں لیں اور چاہے جنس کی صورت میں، تو مذہب کو کیا حق ہے کہ وہ یہ کہے کہ روپیہ کے بدلہ میں سودی روپیہ لینا ناجائز ہے۔ غرض وہ مذہب کے اُن احکام سے جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں شدید نفرت کرتے ہیں اسی لئے انہوں نے شریعت کو لعنت قرار

دے لیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ روزہ رکھنا لعنت ہے۔ اگر روزہ رکھنا لعنت کا موجب ہوتا تو انجیل کے پُرانے ایڈیشنوں میں یہ کس طرح لکھا ہوتا کہ:-

''اس طرح کے دیو بغیر دعا اور روزہ کے نہیں نکالے جاتے'' [۴۲]

اور کیا ممکن ہے کہ ایک طرف تو انجیلوں میں اس قسم کے الفاظ آتے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا کہ شریعت لعنت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب عیسائیوں نے یہ کہا کہ شریعت لعنت ہے تو اس کے معنی یہی تھے کہ شریعت کا نظامِ قومی کو معیّن کر دینا لعنت ہے اور مذہب کو امورِ دُنیوی کے متعلق کوئی حکم دینے کا اختیار نہیں بلکہ ان امور کے متعلق ضرورت کے مطابق ہر قوم خود اپنے لئے قوانین تجویز کر سکتی ہے۔ اس طرح انہوں نے موسوی شریعت کی ان پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا جو امورِ سلطنت میں اس نے لگائی تھیں۔ بیشک حضرت مسیح علیہ السلام نے جب یہ فقرہ کہا (بشرطیکہ ان کی طرف اسے منسوب کیا جا سکے) تو ان کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ ان کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہود نے جو شریعت کے ظاہری احکام کو اس قدر اہمیت دے دی ہے کہ باطن اور روحانیت کو انہوں نے بالکل بُھلا دیا ہے یہ امر ان کے لئے ایک لعنت بن گیا ہے اور اس نے انہیں حقیقت سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ لیکن جب مسیحیت روما میں پھیلی تو چونکہ وہ لوگ اپنے قومی دستور کو ترک کرنے کیلئے تیار نہیں تھے اور سمجھتے تھے کہ رومن لاء سے بہتر اور کوئی لاء نہیں بلکہ آج تک رومن لاء سے ہی یورپین حکومتیں فائدہ اُٹھاتی چلی آئی ہیں اس لئے وہاں کے لوگ جو بڑے متمدّن اور قانون دان تھے انہوں نے خیال کیا کہ دُنیا میں ہم سے بہتر کوئی قانون نہیں بنا سکتا ادھر انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مذہب کی تعلیم بڑی اچھی ہے خدا تعالیٰ کی محبت کے متعلق، معجزات اور نشانات کے متعلق، دعاؤں کے متعلق، مسیح کی قربانیوں کے متعلق۔ جب انہوں نے عیسائیت کی تعلیمات کو دیکھا تو ان کے دل عیسائی مذہب کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے اقرار کیا کہ یہ مذہب واقع میں اس قابل ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے۔ مگر دوسری طرف وہ یہ امر بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ یہودی شریعت کو جس کو وہ رومن لاء کے مقابلہ میں بہت ادنیٰ سمجھتے تھے اپنے اندر جاری کریں۔ پس وہ ایک عجیب مخمصے میں مبتلاء ہو گئے۔ ایک طرف عیسائیت کی دلکش تعلیم

انہیں اپنی طرف کھینچتی تھی اور دوسری طرف رومن لاء کی برتری اور فوقیت کا احساس انہیں یہودی شریعت کے آگے اپنا سر جُھکانے نہیں دیتا تھا۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ ان کی نگاہ عہدِ جدید کے اِن فقرات پر پڑی کہ:-

''جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔'' [۵]

اور یہ کہ:-

''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔'' [۶]

یہ حضرت مسیح کے الفاظ نہیں بلکہ پولوس کے الفاظ ہیں۔ مگر انہیں ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور انہوں نے اِن فقرات کے معنی وسیع کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ مذہب کو امورِ دُنیوی کے متعلق کچھ حکم دینے کا اختیار نہیں بلکہ اِن امور کے متعلق ضرورت کے مطابق ہر قوم اپنے لئے خود قوانین تجویز کر سکتی ہے۔ حضرت مسیح کا (اگر بِالفرض انہوں نے کبھی یہ فقرہ کہا ہو) یا آپ کے حواریوں کا تو صرف یہ مطلب تھا کہ یہود صرف ظاہری احکام پر زور دیتے ہیں روحانیت کو انہوں نے بالکل بُھلا رکھا ہے اور یہ امر اُن کے لئے لعنت کا موجب ہے۔ وہ بے شک ظاہری طور پر نماز پڑھ لیتے ہیں مگر ان کے دل میں کوئی خشیت، کوئی محبت اور خدا تعالیٰ کی طرف کوئی توجہ پیدا نہیں ہوتی اور یہ نماز ان کیلئے لعنت ہے۔ وہ ظاہری طور پر صدقہ وخیرات کرتے وقت بکرے بھی ذبح کرتے ہیں مگر کبھی انہوں نے اپنے نفس کے بکرے کو ذبح نہیں کیا اور اس طرح صدقہ وخیرات بھی ان کے لئے لعنت ہے، وہ عبادت میں خدا تعالیٰ کے سامنے ظاہری رنگ میں اپنا سر تو بے شک جُھکاتے ہیں مگر ان کے دل کبھی خدا کے آگے نہیں جھکتے اس وجہ سے ان کی عبادت بھی ان کے لئے لعنت ہے، وہ بیشک زکوٰۃ دیتے ہیں اور اس طرح اپنے مال کی خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرتے ہیں مگر کبھی اپنے باطل افکار کی قربانی اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور اس وجہ سے زکوٰۃ بھی ان کے لئے لعنت کا موجب ہے۔ غرض یہود نے چونکہ ظاہر پر زور دے رکھا تھا اور باطنی اصلاح کو انہوں نے بالکل فراموش کر دیا تھا اس لئے حضرت مسیح یا ان کے حواریوں کو یہ کہنا پڑا کہ صرف ظاہر شریعت پر عمل کرنا اور باطن کی

اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونا ایک لعنت ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ شریعت لعنت ہے بلکہ یہ معنی تھے کہ ظاہر شریعت پر عمل کرنا اور باطنی اصلاح کی طرف تمہارا توجہ نہ کرنا تمہارے لئے لعنت کا باعث ہے۔ مگر رومیوں کو ایک بہانہ مل گیا اور انہوں نے کہا اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں تو مذہب کی اطاعت کی جائے مگر امورِ دُنیوی میں اس کی اطاعت نہ کی جائے اور نہ اسے اِن امور کے متعلق احکام دینے کا کوئی اختیار ہے۔ یہ ہماری اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ ہم اپنے لئے جو قانون چاہیں تجویز کر لیں اسی لئے جو رومی عیسائی مذہب اور شریعت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ لعنت ہے وہ خود ایک قانون بنا کر لوگوں کو اس کے ماتحت چلنے پر مجبور کرتے ہیں اگر محض کسی قانون کا ہونا لعنت ہوتا تو وہ خود بھی کوئی قانون نافذ نہ کرتے۔ مگر ان کا ایک طرف مذہب کو لعنت کہنا اور دوسری طرف خود اپنے لئے مختلف قسم کے قوانین تجویز کرنا بتاتا ہے کہ وہ اس فقرہ کے یہی معنی سمجھتے تھے کہ صرف لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے جو قانون چاہیں بنالیں مذہب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دُنیوی امور کے متعلق لوگوں کے سامنے کوئی احکام پیش کرے۔ اس طرح انہوں نے موسوی شریعت کی اُن پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا جو امورِ سلطنت میں اس نے لوگوں پر عائد کی ہوئی تھیں۔

یہودی مذہب کا نظامِ حکومت میں دخل

اس کے بالمقابل بعض دوسرے مذاہب ہیں جنہوں نے مذہب کے دائرہ کو وسیع کیا ہے اور انسانی اعمال اور باہمی تعلقات اور نظامِ حکومت وغیرہ کے متعلق بھی قواعد بنائے ہیں اور جو لوگ ایسے مذاہب کو مانتے ہیں لازماً انہیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ حکومت کے معاملات میں بھی مذہب کو دخل اندازی کا حق حاصل ہے اور نیز یہ کہ ان احکام کی پابندی افراد اور جماعتوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح عقائد اور انفرادی احکام مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ میں واجب ہے۔ اس کی مثال میں یہودی مذہب کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص موسوی شریعت کو پڑھے تو اسے جا بجا یہ لکھا ہؤا نظر آئے گا کہ اگر کوئی قتل کرے تو اسے یہ سزا دی جائے، چوری کرے تو یہ سزا دی جائے، جنگ ہو تو اِن قواعد کو ملحوظ

رکھا جائے ،قربانی کرنی ہوتو اِن اصول کے ماتحت کی جائے ،اسی طرح لین دین اور تجارت وغیرہ معاملات کے متعلق وہ ہدایات دیتا ہے۔غرض وہ معاملات جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یہودی مذہب ان میں بھی دخل دیتا ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی شخص موسوی شریعت پرغور کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ مذہب کو جس طرح افراد کے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل ہے اسی طرح اسے قومی اور ملکی معاملات میں بھی دخل دینے کا حق حاصل ہے۔

اسلام کن مذاہب سے مشابہت رکھتا ہے

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اسلام کونسی قسم کے مذاہب سے مشابہت رکھتا ہے۔ آیا اوّل الذکر قسم سے یا دوسری قسم کے مذاہب سے۔ اور آیا اسلام نے قومی معاملات میں دخل دیا ہے یا نہیں؟ اگر محمد ﷺ نے قومی معاملات میں دخل دیا ہے چاہے اپنی مرضی سے اور چاہے اس وجہ سے کہ ملک کو اس کی بے حد ضرورت تھی تو ماننا پڑے گا کہ جیسے جنگل میں اگر کسی کو کوئی آوارہ بچہ مل جائے تو وہ رحم کر کے اسے اپنے گھر میں لے جاتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اسے اس کی ولایت کا حق حاصل ہو گیا ہے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے رحم کر کے عرب کے یتیموں کو اپنی گود میں لے لیا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ آپؐ کو ان کی ولایت کا حق حاصل ہو گیا تھا بلکہ جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے تو انہیں اس بات کا اختیار تھا کہ وہ اپنے لئے جو قانون چاہتے تجویز کر لیتے لیکن اگر شریعت اسلام میں ایسے احکام موجود ہوں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے طور پر ان امور میں دخل نہیں دیا بلکہ آپ نے اُسی وقت ان امور کو اپنے ہاتھ میں لیا جب خدا نے آپؐ کو اس کا حکم دیا اور جب خدا کا حکم دینا ثابت ہو جائے تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ آپؐ کی زندگی کا وہ حصہ جو امورِ سلطنت کے انصرام میں گزرا وہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے اور مسلمان جس طرح خالص مذہبی نظام میں اسلامی ہدایات کے پابند ہیں اسی طرح نظامِ سلطنت میں بھی وہ آزاد نہیں بلکہ شریعتِ اسلامیہ کے قائم کردہ نظامِ سلطنت کے پابند ہیں۔ اس غرض کے لئے جب قرآن کریم اور احادیث نبویہ کو دیکھا جاتا ہے تو ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام پہلی قسم کے مذاہب میں شامل نہیں

بلکہ دوسری قسم کے مذاہب میں شامل ہے۔ اس نے صرف بعض عقائد اور انفرادی اعمال کے بتانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے ان احکام کو بھی لیا ہے جو حکومت اور قانون سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ صرف یہی نہیں کہتا کہ نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو بلکہ وہ ایسے احکام بھی بتاتا ہے جن کا حکومت اور قانون سے تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً وہ میاں بیوی کے تعلقات پر بحث کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر جھگڑا ہو جائے تو کیا کِیا جائے اور ان کی باہمی مصالحت کیلئے کیا کیا تدابیر عمل میں لائی جائیں اور اگر کبھی مرد کو اِس بات کی ضرورت پیش آئے کہ وہ عورت کو بدنی سزا دے تو وہ سزا کتنی اور کیسی ہو، اسی طرح وہ لین دین کے قواعد پر بھی بحث کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ قرض کے متعلق کتنے گواہ تسلیم کئے جاسکتے ہیں، قرضہ کی کونسی صورتیں جائز ہیں اور کونسی ناجائز، وہ تجارت اور فنانس کے اصول بھی بیان کرتا ہے، وہ شہادت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے جن پر قضاء کی بنیاد ہے۔ چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ کیسے گواہ ہونے چاہئیں، کتنے ہونے چاہئیں، ان کی گواہی میں کِن کِن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح وہ قضاء کے متعلق کئی قسم کے احکام دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ قاضیوں کو کس طرح فیصلہ کرنا چاہیئے۔ پھر ان مختلف انسانی افعال کی وہ جسمانی سزائیں بھی تجویز کرتا ہے جو عام طور پر قوم کے سپرد ہوتی ہیں۔ مثلاً قتل کی کیا سزا ہے یا چوری کی کیا سزا ہے؟ اسی طرح وہ وراثت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے اور حکومت کو ٹیکس کا جو حق حاصل ہے اس پر بھی پابندیاں لگاتا ہے اور ٹیکسوں کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ حکومت کو اِن ٹیکسوں کے خرچ کرنے کے متعلق جو اختیارات حاصل ہیں ان کو بھی بیان کرتا ہے، فوجوں کے متعلق قواعد بھی بیان کرتا ہے، معاہدات کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ دو قومیں جب آپس میں کوئی معاہدہ کرنا چاہیں تو کن اصول پر کریں۔ اسی طرح بَیْنَ الاقوامی تعلقات کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے، مزدور اور ملازم رکھنے والوں کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے، سڑکوں وغیرہ کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے۔ غرض وہ تمام امور جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں ان سب کو اسلام بیان کرتا ہے۔ پس اسلام کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے حکومت کو آزاد چھوڑ دیا ہے بلکہ جیسا کہ ثابت ہے اس نے حکومت کے ہر شعبے پر سیر کن بحث

کی ہے۔ پس جو شخص اسلام کو مانتا ہے اور اس میں حکومت کے متعلق تمام احکام کو تفصیل سے بیان کیا ہؤا دیکھتا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مذہب کو ان امور سے کیا واسطہ بلکہ اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول کریم ﷺ کے وہ افعال جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی ویسے ہی قابلِ تقلید ہیں جیسے نماز اور روزہ وغیرہ کے متعلق احکام۔ کیونکہ جس خدا نے یہ کہا ہے کہ نماز پڑھو، جس خدا نے یہ کہا ہے کہ روزے رکھو، جس خدا نے یہ کہا ہے کہ حج کرو، جس خدا نے یہ کہا ہے کہ زکوٰۃ دو اُسی خدا نے امورِ سیاست اور تنظیم ملکی کے متعلق بھی احکام بیان کئے ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر قوم اور ہر ملک آزاد ہے کہ اپنے لئے ایک مناسب طریق ایجاد کر لے اور جس طرح چاہے رہے بلکہ اسے اپنی زندگی کے سب شعبوں میں اسلامی احکام کی پابندی کرنی پڑے گی کیونکہ اگر رسول کریم ﷺ نے یہ اپنی طرف سے کیا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ لوگ اس بارہ میں آزاد ہیں مگر جب ہم کہتے ہیں کہ یہ احکام قرآن مجید میں آئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان کیا تو معلوم ہؤا کہ یہ رسول کریم ﷺ کا ذاتی فعل نہیں تھا۔ اور جبکہ قرآن نے ان تمام امور کو بیان کر دیا ہے جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ اس نے حکومت سے تعلق رکھنے والی تو ساری باتیں بیان کر دی ہوں مگر یہ نہ بتایا ہو کہ حکومت کو چلایا کس طرح جائے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی شخص مکان بنانے کیلئے لکڑیاں جمع کرے، کھڑکیاں اور دروازے بنوائے، اینٹوں اور چونے وغیرہ کا ڈھیر لگا دے مگر جب کوئی پوچھے کہ عمارت کب بنے گی اور اس کا کیا نقشہ ہوگا؟ تو وہ کہے کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ صاف بات ہے کہ جب اس نے اینٹیں اکٹھی کیں، جب اس نے دروازے کھڑکیاں اور روشندان بنوائے، جب اس نے چونے اور گارے کا انتظام کیا تو آخر اسی لئے کیا کہ وہ مکان بنائے اس لئے تو نہیں کیا کہ وہ چیزیں بے فائدہ پڑی رہیں اور ضائع ہو جائیں۔ اسی طرح جب قرآن نے وہ تمام باتیں بیان کر دی ہیں جن کا حکومت کے ساتھ تعلق ہؤا کرتا ہے تو عقلِ انسانی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتی کہ اس نے نظامِ حکومت چلانے کا حکم نہ دیا ہو اور نہ یہ بتایا ہو کہ اس نظام کو کس رنگ میں چلایا جائے اور اگر وہ یہ نہیں بتاتا تو تم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** ناقص ہے۔

حکومت کے تمام شعبوں کے متعلق اسلام کی جامع ہدایات

غرض جبکہ اسلام نے حکومت کے تمام شعبوں کے متعلق تفصیلی ہدایات دے دی ہیں تو کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مذہب کو ان امور سے کیا واسطہ۔ ہر قوم اور ہر ملک اپنے لئے کوئی مناسب طریق تجویز کرنے میں آزاد ہے۔ ہاں وہ یہ بحث ضرور کرسکتا ہے کہ کسی خاص امر میں شریعت اسلامیہ نے اسے آزاد چھوڑ دیا ہے مگر یہ بات بالکل خلافِ عقل ہوگی کہ اسلام نے چھوٹے چھوٹے حقوق تو بیان کئے لیکن سب سے بڑا حق کہ فرد کو حکومت کے مقابل پر کیا حقوق حاصل ہیں اور حکومت کو کس شکل اور کس صورت سے افراد میں احکامِ الٰہیہ کو جاری کرنا چاہئے اس اہم ترین سوال کو اس نے بالکل نظر انداز کر دیا۔ اگر ہم یہ کہیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ مذہب ناقص ہے۔ جو مذہب شریعت کو لعنت قرار دیتا ہے وہ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں میرے دائرہ سے باہر ہیں اور اس مذہب کو ناقص بھی ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق روشن ہدایات نہیں دیں۔ مثلاً ایسا مذہب اگر خدا اور بندے کے تعلق پر بحث نہیں کرتا یا یہ نہیں بتاتا کہ بندوں کا بندوں سے کیسا تعلق ہونا چاہئے یا امورِ مملکت اور سیاست کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دیتا تو وہ آسانی سے چُھٹکارا پا جاتا ہے کیونکہ وہ شریعت کو لعنت قرار دیتا ہے لیکن جو مذہب ان امور میں دخل دیتا ہے اور اس امر کو مانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان امور میں دخل دے اس کا ایسے اہم مسئلہ کو چھوڑ دینا اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی جانوں کو خطرہ میں ڈال دینا یقیناً ایک بُھول اور نقص کہلائے گا۔

نفاذِ قانون کے متعلق تفصیلی ہدایات

اس تمہید کے بعد میں اب اصل سوال کی طرف آتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے اور عرب کا کوئی تحریر شدہ قانون نہ تھا۔ قبائلی رواج ہی ان میں قانون کا مرتبہ رکھتا تھا۔ چنانچہ کسی قبیلہ میں کوئی قانون تھا اور کسی قبیلہ میں کوئی۔ وہ انہی قبائلی رواج کے مطابق آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیتے یا جب انہوں نے کوئی معاہدہ کرنا ہوتا تو معاہدہ کر لیتے مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے ان کے

سامنے آسمانی شریعت پیش کی اور کہا کہ میرے خدا نے تمہارے لئے یہ تعلیم مقرر کی ہے تم اس پر عمل کرو اور پھر اس پر ان سے عمل کرایا بھی۔ اگر تو قرآن جو آسمانی صحیفہ ہے صرف نماز روزہ کے احکام پر اور بعض عقائد کے بیان پر اکتفاء کرتا اور احکام سیاست و تدبیر مُلکی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے تو خواہ وہ زور سے ان کی پابندی کراتے کوئی کہہ سکتا تھا کہ عربوں نے مسلمانوں پر ظالمانہ حملہ کر کے اپنی حکومت تباہ کر لی اور ملک بغیر نظام اور قانون کے رہ گیا۔ اس مشکل کی وجہ سے وقت کی ضرورت سے مجبور ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک کو ابتری سے بچانے کیلئے کچھ قانون تجویز کر دیئے اور ان پر لوگوں سے عمل کرایا اور یہ حصہ آپ کے عمل کا مذہب نہ تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان امور کے متعلق بھی تفصیلی احکام قرآن کریم میں موجود ہیں اور نہ صرف احکام موجود ہیں بلکہ ان کے نفاذ کے متعلق بھی احکام ہیں۔ مثلاً (۱) اللہ تعالیٰ سورہ حشر میں فرماتا ہے۔ مَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [7]

یعنی اے مسلمانو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے وہ تمہیں روکیں اُس سے رُک جاؤ۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مسلمانوں کیلئے ہر حالت میں ماننا ضروری ہے۔

(۲) دوسری جگہ فرماتا ہے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [8]

یعنی تیرے ربّ کی قسم! جب تک وہ ہر اُس بات میں جس کے متعلق ان میں جھگڑا ہو جائے تجھے حَکَم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس سے وہ اپنے نفوس میں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر فرمانبردار نہ ہو جائیں اُس وقت تک وہ ہرگز ایماندار نہیں ہو سکتے۔

بعض لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کرتے تھے بلکہ اس زمانہ میں بھی ایسے معترض موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ باہمی جھگڑوں کے نپٹانے اور نظام کو قائم رکھنے کے متعلق کوئی ہدایات دے

سکیں۔مگر فرمایا۔ہم ان کی اس بات کو غلط قرار دیتے ہیں اور عَلَی الْاِعْلَان کہتے ہیں کہ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ یہ کبھی مومن نہیں کہلا سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں اے محمد رسول اللہ ﷺ ! تجھے حَکَم تسلیم نہ کریں اور پھر تیری قضاء پر وہ دل و جان سے راضی نہ ہوں۔اس آیت کریمہ میں دو نہایت اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو آخری قاضی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ آخری ہوگا اور اس پر کسی اور کے پاس کسی کو اپیل کا حق حاصل نہیں ہوگا اور آخری فیصلہ کا حق رسول کریم ﷺ کو دینا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکومت کے اختیارات حاصل تھے۔

دوسری بات جو اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اِن فیصلوں کے تسلیم کرنے کو ایمان کا جزو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ تیرے ربّ کی قسم! وہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک وہ تیرے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں۔گویا یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے اور ویسا ہی حصہ ہے جیسے نماز دین کا حصہ ہے، جیسے روزہ دین کا حصہ ہے، جیسے حج اور زکوٰۃ دین کا حصہ ہے۔فرض کرو زید اور بکر کا آپس میں جھگڑا ہو جاتا ہے ایک کہتا ہے میں نے دوسرے سے دس روپے لینے ہیں اور دوسرا کہتا ہے میں نے کوئی روپیہ نہیں دینا۔دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنے جھگڑے کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں تو دوسرا اس فیصلے کو اگر نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے وہ مؤمن نہیں رہا۔پس باوجودیکہ وہ نماز پڑھتا ہوگا، وہ روزے رکھتا ہوگا، وہ حج کرتا ہوگا، اگر وہ اس حصہ میں آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فتویٰ اس کے متعلق یہی ہے کہ اس انکار کے بعد وہ مؤمن نہیں رہا۔پس لَا يُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ نے بتا دیا کہ خدا تعالیٰ نے اس حصہ کو بھی دین کا ایک جزو قرار دیا ہے علیحدہ نہیں رکھا۔

(۳) تیسری جگہ فرماتا ہے اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [9] یعنی مؤمنوں کو جب خدا اور اُس کا رسول بُلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آؤ ہم تمہارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۔ حضور کا حکم ہم نے سن لیا اور ہم ہمیشہ حضور کی اطاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے اور ہمیشہ مظفر و منصور رہیں گے۔ اب ایک طرف رسول کریم ﷺ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایمان کو وابستہ قرار دینا اور دوسری طرف انہی لوگوں کو کامیاب قرار دینا جو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہیں اور آپ کے کسی فیصلہ کے خلاف نہ چلیں، بتاتا ہے کہ ان احکام کے ساتھ خدائی تصرف شامل ہے۔ اگر کوئی شخص ان احکام کو نہ مانے تو خدائی عذاب اس پر اُترتا اور اُسے ناکام و نامراد کر دیتا ہے لیکن دُنیوی امور میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں صرف طبعی نتائج پیدا ہوا کرتے ہیں۔

(۴) پھر فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

یعنی وہ لوگ جو اس کی اتباع کرتے ہیں جو خدا کا رسول ہے اور جو نبی اور اُمّی ہے اور جس کے متعلق تورات اور انجیل میں وہ کئی پیشگوئیاں لکھی ہوئی پاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ رسول انہیں ہمیشہ نیک کاموں کا حکم دیتا اور بُری باتوں سے روکتا ہے۔ گویا وہ لوگوں میں ایک قانون نافذ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔ اسی طرح وہ ان کے لئے طیبات کو حلال ٹھہراتا اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ گویا وہ انسانی اعمال اور اقوال اور کھانے پینے کے متعلق بھی مناسب ہدایات دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے فلاں چیز کھاؤ اور فلاں نہ کھاؤ۔ فلاں بات کرو اور فلاں نہ کرو۔ اسی طرح وہ ان کے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہے ہیں اور ان کے اُن طوقوں کو دُور کرتا ہے جنہوں نے ان کو ترقی کی طرف بڑھنے سے روکا ہوا تھا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پس وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لاتے اور اس کے احکام کی عزت کرتے اور اس کی نصرت اور تائید کرتے اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

اب دیکھو گورنمنٹیں بھی ہمیشہ اسی قسم کے قوانین بناتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو اور قرآن کہتا ہے کہ ہم نے یہ اختیار جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو دے دیا ہے جو لوگ اس کی اتباع کریں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جو اطاعت سے انحراف کریں گے وہ ناکام ہوں گے۔

(۵) اسی طرح فرماتا ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہوگی کس طرح؟ آیا دُنیوی بادشاہوں کی طرح یا کسی اور رنگ میں؟ فرماتا ہے خدا کا رسول تم میں موجود ہے اگر وہ تمہارے اکثر مشوروں کو قبول کرے تو تم یقیناً مصیبت میں پڑ جاؤ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا ہے اور تم اُس کی قدر و قیمت کو اچھی طرح سمجھتے ہو اور جانتے ہو کہ ایمان کا تمہارے پاس رہنا تمہارے لئے کس قدر مفید اور بابرکت ہے اور ایمان کا ضیاع تمہارے لئے کس قدر مُہلک ہے وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور پھر اس ایمان کو اس نے تمہارے دلوں میں نہایت خوبصورت شکل میں قائم کر دیا ہے اور کُفر، فسق، عِصیان اور خروج عن الاطاعت کو اس نے تمہاری آنکھوں میں مکروہ بنا دیا ہے اس لئے تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے رسول کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو تمہارے مشوروں کو قبول کرے اور اگر چاہے تو ردّ کر دے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کا طریق حکومت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق حکومت کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کا طریق حکومت یہ نہیں تھا کہ آپ ہر بات میں لوگوں کا مشورہ قبول کرتے۔ اور اس کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ کوئی کہہ سکتا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی فیصلہ کیا کرتے تھے جو قوم کا فیصلہ ہؤا کرتا تھا جیسے پارلیمنٹیں مُلک کے نمائندوں کی آواز کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ اسی طرح کوئی کہہ سکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کا فیصلہ ہی لوگوں سے منواتے تھے اپنا قانون ان میں نافذ نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ کر دیا اور خود مُلک والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اگر ہمارا رسول تمہاری کثرتِ رائے کے ماتحت دیئے ہوئے اکثر مشوروں کو قبول کر لے تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا یہ طریق نہیں تھا کہ آپ کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ کرتے بلکہ جب کثرتِ رائے کو مفید سمجھتے تو کثرتِ رائے کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیتے اور جب کثرتِ رائے کو مُضِر سمجھتے تو اس کے خلاف فیصلہ کرتے۔ كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات قبول کر لیتے بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ جب آپ لوگوں کی رائے میں کسی قسم کا نقص دیکھیں تو اسے ردّ کر دیں اور خود اپنی طرف سے کوئی فیصلہ فرما دیں۔

(٦) پھر فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ [12] کہ اے محمد ﷺ ان کے اموال سے صدقہ لو اور اس کے ذریعہ ان کے دلوں کو پاک کرو۔ ان کی اقتصادی حالت کو درست کرو۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اور پھر ہمیشہ ان سے نرمی کا معاملہ کرتے رہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین احکام دیئے ہیں۔

اوّل یہ کہ لوگوں سے زکوٰۃ لو کیونکہ اس کے ذریعہ ان کے دلوں میں غریبوں سے پیار اور حسنِ سلوک کا مادہ پیدا ہوگا۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ زکوٰۃ کے روپیہ کو ایسے طور پر خرچ کیا جائے کہ اس سے غرباء کی حالت درست ہو اور وہ بھی دنیا میں ترقی کی طرف اپنا قدم بڑھا سکیں۔

تیسرا حکم صَلِّ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں یہ دیا کہ زکوٰۃ کے لینے میں سختی نہ کی جائے بلکہ ہمیشہ حکم کا نرم پہلو اختیار کیا جائے۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ جب محصّلین کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجتے تو آپ ہمیشہ یہ تاکید فرمایا کرتے کہ موٹا دُنبہ اور اونٹ چُن کر نہ لینا بلکہ اپنی خوشی سے وہ جن جانوروں کو بطور زکوٰۃ دے دیں اُنہی کو لے لینا اور یہ خواہش نہ کرنا کہ وہ زیادہ اعلیٰ اور عمدہ جانور پیش کریں۔ گویا شرعاً اور قانوناً جس قدر نرمی جائز ہوسکتی ہے اُسی قدر نرمی کرنے کا آپ لوگوں کو حکم دیتے۔

(۷) ساتویں آیت جس میں حکومت سے تعلق رکھنے والے امور کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ [۱۳]

یعنی وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے غضب کے ماتحت اس امر کی توفیق نہ پا سکے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نکلیں اور جنگ میں شامل ہوں، وہ اپنے پیچھے رہنے پر بہت ہی خوش ہوئے اور انہوں نے اس بات کو بُرا سمجھا کہ وہ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کریں۔ اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سخت گرمی کا موسم ہے ایسے موسم میں جہاد کیلئے نکلنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اب گرمی کا بہانہ بنا کر تو تم پیچھے رہ گئے ہو مگر یاد رکھو جہنم کی آگ کی تپش بہت زیادہ ہوگی۔ کاش وہ اس امر کو جانتے اور سمجھتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صریح لفظوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ سپاہی بنو اور دشمنوں سے لڑو اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ جو لوگ تیرے حکم کے ماتحت لڑنے کے لئے نہیں نکلیں گے وہ خدا تعالیٰ کے حضور مجرم قرار پائیں گے۔

(۸) پھر فرماتا ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ، ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [14]

کہ وہ لوگ جو اللہ اور رسول سے لڑتے اور زمین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی جزاء یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا انہیں صلیب دیا جائے یا ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو مقابل پر کاٹ دیا جائے یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور یہ امر ان کے لئے دنیا میں رُسوائی کا موجب ہوگا اور آخرت میں عذابِ عظیم کا موجب۔

عرب سے کُفّار کے نکالے جانے کا حکم

(۹) اِسی طرح سورۃ توبہ کی پہلی آیات میں عرب سے کُفّار کے نکالے جانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [15]

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں میں اعلان کر دو کہ خدا اور رسول نے تمہاری ذلّت کے متعلق جو پیشگوئیاں کی تھیں وہ پوری ہوگئیں۔ اب خدا اور رسول پر تمہارا

کوئی الزام نہیں لگ سکتا۔ پس اِن کو کہو کہ اب جاؤ اور سارے عرب میں چار ماہ پھر کر دیکھ لو کہ کہیں بھی تمہاری حکومت رہ گئی ہے؟ یقیناً تمہیں معلوم ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کو شکست نہیں دے سکے۔ اور خدا ہی ہے جس نے تمہیں رُسوا کیا۔ اسی طرح حج اکبر کے دن لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں کے تمام اعتراضات سے بَری ہو چکا ہے اور تمہارے جس قدر اعتراضات تھے وہ دُور ہو گئے۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر وہ پھر بھی نہ مانیں تو جان لو کہ اَب بقیہ عرب میں ان کی تھوڑی بہت اگر کچھ حکومت باقی ہے تو وہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جو اُن مشرکوں میں سے تمہارے ساتھ معاہدہ کر لیں۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ انہوں نے معاہدہ کو کسی صورت میں نہ توڑا ہو اور نہ انہوں نے تمہارے خلاف دشمنوں کی کسی قسم کی مدد کی ہو۔ ایسے لوگوں کے ساتھ تم معاہدہ کو نبھاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ اور جس قدر مشرک ہیں ان میں ایک اعلان کر دو اور وہ یہ کہ آج سے چار ماہ کے بعد وہ عرب میں سے نکل جائیں اگر وہ نہ نکلیں اور عرب میں ہی ٹھہرے رہیں تو چونکہ انہوں نے گورنمنٹ کا آرڈر نہیں مانا ہوگا اس لئے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اس کے بعد تم مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور جہاں پاؤ ان کو پکڑ لو اور پکڑ کر قید میں ڈال دو اور ان کی گھات میں تم ہر جگہ بیٹھو۔ ہاں اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور نمازیں پڑھیں اور زکوتیں دیں تو بے شک انہیں چھوڑ دو کیونکہ خدا غفور اور رحیم ہے۔

اَب دیکھو حکومت کس چیز کا نام ہوتا ہے۔ حکومت اس بات کا نام نہیں کہ میاں، بیوی سے اپنی باتیں منوائے اور بیوی، میاں سے۔ بلکہ حکومت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے یہ نہیں کہ جو بھی کسی کو حکم دے اسے بادشاہ کہہ دیا جائے۔ انگریزی میں لطیفہ مشہور ہے کہ ایک بچے نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان! بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟ باپ کہنے لگا بادشاہ وہ ہوتا ہے جس کی بات کو کوئی ردّ نہ کر سکے۔ بچہ یہ سن کر کہنے لگا کہ ابا جان پھر تو ہماری اماں جان بادشاہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ باپ ''زَن مرید'' ہوگا۔ تبھی اس کے بچہ نے کہا کہ اگر بادشاہ کی یہی تعریف ہے تو یہ تعریف تو میری والدہ پر صادق آتی ہے۔

حکومت کیلئے ضروری شرائط

غرض حکومت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے اور جب ہم تسلیم کریں گے کہ فلاں حکومت ہے تو اس میں چند شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہوگا جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

(۱) حکومت کیلئے مُلکی حدود کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی جو نظام بھی رائج ہو اُس کی ایک حد بندی ہوگی اور کہا جا سکے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک اس کا اثر ہے۔ گویا مُلکی حدود حکومت کا ایک جُزوِ لَایَنْفَکْ ہے۔

(۲) حکومت کو افراد کی مالی جانی اور رہائشی آزادی پر پابندیاں لگانے کا اختیار ہوتا ہے۔ مثلاً حکومت کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو قید کر دے، کسی کو اپنے ملک سے باہر نکال دے یا کسی سے جبراً روپیہ وصول کر لے۔ اسی طرح جانی آزادی پر بھی وہ پابندی عائد کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ حکم دے سکتی ہے کہ ہر نوجوان فوج میں بھرتی ہو جائے۔ یا اگر کہیں والنٹیئروں کی ضرورت ہو تو وہ ہر ایک کو بُلا سکتی ہے۔

(۳) تیسرے، لوگوں پر ٹیکس لگانے اور ٹیکسوں کے وصول کرنے کا بھی اسے اختیار ہوتا ہے۔

اسی طرح ایسے ہی اختیارات رکھنے والے ممالک سے اسے معاہدات کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسے باہر سے آنے والوں اور باہر جانے والوں پر پابندیاں لگانے کا اختیار ہوتا ہے، اسے تجارت اور لین دین کے متعلق قوانین بنانے کا اختیار ہوتا ہے، اسے قضاء کا اختیار ہوتا ہے، غرض یہ تمام کام حکومت کے سپرد ہوتے ہیں اور اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان امور کو سرانجام دے۔ بالخصوص ملکی حدود کا ہونا حکومت کے لئے نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ اِسی کے ماتحت وہ فیصلہ کرتی ہے کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک رہنے والوں پر ہمارے احکام حاوی ہوں گے اور ان کا فرض ہوگا کہ وہ ان کی اطاعت کریں اس مُلکی حد میں چاہے کسی وقت غیر آ جائیں ان کے لئے بھی حکومت کے احکام کی اطاعت ضروری ہوگی اور جو اس حد میں سے نکل جائے وہ ایک حد تک ان قوانین کی اطاعت سے بھی باہر ہو جاتا ہے۔ غرض حکومت کا کام بعض باتوں کا حکم دینا بعض باتوں سے روکنا، افراد کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی پر ضرورت کے وقت پابندیاں عائد کرنا، ٹیکس وصول کرنا، لوگوں کو فوج

میں بھرتی کرنا، معاہدات کرنا اور قضاء کے کام کو سرانجام دینا ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب اختیارات دیئے گئے ہیں یا نہیں۔

پہلا امر مُلکی حد بندی تھی۔ سو اس اختیار کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا ایک واضح امر ہے کیونکہ آپ نے اعلان کر دیا کہ اتنے حصہ میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی آیا تو اسے نکال دیا جائے گا۔ دوسری طرف فرما دیا کہ جو لوگ اس حد کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے یہ یہ شرائط ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسروں سے معاہدات کرنے کا بھی اختیار دیا اور پھر شرائط کے ماتحت اس بات کا بھی اختیار دیا کہ آپ اگر مناسب سمجھیں تو معاہدہ کو منسوخ کر دیں۔ اسی طرح آپ کو ٹیکس وصول کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔ آپ کو ضرورت پر لوگوں کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی پر پابندیاں عائد کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔ غرض حکومت کے جس قدر اختیارات ہوتے ہیں وہ تمام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دے دیئے۔ حکومت کا کام بعض باتوں کا حکم دینا ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ یہ حق دیتا ہے۔ حکومت کا کام بعض باتوں سے روکنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق بھی دیتا ہے۔ پھر افراد کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی کو حکومت ہی خاص حالات میں سَلب کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا حق بھی اللہ تعالیٰ آپ کو دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم ان کے مال لے سکتے ہو، ٹیکس وصول کر سکتے ہو، جانیں ان سے طلب کر سکتے ہو اور جنگ پر لے جا سکتے ہو۔ اسی طرح ملک سے لوگوں کو نکالنے کا اختیار بھی آپ کو دیا گیا۔ پھر قضاء حکومت کا کام ہوتا ہے سو یہ حق بھی اسلام آپ کو دیتا ہے اور آپ کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیتا ہے۔ پھر حکومت کی قسم بھی بتا دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے پابند نہیں کہ تمہاری سب باتیں مانیں بلکہ تم اس بات کے پابند ہو کہ ان کی سب باتیں مانو کیونکہ اگر یہ تمہاری سب باتیں مانے تو اس کے خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

پس ان آیات سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق امورِ حکومت کے انصرام سے وقتی ضرورت کے ماتحت نہ تھا بلکہ شریعت کا حصہ تھا اور جس طرح نماز روزہ

وغیرہ احکام مذہب کا جُزو ہیں اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ ملکی کا کام اور طریق بھی مذہب اور دین کا حصہ ہے اور دُنیوی یا وقتی ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

کیا نظام سے تعلق رکھنے والے احکام صرف رسول کریم ﷺ کی ذات سے مخصوص تھے؟

منکرینِ خلافت کی اس دلیل پر کہ اسلام نے کوئی معیّن نظام پیش نہیں کیا جو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس طرح رسول کریم ﷺ کے اعمال کا وہ حصہ جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتا ہے مذہبی حیثیت نہیں رکھے گا بلکہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کام محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپ کرتے تھے اسے علی بن عبدالرزاق نے بھی محسوس کیا ہے اور چونکہ وہ آدمی ذہین ہے اس لئے اس نے اس مشکل کو بھانپا ہے اور یہ سمجھ کر کہ لوگ اس پر یہ اعتراض کریں گے کہ جب قرآن کریم میں ایسے احکام موجود ہیں جن کا تعلق حکومت کے ساتھ ہے تو تم کس طرح کہتے ہو کہ رسول کریم ﷺ نے اِن کاموں کو وقتی ضرورت کے ماتحت کیا اور اسلام نے کوئی مخصوص نظامِ حکومت پیش نہیں کیا اسے اس رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی حکومت حکومتِ رسالت و محبت تھی نہ کہ حکومتِ ملوکیت۔ وہ کہتا ہے بیشک رسول کریم ﷺ نے کئی قسم کے احکام دیئے مگر وہ احکام بحیثیتِ رسول ہونے کے تھے بحیثیت نظام کے سردار ہونے کے نہیں تھے۔ اور اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ چونکہ وہ احکام نظام کا سردار ہونے کے لحاظ سے نہیں دیئے گئے اس لئے وہ دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہو سکتے اور چونکہ وہ تمام احکام بحیثیت رسول تھے اس لئے آپ کی وفات کے ساتھ ہی وہ احکام بھی ختم ہو گئے۔ پھر وہ ان تمام اختیارات کو رسول کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رسول کے ساتھ لوگوں کو غیر معمولی محبت ہوتی ہے اور اس محبت کی وجہ سے ہر شخص اُن کی بات کو تسلیم کر لیتا ہے یہی کیفیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھی۔ صحابہؓ کو آپ کے ساتھ عشق تھا اور وہ آپ کے ہر حکم پر اپنی جانیں فدا کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ پس آپ نے جو حکم بھی دیا وہ انہوں نے مان لیا اور وہ ماننے پر مجبور تھے کیونکہ وہ اگر عاشق تھے تو آپ معشوق، اور عاشق اپنے معشوق کی باتوں کو مانا ہی کرتا ہے۔ مگر اس کے

یہ معنی نہیں کہ وہ احکام ہمیشہ کیلئے واجب العمل بن گئے بلکہ وہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص تھے اور جب آپ وفات پا گئے تو ان احکام کا دائرہ عمل بھی ختم ہو گیا۔

نبی کے ساتھ اُس کے متّبعین کی غیر معمولی محبت

علی بن عبدالرزاق کی یہ دلیل اِس لحاظ سے تو درست ہے کہ واقع میں نبی کے ساتھ اُس کے ماننے والوں کو غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہماری جماعت کے ہزاروں لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے وہی خود بھی کرنے لگ جاتے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کسی نے بطور اعتراض کہا کہ آپ کی جماعت کے بعض لوگ ڈاڑھی منڈواتے ہیں اور یہ کوئی پسندیدہ طریق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب اِن کے دلوں میں محبتِ کامل پیدا ہو جائے گی اور وہ دیکھیں گے کہ مَیں نے ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے تو وہ خود بھی ڈاڑھی رکھنے لگ جائیں گے اور کسی وعظ و نصیحت کی اِنہیں ضرورت نہیں رہے گی۔

پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی اور اس کے ماننے والوں کے درمیان محبت کا ایک ایسا رشتہ ہوتا ہے جس کی نظیر اور کسی دُنیوی رشتہ میں نظر نہیں آ سکتی بلکہ بعض دفعہ محبت کے جوش میں انسان بظاہر معقولیت کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب وہ حج کیلئے جاتے تو ایک مقام پر پیشاب کرنے کیلئے بیٹھ جاتے اور چونکہ وہ بار بار اُسی مقام پر بیٹھتے اس لئے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کو اِسی مقام پر پیشاب آتا ہے اِدھر اُدھر کسی اور جگہ نہیں آتا۔ انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پیشاب کرنے کیلئے بیٹھے تھے اس وجہ سے جب بھی میں یہاں سے گزرتا ہوں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ جاتے ہیں اور میں اِس جگہ تھوڑی دیر کیلئے ضرور بیٹھ جاتا ہوں۔[۱۶]

تو محبت کی وجہ سے انسان بعض دفعہ ایسی نقلیں بھی کر لیتا ہے جو بظاہر غیر معقول نظر آتی ہیں۔ پس یہ جو اُس نے کہا کہ چونکہ صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اس لئے

وہ آپ کی اطاعت کرتے تھے اِسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہاں یہ سوال نہیں کہ وہ لوگ آپ کی محبت سے اطاعت کرتے تھے یا دباؤ سے بلکہ سوال یہ ہے کہ آیا اسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اقتدارِ مُلک اور جان پر دیا تھا یا نہیں؟ اِسی طرح نہ ماننے والوں پر آپ کو کوئی اختیار دیا تھا یا نہیں؟ اگر قرآن میں صرف احکام بیان ہوتے اور نہ ماننے والوں کے متعلق کسی قسم کی سزا کا ذکر نہ ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام دیئے اور صحابہؓ نے اُس عشق کی وجہ سے جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھا ان احکام کو قبول کر لیا۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآن میں سزائیں بھی مقرر کی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ اگر فلاں جُرم کرو گے تو تمہیں یہ سزا ملے گی اور فلاں جُرم کرو گے تو یہ سزا ملے گی اور جب کہ قرآن نے سزائیں بھی مقرر کی ہیں تو معلوم ہؤا کہ محبت کا اصول کُلّیۃً درست نہیں کیونکہ جہاں احکام کی اطاعت محض محبت سے وابستہ ہو وہاں سزائیں مقرر نہیں کی جاتیں۔ پھر اسلام نے صرف چند احکام نہیں دیئے بلکہ نظامِ حکومت کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ گو بعض جگہ اس نے تفصیلات کو بیان نہیں بھی کیا اور اس میں لوگوں کیلئے اُس نے اجتہاد کے دروازہ کو کھلا رکھا ہے تا کہ اُن کی عقلی اور فکری استعدادوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ بعض امور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے اصل اسلامی مسئلہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بعض امور میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے حالاتِ پیش آمدہ کے مطابق لوگوں کی رہبری کی بلکہ بعض امور ایسے ہیں جن کے متعلق آج تک غور و فکر سے کام لیا جا رہا ہے۔

خیارِ بلوغ کا مسئلہ

مثلاً باپ اگر بیٹی کا بلوغت سے پہلے نکاح کر دے تو بالغ ہونے پر اسے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جو عام طور پر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ فقہ کی پُرانی کتابوں میں یہی ذکر ہے کہ باپ اگر بیٹی کا نکاح کر دے تو اُسے خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا مگر مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہے اور اسے اس بات کا حق ہے کہ اگر وہ بالغ ہونے پر اس رشتہ کو پسند نہ کرے تو اسے ردّ کر دے۔ اسی طرح اور بہت سے فقہی مسائل ہیں جو اسلامی تعلیم کے ماتحت آہستہ آہستہ

نکلتے آتے ہیں اور بہت سے آئندہ زمانوں میں نکلیں گے۔ پس ہمیں تفصیلات سے غرض نہیں اور نہ اِس وقت یہ سوال پیش ہے کہ اسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی خاص رنگ کی حکومت دی تھی یا نہیں کیونکہ نظامِ حکومت علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ انگلستان کا امریکہ سے امریکہ کا روس سے اور روس کا جرمنی سے نظامِ حکومت مختلف ہے مگر اس اختلاف کی وجہ سے یہ تو نہیں کہ ایک کو ہم حکومت کہیں اور دوسرے کو ہم حکومت نہ کہیں۔ حکومت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی خاص نظام مقرر کیا جائے اور لوگوں کی باگ ڈور ایک آدمی یا ایک جماعت کے سپرد کر کے مُلکی حدود کے اندر اس کو قائم کیا جائے۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ کسی نظام کا خواہ وہ دوسرے نظاموں سے کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو اسلام حکم دیتا ہے یا نہیں اور اُس نظام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلاتے تھے یا نہیں۔

اسلام مُلکی اور قانونی نظام کا قائل ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام ملوکیت کا قائل نہیں کیونکہ ملوکیت ایک خاص معنی رکھتی ہے اور اُن معنوں کی حکومت کا اسلام مخالف ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی فرمایا کہ مَیں بادشاہ نہیں اور خلفاء کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک کا لفظ استعمال نہیں فرمایا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام مذہبی طور پر کسی بھی ملکی نظام کا قائل نہیں۔ اگر کوئی نظام قرآن اور اسلام سے ثابت ہو تو ہم کہیں گے کہ اسلام ملوکیت کا بے شک مخالف ہے مگر ایک خاص قسم کے نظام کو اس کی جگہ قائم کرتا ہے اور وہ اسلام کا مذہبی حصہ ہے اور چونکہ وہ مذہبی حصہ ہے اس کا قیام مسلمانوں کیلئے ضروری ہے جہاں تک اُن کی طاقت ہو۔ حکومت درحقیقت نام ہے ملکی حدود اور اس میں خاص اختیارات کے اجراء کا۔ کسی خاص طرز کا نام نہیں۔ اور ملکی حدود اور خاص اختیارات کا نفاذ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے جن کو مَیں ابھی پیش کر چکا ہوں۔ پس جب کہ ایک ملکی حد اور اس حد میں ایک خاص قانون اور ایک اصلی باشندے ملک کے اور ایک معاہد اور ایک غیر ملکی کا وجود پایا جاتا ہے تو ایک خاص نظامِ حکومت بھی ثابت ہے اس کا نام ہم بھی ملوکیت نہیں رکھتے کیونکہ ملوکیّت ایسے معنوں کی حامل ہے جن کی اسلام اجازت نہیں

دیتا لیکن بہرحال ایک ملکی اور قانونی نظام ثابت ہے اور اسی کے وجود کو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اسی نظام کے قیام کیلئے ہم خلافت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ پس خلافت ایک اسلامی نظام ہے نہ کہ وقتی مصلحت کا نتیجہ۔

مَیں اِس امر کو مانتا ہوں کہ خلافت کے انکار سے منطقی نظریہ وہی قائم ہوتا ہے جو علی بن عبدالرزاق نے قائم کیا ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں ردّ کرنا پڑتا ہے اور جو لوگ اِس نظریہ کو تسلیم کئے بغیر خلافت کا انکار کرتے ہیں وہ یا تو بیوقوف ہیں یا لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں۔ اب جب کہ قرآن کریم سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ اسلام امورِ ملکی اور نظامِ قومی کو مذہب کا حصہ قرار دیتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِن امور میں حصہ لینا اسے مذہب کا جزو قرار دیتا ہے تو اِن امور میں آپ کی ہدایت اور راہنمائی اُسی طرح سنت اور قابلِ نمونہ ہوئی جس طرح کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں۔ اور اِن امور میں کسی آزادی کا مطالبہ اُسی وقت تسلیم ہوسکتا ہے جب کہ انسان اسلام سے بھی آزادی کا مطالبہ کرے۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جس طرح نماز روزہ کے احکام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ختم نہیں ہوگئے اسی طرح نظامِ قومی یا نظامِ ملکی کے احکام بھی آپ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہوگئے کیونکہ جس طرح فرد کی باطنی ترقی کیلئے نماز روزہ کی ضرورت باقی ہے اِسی طرح قوم کی ترقی کیلئے ان دوسری قسم کے احکام کے نفاذ اور انتظام کی بھی ضرورت ہے۔ اور جس طرح نماز باجماعت جو ایک اجتماعی عبادت ہے آپ کے بعد آپ کے نواب کے ذریعے ادا ہوتی رہنی چاہئے اسی طرح وہ دوسرے احکام بھی آپ کے نواب کے ذریعے سے پورے ہوتے رہنے چاہئیں۔ اور جس طرح نماز روزہ کے متعلق خدا تعالیٰ نے جو احکام دیئے اُن کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں تو تم بے شک نہ نمازیں پڑھو اور نہ روزے رکھو اسی طرح نظام کے متعلق اسلام نے جو احکام دیئے اُن سے یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ بعد میں قابل عمل نہیں رہیں گے بلکہ جس طرح نماز میں ایک کے بعد دوسرا امام مقرر ہوتا چلا جاتا ہے اِسی طرح نظام سے تعلق رکھنے والے احکام پر بھی آپ کے نائبین کے

ذریعہ ہمیشہ عمل ہوتے رہنا چاہئے۔

قبائل عرب کی بغاوت کی وجہ

مَیں سمجھتا ہوں اِسی دھوکا کی وجہ سے کہ نظام سے تعلق رکھنے والے احکام رسول کریم ﷺ کی ذات سے مختص تھے آپ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل نے بغاوت کردی اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ وہ بھی یہی دلیل دیتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سِوا کسی اور کو زکوٰۃ لینے کا اختیار ہی نہیں دیا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو ان کے اموال کا کچھ حصہ بطور زکوٰۃ لے۔ یہ کہیں ذکر نہیں کہ کسی اور کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زکوٰۃ لینے کا اختیار ہے۔مگر مسلمانوں نے ان کی اس دلیل کو تسلیم نہ کیا حالانکہ وہاں خصوصیت کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ بہرحال جو لوگ اُس وقت مرتد ہوئے اُن کی بڑی دلیل یہی تھی کہ زکوٰۃ لینے کا صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کسی اور کو نہیں۔ اور اس کی وجہ یہی دھوکا تھا کہ نظام سے تعلق رکھنے والے احکام ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ احکام مخصوص تھے۔مگر جیسا کہ مَیں ثابت کر چکا ہوں یہ خیال بالکل غلط ہے اور اصل حقیقت یہی ہے کہ جس طرح نماز روزہ کے احکام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ختم نہیں ہوگئے اسی طرح قومی یا ملکی نظام سے تعلق رکھنے والے احکام بھی آپ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہوگئے اور نماز باجماعت کی طرح جو ایک اجتماعی عبادت ہے اِن احکام کے متعلق بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں میں آپ کے نائبین کے ذریعہ اِن پر عمل ہوتا رہے۔

مسئلہ خلافت کی تفصیلات

اس اصولی بحث کے بعد مَیں خلافت کے مسئلہ کی تفصیلات کی طرف آتا ہوں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ نبی کو خدا تعالیٰ سے شدید اتصال ہوتا ہے ایسا شدید اتصال کہ بعض لوگ اسی وجہ سے دھوکا کھا کر یہ خیال کر لیتے ہیں کہ شاید وہ خدا ہی ہے جیسا کہ عیسائیوں کو اِسی قسم کی ٹھوکر لگی۔لیکن جنہیں یہ ٹھوکر نہیں لگتی اور وہ نبی کو بشر ہی سمجھتے ہیں وہ بھی اس شدید اتصال کی وجہ سے جو نبی کو

خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ اُس کے وجود میں اس کے اَتباع خدائی نشانات دیکھتے رہتے ہیں اُس کے زمانہ میں یہ خیال تک نہیں کرتے کہ وہ فوت ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہ وہ نبی کو بشر نہیں سمجھتے بلکہ شدتِ محبت کی وجہ سے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم پہلے فوت ہونگے اور نبی کو اللہ تعالیٰ ابھی بہت زیادہ عمر دے گا۔ چنانچہ آج تک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے متعلق اس کی زندگی میں اس کے متّبعین نے یہ سمجھا ہو کہ وہ فوت ہو جائے گا اور ہم زندہ رہیں گے بلکہ ہر شخص (سوائے حدیث العہد اور قلیل الایمان لوگوں کے) یہ خیال کرتا ہے کہ نبی تو زندہ رہے گا اور وہ فوت ہو جائیں گے اور اس وجہ سے وہ ان اُمور پر کبھی بحث ہی نہیں کرتے جو اس کے بعد اُمت کو پیش آنے والے ہوتے ہیں۔ اور زمانوں میں تو لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اگر فلاں فوت ہو گیا تو کیا بنے گا مگر نبی کے زمانہ میں انہیں اس قسم کا خیال تک نہیں آتا۔ اور اس کی وجہ جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں شدتِ محبت ہوتی ہے چنانچہ اس کا ہمیں ذاتی تجربہ بھی ہے۔

ایک ذاتی تجربہ

ہم میں سے کوئی احمدی سوائے اس کے کہ جس کے دل میں خرابی پیدا ہو چکی ہو یا جس کے ایمان میں کوئی نقص واقع ہو چکا ہو ایسا نہیں تھا جس کے دل میں کبھی بھی یہ خیال آیا ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فوت ہو جائیں گے اور ہم آپ کے پیچھے زندہ رہ جائیں گے۔ چھوٹے کیا اور بڑے کیا، بچے کیا اور بوڑھے کیا، مرد کیا اور عورتیں کیا سب یہی سمجھتے تھے کہ ہم پہلے فوت ہونگے اور حضرت صاحب زندہ رہیں گے۔ غرض کچھ شدتِ محبت کی وجہ سے اور کچھ اس تعلق کی عظمت کی وجہ سے جو نبی کو خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کتنی لمبی عمر دے گا۔ چاہے کوئی شخص یہ خیال نہ کرتا ہو کہ یہ نبی ہمیشہ زندہ رہے گا مگر یہ خیال ضرور آتا ہے کہ ہم پہلے فوت ہونگے اور خدا تعالیٰ کا نبی دنیا میں زندہ رہے گا۔ چنانچہ بسا اوقات اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس سال کے نوجوان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نہایت لجاجت سے عرض کرتے کہ حضور! ہمارا جنازہ خود پڑھائیں۔ اور ہمیں تعجب آتا کہ یہ تو ابھی نوجوان ہیں اور حضرت صاحب ستّر برس سے اوپر کی عمر کو پہنچ چکے ہیں اس کے

علاوہ آپ بیمار بھی رہتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ ہمارا جنازہ آپ پڑھائیں۔ گویا انہیں یقین ہے کہ حضرت صاحب زندہ رہیں گے اور وہ آپ کے سامنے فوت ہونگے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وفات پا گئے تو دس پندرہ دن تک سینکڑوں آدمیوں کے دلوں میں کئی دفعہ یہ خیال آتا کہ آپ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ میرا اپنا یہ حال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے تیسرے دن مَیں ایک دوست کے ساتھ باہر سیر کیلئے گیا اور دارالانوار کی طرف نکل گیا۔ اُن دنوں ایک اعتراض کے متعلق بڑا چرچا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ بہت ہی اہم ہے۔ راستہ میں مَیں نے اس اعتراض پر غور کرنا شروع کر دیا اور خاموشی سے سوچتا چلا گیا۔ مجھے یکدم اس اعتراض کا ایک نہایت ہی لطیف جواب سُوجھ گیا اور مَیں نے زور سے کہا کہ مجھے اس اعتراض کا جواب مل گیا ہے اب میں گھر چل کر حضرت صاحب سے اس کا ذکر کروں گا اور آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کی وفات پر جو فلاں اعتراض دشمنوں نے کیا ہے اس کا یہ جواب ہے حالانکہ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات پائے تین دن گزر چکے تھے۔ تو وہ لوگ جنہوں نے اس عشق کا مزا چکھا ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں وہ کیا خیال کرتے تھے اور آپ کی وفات پر اُن کی کیا قلبی کیفیات تھیں۔ یہی حال صحابہؓ کا تھا۔ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اُس کی مثال تاریخ کے صفحات میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اس عشق کی وجہ سے صحابہؓ کیلئے یہ تسلیم کرنا سخت مشکل تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں گے اور وہ زندہ رہیں گے۔ یہ نہیں کہ وہ آپ کو خدا سمجھتے تھے، وہ سمجھتے تو آپ کو انسان ہی تھے مگر شدتِ محبت کی وجہ سے خیال کرتے تھے کہ ہماری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ کی وفات پر جو واقعہ ہوا وہ اس حقیقت کی ایک نہایت واضح دلیل ہے۔

رسول کریم ﷺ کی وفات پر صحابہؓ کی کیفیت

حدیثوں اور تاریخوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جب لوگوں میں مشہور ہوئی تو حضرت عمرؓ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ افواہ محض منافقوں کی شرارت ہے ورنہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور وہ فوت نہیں ہوئے۔ آپ آسمان پر خدا سے کوئی حکم لینے کیلئے گئے ہیں اور تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے اور منافقوں کو سزا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اِس بات پر اتنا اصرار کیا کہ انہوں نے کہا اگر کسی نے میرے سامنے یہ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو مَیں اُس کی گردن اُڑا دوں گا اور یہ کہہ کر ایک جوش اور غضب کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لٹکائے مسجد میں ٹہلنے لگ گئے۔ [۱۷] لوگوں کو ان کی یہ بات اتنی بھلی معلوم ہوئی کہ ان میں سے کسی نے اس بات کے انکار کی ضرورت نہ سمجھی حالانکہ قرآن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ صاف طور پر لکھا ہؤا تھا کہ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ [۱۸] اگر محمد رسول اللہ ﷺ فوت ہو جائیں یا خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بَل پھر جاؤ گے؟ مگر باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں ایسی نصِّ صریح موجود تھی جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پانا ثابت ہو سکتا تھا پھر بھی انہیں ایسی ٹھوکر لگی کہ ان میں سے بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ خیال کر لیا کہ آپ فوت نہیں ہوئے یہ منافقوں نے جھوٹی افواہ اُڑا دی ہے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ محبت کی شدّت سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کبھی ایسا ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں اور وہ زندہ رہیں۔ بعض صحابہؓ جو طبیعت کے ٹھنڈے تھے انہوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہیں خیال آیا کہ ایسا نہ ہو لوگوں کو کوئی ابتلاء آ جائے چنانچہ وہ جلدی جلدی سے گئے اور حضرت ابو بکرؓ کو بُلا لائے۔ جب وہ مسجد میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر شخص جوش اور خوشی کی حالت میں نعرے لگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے منافق جھوٹ بولتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں۔ گویا ایک قسم کے جنون کی حالت تھی جو ان پر طاری تھی۔ جیسے میں نے کہہ دیا تھا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کی وفات پر دشمنوں نے جو فلاں اعتراض کیا ہے اُس کا یہ جواب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ اُس کمرہ میں تشریف لے گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک پڑا ہؤا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول کریم ﷺ کا کیا

حال ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سنتے ہی کپڑا اُٹھایا اور آپ کی پیشانی پر انہوں نے بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک تو آپ وفات پا جائیں اور دوسری طرف قوم پر موت وارد ہو جائے اور وہ صحیح اعتقادات سے منحرف ہو جائے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر آپ نے ایک وعظ کیا جس میں بتایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [19] اس کے بعد آپ نے بڑے زور سے کہا کہ اے لوگو! محمد رسول اللہ ﷺ بیشک اللہ کے رسول تھے مگر اب وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں لیکن اگر تم خدا کی عبادت کیا کرتے تھے تو تم سمجھ لو کہ تمہارا خدا زندہ ہے اور اُس پر کبھی موت وارد نہیں ہوسکتی۔ حضرت عمرؓ جو اُس وقت تلوار کی ٹیک کے ساتھ کھڑے تھے اور اِس انتظار میں تھے کہ ابھی یہ منبر سے اُتریں تو مَیں تلوار سے اُن کی گردن اُڑا دوں۔ انہوں نے جس وقت یہ آیت سُنی مَعًا ان کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ اُٹھ گیا۔ ان کے گھٹنے کانپنے لگ گئے۔ ان کے ہاتھ لرزنے لگ گئے اور ان کے جسم پر ایک کپکپی طاری ہوگئی اور وہ ضُعف سے نڈھال ہو کر زمین پر گر گئے۔ باقی صحابہؓ بھی کہتے ہیں کہ ہماری آنکھوں پر پہلے پردے پڑے ہوئے تھے مگر جب ہم نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سنی تو وہ تمام پردے اُٹھ گئے۔ دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی اور مدینہ کی تمام گلیوں میں صحابہؓ روتے پھرتے تھے اور ہر ایک کی زبان پر یہ آیت تھی کہ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [20]

حضرت حسانؓ کا یہ شعر بھی اسی کیفیت پر دلالت کرتا ہے کہ

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ [21]

کہ اے خدا کے رسول! تُو تو میری آنکھ کی پتلی تھا اب تیرے وفات پا جانے کی وجہ

سے میری آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔صرف تُو ہی ایک ایسا وجود تھا جس کے متعلق مجھے موت کا خوف تھا۔اب تیری وفات کے بعد خواہ کوئی مرے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوسکتی۔

نبی کی زندگی میں اس کی جانشینی کے مسئلہ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوسکتی

پس جب نبی کی زندگی میں قوم کے دل اور دماغ کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ خدا بھی اور نبی بھی ان کو اس ایذاء سے بچاتے ہیں اور اس نازک مضمون کو کہ نبی کی وفات کے بعد کیا ہوگا لطیف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور قوم بھی اس مضمون کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتی اور نہ اِن امور میں زیادہ دخل دیتی ہے کہ نبی کے بعد کیا ہوگا۔ چنانچہ یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہو کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ جب فوت ہو جائیں گے تو کیا ہوگا؟ آیا آپ کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہوگا یا کوئی پارلیمنٹ اور مجلس بنے گی جو مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے امور کا فیصلہ کرے گی کیونکہ ایسے امور پر وہی بحث کرسکتا ہے جو سنگدل ہوا ور جو نبی کی محبت اور اس کی عظمت سے بالکل بیگانہ ہو۔ باقی کئی مسائل کے متعلق تو ہمیں احادیث میں نظر آتا ہے کہ صحابہؓ ان کے بارہ میں آپ سے دریافت کرتے رہتے تھے اور کُرید کُرید کر وہ آپ سے معلومات حاصل کرتے تھے مگر جانشینی کا مسئلہ ایسا تھا جو صحابہؓ آپ سے دریافت نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس کو دریافت کرنے کا خیال تک ان کے دل میں آ سکتا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ زندہ رہیں گے اور ہم وفات پا جائیں گے۔ پس یہ مسئلہ ایک رنگ میں اور ایک حد تک پردۂ اخفاء میں رہتا ہے اور اس کے کُھلنے کا اصل وقت وہی ہوتا ہے جبکہ نبی فوت ہو جاتا ہے۔

یہی حالات تھے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے آپؐ کی وفات صحابہؓ کے لئے ایک زلزلہ عظیمہ تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات پر پہلی دفعہ انہیں یہ خیال پیدا ہؤا کہ نبی بھی ہم سے جدا ہوسکتا ہے اور پہلی دفعہ یہ بات ان کے دماغ پر اپنی حقیقی اہمیت کے ساتھ نازل ہوئی کہ اس کے بعد انہیں کسی نظام کی ضرورت ہے جو نبی کی سنت اور خواہشات کے مطابق ہو اور اس کی جُزئیات پر انہوں نے غور کرنا شروع کیا۔ بیشک اس نظام کی تفصیلات قرآن کریم میں

موجود تھیں مگر چونکہ وہ پہلے چھپی ہوئی تھیں اور ان کو کبھی کُریدا نہیں گیا تھا اس لئے لوگ ان آیات کو پڑھتے اور ان کے کوئی اور معنے کر لیتے۔ وہ خاص معنے نہیں کرتے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ نبی کی وفات کے بعد اس کے متّبعین کو کیا کرنا چاہئے۔

ہر نبی کی دو زندگیاں ہوتی ہیں ایک شخصی اور ایک قومی

درحقیقت اس جذبۂ محبت کی تہہ میں بھی ایک الٰہی حکمت کام کر رہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ نبی کی دو زندگیاں ہوتی ہیں۔ ایک شخصی اور ایک قومی اور اللہ تعالیٰ اِن دونوں زندگیوں کو الہام سے شروع کرتا ہے۔ نبی کی شخصی زندگی تو الہام سے اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جب وہ تیس یا چالیس سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے الہامات اس پر نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اسے کہا جاتا ہے کہ تو مأمور ہے اور تجھے لوگوں کی اصلاح اور ان کی ہدایت کیلئے کھڑا کیا جاتا ہے۔ ان الہامات کے نتیجہ میں وہ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے غیر معمولی فضل نازل ہوتے دیکھتا ہے اور وہ اپنے اندر نئی قوت، نئی زندگی اور نئی بزرگی محسوس کرتا ہے۔ اور نبی کی قومی زندگی الہام سے اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جب وہ وفات پاتا ہے تو کسی بنی بنائی سکیم کے ماتحت اس کے بعد نظام قائم نہیں ہوتا بلکہ یکدم ایک تغیر پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا مخفی الہام قوم کے دلوں کو اس نظام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

قدرتِ اُولیٰ نبی کی شخصی زندگی ہوتی ہے اور قدرتِ ثانیہ قومی زندگی

غرض جس طرح نبی کی شخصی زندگی کو اللہ تعالیٰ الہام سے شروع کرتا ہے اسی طرح وہ اس کی قومی زندگی کو جو اس کی وفات کے بعد شروع ہوتی ہے الہام سے شروع کرنا چاہتا ہے تاکہ دونوں میں مشابہت قائم رہے اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا نام قدرتِ ثانیہ رکھا ہے۔ گویا قدرتِ اُولیٰ تو نبی کی شخصی زندگی ہے اور قدرتِ ثانیہ نبی کی قومی زندگی ہے۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ اس قومی زندگی کو ایک الہام سے اور اپنی قدرت سے شروع کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کی جُزئیات کو نبی کے زمانہ میں قوم کی نظروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ پھر جب نبی فوت ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کا مخفی الہام قوم کے دلوں کو اس زندگی کی تفصیلات کی طرف متوجہ کرتا

ہے۔انجیل میں بھی اسی قسم کی مثال پائی جاتی ہے جہاں ذکر آتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی وفات کے بعد حواری ایک جگہ جمع ہوئے تو ان پر روح القدس نازل ہؤا اور وہ کئی قسم کی بولیاں بولنے لگ گئے اور گوانجیل نویسوں نے اس واقعہ کو نہایت مضحکہ خیز صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے مگر اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی وفات کے بعد حواریوں میں یکدم کوئی ایسا تغیر پیدا ہوا جس کی طرف پہلے ان کی توجہ نہیں تھی اور وہ اس بات پر مجبور ہو گئے کہ اس تغیر کو روح القدس کی طرف منسوب کریں۔غرض اللہ تعالیٰ نبی کی اس نئی زندگی کو بھی اس کی شخصی زندگی کی طرح اپنے الہام اور قدرت نمائی سے شروع کرتا ہے اور اسی وجہ سے نبی کے زمانہ میں اس کی جزئیات قوم کی نظروں سے پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔

قضیۂ قرطاس پر ایک نظر

یہاں مَیں ایک بات بطور لطیفہ بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ شیعوں اور سُنیوں میں بہت مدت سے ایک نزاع چلا آتا ہے جسے قضیۂ قرطاس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس قضیۂ قرطاس کی تفصیل یہ ہے کہ احادیث میں آتا ہے رسول کریم ﷺ کو مرض الموت میں جب تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے کوئی ایسی بات لکھوا دوں جس کے نتیجہ میں تم کبھی گمراہ نہ ہو۔اس پر شیعہ کہتے ہیں کہ دراصل رسول کریم ﷺ یہ لکھوانا چاہتے تھے کہ میرے بعد علیؓ خلیفہ ہوں اور انہیں کو امام تسلیم کیا جائے لیکن حضرت عمرؓ نے آپؐ کو کچھ لکھوانے نہ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ جانے دو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تکلیف زیادہ ہے اور یہ مناسب نہیں کہ آپ کی تکلیف کو اور زیادہ بڑھایا جائے ہمارے لئے ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے اس سے بڑھ کر کسی چیز کی ضرورت نہیں۔شیعہ کہتے ہیں کہ یہ ساری چالا کی عمرؓ کی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی وصیت کر جائیں تا کہ بعد میں حضرت علیؓ کو محروم کر کے وہ خود حکومت کو سنبھال لیں۔اگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت لکھوانے دیتے تو آپ ضرور حضرت علیؓ کے حق میں وصیت کر جاتے۔اس اعتراض کے کئی جواب ہیں مگر میں اس وقت صرف دو جواب دینا چاہتا ہوں۔

اوّل یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر حضرت علیؓ کے حق میں ہی خلافت کی وصیت کرنا چاہتے تھے تو حضرت عمرؓ کے انکار پر آپ نے دوبارہ یہ کیوں نہ فرمایا کہ قلم دوات ضرور لاؤ۔ میں تمہیں ایک اہم وصیت لکھوانا چاہتا ہوں۔ آخر آپ کو پتہ ہونا چاہئے تھا کہ عمرؓ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) علیؓ کا دشمن ہے اور اس وجہ سے عمرؓ کی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح علیؓ کو کوئی فائدہ نہ پہنچ جائے۔ ایسی صورت میں یقیناً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ سے فرماتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو مجھے بے شک تکلیف ہے مگر میں اس تکلیف کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تم جلدی قلم دوات لاؤ تا کہ میں تمہیں کچھ لکھوا دوں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قلم دوات لانے کی ہدایت نہیں دی بلکہ حضرت عمرؓ نے جب کہا کہ ہماری ہدایت کے لئے خدا کی کتاب کافی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔[۲۲] جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی کچھ لکھوانا چاہتے تھے جس کی طرف حضرت عمرؓ نے اشارہ کیا تھا اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہوں نے ایک رنگ میں خدا کی کتاب پر ہمیشہ عمل کرنے کا عہد کر لیا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ضرورت نہ سمجھی کہ آپ کوئی علیحدہ وصیت لکھوانے پر اصرار کریں۔ پس اس واقعہ سے حضرت عمرؓ پر نہ صرف کوئی الزام عائد نہیں ہوتا بلکہ آپ کے خیال اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کا توارد ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرا جواب جو درحقیت شیعوں کے اس قسم کے بے بنیاد خیالات کو ردّ کرنے کے لئے ایک زبردست تاریخی ثبوت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر وصیت وہی شخص لکھوا سکتا ہے جسے یہ یقین ہو کہ اَب موت سر پر کھڑی ہے اور اگر اس وقت وصیت نہ لکھوائی گئی تو پھر وصیت لکھوانے کا کوئی موقع نہیں رہے گا لیکن جسے یہ خیال ہو کہ مریض کو اللہ تعالیٰ صحت عطا کر دے گا اور جس مرض میں وہ مبتلاء ہے وہ مرض الموت نہیں بلکہ ایک معمولی مرض ہے تو وہ وصیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور سمجھتا ہے کہ اس غرض کے لئے اسے تکلیف دینا بالکل بے فائدہ ہے۔ اب اس اصل کے ماتحت جب ہم ان واقعات کو دیکھتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ کو پیش آئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حکومت سنبھالنے کا خیال تو

الگ رہا یہ بھی خیال نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے والے ہیں۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس اچانک صدمہ نے جوان کی توقع اور امید کے بالکل خلاف تھا حضرت عمرؓ کو دیوانہ سا بنا دیا اور انہیں کسی طرح یہ یقین بھی نہیں آتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ وہ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہ یقین نہیں آتا تھا کہ آپ وفات پا گئے ہیں اور جن کے دل میں آپ کی محبت کا احساس اس قدر شدت سے تھا کہ وہ تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں میں اس کی گردن اُڑا دوں گا ان کے متعلق یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَب فوت ہونے والے ہیں آپؐ حضرت علیؓ کے حق میں کوئی بات نہ لکھوا دیں آپؐ کو کچھ لکھنے سے روک دیا ہو۔ بلکہ اگر ہم غور کریں تو شیعوں کی اِن روایات سے حضرت علیؓ پر اعتراض آتا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی توقع کر رہے تھے جبکہ حضرت عمرؓ شدتِ محبت کی وجہ سے یہ سمجھ رہے تھے کہ معمولی بیماری کی تکلیف ہے آپ اچھے ہو جائیں گے اور ابھی وفات نہیں پا سکتے۔ پس اس سے حضرت علیؓ پر تو اعتراض وارد ہوتا ہے مگر حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ یہ امر ان کی نیکی، تقوٰی اور فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نبی کی قومی زندگی کی بھی الہام سے ابتدا کرتا ہے

غرض میں یہ مضمون بیان کر رہا تھا کہ نبی کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ نبی کی قومی زندگی کی ابتدا کرتا ہے اسی لئے نبی کی وفات کے بعد قائم ہونے والی خلافت اور اس کی تفصیلات کو اللہ تعالیٰ نبی کی زندگی میں پردۂ اخفاء میں رکھتا ہے ایسے ہی حالات میں رسول کریم ﷺ فوت ہوئے۔ جب آپ وفات پا گئے تو پہلے تو بعض صحابہؓ نے سمجھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے مگر جب انہیں پتہ لگا کہ آپ واقعہ میں فوت ہو چکے ہیں تو وہ حیران ہوئے کہ اب وہ کیا کریں اور وہ کون سا طریق عمل میں لائیں جو رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے مشن کی تکمیل کے لئے ضروری

ہو۔اسی پریشانی اوراضطراب کی حالت میں وہ اِدھراُدھر پھرنے لگے۔نتیجہ یہ ہؤا کہ تھوڑی ہی دیر کے اندراُن میں دوگروہ ہوگئے جو بعد میں تین گروہوں کی صورت میں منتقل ہوگئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ کے تین گروہ

ایک گروہ نے یہ خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسا شخص ضرور ہونا چاہئے جو نظامِ اسلامی کو قائم کرے مگر چونکہ نبی کے منشاء کو اس کے اہل وعیال ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل میں سے ہی کوئی شخص مقرر ہونا چاہئے کسی اَور خاندان میں سے کوئی شخص نہیں ہونا چاہئے۔اس گروہ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر کسی اور خاندان میں سے کوئی شخص خلیفہ مقرر ہوگیا تو لوگ اس کی باتیں مانیں گے نہیں اوراس طرح نظام میں خلل واقع ہوگا لیکن اگرآپ کے خاندان میں سے ہی کوئی خلیفہ مقرر ہوگیا تو چونکہ لوگوں کواس خاندان کی اطاعت کی عادت ہے اس لئے وہ خوشی سے اس کی اطاعت کوقبول کرلیں گے۔جیسے ایک بادشاہ جس کی بات ماننے کے لوگ عادی ہو چکے ہوتے ہیں جب وفات پا جاتا ہے اوراُس کا بیٹا اُس کا جانشین بنتا ہےتو وہ اُس کی اطاعت بھی شوق سے کرنے لگ جاتے ہیں۔مگر دوسرے فریق نے سوچا کہ اس کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل میں سے ہونے کی شرط ضروری نہیں مقصد تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جانشین ہو پس جو بھی سب سے زیادہ اس کا اہل ہواس کے سپرد یہ کام ہونا چاہئے۔

اس دوسرے گروہ کے پھرآگے دو حصے ہوگئے اور گووہ دونوں اس بات میں متحد تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی جانشین ہونا چاہئے مگر ان میں اس بات پر اختلاف ہوگیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جانشین کِن لوگوں میں سے ہو۔ایک گروہ کا خیال تھا کہ جو لوگ سب سے زیادہ عرصہ تک آپ کے زیرِ تعلیم رہے ہیں وہ اس کے مستحق ہیں یعنی مہاجر اوران میں سے بھی قریش جن کی بات ماننے کیلئے عرب تیار ہو سکتے ہیں اور بعض نے یہ خیال کیا کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مدینہ میں ہوئی ہے اور مدینہ میں انصار کا زور ہے اس لئے وہی اس کام کواچھی طرح سے چلا سکتے ہیں۔

انصار اور مہاجرین میں اختلاف

غرض اب انصار اور مہاجرین میں اختلاف ہو گیا۔ انصار کا یہ خیال تھا کہ چونکہ رسول کریم ﷺ نے اصل زندگی جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے ہمارے اندر گذاری ہے اور مکہ میں کوئی نظام نہیں تھا اس لئے نظامِ حکومت ہم ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور خلافت کے متعلق ہمارا ہی حق ہے کسی اور کا حق نہیں۔ دوسری دلیل وہ یہ بھی دیتے کہ یہ علاقہ ہمارا ہے اور طبعاً ہماری بات کا ہی لوگوں پر زیادہ اثر ہوسکتا ہے، مہاجرین کا اثر نہیں ہوسکتا پس رسول کریم ﷺ کا جانشین ہم میں سے ہونا چاہئے مہاجرین میں سے نہیں۔ اس کے مقابلہ میں مہاجرین یہ کہتے کہ رسول کریم ﷺ کی جتنی لمبی صحبت ہم نے اُٹھائی ہے اتنی لمبی صحبت انصار نے نہیں اُٹھائی اس لئے دین کو سمجھنے کی جو قابلیت ہمارے اندر ہے وہ انصار کے اندر نہیں۔ اس اختلاف پر ابھی دوسرے لوگ غور ہی کر رہے تھے اور وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے کہ اِس آخری گروہ نے جو انصار کے حق میں تھا بنی ساعدہ کے ایک برآمدہ میں جمع ہو کر اس بارہ میں مشورہ شروع کر دیا اور سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے اور نقباء میں سے تھے ان کے بارہ میں طبائع کا اِس طرف رُجحان ہو گیا کہ انہیں خلیفہ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ انصار نے آپس میں یہ گفتگو کرتے ہوئے کہ ملک ہمارا ہے، زمینیں ہماری ہیں، جائدادیں ہماری ہیں اور اسلام کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم میں سے کوئی خلیفہ مقرر ہو، فیصلہ کیا کہ اس منصب کیلئے سعد بن عبادہ سے بہتر اور کوئی شخص نہیں۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بعض نے کہا اگر مہاجرین اس کا انکار کریں گے تو کیا ہوگا؟ اس پر کسی نے کہا کہ پھر ہم کہیں گے مِنَّا اَمِیْرٌ وَمِنْکُمْ اَمِیْرٌ [۲۳] یعنی ایک امیر تم میں سے ہو جائے اور ایک ہم میں سے۔ سعد جو بہت دانا آدمی تھے انہوں نے کہا کہ یہ تو پہلی کمزوری ہے۔ یعنی یا تو ہم میں سے خلیفہ ہونا چاہئے یا ان میں سے۔ مِنَّا اَمِیْرٌ وَمِنْکُمْ اَمِیْرٌ کہنا تو گویا خلافت کے مفہوم کو نہ سمجھنا اور اسلام میں رخنہ ڈالنا ہے۔ اس مشورہ کی جب مہاجرین کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی جلدی سے وہیں آ گئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مہاجرین میں سے کوئی خلیفہ نہ ہوا تو عرب اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ مدینہ میں بیشک انصار کا زور تھا مگر باقی تمام عرب مکہ والوں کی عظمت اور ان کے شرف کا قائل تھا۔

پس مہاجرین نے سمجھا کہ اگر اس وقت انصار میں سے کوئی خلیفہ مقرر ہو گیا تو اہل عرب کے لئے سخت مشکل پیش آئے گی اور ممکن ہے کہ ان میں سے اکثر اس ابتلاء میں پورے نہ اُتریں چنانچہ سب مہاجرین وہیں آ گئے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر بیان کرنے کے لئے ایک بہت بڑا مضمون سوچا ہؤا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ میں جاتے ہی ایک ایسی تقریر کروں گا جس سے تمام انصار میرے دلائل کے قائل ہو جائیں گے اور وہ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ انصار کی بجائے مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں مگر جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ انہوں نے بھلا کیا بیان کرنا ہے؟ مگر خدا کی قسم! جتنی باتیں میں نے سوچی ہوئی تھیں وہ سب انہوں نے بیان کر دیں بلکہ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے پاس سے بھی بہت سے دلائل دیئے۔ تب میں سمجھا کہ میں ابوبکرؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔[۲۴]

غرض مہاجرین نے انہیں بتایا کہ اِس وقت قریش میں سے ہی امیر ہونا ضروری ہے اور رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی پیش کی کہ اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْش [۲۵] اور ان کی سبقتِ دین اور ان قربانیوں کا ذکر کیا جو وہ دین کیلئے کرتے چلے آئے تھے۔ اس پر حباب بن المنذر خزرجی نے مخالفت کی اور کہا کہ ہم اس بات کو نہیں مان سکتے کہ مہاجرین میں سے خلیفہ ہونا چاہئے ہاں اگر آپ لوگ کسی طرح نہیں مانتے اور آپ کو اس پر بہت ہی اصرار ہے تو پھر مِنَّا اَمِيْرٌ وَ مِنْكُمْ اَمِيْرٌ پر عمل کیا جائے یعنی ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک آپ لوگوں میں سے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میاں سوچ سمجھ کر بات کرو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک وقت میں دو امیروں کا ہونا جائز نہیں[۲۶] (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثیں تو ایسی موجود تھیں جن میں رسول کریم ﷺ نے نظامِ خلافت کی تشریح کی ہوئی تھی مگر آپ کی زندگی میں صحابہؓ کا ذہن اِدھر منتقل نہیں ہؤا اور اس کی وجہ وہی خدائی حکمت تھی جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں)

پس تمہارا یہ مطالبہ کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے، عقلاً اور شرعاً کسی

طرح جائز نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

آخر کچھ بحث مباحثہ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے انصار کو توجہ دلائی کہ تم پہلی قوم ہو جو مکہ کے باہر ایمان لائی اب رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد تم پہلی قوم نہ بنو جنہوں نے دین کے منشاء کو بدل دیا۔ اس کا طبائع پر ایسا اثر ہؤا کہ بشیر بن سعد خزرجی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی جو خدمت کی اور آپ کی نصرت و تائید کی وہ دُنیوی اغراض سے نہیں کی تھی اور نہ اس لئے کی تھی کہ ہمیں آپ کے بعد حکومت ملے بلکہ ہم نے خدا کیلئے کی تھی پس حق کا سوال نہیں بلکہ سوال اسلام کی ضرورت کا ہے اور اس لحاظ سے مہاجرین میں سے ہی امیر مقرر ہونا چاہیئے کیونکہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی لمبی صحبت پائی ہے۔ اس پر کچھ دیر تک اور بحث ہوتی رہی مگر آخر آدھ یا پون گھنٹہ کے بعد لوگوں کی رائے اسی طرح ہوتی چلی گئی کہ مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو اس منصب کے لئے پیش کیا اور کہا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی بیعت کر لو مگر دونوں نے انکار کیا اور کہا کہ جسے رسول کریم ﷺ نے نماز کا امام بنایا اور جو سب مہاجرین میں سے بہتر ہے ہم اس کی بیعت کریں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اس منصب کیلئے حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر اور کوئی شخص نہیں۔ چنانچہ اس پر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت شروع ہوگئی۔ پہلے حضرت عمرؓ نے بیعت کی، پھر حضرت ابوعبیدہ نے بیعت کی، پھر بشیرؓ بن سعد خزرجی نے بیعت کی اور پھر اوس نے اور پھر خزرج کے دوسرے لوگوں نے اور اسقدر جوش پیدا ہؤا کہ سعد جو بیمار تھے اور اُٹھ نہ سکتے تھے ان کی قوم ان کو روندتی ہوئی آگے بڑھ کر بیعت کرتی تھی۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سعدؓ اور حضرت علیؓ کے سِوا سب نے بیعت کر لی۔ حتّٰی کہ سعدؓ کے اپنے بیٹے نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ نے کچھ دنوں بعد بیعت کی۔ چنانچہ بعض روایات میں تین دن آتے ہیں اور بعض روایات میں یہ ذکر آتا ہے کہ آپ نے چھ ماہ بعد بیعت کی۔ چھ ماہ والی روایات میں یہ عُذر بھی بیان ہؤا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی تیمارداری میں مصروفیت کی وجہ سے

آپ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہ کر سکے اور جب آپ بیعت کرنے کے لئے آئے تو آپ نے یہ معذرت کی کہ چونکہ فاطمہؓ بیمار تھیں اس لئے بیعت میں دیر ہوگئی۔ [۲۷]

حضرت عمرؓ کا انتخاب

حضرت ابوبکرؓ کی وفات جب قریب آئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ میں کس کو خلیفہ مقرر کروں۔ اکثر صحابہؓ نے اپنی رائے حضرت عمرؓ کی امارت کے متعلق ظاہر کی اور بعض نے صرف یہ اعتراض کیا کہ حضرت عمرؓ کی طبیعت میں سختی زیادہ ہے ایسا نہ ہو کہ لوگوں پر تشدّد کریں۔ آپ نے فرمایا یہ سختی اُسی وقت تھی جب تک ان پر کوئی ذمہ واری نہیں پڑی تھی اب جبکہ ایک ذمہ واری اِن پر پڑ جائے گی ان کی سختی کا مادہ بھی اعتدال کے اندر آ جائے گا۔ چنانچہ تمام صحابہؓ حضرت عمرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے۔ آپ کی صحت چونکہ بہت خراب ہو چکی تھی اس لئے آپ نے اپنی بیوی اسماءؓ کا سہارا لیا اور ایسی حالت میں جبکہ آپ کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے اور ہاتھ کانپ رہے تھے آپ مسجد میں آئے اور تمام مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے بہت دنوں تک متواتر اس امر پر غور کیا ہے کہ اگر میں وفات پا جاؤں تو تمہارا کون خلیفہ ہو۔ آخر بہت کچھ غور کرنے اور دعاؤں سے کام لینے کے بعد میں نے یہی مناسب سمجھا ہے کہ عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دوں۔ سو میری وفات کے بعد عمرؓ تمہارے خلیفہ ہوں گے۔ [۲۸] سب صحابہؓ اور دوسرے لوگوں نے اس امارت کو تسلیم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی بیعت ہوگئی۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب

حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے اور آپ نے محسوس کیا کہ اب آپ کا آخری وقت قریب ہے تو آپ نے چھ آدمیوں کے متعلق وصیت کی کہ وہ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ وہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن الوقاصؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ۔ [۲۹] اس کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی آپ نے اس مشورہ میں شریک کرنے کیلئے مقرر فرمایا مگر خلافت کا حقدار قرار نہ دیا اور وصیت کی کہ یہ سب لوگ تین دن میں فیصلہ کریں اور تین دن کیلئے صہیبؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کیا اور مشورہ کی نگرانی

مقداد بن الاسودؓ کے سپرد کی اور انہیں ہدایت کی کہ وہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے فیصلہ کرنے پر مجبور کریں اور خود تلوار لے کر دروازہ پر پہرہ دیتے رہیں۔ اور فرمایا کہ جس پر کثرتِ رائے سے اتفاق ہو سب لوگ اس کی بیعت کریں اور اگر کوئی انکار کرے تو اسے قتل کر دو۔ لیکن اگر دونوں طرف تین تین ہو جائیں تو عبداللہ بن عمرؓ ان میں سے جس کو تجویز کریں وہ خلیفہ ہو۔ اگر اس فیصلہ پر وہ راضی نہ ہوں تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں وہ خلیفہ ہو۔

آخر پانچوں اصحاب نے مشورہ کیا (کیونکہ طلحہؓ اُس وقت مدینہ میں نہ تھے) مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہؤا۔ بہت لمبی بحث کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ اچھا جو شخص اپنا نام واپس لینا چاہتا ہے وہ بولے۔ جب سب خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ سب سے پہلے میں اپنا نام واپس لیتا ہوں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا پھر باقی دو نے۔ حضرت علیؓ خاموش رہے۔ آخر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے عہد لیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ انہوں نے عہد کیا اور سب کام ان کے سپرد ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تین دن مدینہ کے ہر گھر گئے اور مردوں اور عورتوں سے پوچھا کہ ان کی رائے کس شخص کی خلافت کے حق میں ہے۔ سب نے یہی کہا کہ انہیں حضرت عثمانؓ کی خلافت منظور ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا اور وہ خلیفہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کا انتخاب

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا واقعۂ شہادت ہؤا اور وہ صحابہؓ جو مدینہ میں موجود تھے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں میں فتنہ بڑھتا جا رہا ہے حضرت علیؓ پر زور دیا کہ آپ لوگوں کی بیعت لیں۔ دوسری طرف کچھ مفسدین بھاگ کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اِس وقت اسلامی حکومت کے ٹوٹ جانے کا سخت اندیشہ ہے آپ لوگوں سے بیعت لیں تا کہ ان کا خوف دور ہو اور امن و امان قائم ہو۔ غرض جب آپ کو بیعت لینے پر مجبور کیا گیا تو کئی دفعہ کے انکار کے بعد آپ نے اس ذمہ واری کو اُٹھایا اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی بعض اکابر صحابہؓ اس وقت مدینہ سے باہر تھے اور بعض سے تو جبراً بیعت لی گئی۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے

متعلق آتا ہے کہ ان کی طرف حکیم بن جبلہ اور مالک اشتر کو چند آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا گیا اور اُنہوں نے تلواروں کا نشانہ کر کے انہیں بیعت پر آمادہ کیا۔یعنی وہ تلواریں سونت کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنی ہے تو کرو ورنہ ہم ابھی تم کو مار ڈالیں گے۔حتیّٰ کہ بعض روایات میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ وہ ان کو نہایت سختی کے ساتھ زمین پر گھسیٹتے ہوئے لائے۔ظاہر ہے کہ ایسی بیعت کوئی بیعت نہیں کہلا سکتی۔پھر جب انہوں نے بیعت کی تو یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اس شرط پر آپ کی بیعت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے آپ قصاص لیں گے مگر بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ قاتلوں سے قصاص لینے میں جلدی نہیں کر رہے تو وہ بیعت سے الگ ہو گئے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔

حضرت عائشہؓ کا اعلانِ جہاد

انہی لوگوں کی ایک جماعت نے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھی حضرت عائشہؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے جہاد کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اِس بات کا اعلان کیا اور صحابہؓ کو اپنی مدد کیلئے بُلایا۔حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر میں جنگ ہوئی جسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔اس جنگ کے شروع میں ہی حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ کی زبان سے رسول کریم ﷺ کی ایک پیشگوئی سن کر علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے جنگ نہیں کریں گے اور اس بات کا اقرار کیا کہ اپنے اجتہاد میں انہوں نے غلطی کی ہے۔دوسری طرف حضرت طلحہؓ نے بھی اپنی وفات سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کا اقرار کر لیا۔کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ وہ زخموں کی شدت سے تڑپ رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس سے گزرا انہوں نے پوچھا تم کس گروہ میں سے ہو؟ اس نے کہا حضرت علیؓ کے گروہ میں سے۔اس پر انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ تیرا ہاتھ علیؓ کا ہاتھ ہے اور میں تیرے ہاتھ پر حضرت علیؓ کی دوبارہ بیعت کرتا ہوں[۳۰] غرض باقی صحابہؓ کے اختلاف کا تو جنگ جمل کے وقت ہی فیصلہ ہو گیا مگر حضرت معاویہؓ کا اختلاف باقی رہا یہاں تک کہ جنگ صفّین ہوئی۔

جنگ صَفّین کے واقعات

اِس جنگ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں نے یہ ہوشیاری کی کہ نیزوں پر قرآن اُٹھا دیئے اور کہا کہ جو کچھ قرآن فیصلہ کرے وہ ہمیں منظور ہے اور اس غرض کیلئے حَکَم مقرر ہونے چاہئیں۔ اِس پر وہی مُفسد جو حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش میں شامل تھے اور جو آپ کی شہادت کے معاً بعد اپنے بچاؤ کیلئے حضرت علیؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اُنہوں نے حضرت علیؓ پر یہ زور دینا شروع کر دیا کہ یہ بالکل درست کہتے ہیں آپ فیصلہ کیلئے حَکَم مقرر کر دیں۔ حضرت علیؓ نے بہتیرا انکار کیا مگر انہوں نے، اور کچھ ان کمزور طبع لوگوں نے جو ان کے اس دھوکا میں آ گئے تھے حضرت علیؓ کو اس بات پر مجبور کیا کہ آپ حَکَم مقرر کریں۔ چنانچہ معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری حَکَم مقرر کئے گئے۔ یہ تحکیم دراصل قتلِ عثمانؓ کے واقعہ میں تھی اور شرط یہ تھی کہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ ہوگا مگر عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعری دونوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بہتر ہوگا کہ پہلے ہم دونوں یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو اُن کی امارت سے معزول کر دیں کیونکہ تمام مسلمان انہی دونوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلاء ہو رہے ہیں اور پھر آزادانہ رنگ میں مسلمانوں کو کوئی فیصلہ کرنے دیں تا کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ بنالیں حالانکہ وہ اس کام کیلئے مقرر ہی نہیں ہوئے تھے مگر بہرحال ان دونوں نے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کیلئے ایک جلسہ عام منعقد کیا اور حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ پہلے آپ اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیں بعد میں مَیں اعلان کر دوں گا چنانچہ حضرت ابوموسیٰ نے اعلان کر دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ابوموسیٰ نے حضرت علیؓ کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی ان کی اس بات سے متفق ہوں اور حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو میں معزول نہیں کرتا بلکہ ان کے عہدہ امارت پر انہیں بحال رکھتا ہوں (حضرت عمرو بن العاص خود بہت نیک آدمی تھے لیکن اِس وقت میں اِس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا) اِس فیصلہ پر حضرت معاویہ کے ساتھیوں نے تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو لوگ

حَکَم مقرر ہوئے تھے انہوں نے علیؓ کی بجائے معاویہؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور یہ درست ہے۔ مگر حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ حَکَم اس غرض کیلئے مقرر تھے اور نہ ان کا یہ فیصلہ کسی قرآنی حُکم پر ہے۔ اس پر حضرت علیؓ کے وہی منافق طبع ساتھی جنہوں نے حَکَم مقرر کرنے پر زور دیا تھا یہ شور مچانے لگ گئے کہ حَکَم مقرر ہی کیوں کئے گئے تھے جبکہ دینی معاملات میں کوئی حَکَم ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اوّل تو یہ بات معاہدہ میں شامل تھی کہ ان کا فیصلہ قرآن کے مطابق ہوگا جس کی انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ دوسرے حَکَم تو خود تمہارے اصرار کی وجہ سے مقرر کیا گیا تھا اور اب تم ہی کہتے ہو کہ میں نے حکم کیوں مقرر کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے جھک مارا اور ہم نے آپ سے جو کچھ کہا تھا وہ ہماری غلطی تھی مگر سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ بات کیوں مانی۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم بھی گنہگار ہو گئے اور آپ بھی۔ ہم نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا اور آپ نے بھی۔ اَب ہم نے تو اپنی غلطی سے توبہ کر لی ہے مناسب یہ ہے کہ آپ بھی توبہ کریں اور اس امر کا اقرار کریں کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے ناجائز کیا ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ نے انکار کیا تو وہ یہ کہہ کر آپ کی بیعت سے الگ ہو جائیں گے کہ انہوں نے چونکہ ایک خلافِ اسلام فعل کیا ہے اس لئے ہم آپ کی بیعت میں نہیں رہ سکتے اور اگر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں تو بھی ان کی خلافت باطل ہو جائے گی کیونکہ جو شخص اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کرے وہ خلیفہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے جب یہ باتیں سنیں تو کہا کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی جس امر کے متعلق میں نے حَکَم مقرر کیا تھا اس میں کسی کو حَکَم مقرر کرنا شریعت اسلامیہ کی رُو سے جائز ہے۔ باقی میں نے حَکَم مقرر کرتے وقت صاف طور پر یہ شرط رکھی تھی کہ وہ جو کچھ فیصلہ کریں گے اگر قرآن اور حدیث کے مطابق ہوگا تب میں اسے منظور کروں گا ورنہ میں اسے کسی صورت میں بھی منظور نہیں کروں گا۔ انہوں نے چونکہ اس شرط کو ملحوظ نہیں رکھا اور نہ جس غرض کیلئے انہیں مقرر کیا گیا تھا اس کے متعلق اِنہوں نے کوئی فیصلہ کیا ہے اس لئے میرے لئے ان کا فیصلہ کوئی حُجّت نہیں۔ مگر انہوں نے حضرت علیؓ کے اِس عذر کو تسلیم نہ کیا اور بیعت سے علیحدہ ہو گئے اور خوارج کہلائے اور انہوں نے یہ مذہب نکالا کہ

واجبُ الاِطاَعت خلیفہ کوئی نہیں۔ کثرتِ مسلمین کے فیصلہ کے مطابق عمل ہوا کرے گا کیونکہ کسی ایک شخص کوامیر واجب الاطاعت ماننا لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ [۳۱] کے خلاف ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافتِ بلافصل کانظریہ

یہ خلافت کے بارہ میں پہلا اختلاف تھا جو واقع ہوا۔ اس موقع پر جولوگ حضرت علیؓ کی تائید میں تھے انہوں نے ان امور کا جواب دینا شروع کیا اور جواب میں یہ امر بھی زیر بحث آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیشگوئیاں حضرت علیؓ کے متعلق ہیں۔ یہ پیشگوئیاں جب تفصیل کے ساتھ بیان ہونی شروع ہوئیں تو ان پر غور کرتے ہوئے بعض غالیوں نے یہ سوچا کہ خلافت پر کیا بحث کرنی ہے۔ ہم کہتے ہیں حضرت علیؓ کی خلافت کسی انتخاب پر مبنی نہیں بلکہ صرف ان پیشگوئیوں کی وجہ سے ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کی تھیں اس لئے آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقررکردہ خلیفہ بلافصل ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے میرے متعلق جب مصلح موعود کے موضوع پر بحث کی جائے تو کوئی شخص کہہ دے کہ ان کوتو ہم اس لئے خلیفہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں ہیں نہ اس لئے کہ ان کی خلافت جماعت کی اکثریت کے انتخاب سے عمل میں آئی۔ جس دن کوئی شخص ایسا خیال کرے گا اُسی دن اس کا قدم ہلاکت کی طرف اُٹھنا شروع ہو جائے گا کیونکہ اس طرح آہستہ آہستہ صرف ایک شخص کی امامت کا خیال دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے اور نظامِ خلافت کی اہمیت کا احساس ان کے دلوں سے جاتا رہتا ہے۔ غرض حضرت علیؓ کے متعلق بعض غالیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ کی خلافت صرف ان پیشگوئیوں کی وجہ سے ہے جو آپؐ نے ان کے متعلق کیں کسی انتخاب پر مبنی نہیں ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ اس طرف مائل ہو گئے کہ حضرت علیؓ درحقیقت امام بمعنی مأمور تھے اور یہ کہ خلافت ان معنوں میں کوئی شَے نہیں جو مسلمان اس وقت تک سمجھتے رہے ہیں بلکہ ضرورت پر خدا تعالیٰ کے خاص حُکم سے امام مقرر ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی ہدایت وراہنمائی کا موجب ہوتا ہے۔

خلافت کے بارہ میں مسلمانوں میں تین گروہ

ان مختلف قسم کے خیالات کے نتیجہ میں مسلمانوں میں خلافت کے بارہ میں تین گروہ ہوگئے۔

(۱) خلافت بمعنی نیابت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا کوئی نائب ہونا چاہئے۔مگراس کا طریق یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے فیصلہ کے مطابق یا خلیفہ کے تقرر کے مطابق جسے اُمت تسلیم کرے وہ شخص خلیفہ مقرر ہوتا ہے اور وہ واجبُ الاطاعت ہوتا ہے۔ یہ سُنّی کہلاتے ہیں۔

(۲) حُکم خدا کا ہے۔کسی شخص کو واجب الاطاعت ماننا شرک ہے۔کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور مسلمان آزاد ہیں وہ جو کچھ چاہیں اپنے لئے مقرر کریں۔ یہ خوارج کہلاتے ہیں۔

(۳) انسان امیر مقرر نہیں کرتے بلکہ امیر مقرر کرنا خدا کا کام ہے اسی نے حضرت علیؓ کو امام مقرر کیا اور آپ کے بعد گیارہ اور امام مقرر کئے۔آخری امام اب تک زندہ موجود ہے مگر مخفی۔ یہ شیعہ کہلاتے ہیں۔ان میں سے ایک فریق ایسا نکلا کہ اس نے کہا۔دنیا میں ہر وقت زندہ امام کا ہونا ضروری ہے جو ظاہر بھی ہو اور یہ اسماعیلیہ شیعہ کہلاتے ہیں۔

خلافتِ احمدیہ کا ذکر

یہ تو اُس خلافت کی تاریخ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد ہوئی۔ اب میں اُس خلافت کا ذکر کرتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد ہوئی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت بھی جماعت کی ذہنی کیفیت وہی تھی جو آنحضرت ﷺ کے وقت میں صحابہؓ کی تھی۔ چنانچہ ہم سب یہی سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابھی وفات نہیں پاسکتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی ایک منٹ کیلئے بھی ہمارے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب فوت ہو جائیں گے تو کیا ہوگا۔ میں اُس وقت بچہ نہیں تھا بلکہ جوانی کی عمر کو پہنچا ہؤا تھا، میں مضامین لکھا کرتا تھا، میں ایک رسالے کا ایڈیٹر بھی تھا، مگر میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ کیلئے بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وفات پا جائیں گے حالانکہ آخری سالوں میں متواتر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے الہامات ہوئے جن میں آپ کی وفات کی خبر ہوتی تھی اور آخری ایام میں تو ان کی کثرت اور بھی بڑھ گئی مگر باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسے الہامات ہوتے رہے اور باوجود اس کے کہ بعض الہامات وکشوف میں آپ کی وفات کے سال اور تاریخ وغیرہ کی بھی تعیین تھی اور باوجود اس کے کہ ہم ''الوصیت'' پڑھتے تھے ہم یہی سمجھتے تھے کہ یہ باتیں شاید آج سے دوصدیاں بعد پوری ہوں گی اِس لئے اِس بات کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام وفات پا جائیں گے تو کیا ہوگا۔ اور چونکہ ہماری حالت ایسی تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے سامنے فوت ہی نہیں ہو سکتے اس لئے جب واقعہ میں آپ کی وفات ہوگئی تو ہمارے لئے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ کو غسل دیکر کفن پہنایا گیا تو چونکہ ایسے موقع پر بعض دفعہ ہَوا کے جھونکے سے کپڑا ہِل جاتا ہے یا بعض دفعہ مونچھیں ہِل جاتی ہیں اس لئے بعض دوست دوڑتے ہوئے آتے اور کہتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو زندہ ہیں۔ ہم نے آپ کا کپڑا ہلتے دیکھا ہے یا مونچھوں کے بالوں کو ہلتے دیکھا ہے اور بعض کہتے کہ ہم نے کفن کو ہلتے دیکھا ہے۔ اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعش کو قادیان لایا گیا تو اسے باغ میں ایک مکان کے اندر رکھ دیا گیا۔ کوئی آٹھ نو بجے کا وقت ہوگا کہ خواجہ کمال الدین صاحب باغ میں پہنچے اور مجھے علیحدہ لے جا کر کہنے لگے کہ میاں! کچھ سوچا بھی ہے کہ اب حضرت صاحب کی وفات کے بعد کیا ہوگا۔ میں نے کہا کچھ ہونا تو چاہئے مگر یہ کہ کیا ہو اِس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ کہنے لگے میرے نزدیک ہم سب کو حضرت مولوی صاحب کی بیعت کر لینی چاہئے۔ اُس وقت کچھ عمر کے لحاظ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ میرا مطالعہ کم تھا میں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہم آپ کے بعد کسی اور کی بیعت کر لیں اِس لئے حضرت مولوی صاحب کی ہم کیوں بیعت کریں۔ (گو ''الوصیّة'' میں اس کا ذکر تھا مگر اُس وقت میرا ذہن اس طرف گیا نہیں) اُنہوں نے اِس پر میرے ساتھ بحث

شروع کر دی اور کہا کہ اگر اِس وقت ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی گئی تو ہماری جماعت تباہ ہو جائے گی پھر انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی تو یہی ہؤا تھا کہ قوم نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی اس لئے اب بھی ہمیں ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے اور اِس منصب کیلئے حضرت مولوی صاحب سے بڑھ کر ہماری جماعت میں اور کوئی شخص نہیں۔ مولوی محمد علی صاحب کی بھی یہی رائے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تمام جماعت کو مولوی صاحب کی بیعت کرنی چاہئے۔ آخر جماعت نے متفقہ طور پر حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ لوگوں سے بیعت لیں۔ اس پر باغ میں تمام لوگوں کا اجتماع ہؤا اور اس میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ مجھے امامت کی کوئی خواہش نہیں مَیں چاہتا ہوں کہ کسی اور کی بیعت کر لی جائے۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں پہلے میرا نام لیا پھر ہمارے نانا جان میر ناصر نواب صاحب کا نام لیا۔ پھر ہمارے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب کا نام لیا اسی طرح بعض اور دوستوں کے نام لئے لیکن ہم سب لوگوں نے متفقہ طور پر یہی عرض کیا کہ اس منصبِ خلافت کے اہل آپ ہی ہیں چنانچہ سب لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

خلیفۂ وقت کے اختیارات

ابھی آپ کی بیعت پر پندرہ بیس دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن مولوی محمد علی صاحب مجھے ملے اور کہنے لگے کہ میاں صاحب! کبھی آپ نے اس بات پر غور بھی کیا ہے کہ ہمارے سلسلہ کا نظام کیسے چلے گا؟ میں نے کہا اِس پر اب اور غور کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم نے حضرت مولوی صاحب کی بیعت جو کر لی ہے۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہوئی پیری مُریدی۔ سوال یہ ہے کہ سلسلہ کا نظام کس طرح چلے گا؟ میں نے کہا میرے نزدیک تو اب یہ بات غور کرنے کے قابل ہی نہیں کیونکہ جب ہم نے ایک شخص کی بیعت کر لی ہے تو وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح سلسلہ کا نظام قائم کرنا چاہئے ہمیں اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر وہ خاموش تو ہو گئے مگر کہنے لگے یہ بات غور کے قابل ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں میر محمد اسحاق صاحب کے چند سوالات

کچھ دنوں بعد جب جماعت کے دوستوں میں اس قسم کے سوالات کا چرچا ہونے لگا کہ خلیفہ کے کیا اختیارات ہیں اور آیا وہ حاکم ہے یا صدر انجمن احمدیہ حاکم ہے تو میر محمد اسحاق صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں بعض سوالات لکھ کر پیش کئے جن میں اس مسئلہ کی وضاحت کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت خلیفہ اوّل نے وہ سوالات باہر جماعتوں میں بھجوا دیئے اور ایک خاص تاریخ مقرر کی کہ اس دن مختلف جماعتوں کے نمائندے جمع ہو جائیں تاکہ سب سے مشورہ لینے کے بعد فیصلہ کیا جا سکے مگر مجھے ابھی تک ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ایک رؤیا ہؤا۔

ایک رؤیا

میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا مکان ہے جس کا ایک حصہ مکمل ہے اور دوسرا نامکمل۔ نامکمل حصے پر اگرچہ بالے رکھے ہوئے ہیں مگر ابھی اینٹیں وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالنی باقی ہے۔ اس حصہ عمارت پر ہم چار پانچ آدمی کھڑے ہیں جن میں سے ایک میر محمد اسحاق صاحب بھی ہیں۔ اچانک وہاں کڑیوں پر ہمیں کچھ بھوسا دکھائی دیا۔ میر محمد اسحاق صاحب نے جلدی سے ایک دِیا سلائی کی ڈبیہ میں سے ایک دِیا سلائی نکال کر کہا میرا جی چاہتا ہے کہ اس بُھوسے کو آگ لگا دوں۔ میں انہیں منع کرتا ہوں مگر وہ نہیں رُکتے۔ آخر میں انہیں سختی سے کہتا ہوں کہ اس بھوسے کو ایک دن آگ تو لگائی ہی جائے گی مگر ابھی وقت نہیں آیا اور یہ کہہ کر میں دوسری طرف متوجہ ہو گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد مجھے کچھ شور سا سنائی دیا۔ میں نے منہ پھیرا تو دیکھا۔ میر محمد اسحاق صاحب دِیا سلائی کی تیلیاں نکال کر اس کی ڈبیہ سے جلدی جلدی رگڑتے ہیں مگر وہ جَلتی نہیں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری دِیا سلائی نکال کر وہ اس طرح رگڑتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بھوسے کو آگ لگا دیں۔ میں یہ دیکھتے ہی ان کی طرف دَوڑ پڑا مگر میرے پہنچنے سے پہلے پہلے ایک دِیا سلائی جَل گئی جس سے انہوں نے بھوسے کو آگ لگا دی۔ میں یہ دیکھ کر آگ میں کُود پڑا اور اسے جلدی سے بُجھا دیا مگر اس دوران میں چند کڑیوں کے سِرے جل گئے۔ میں نے یہ خواب لکھ کر

حضرت خلیفہ اوّل کے سامنے پیش کی تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ خواب تو پوری ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا۔ میر محمد اسحاق نے کچھ سوالات لکھ کر دیئے ہیں۔ وہ سوال میں نے باہر جماعتوں کو بھجوا دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔ مجھے اس پر بھی کچھ معلوم نہ ہؤا کہ میر محمد اسحاق صاحب نے کیا سوالات کئے ہیں لیکن بعد میں مَیں نے بعض دوستوں سے پوچھا تو انہوں نے ان سوالات کا مفہوم بتایا اور مجھے معلوم ہؤا کہ وہ سوالات خلافت کے متعلق ہیں۔ میر صاحب کے ان سوالات کی وجہ سے جماعت میں ایک شور برپا ہوگیا اور چاروں طرف سے ان کے جوابات آنے شروع ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں نے جس طرح جماعت کو دھوکا میں مبتلاء کرنا چاہا وہ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے متواتر جماعت کو یہ کہا کہ جن خیالات کا وہ اظہار کررہے ہیں وہی خیالات حضرت خلیفہ اوّل کے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے خدا کا شکر ہے کہ ایسے بےنفس آدمی کے زمانہ میں یہ سوال اُٹھا اگر بعد میں اُٹھتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہوتا۔ بعض کہتے کہ بہت اچھا ہؤا آج جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اکثر صحابہؓ زندہ ہیں اس امر کا فیصلہ ہونے لگا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہی ہے۔ غرض جماعت پر یہ پوری طرح اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) حضرت خلیفہ اوّل ان کے خیالات سے متفق ہیں۔ مگر بہرحال اس وقت جماعت میں ایک غیر معمولی جوش پایا جاتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ خلیفۂ وقت کے خلاف خطرناک بغاوت ہوجائے گی۔

بیرونی جماعتوں کے نمائندوں کا قادیان میں اجتماع

آخر وہ دن آگیا جو حضرت خلیفہ اوّل نے اس غرض کیلئے مقرر کیا تھا اور جس میں بیرونی جماعتوں کے نمائندگان کو قادیان میں جمع ہونے کیلئے کہا گیا تھا۔ میں اس روز صبح کی نماز کے انتظار میں اپنے دالان میں ٹہل رہا تھا اور حضرت خلیفہ اوّل کی آمد کا انتظار کیا جارہا تھا کہ میرے کانوں میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی آواز آئی۔ وہ بڑے جوش سے مسجد میں کہہ رہے تھے کہ غضب خدا کا ایک لڑکے کی خاطر جماعت کو تباہ کیا جارہا ہے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ اس سے مراد شاید میر محمد اسحاق صاحب ہیں مگر پھر شیخ رحمت اللہ صاحب کی

آواز آئی کہ جماعت ایک لڑکے کی غلامی کس طرح کر سکتی ہے۔اس پر میں اور زیادہ حیران ہوا اور میں سوچنے لگا کہ میر محمد اسحاق صاحب نے تو صرف چند سوالات دریافت کئے ہیں ان کے ساتھ جماعت کی غلامی یا عدمِ غلامی کا کیا تعلق ہے مگر باوجود سوچنے اور غور کرنے کے میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس بچے سے کون مراد ہے۔آخر صبح کی نماز کے بعد میں نے حضرت خلیفہ اوّل سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور میں نے کہا کہ نہ معلوم آج مسجد میں کیا جھگڑا تھا کہ شیخ رحمت اللہ صاحب بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ ہم ایک بچہ کی بیعت کس طرح کر لیں اسی کی خاطر یہ تمام فساد ڈلوایا جارہا ہے۔میں تو نہیں سمجھ سکا کہ یہ بچہ کون ہے۔حضرت خلیفہ اوّل میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔تمہیں نہیں پتہ؟اس سے مراد تم ہی تو ہو۔غالباً شیخ صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ تمام سوالات میں نے ہی لکھوائے ہیں اور میری وجہ سے ہی جماعت میں یہ شور اُٹھا ہے۔

مسئلہ خلافت کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل کی تقریر

اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّل تقریر کرنے کیلئے تشریف لائے۔اس تقریر کے متعلق بھی پہلے سے میں نے ایک رؤیا دیکھا ہؤا تھا میں نے دیکھا کہ کوئی جلسہ ہے جس میں حضرت خلیفۂ اوّل کھڑے تقریر کر رہے ہیں اور تقریر مسئلہ خلافت پر ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لشکر ہے جو آپ پر حملہ آور ہؤا ہے۔اس وقت میں بھی جلسہ میں آیا اور آپ کے دائیں طرف کھڑے ہو کر میں نے کہا کہ حضور!کوئی فکر نہ کریں ہم آپ کے خادم ہیں اور آپ کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں تک دینے کیلئے تیار ہیں۔ہم مارے جائیں گے تو پھر کوئی شخص حضور تک پہنچ سکے گا۔ہماری موجودگی میں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔خواب مَیں نے حضرت خلیفۂ اوّل کو سنائی ہوئی تھی۔چنانچہ اِس جلسہ میں شامل ہونے کیلئے جب مَیں آیا تو مجھے اُس وقت وہ خواب یاد نہ رہی اور میں حضرت خلیفۂ اوّل کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔اس پر آپ نے فرمایا۔میاں!یہاں سے اُٹھ کر دائیں طرف آجاؤ اور پھر خود ہی فرمایا۔تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں دائیں طرف کیوں بٹھایا ہے؟میں نے عرض کیا مجھے تو معلوم نہیں۔اس پر آپ نے میری اُسی خواب کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس خواب کی وجہ سے میں نے تمہیں اپنے دائیں طرف بٹھایا ہے۔

جب آپ تقریر کیلئے کھڑے ہوئے تو بجائے اس کے کہ اُس جگہ کھڑے ہوتے جو آپ کیلئے تجویز کی گئی تھی آپ اس حصۂ مسجد میں کھڑے ہوگئے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنوایا تھا اور لوگوں پر اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اپنے عمل سے مجھے اتنا دکھ دیا ہے کہ میں اس حصۂ مسجد میں بھی کھڑا نہیں ہؤا جو تم لوگوں کا بنایا ہوا ہے بلکہ اپنے پیر کی بنائی ہوئی مسجد میں کھڑا ہوا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے مسئلہ خلافت پر قرآن وحدیث سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں خلیفہ کا کام صرف نمازیں پڑھا دینا، جنازے پڑھا دینا اور لوگوں کے نکاح پڑھا دینا ہے اُسے نظام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ کہنے والوں کی سخت گُستاخانہ حرکت ہے۔ یہ کام تو ایک مُلّاں بھی کر سکتا ہے اس کیلئے کسی خلیفہ کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے یہ تقریر سنی ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تقریر اتنی دردانگیز اور اِس قدر جوش سے لبریز تھی کہ لوگوں کی روتے روتے گھگھی بندھ گئی۔

خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے دوبارہ بیعت

تقریر کے بعد آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب سے کہا کہ دوبارہ بیعت کرو۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ بیعت کی۔ میرا ذہن اُس وقت اِدھر منتقل نہیں ہؤا کہ ان سے بیعت ان کے جُرم کی وجہ سے لی جارہی ہے چنانچہ میں نے بھی بیعت کیلئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا مگر حضرت خلیفۂ اوّل نے میرے ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا اور فرمایا تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے تو ایک جُرم کیا ہے جس کی وجہ سے دوبارہ ان سے بیعت لی جارہی ہے مگر تم نے کونسا جُرم کیا ہے۔

شیخ یعقوب علی صاحب سے اس موقع پر جو بیعت لی گئی وہ اس لئے لی گئی تھی کہ شیخ صاحب نے ایک جلسہ کیا تھا جس میں اُن لوگوں کے خلاف تقریریں کی گئی تھیں جنہوں نے نظامِ خلافت کی تحقیر کی تھی اور گو یہ اچھا کام تھا مگر حضرت خلیفۂ اوّل نے فرمایا جب ہم نے ان کو اس کام پر مقرر نہیں کیا تھا تو ان کا کیا حق تھا کہ وہ خود بخود الگ جلسہ کرتے۔ غرض ان تینوں سے دوبارہ بیعت لی گئی اور انہوں نے سب کے سامنے توبہ کی مگر جب جلسہ ختم ہوگیا

اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو ان لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کے خلاف اور زیادہ منصوبے کرنے شروع کر دیئے اور مولوی محمد علی صاحب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میری اس قدر ہتک کی گئی ہے کہ اب میں قادیان میں نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم ان دنوں مولوی محمد علی صاحب سے بہت تعلق رکھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ سخت گھبراہٹ کی حالت میں حضرت خلیفہ اوّل کے پاس پہنچے۔ مَیں بھی اتفاقاً وہیں موجود تھا اور آتے ہی کہا کہ حضور! غضب ہو گیا آپ جلدی کوئی انتظام کریں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا مولوی محمد علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری یہاں سخت ہتک ہوئی ہے اور مَیں اب قادیان میں کسی صورت میں نہیں رہ سکتا۔ آپ جلدی کریں اور کسی طرح مولوی محمد علی صاحب کو منانے کی کوشش کریں، ایسا نہ ہو کہ وہ چلے جائیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! مولوی صاحب سے جا کر کہہ دیجئے کہ کل کے آنے میں تو ابھی دیر ہے آپ جانا چاہتے ہیں تو آج ہی قادیان سے چلے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب جو یہ خیال کر رہے تھے کہ اگر مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے تو نہ معلوم کیا زلزلہ آ جائے گا اُن کے تو یہ جواب سن کر ہوش اُڑ گئے اور انہوں نے کہا حضور! پھر تو بڑا فساد ہوگا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں خدا کا قائم کردہ خلیفہ ہوں مَیں ان دھمکیوں سے مرعوب ہونے والا نہیں۔ اِس جواب کو سن کر مولوی محمد علی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور پھر انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں قادیان سے جانے کے ارادے کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی اور کئی طرح کے منصوبوں سے اُنہوں نے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بہت لمبے واقعات ہیں جن کو تفصیلاً بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔

حضرت خلیفۂ اوّل کی بیماری میں ایک اشتہار شائع کرنے کی تجویز

حضرت خلیفۂ اوّل جب مرض الموت سے بیمار ہوئے تو طبعاً ہم سب کے قلوب میں ایک بے چینی تھی اور ہم نہایت ہی افسوس کے ساتھ آنے والی گھڑی کو دیکھ رہے تھے اور چونکہ آپ کی بیماری کی وجہ سے لوگوں کی عام نگرانی

نہیں رہی تھی اور اختلافی مسائل پر گفتگو بڑھتی چلی جارہی تھی، اس لئے میں نے ایک اشتہار لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اب جب کہ حضرت خلیفۃ المسیح سخت بیمار ہیں یہ مناسب نہیں کہ ہم اختلافی مسائل پر آپس میں اس طرح بحثیں کریں مناسب یہی ہے کہ ہم ان بحثوں کو بند کر دیں اور اس وقت کا انتظار کریں جب کہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کو صحت دے دے اور آپ خود اِن بحثوں کی نگرانی فرماسکیں۔ میں نے یہ اشتہار لکھ کر مرزا خدا بخش صاحب کو دیا اور میں نے کہا کہ آپ اسے مولوی محمد علی صاحب کے پاس لے جائیں تا کہ وہ بھی اس پر دستخط کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے ہم خیال اور ان کے ہم خیال دونوں اس قسم کی بحثوں سے اجتناب کریں گے اور جماعت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوگا۔ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے صرف دو یا ایک دن پہلے کی بات ہے مگر بجائے اس کے کہ مولوی محمد علی صاحب اس اشتہار پر دستخط کر دیتے انہوں نے جواب دیا کہ جماعت کے دوستوں میں جو کچھ اختلاف ہے چونکہ اس سے عام لوگ واقف نہیں اس لئے ایسا اشتہار شائع کرنا مناسب نہیں اس طرح دشمنوں کو خواہ مخواہ ہنسی کا موقع ملے گا۔ میرے خیال میں اشتہار شائع کرنے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ ایک جلسہ کا انتظام کیا جائے جس میں آپ بھی تقریر کریں اور مَیں بھی تقریر کروں اور ہم دونوں لوگوں کو سمجھا دیں کہ اس طرح گفتگو نہ کیا کریں۔ چنانچہ مسجد نور میں ایک جلسے کا انتظام کیا گیا۔ مولوی محمد علی صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ پہلے میں تقریر کروں۔ چنانچہ میں نے جو کچھ اشتہار میں لکھا تھا وہی تقریر میں بیان کر دیا اور اتفاق پر زور دیا۔ میری تقریر کے بعد مولوی محمد علی صاحب کھڑے ہوئے مگر بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کو کوئی نصیحت کرتے اُلٹا انہوں نے لوگوں کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ تم بڑے نالائق ہو مجھ پر اور خواجہ صاحب پر خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہو تمہاری یہ حرکت پسندیدہ نہیں اس سے باز آجاؤ۔ غرض انہوں نے خوب زجر و توبیخ سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ بجائے اتفاق پیدا ہونے کے افتراق اور بھی زیادہ ترقی کر گیا اور لوگوں کے دلوں میں اُن کے متعلق نفرت پیدا ہوگئی۔

جماعت کو اختلاف سے محفوظ رکھنے کی کوشش

چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی طبیعت اب زیادہ کمزور ہوتی جا رہی تھی اس لئے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ کے بعد کیا ہوگا۔ میرے سامنے صرف جماعت کے اتحاد کا سوال تھا۔ یہ سوال نہیں تھا کہ ہم میں سے خلیفہ ہو یا اُن میں سے۔ چنانچہ گو عام طور پر وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اُن کا یہی خیال تھا کہ ہم کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے جس کے عقائد اُن کے عقائد سے مختلف ہوں کیونکہ اس طرح احمدیت کے مِٹ جانے کا اندیشہ ہے مگر میں نے دوستوں کو خاص طور پر سمجھانا شروع کیا کہ اگر حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات پر ہمیں کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو ہمیں انہیں لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے اور جماعت کو اختلاف سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے اکثر دوستوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر جھگڑا محض اِس بات پر ہو کہ خلیفہ کس جماعت میں سے ہو ہم میں سے یا اُن میں سے تو ہمیں اُن میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

حضرت خلیفۂ اوّل کی وفات

۱۳/ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل وفات پا گئے۔ میں جمعہ پڑھا کر نواب محمد علی خان صاحب کی گاڑی میں آ رہا تھا کہ راستہ میں مجھے آپ کی وفات کی اطلاع ملی اور اس طرح میرا ایک اور خواب پورا ہو گیا جو مَیں نے اس طرح دیکھا تھا کہ میں گاڑی میں سوار ہوں اور گاڑی ہمارے گھر کی طرف جا رہی ہے کہ راستہ میں مجھے کسی نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کی خبر دی۔ میں اس رؤیا کے مطابق سمجھتا تھا کہ غالباً میں اس وقت سفر پر ہونگا جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات ہوگی مگر خدا تعالیٰ نے اسے اس رنگ میں پورا کر دیا کہ جب جمعہ پڑھا کر مَیں گھر واپس آیا تو نواب محمد علی خان صاحب کا ملازم ان کا یہ پیغام لے کر میرے پاس آیا کہ وہ میرے انتظار میں ہیں اور ان کی گاڑی کھڑی ہے۔ چنانچہ میں اُن کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر چل پڑا اور راستہ میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کی اطلاع مل گئی۔

دعاؤں کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر تمام جماعتوں کو تاریں بھجوا دی گئیں اور مَیں نے دوستوں کو تحریک کی کہ ہر شخص اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے دعاؤں میں لگ جائے۔ راتوں کو تہجد پڑھے اور جسے توفیق ہو وہ کل روزہ بھی رکھے تا کہ اللہ تعالیٰ اس مشکل کے وقت جماعت کی صحیح راہنمائی کرے اور ہمارا قدم کسی غلط راستہ پر نہ جا پڑے۔

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا متفقہ فیصلہ

اُسی دن مَیں نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور اُن سے اس اختلاف کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ خلیفہ ایسا شخص ہی مقرر ہونا چاہئے جس کے عقائد ہمارے عقائد کے ساتھ متفق ہوں مگر میں نے ان کو سمجھایا کہ اصل چیز جس کی اِس وقت ہمیں ضرورت ہے اتفاق ہے۔ خلیفہ کا ہونا بے شک ہمارے نزدیک مذہباً ضروری ہے لیکن چونکہ جماعت میں اختلاف پیدا ہونا بھی مناسب نہیں اس لئے اگر وہ بھی کسی کو خلیفہ بنانے میں ہمارے ساتھ متحد ہوں تو مناسب یہ ہے کہ عام رائے لے لی جائے اور اگر انہیں اس سے اختلاف ہو تو کسی ایسے آدمی کی خلافت پر اتفاق کیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو۔ اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو پھر انہیں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے چاہے وہ مولوی محمد علی صاحب ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات منوانی اگرچہ سخت مشکل تھی مگر میرے اصرار پر ہمارے تمام خاندان نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔

مولوی محمد علی صاحب سے ملاقات

اس کے بعد میں مولوی محمد علی صاحب سے ملا اور میں نے اُن سے کہا کہ مَیں آپ سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں جنگل کی طرف نکل گئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد جلد ہی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس وجہ سے کہ جماعت میں اختلاف ہے اور فتنے کا ڈر ہے پورے طور پر بحث کر کے ایک بات پر متفق

ہو کر کام کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کل تک امید ہے کافی لوگ جمع ہو جائیں گے اس لئے میرے نزدیک کل جب تمام لوگ جمع ہو جائیں تو مشورہ کر لیا جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے چار پانچ ماہ جماعت غور کر لے پھر اس کے بعد جو فیصلہ ہو اُس پر عمل کر لیا جائے۔ میں نے کہا کہ اس عرصہ میں اگر جماعت کے اندر کوئی فساد ہو گیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا۔ جماعت بغیر لیڈر اور راہنما کے ہوگی اور جب جماعت کا کوئی امام نہیں ہوگا تو کون اس کے جھگڑوں کو حل کرے گا اور جماعت کے لوگ کس کے پاس اپنی فریاد لے کر جائیں گے۔ فساد کا کوئی وقت مقرر نہیں ممکن ہے آج شام کو ہی ہو جائے پس یہ سوال رہنے دیں کہ آج اس امر کا فیصلہ نہ ہو کہ کون خلیفہ بنے بلکہ آج سے پانچ ماہ کے بعد فیصلہ ہو۔ ہاں اس امر پر ہمیں ضرور بحث کرنی چاہئے کہ کون خلیفہ ہو اور میں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میرے ہم خیال اس بات پر تیار ہیں کہ آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ مولوی صاحب نے کہا یہ بڑی مشکل بات ہے آپ سوچ لیں اور کل اس پر پھر گفتگو ہو جائے چنانچہ ہم دونوں الگ ہو گئے۔

مولوی محمد علی صاحب کا ایک ٹریکٹ

رات کو جب مَیں تہجد کیلئے اُٹھا تو بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے مجھے ایک ٹریکٹ دیا اور کہا کہ یہ ٹریکٹ تمام راستہ میں بیرونجات سے آنے والے احمدیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب کا لکھا ہوا تھا اور اس میں جماعت پر زور دیا گیا تھا کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ نہیں چلنا چاہئے اور یہ کہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت بھی انہوں نے بطور ایک پیر کے کی تھی نہ کہ بطور خلیفہ کے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ جماعت کا ایک امیر ہو سکتا ہے مگر وہ بھی ایسا ہونا چاہئے جو واجبُ الْاِطاَعت نہ ہو، جو غیر احمدیوں کو کافر نہ کہتا ہو اور جس کی چالیس سال سے زیادہ عمر ہو۔ مقصد یہ تھا کہ اگر خلیفہ بنایا جائے تو مولوی محمد علی صاحب کو کیونکہ اُن کی عمر اُس وقت چالیس سال سے زائد تھی اور وہ غیر احمدیوں کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔

انتخاب خلافت پر جماعت کے نوے فیصد دوستوں کا اتفاق

میں نے جب یہ ٹریکٹ پڑھا تو آنے والے فتنہ کا تصور کر کے خود بھی دعا میں لگ گیا اور دوسرے لوگ جو اس کمرہ میں تھے اُن کو بھی میں نے جگایا اور اس ٹریکٹ سے باخبر کرتے ہوئے انہیں دعاؤں کی تاکید کی۔ چنانچہ ہم سب نے دعائیں کیں، روزے رکھے اور قادیان کے اکثر احمدیوں نے بھی دعاؤں اور روزہ میں حصہ لیا۔ صبح کے وقت بعض دوستوں نے یہ محسوس کر کے کہ مولوی محمد علی صاحب نے نہ صرف ہم سے دھوکا کیا ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وصیتوں کی بھی تحقیر کی ہے۔ ایک تحریر لکھ کر تمام آنے والے احباب میں اس غرض سے پھرائی تا معلوم ہو کہ جماعت کا رُجحان کِدھر ہے۔ اس میں جماعت کے دوستوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ آپ بتائیں حضرت خلیفہٗ اوّل کے بعد کیا ویسا ہی کوئی خلیفہ ہونا چاہئے یا نہیں جیسا کہ حضرت خلیفہٗ اوّل تھے اور یہ کہ انہوں نے حضرت خلیفہٗ اوّل کی بیعت آپ کو خلیفہ سمجھ کر کی تھی یا ایک پِیر اور صوفی سمجھ کر۔ اس ذریعہ سے جماعت کے دوستوں کے خیالات معلوم کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمیں لوگوں کے دستخطوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ جماعت کا نوے فیصدی سے بھی زیادہ حصہ اس امر پر متفق ہے کہ خلیفہ ہونا چاہئے اور اِسی رنگ میں ہونا چاہئے جس رنگ میں حضرت خلیفہ اوّل تھے۔

مولوی محمد علی صاحب سے دوبارہ گفتگو

دس بجے کے قریب مجھے مولوی محمد علی صاحب کا پیغام آیا کہ کل والی بات کے متعلق مَیں پھر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اُن کو بلوا لیا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ میں نے اِس امر پر زور دیا کہ خلافت کے متعلق آپ بحث نہ کریں کیونکہ آپ ایک خلیفہ کی بیعت کر کے اس اصول کو تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد جماعت میں خلفاء کا سلسلہ جاری رہے گا صرف اِس امر پر بحث کریں کہ خلیفہ کون ہو۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ اس بارہ میں جلدی کی ضرورت نہیں جماعت کو چار پانچ ماہ غور کر لینے دیا

جائے۔اور میرا جواب وہی تھا جو میں ان کو پہلے دے چکا تھا بلکہ مَیں نے اُن کو یہ بھی کہا کہ اگر چار پانچ ماہ کے بعد بھی اختلاف ہی رہا تو کیا ہوگا۔اگر آپ کثرتِ رائے پر فیصلہ کریں گے تو کیوں نہ ابھی جماعت کی کثرتِ رائے سے یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ کون خلیفہ ہو۔ جب سلسلۂ گفتگو کسی طرح ختم ہوتا نظر نہ آیا تو مَیں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ باہر جولوگ موجود ہیں اُن سے مشورہ لے لیا جائے۔اس پر مولوی صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ فقرہ نکل گیا کہ میاں صاحب! آپ کو پتہ ہے کہ وہ لوگ کس کو خلیفہ بنائیں گے؟ میں نے کہا لوگوں کا سوال نہیں مَیں خود یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلوں اور میرے ساتھی بھی اس غرض کیلئے تیار ہیں مگر انہوں نے پھر بھی یہی جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں وہ کس کو منتخب کریں گے۔اس پر مَیں مایوس ہوکر اُٹھ بیٹھا کیونکہ باہر جماعت کے دوست اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ وہ ہمارے دروازے توڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم زیادہ صبر نہیں کرسکتے۔ جماعت اس وقت تک بغیر کسی رئیس کے ہے اور آپ کی طرف سے کوئی امر طے ہونے میں ہی نہیں آتا۔آخر مَیں نے مولوی صاحب سے کہا چونکہ ہمارے نزدیک خلیفہ ہونا ضروری ہے اس لئے آپ کی جو مرضی ہو وہ کریں۔ہم اپنے طور پر لوگوں سے مشورہ کر کے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہتے ہوئے مَیں وہاں سے اُٹھ کھڑا ہؤا اور مجلس برخواست ہوگئی۔

خلافتِ ثانیہ کا قیام عصر کی نماز کے بعد جب نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی وصیت سنانے کے بعد لوگوں سے درخواست کی کہ وہ کسی کو آپ کا جانشین تجویز کریں تو سب نے بِالاتفاق میرا نام لیا اور اس طرح خلافتِ ثانیہ کا قیام عمل میں آیا۔

مَیں نے سنا ہے کہ اُس وقت مولوی محمد علی صاحب بھی کچھ کہنے کیلئے کھڑے ہوئے تھے مگر کسی نے اُن کے کوٹ کو جھٹک کر کہا کہ آپ بیٹھ جائیں۔ بہرحال جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت ہوا اور وہ جس کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا اُس کو اُس نے خلیفہ بنا دیا۔

حضرت خلیفۂ اوّل کے بعض ارشادات کی اصل حقیقت یہ لوگ حضرت خلیفۂ اوّل کو اپنے متعلق ہمیشہ غلط فہمی میں مبتلاء کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اسی لئے حضرت خلیفۂ اوّل کے لیکچروں میں بعض جگہ اس قسم کے الفاظ نظر آ جاتے ہیں کہ لاہوری دوستوں پر بدظنی نہیں کرنی چاہئے۔ یہ خیال کرنا کہ وہ خلافت کے مخالف ہیں جھوٹ ہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خود حضرت خلیفۂ اوّل سے بار بار کہتے کہ ہمارے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے جھوٹ ہے، ہم تو خلافت کے صدقِ دل سے مؤیّد ہیں۔ مگر اب دیکھ لو اِن کا جھوٹ کس طرح ظاہر ہو گیا اور جن باتوں کا وہ قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کرتے تھے اب کس طرح شدت سے اُن کا انکار کرتے رہتے ہیں۔

غرض حضرت خلیفۂ اوّل کی خلافت کو تسلیم کر لینے کے بعد ان لوگوں نے بھی خوارج کی طرح اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وَالْاَمْرُ شُوْرٰی بَیْنَنَا [۳۲] کا راگ الاپنا شروع کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام رکھا اور جماعت میرے ہاتھ پر جمع ہوئی۔ اِن کے بعد بھی بعض لوگ بعض اغراض کے ماتحت بیعت سے علیحدہ ہوئے اور انہوں نے بھی ہمیشہ وہی شور مچایا جو خوارج مچایا کرتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آج تک اُن کو ناکام و نامراد رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آئندہ بھی جماعت کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

خلافت کے بارہ میں قرآنی احکام

یہ تو تاریخ خلافت ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن و احادیث میں اس بارہ میں کیا روشنی ملتی ہے اور کیا کوئی نظام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام نے تجویز کیا ہے یا نہیں اور اگر کیا ہے تو وہ کیا ہے۔

اس بارہ میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں پہلا اصولی حکم قرآن کریم میں یہ ملتا ہے کہ:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ... مِّنَ الْمُلْکِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی

مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [۳۳]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اہل کتاب جھوٹ اور فریب اور شرک کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے سچائی کو چھوڑ رہے ہیں اور جب بھی مؤمنوں اور غیر مؤمنوں کا مقابلہ ہوتا ہے تو مؤمنوں کے متعلق تو وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی بُرے ہیں اور کافروں کے متعلق اُن کی یہ رائے ہوتی ہے کہ وہ مؤمنوں سے بہتر ہیں۔ جیسے غیر مبائعین ہماری دشمنی کی وجہ سے عام مسلمانوں کو ہم سے بہتر سمجھتے اور اُن کے پیچھے نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کوئی بات ہو وہ کہتے ہیں هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا یہ مسلمان احمدیوں سے زیادہ اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ تم چونکہ مؤمنوں کو دور کرتے ہو اور غیر مؤمنوں کو اپنے قریب کرتے ہو اس لئے آج ہم تم سے بھی یہی کہتے ہیں کہ تم ہمارے قرب سے دور ہو جاؤ۔ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا اور لوگ تو لعنت صرف زبان سے کرتے ہیں اور جب کسی پر لعنت ڈالنی ہو تو کہتے ہیں جا تجھ پر لعنت مگر جس پر ہماری لعنت پڑتی ہے اس کا کوئی مددگار نہیں رہتا۔ یہود کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے

اُن پر لعنت ڈالی تو اُن کا کیسا بُرا حال ہؤا۔ باوجود اس کے کہ مال و دولت اُن کے پاس بہت ہے مختلف قومیں مختلف وقتوں میں اُٹھتی اور انہیں ذلیل و رُسوا کرتی رہتی ہیں۔ یہی حال غیر مبائعین کا ہے۔ جب میری بیعت ہوئی تو اُس وقت قادیان میں دو ہزار کے قریب آدمی جمع تھے اور سِوائے پچاس ساٹھ کے باقی سب نے میری بیعت کر لی۔ مگر ''پیغامِ صلح'' نے لکھا کہ:-

''حاضر الوقت جماعت میں سے نصف کے قریب لوگوں نے بیعت نہ کی اور افسوس کرتے ہوئے مسجد سے چلے آئے''۔[۳۴]

پھر اُسی پیغامِ صلح میں انہوں نے میرے متعلق اعلان کیا کہ:-

''ابھی بمشکل قوم کے بیسویں حصہ نے خلیفہ تسلیم کیا ہے''[۳۵]

گویا پانچ فیصدی آدمی ہمارے ساتھ تھے اور پچانوے فیصدی اُن کے ساتھ۔ مگر اب کیا حال ہے۔ اب وہ بار بار لکھتے ہیں کہ جماعت کی اکثریت خلافت سے وابستہ ہے۔ بلکہ اب تو ان کے دلائل کا رُخ ہی بدل گیا ہے۔ پہلے وہ اپنی سچائی کی یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ جماعت کی اکثریت اُن کے ساتھ ہے مگر جب اکثریت خدا تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کر دی تو وہ یہ کہنے لگ گئے کہ جماعت کی اکثریت کا کسی بات کا قائل ہونا اُس کی سچائی کی دلیل نہیں ہوتا۔ قرآن میں صاف آتا ہے کہ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ [۳۶] گویا جب تک وہ زیادہ رہے اُن کی یہ دلیل رہی کہ نبی کو ماننے والوں کی اکثریت گمراہ نہیں ہوسکتی اور جب ہم زیادہ ہو گئے تو اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ کا مصداق ہمیں قرار دے دیا گیا۔ بہرحال انہوں نے اتنا تو ضرور اقرار کر لیا کہ اُن کے نصیر جاتے رہے ہیں۔ اور یہی اس قرآنی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ان لوگوں کو تو یہ حَسد کھائے چلا جاتا ہے کہ انہیں حکومت اور طاقت کیوں نہ مل گئی۔ حالانکہ اگر دنیا کی حکومت ان کے قبضہ میں ہوتی تو یہ بال برابر بھی لوگوں کو کوئی چیز نہ دیتے۔ نقیر کھجور کی گٹھلی کے نشان کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں سخت بخل ہے۔ جیسے پیغامیوں کو یہی بخل کھا گیا کہ ایک لڑکے کو خلافت کیوں مل گئی۔ فرماتا

ہے۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۔
تم جو بُخل کرتے ہو اور کہتے ہو کہ انہیں حکومت اور خلافت کیوں مل گئی تو اتنا تو سوچو کہ یہ حکومت اور سلطنت کس کو ملی ہے؟ کیا جسے حکومت ملی ہے وہ آل ابراہیمؑ میں شامل نہیں۔ اگر ہے تو پھر تمہارے حسد سے کیا بنتا ہے۔ خدا نے پہلے بھی آل ابراہیمؑ کو حکومت اور سلطنت دی اور اب بھی وہ آل ابراہیم کو حکومت اور سلطنت دے گا۔
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا۔ ہم اس سے پہلے بھی آل ابراہیمؑ کو حکومت دے چکے ہیں۔ جن لوگوں نے اُن کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا وہ عزت پا گئے اور جنہوں نے انکار کیا اُن کو سزا مل گئی۔ فرماتا ہے یہ حکومت جو آل ابراہیمؑ کو دی جائے گی یہ لوگوں کیلئے بڑی رحمت اور برکت کا موجب ہوگی۔ جب تک وہ اس رحمت کے نیچے رہیں گے اور اس حکومت سے بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے وہ بڑے آرام اور سُکھ میں رہیں گے مگر جب انہوں نے انکار کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں ایسے عذاب میں مبتلاء کرے گا جس سے رہائی کی کوئی صورت ہی نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ دُکھوں میں مبتلاء رہیں گے۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک عذاب کا عادی ہو جاتا ہے تو اُس کی تکلیف اسے پہلے جیسی محسوس نہیں ہوتی۔ ایک بادشاہ خواہ کتنا ہی ظالم ہو جب اُس کی حکومت پر کچھ عرصہ گزر جاتا ہے تو اُس کا ظلم لوگوں کو پہلے جیسا محسوس نہیں ہوتا اور وہ خود بھی نرمی کا پہلو اختیار کرنے لگ جاتا ہے لیکن اگر وہ بدل جائے اور اُس کی جگہ کوئی اور ظالم بادشاہ آ جائے تو اُس کا ظلم بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پس فرماتا ہے اگر تم نے اس انعام کو ردّ کر دیا تو پھر ظالم بادشاہ تم پر حکومتیں کریں گے اور وہ حکومتیں جلد جلد بدلیں گی تا کہ تمہیں اپنے کئے کی سزا ملے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ

وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۔مگر جو لوگ ایمان لانے والے ہونگے اور اعمالِ صالحہ بجالائیں گے، اُن کو ہم اعلیٰ درجہ کی حکومتیں بخشیں گے اور ان جنات میں اُن کے ساتھ اُن کی بیویاں بھی ہونگی اور اُن سب کو آرام اور سُکھ کا بہت لمبا زمانہ بخشا جائے گا۔ اِن آیات میں دراصل اسلامی حکومت کے قیام کی پیشگوئی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہود جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت نقصان اٹھائیں گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلاء رہیں گے لیکن مؤمن جو اس فضل کو تسلیم کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں جنتی زندگی دے گا اور اُن کی بیویاں بھی اُن کے ساتھ ہونگی۔

اَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ کے الفاظ پر دشمنانِ اسلام کا ایک ناواجب اعتراض

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کے الفاظ پر کئی نادان دشمنانِ اسلام اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ اسلام جنت کو ایک چکلہ بناتا ہے کیونکہ عورتوں کا بھی ساتھ ہی ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے جنت میں جہاں مرد ہونگے وہاں عورتیں بھی ہونگی حالانکہ وہ نادان نہیں جانتے کہ چکلہ تو وہ خود اپنے خُبثِ نفس کی وجہ سے بناتے ہیں۔ ورنہ اسلام تو یہ بتاتا ہے کہ جس طرح مرد جنت کے حقدار ہیں عورتیں بھی حقدار ہیں اور یہ کہ جنت مرد اور عورت کے تعاون سے بنتی ہے، اکیلا مرد جنت نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو اس رکوع میں دُنیوی حکومتوں کا ذکر ہے اور ان حکومتوں کا ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اس جنّت میں عورتوں کا شریک ہونا بھی ضروری ہے اور اگر وہ شریک نہ ہوں تو یہ جنّت مکمل نہیں کہلا سکتی۔ پس جنّت مرد اور عورت دونوں مل کر بناتے ہیں اور اگر وہ دونوں متحدہ طور پر کوشش نہ کریں تو کبھی یہ جنّت نہیں بن سکتی نہ دنیا کی جنّت اور نہ اُخروی جنّت۔ بلکہ دنیا کی جنّت کی تعمیر میں بھی مرد اور عورت کو مل کر کام کرنا پڑتا ہے اور اُخروی جنّت کی تعمیر میں بھی مرد کے ساتھ عورت کی شراکت ضروری ہے۔ اگر وہ دونوں مل کر اس جنّت کی تعمیر نہیں کریں گے تو کبھی خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ والی نعمت کو وہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔

عورت اور مرد کے تعاون کے بغیر نہ دُنیوی جنت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ اُخروی

اگر لوگ اس نکتہ کو سمجھتے اور قومی زندگی میں عورت کو شریک رکھتے اور اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو پہچانتے تو آج اسلام کی وہ حالت نہ ہوتی جو نظر آ رہی ہے اور نہ دنیا کی وہ حالت ہوتی جو دکھائی دے رہی ہے بلکہ یہ دنیا انسانوں کیلئے جنت ہو جاتی اور وہ یہیں جنت کو پا لیتے۔ مگر جو لوگ عورت کے بغیر جنّت حاصل کرتے ہیں اُن کی جنّت حقیقی جنّت نہیں ہوتی کیونکہ جنّت کی خصوصیت یہ ہے کہ جنّت عدن ہو۔ اور عورت کے بغیر جنّت عدن نصیب نہیں ہوتی بلکہ اِدھر مرد جنّت تیار کرتا ہے اور اُدھر عورت اُس کی اولاد کو جنّت سے باہر نکال دیتی ہے کیونکہ اولاد کی صحیح تربیت کے بغیر قوم کو دائمی جنّت حاصل نہیں ہوسکتی اور اولاد کی تربیت کا اکثر حصہ چونکہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس لئے اس جنّت کی تکمیل کیلئے عورت کے تعاون اور اس کو اپنے ساتھ شریک کرنے کی انسان کو ہمیشہ ضرورت رہے گی۔ جب عورت کو تعلیم حاصل ہوگی، جب عورت کے اندر تقویٰ ہوگا، جب عورت کے اندر دین کی محبت ہوگی، جب عورت کے دل میں خدا اور اُس کے رسول کے احکام پر چلنے کی ایک والہانہ تڑپ ہوگی تو ناممکن ہے کہ وہ یہی جذبات اپنی اولاد کے اندر بھی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ پس مردوں کا یہ کام ہے کہ وہ آج کی جنت تیار کریں اور عورتوں کا یہ کام ہے کہ وہ کل کی جنّت تیار کریں۔ مردوں کا یہ کام ہے کہ وہ جنّت بنائیں اور عورتوں کا یہ کام ہے کہ وہ اس جنّت کیلئے نئے مالی پیدا کریں۔ اگر ایک طرف مرد اُس جنّت کی تعمیر میں لگا ہؤا ہو اور دوسری طرف عورت اس کی تعمیر میں لگی ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف مرد اس کی حفاظت کرتا ہو اور دوسری طرف عورت اس کی حفاظت کیلئے نئے سے نئے مالی پیدا کرتی چلی جاتی ہو تو پھر کون ہے جو اُس جنّت کو برباد کر سکے۔ کون ہے جو قومی وحدت، قومی عظمت اور قومی شان کو نقصان پہنچا سکے۔ مگر جس دن عورت کو اس جنت کی تعمیر میں شریک ہونے سے روک دیا جائے گا اُسی دن اگلے مالی پیدا ہونے بند ہو جائیں گے اُسی دن پہلوں کی ٹریننگ ختم ہو جائے گی اور جب پہلوں کی ٹریننگ ختم ہوگئی اور اگلوں کا سلسلہ بھی بند ہو گیا تو وہ جنت کبھی قائم نہیں رہ سکتی بلکہ ضرور ہے کہ

شیطان اُسے اُجاڑ کر رکھ دے۔

ایک عظیم الشان نکتہ

پس یہ ایک عظیم الشان نکتہ ہے جو قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ حیاتِ ملّی کے قیام کیلئے مَردوں اور عورتوں دونوں کو مِل کر کوشش کرنی چاہیئے۔ جب تک عورتوں کو اپنے ساتھ شریک نہیں کرو گے اُس وقت تک تم یقین رکھو کہ تم جنت نہیں بنا سکو گے۔ اگر تم اپنی کوشش سے ساری دنیا کو بھی ایک دفعہ نمازی بنا لو تو اس کا کیا فائدہ جب کہ اُن نمازیوں کی اولادوں کو انہی کی مائیں بے نماز بنانے میں مصروف ہوں۔ اس طرح تو یہی ہوگا کہ تم جنّت بناؤ گے اور عورتیں اُس جنت کو برباد کرتی چلی جائیں گی۔

ہمارا ایک رشتہ دار ہوا کرتا تھا جو دین کا سخت مخالف اور خدا اور رسول کے احکام پر ہمیشہ ہنسی اور تمسخر اُڑایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا اور علاج کیلئے حضرت خلیفۂ اوّل کے پاس آیا۔ حضرت خلیفۂ اوّل نے باتوں باتوں میں اس سے کہا کہ مرزا صاحب! آپ کے پہلو میں پانچ وقت لوگ مسجد میں آکر نمازیں پڑھتے ہیں کیا آپ کو کبھی اس پر رَشک نہیں آیا؟ اور کیا آپ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ آپ کو بھی نمازیں پڑھنی چاہئیں؟ اس نے یہ سن کر بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا مولوی صاحب مَیں تو بچپن سے ہی سلیم الفطرت واقع ہوا ہوں۔ چنانچہ ان دنوں میں بھی جب میں لوگوں کو دیکھتا کہ انہوں نے سر نیچے اور سرین اونچے کئے ہوئے ہیں تو میں ہنسا کرتا تھا کہ یہ کیسے احمق لوگ ہیں۔

اب بتاؤ جب مائیں ایسے ''سلیم الفطرت بچے'' پیدا کرنے شروع کر دیں تو واعظوں کے وعظ سے جو جنت تیار ہوگا یا وہ ایک دن بھی قائم رہ سکتی ہے۔ اسی طرح کوئی مسئلہ لے لو علمی ہو یا مذہبی، سیاسی ہو یا اقتصادی، اگر عورت کو اپنے ساتھ شریک نہیں کیا جائے گا تو ان مسائل کے بارہ میں وہ تمہاری اولاد کو بالکل ناواقف رکھے گی اور تمہارا علم تمہارے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ غرض ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دائمی جنّت مرد کو عورت کے بغیر نہیں مل سکتی اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ پس وہ جنہوں نے اسلامی جنت کو چکلہ قرار دیا ہے انہوں نے اپنے خُبثِ نفس کا اظہار کرنے کے سوا اور

کچھ نہیں کیا۔اسی جنّت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ [۳۷] کہ وہ لوگ جو اپنے دلوں میں خدا کا خوف رکھتے ہیں اُن کیلئے دو جنتیں ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ [۳۸] کہ دو جنتیں دنیا میں ہونگی اور دو ہی اگلے جہاں میں۔ کیونکہ ایک باغ مرد نے لگایا ہوگا اور ایک عورت نے۔اسی کو جَنَّتٰنِ کہا گیا ہے اور اسی کو جنّت قرار دیا گیا ہے۔گویا اس باغ کی دو حیثیتیں بھی ہیں اور ایک بھی۔ دو اس لحاظ سے کہ ایک مرد کی کوششوں کا نتیجہ ہوگا اور دوسرا عورت کی کوششوں کا نتیجہ اور ایک اس لحاظ سے کہ مرد وعورت دونوں کی یہ مشترکہ جنت ہوگی۔

پھر فرماتا ہے کہ صرف اگلے جہان میں ہی یہ دو جنّت نہیں ہونگے بلکہ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ اس دنیا میں بھی دو جنّت ہیں جن میں سے ایک کی تعمیر مرد کے سپرد ہے اور ایک کی تعمیر عورت کے سپرد۔ پس مؤمنوں کو دو جنتیں تو اس دنیا میں ملتی ہیں اور دو اگلے جہان میں یعنی اسے جسمانی اور روحانی دونوں رنگ کی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ جو اپنا دائمی اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا [۳۹] یعنی جو لوگ مال واسباب سے دُنیوی فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں ایک وقتی فائدہ تو مل جاتا ہے لیکن جو لوگ ایسے اعمال کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوں اُن کے عمل ابدیّت کا مقام پا لیتے ہیں اور نہ صرف انہیں حاضر ثواب ملتا ہے بلکہ اُن کی وجہ سے ثواب کا ایک دائمی سلسلہ جاری ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے

یہ حدیث کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یہ بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر ماں اچھی تربیت کرے تو اچھی نسل پیدا ہوگی اور جو انعامات باپ حاصل کرے گا وہ دائمی ہو جائیں گے لیکن اگر ماں اچھی تربیت نہیں کرے گی تو باپ کے کمالات باپ تک ختم ہو جائیں گے اور دنیا کو جنّاتِ عدن حاصل نہیں

ہونگی۔ یہی مفہوم اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو معاویہ بن جاہمہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں فلاں جہاد میں شامل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تیری ماں زندہ ہے۔ اس نے کہا ہاں حضور زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فَالْزِمْھَا فَاِنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ رِجْلَیْھَا ۔[۴۰] جا اور اسی کے پاس رہ کیونکہ اُس کے قدموں میں جنّت ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں بعض ایسے نقائص تھے جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے کہ اگر وہ ماں کی صحبت میں رہا تو اس کی عمدہ تربیت سے وہ دُور ہو جائیں گے۔ ممکن ہے اس میں تیزی اور جوش کا مادہ زیادہ ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا ہو کہ اگر یہ جہاد پر چلا گیا تو اس کی طبیعت میں جو جوش کا مادہ ہے وہ اور بھی بڑھ جائے گا لیکن اگر اپنی والدہ کے پاس رہا اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسے اپنے جوشوں کو دبانا پڑا تو اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ بہرحال کوئی ایسی ہی کمزوری تھی جس کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے ماں کی تربیت جہاد کے میدان سے زیادہ بہتر سمجھی اور اُسے اپنی والدہ کی خدمت میں رہنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث بھی ظاہر کرتی ہے کہ جنّت عورت کے تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ غرض عورت کا جنّت میں ہونا ضروری ہے نہ صرف اگلی جنّت میں بلکہ دُنیوی جنّت میں بھی کیونکہ اس کے بغیر کوئی قوم کامیاب نہیں ہوسکتی۔

امانات کو اُن کے اہل کے سپرد کرنے کا حکم

پھر فرماتا ہے کہ یہ فضل اور رحمت جو تم کو حاصل ہوگی اُس کے قیام کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے، خودسری اور پراگندگی سے قوم اس انعام کو حاصل نہیں کرسکتی۔ پس اس جنت کے قیام کیلئے جو طریق تم کو اختیار کرنا چاہئے وہ ہم تمہیں بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا دُنیوی حکومتیں اور مال و املاک پر قبضے یہ سب تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ پس ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ (۱) تم امانتوں کو اُن کے اہل کے سپرد کرو۔ یعنی اپنے لئے ایسے سردار چنو جو اس امانت کو اٹھانے کے اہل ہوں۔ (۲) وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ پھر ہم ان کو جن کے سپرد یہ

امانت کی جائے حکم دیتے ہیں کہ وہ انصاف اور عدل سے کام کریں گویا دونوں کو حکم دے دیا۔ ایک طرف لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم حکومت کے اختیارات ہمیشہ ایسے لوگوں کے سپرد کیا کرو جو ان اختیارات کو سنبھالنے اور حکومت کے کام کو چلانے کے سب سے زیادہ اہل ہوں اور پھر اے اہل حکومت! ہم تم کو بھی حکم دیتے ہیں کہ تم رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ رکھو اور کبھی بے انصافی کو اپنے قریب نہ آنے دو۔

اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا - اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بہت بڑی حکمتوں پر مشتمل ہے اور وہ ہمیشہ تم کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اس طرح جب ایک نظام قائم ہو جائے تو فرماتا ہے کہ اب جو غرض نظام کی تھی یعنی دین کی تمکین تم اس کی طرف توجہ کرو اور قومی عبادات اور قومی کاموں کے متعلق جو احکام ہیں ان کی بجا آوری کی طرف توجہ کرو۔ عبادات اور فرائض شخصی بھی ہوتے ہیں اور قومی بھی۔ جو شخصی عبادات اور فرائض ہیں اُن کیلئے کسی نظام کی ضرورت نہیں اور انہیں انتخابِ امراء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پس انتخاب امراء کے بعد جو اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ بیان فرمایا اس کے یہی معنی ہیں کہ نظام کی غرض یہ تھی کہ قومی عبادات اور فرائض صحیح طور پر ادا ہوسکیں۔ پس تم کو چاہیئے کہ جب نظام قائم ہو جائے تو اس کی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نہیں کہ نظام بنا کر اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور سارا کام امراء پر ڈال دو۔ امراء کا قیام کام کرنے کیلئے نہیں ہوتا بلکہ کام لینے کیلئے ہوتا ہے۔ پس چاہیئے کہ جب امراء قائم ہو جائیں تو تم قومی ذمہ واریوں کو ادا کرنے میں لگ جاؤ۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ یعنی جب تم نے امراء کا انتخاب کر لیا تو اَب سن لو کہ تم پر تین حکومتیں ہوں گی۔ اوّل اللہ کی حکومت۔ دوم رسول کی حکومت۔ سوم اُولِی الْاَمْر کی حکومت ہاں فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ چونکہ امراء ان ذمہ واریوں کی ادائیگی کے متعلق مختلف سکیمیں تجویز کریں گے تمہیں چاہیئے کہ تم ان سکیموں میں ان کی اطاعت کرو لیکن اگر کبھی تمہارا ان سے

اختلاف ہو جائے تو ان اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔ یعنی ان اصول کے مطابق طے کرو جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کئے ہیں اور اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی نہ کرو ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت بابرکت ہوگا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ امر بیان کر دیا ہے کہ جب حکومت کے اختیارات تم قابل ترین لوگوں کے سپرد کر دو تو پھر اللہ اور رسول کے احکام کے ساتھ ان حکام کے احکام کی بھی تمہیں اطاعت کرنی ہوگی اور یہ اس لئے فرمایا کہ پہلے اس نے حکومت کا مقام بتا دیا ہے کہ وہ کیسا ہونا چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری ترقی کیلئے یہ امر ضروری ہے کہ تم اپنی باگ ڈور ایک ہاتھ میں دے دو مگر یاد رکھو انتخاب کرتے وقت اہلیت کو مدّنظر رکھو ایسا نہ ہو کہ تم یہ سمجھ کر کہ کسی نے تم پر احسان کیا ہؤا ہے یا کوئی تمہارا قریبی عزیز اور رشتہ دار ہے یا کسی سے تمہارے دوستانہ تعلقات ہیں اسے ووٹ دے دو۔ دنیا میں عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اور ووٹ دیتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمیں کس سے زیادہ تعلق ہے یا کون ہمارا عزیز اور دوست ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون اس کام کے زیادہ اہل ہے مگر فرمایا اسلامی انتخاب میں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ تم کسی کو محض اس لئے منتخب کر دو کہ وہ تمہارا باپ ہے یا تمہارا بیٹا ہے یا تمہارا بھائی ہے بلکہ اس کام کا جو شخص بھی اہل ہو اُس کے سپرد کر دو خواہ اس کے ساتھ تمہارے تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ جب تم امراء کا انتخاب کرلو گے تو لازماً وہ اسلام کی ترقی کیلئے بعض سکیمیں تجویز کریں گے اس لئے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جو احکام بھی ان کی طرف سے نافذ ہوں وہ خواہ تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں ان کی اطاعت کرو۔ ہاں اگر کسی مقام پر تمہارا اُن سے اختلاف ہو جائے تو فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اسے خدا اور رسول کے احکام کی طرف پھرا دو۔ یہاں آ کر خلافت کے منکرین خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کہتے ہیں بس بات حل ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ خلفاء کی باتیں ماننا کوئی ایسا ضروری نہیں۔ اگر وہ شریعت کے مطابق ہوں تو انہیں مان لینا چاہئے اور اگر شریعت کے مطابق نہ ہوں تو انہیں ردّ کر دینا چاہئے۔ اس اعتراض کو میں انشاء اللہ بعد میں حل کروں گا۔

نظامِ اسلامی کے متعلق قرآنی اصول

سرِ دست میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ نظامِ اسلامی کے متعلق قرآن کریم نے عام احکام بیان کئے ہیں اور ان میں مندرجہ ذیل اصول بیان ہوئے ہیں:۔

(۱) قومی نظام ایک امانت ہوتا ہے کیونکہ اس کا اثر صرف ایک شخص پر نہیں پڑتا بلکہ ساری قوم پر پڑتا ہے۔ پس اس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وقت اپنی اغراض کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ قوم کی ضرورتوں اور فوائد کو دیکھنا چاہئے۔

(۲) اس امانت کی ادائیگی کیلئے ایک نظام کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ امانت ادا نہیں ہو سکتی۔ یعنی افراد فرداً فرداً اس امانت کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ ضرور ہے کہ اس کی ادائیگی کیلئے کوئی منصرم ہوں۔

(۳) ان منصرموں کو قوم منتخب کرے۔

(۴) انتخاب میں یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ جنہیں منتخب کیا جائے وہ ان امانتوں کو پورا کرنے کے اہل ہوں۔ اس کے سِوا اور کوئی امر انتخاب میں مدنظر نہیں ہونا چاہئے۔

(۵) جن کے سپرد یہ کام کیا جائے گا وہ امر قومی کے مالک نہ ہوں گے بلکہ صرف منصرم ہوں گے۔ کیونکہ فرمایا اِلٰٓی اَھْلِھَا یعنی ان کے سپرد اس لئے یہ کام نہ ہوگا کہ وہ باپ دادا سے اس کے وارث اور مالک ہوں گے بلکہ اس لئے کہ وہ اس خدمت کے اہل ہوں گے۔

یہ احکام کسی خاص مذہبی نظام کے متعلق نہیں بلکہ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے عام ہیں خواہ مذہبی نظام ہو اور خواہ دُنیوی ہو اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ملوکیت کو اپنے نظام کا حصہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسلام صرف انتخابی نظام کو تسلیم کرتا ہے اور پھر اس نظام کے بارہ میں فرماتا ہے کہ جن کے سپرد یہ کام ہو افراد کو چاہئے کہ ان کی اطاعت کریں۔

کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کو تسلیم کرتا ہے

اگر کہا جائے کہ کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام سب صحیح سامانوں کی موجودگی میں جبکہ سارے سامان اسلام کی تائید میں ہوں اور جبکہ اسلام آزاد ہو

خالص دُنیوی نظام کوتسلیم نہیں کرتا۔مگر وہ حالات کے اختلاف کوبھی نظر انداز نہیں کرتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ اعلیٰ نظام جو اسلام کے مدنظر ہو نافذ نہ کیا جا سکے اس صورت میں دُنیوی نظاموں کی بھی ضرورت ہوسکتی ہے۔مثلاً کسی وقت اگر مسلمانوں کا معتد بہ حصہ کُفّار حکومتوں کے ماتحت ہو جائے، ان کی حُریّت سَلب ہو جائے، ان کی آزادی جاتی رہے اور ان کی اجتماعی قوت قائم نہ رہے تو جن ملکوں میں اسلام کا زور ہو وہ مذہبی اور دُنیوی نظام اکٹھا قائم نہیں کر سکتے۔کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت اس کی اتباع نہیں کرسکتی۔پس اس مجبوری کی وجہ سے ان ملکوں میں خالص دُنیوی نظام کی اجازت ہوگی جو انہی اصول پر قائم ہوگا جو اسلام نے تجویز کئے ہیں اور جن کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

خالص دُنیوی نظام کا مفہوم خالص دُنیوی نظام سے یہ مراد نہیں کہ وہ نظام اسلامی احکام کو جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں نافذ نہیں کرے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ مذہبی طور پر اس کے احکام سب عالمِ اسلامی پر واجب نہ ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت سیاسی حالات کی وجہ سے ان کی پابندی نہ کر سکے گی اور نہ اس نظام کے قیام میں مسلمانوں کی اکثریت کا ہاتھ ہوگا۔

پس ایسے وقت میں جائز ہوگا کہ ایک خالص مذہبی نظام الگ قائم کیا جائے بلکہ جائز ہی نہیں ضروری ہوگا کہ ایک خالص مذہبی نظام علیحدہ قائم کرلیا جائے جس کا تعلق اس اسلامی نظام سے ہو جس کا تعلق کسی حکومت سے نہ ہو بلکہ اسلام کی روحانی تنظیم سے ہوتا کہ غیر حکومتیں دخل اندازی نہ کریں اور چونکہ وہ صرف روحانی نظام ہوگا اور حکومت کے کاروبار میں وہ دخل نہ دے گا اس لئے ایسا نظام غیر حکومتوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اکٹھا کر سکے گا اور اسلام پراگندگی سے بچ جائے گا۔

اگر مسلمان اس آیت کے مفہوم پر عمل کرتے تو یقیناً جو تنزّل مسلمانوں کو آخری زمانہ میں دیکھنا نصیب ہؤا اس کا دیکھنا انہیں نصیب نہ ہوتا۔

مسلمانوں کی ایک افسوسناک غلطی مسلمانوں سے تنزل کے وقت میں یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھا کہ اگر وہ ساری دنیا میں ایک ایسا نظام قائم نہیں کر سکے جو دینی اور دُنیوی امور پر مشتمل ہو تو اُن کیلئے

خالص دینی نظام کی بھی کوئی صورت نہیں اورانہوں نے یہ سمجھا کہ یہ دونوں نظام کسی صورت میں بھی الگ نہیں ہو سکتے اور جب ایک نظام ان کیلئے ناممکن ہو گیا تو انہوں نے دوسرے نظام کو بھی ترک کر دیا حالانکہ مسلمانوں کا فرض تھا کہ جب ان میں سے خلافت جاتی رہی تھی تو وہ کہتے کہ آؤ جو قومی مسائل ہیں ان کیلئے ہم ایک مرکز بنالیں اوراس کے ماتحت ساری دنیا میں اسلام کو پھیلائیں ۔ چنانچہ وہ اس مرکز کے ماتحت دنیا بھر میں تبلیغی مشن قائم کرتے ، لوگوں کے اخلاق کی درستی کی کوشش کرتے ، لوگوں کو قرآن پڑھاتے ، غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرتے اور جو مشترکہ قومی مسائل ہیں ان میں مشترکہ جدوجہد اور کوشش سے کام لیتے مگر انہوں نے سمجھا کہ اب ان کیلئے کسی خالص دینی نظام کے قیام کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ گئی ۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ روز بروز تنزّل میں گرتے چلے گئے ۔ اگر وہ دینی اور دُنیوی امور پر مشتمل نظام کے قیام میں ناکام رہنے کے بعد خالص دینی نظام قائم کر لیتے تو وہ بہت بڑی تباہی سے بچ جاتے اوراس کی وجہ سے آج شاید تمام دنیا میں اسلام اتنا غالب ہوتا کہ عیسائیوں کا نام ونشان تک نہ ہوتا مگر چونکہ انہیں یہ غلطی لگ گئی کہ اگر وہ ساری دنیا میں ایک ایسا نظام قائم نہیں کر سکے جو دینی اور دُنیوی دونوں امور پر مشتمل ہوتو اب ان کیلئے کسی خالص دینی نظام کے قیام کی کوئی صورت ہی نہیں اس لئے جب ایک نظام ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تو دوسرے نظام کو بھی انہوں نے ترک کر دیا۔

دوسری غلطی دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی کہ انہوں نے یہ سمجھا انتخاب صرف اس نظام کیلئے ہے جو سب مسلمانوں کے دینی اور دُنیوی امور پر حاوی ہو حالانکہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے واضح طور پر بتلا دیا تھا کہ انتخاب خالص دُنیوی نظام میں بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح دینی و دُنیوی مشترکہ نظام میں ۔ اگر اور نہیں تو وہ اتنا ہی کر لیتے کہ جب بھی کسی کو بادشاہ بناتے تو انتخاب کے بعد بناتے ۔ تب بھی وہ بہت سی تباہی سے بچ سکتے تھے مگر انہوں نے انتخاب کے طریق کو بھی ترک کر دیا حالانکہ اگر وہ اس نکتہ کو سمجھتے تو وہ ملوکیت کا غلبہ جو اسلام میں ہؤا اور جس نے اسلامی حکومت کو تباہ کر دیا کبھی نہ ہوتا اور مسلمانوں کی کوششیں اسلامی طریقِ حکومت کے قیام کیلئے جاری رہتیں۔ اور مسلمان ڈیما کریسی

(DEMOCRACY) کی صحیح ترقی کے پہلے اور سب سے بہتر علمبر دار ہوتے۔

اختلاف کی صورت میں ایک خالص مذہبی نظام قائم کرنے کا ثبوت

یہ جو مَیں نے کہا ہے کہ ایسے حالات میں کہ اختلاف پیدا ہو چکا ہے ایک خالص مذہبی نظام قائم کرنے کا اس آیت سے ثبوت ملتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ اس آیت میں سب مسلمان مخاطب ہیں اور انہیں ہر وقت اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کا حکم ہے اس میں کسی زمانہ کی تخصیص نہیں کہ فلاں زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کرو اور فلاں زمانہ میں نہ کرو بلکہ ہر حالت اور ہر زمانہ میں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کا حکم محض وقتی ہے تو ساتھ ہی اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم بھی محض وقتی ہے کیونکہ خدا نے اس سے پہلے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ضروری ہے تو معلوم ہؤا کہ اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کا حکم بھی ہر حالت اور ہر زمانہ کیلئے ہے اور دراصل اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ کسی نہ کسی نظام کی پابندی ان کیلئے ہر وقت لازمی ہوگی۔ پس جس طرح دوسرے احکام میں اگر ایک حصہ پر عمل نہ ہو سکے تو دوسرے حصے معاف نہیں ہو سکتے، جو جہاد نہ کر سکے اس کیلئے نماز معاف نہیں ہو سکتی، جو وضو نہ کر سکے اس کیلئے رکوع اور سجدہ معاف نہیں ہوسکتا، جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کیلئے بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشاروں سے نماز پڑھنا معاف نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر سارے عالمِ اسلامی کا ایک سیاسی نظام نہ ہو سکے تو مسلمان اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کے ان حصوں سے آزاد نہیں ہو سکتے جن پر وہ عمل کر سکتے تھے۔ جیسے اگر کوئی حج کیلئے جائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کر سکے تو سعی اس کیلئے معاف نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کیلئے ضروری ہوگا کہ کسی دوسرے کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس فرض کو ادا کرے۔ پس مسلمانوں سے یہ ایک شدید غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ چونکہ ایک نظام ان کیلئے ناممکن ہو گیا ہے اس لئے دوسرا نظام انہیں معاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ خالص مذہبی نظام مختلف حکومتوں میں بَٹ

جانے کی صورت میں بھی ناممکن نہیں ہو جاتا جیسا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے اگر لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ تم چور کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹتے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں لیکن جن امور میں ہمیں آزادی حاصل ہے ان امور میں ہم اپنی جماعت کے اندر اسلامی نظام کے قیام کی کوشش کرنا اپنا پہلا اور اہم فرض سمجھتے ہیں۔ پس اگر مسلمان بھی سمجھتے کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت ان پر واجب ہے اور جن حصوں میں اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت ان کیلئے ناممکن تھی ان کو چھوڑ کر دوسرے حصوں کیلئے وہ نظام قائم رکھتے تو وہ اس حکم کو پورا کرنے والے بھی رہتے اور اسلام کبھی اس حالت کو نہ پہنچتا جس کو وہ اب پہنچا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شاید یہ منشاء تھا کہ اسلامی حکم کا یہ حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ذریعہ سے عمل میں آئے اور یہ فضیلت اس اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ [۴۱] کی جماعت کو حاصل ہو کیونکہ آخر ہمارے لئے بھی کوئی نہ کوئی فضیلت کی بات رہنی چاہئے۔ صحابہؓ نے تو یہ فضیلت حاصل کر لی کہ انہوں نے ایک دینی و دُنیوی مشترکہ نظام اسلامی اصول پر قائم کیا مگر جو خالص مذہبی نظام تھا اس کے قیام کی طرف اس نے ہمیں توجہ دلا دی۔ گویا اس آیت کے ایک حصے پر صحابہؓ نے عمل کیا اور دوسرے حصے پر ہم نے عمل کر لیا۔ پس ہم بھی صحابہؓ میں جا ملے۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں اسلامی نظام کے قیام کے اصول بیان کئے گئے ہیں اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ (۱) اسلامی نظام انتخاب پر ہو۔ (۲) یہ کہ مسلمان ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے تابع رہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے تنزّل کے زمانہ میں دونوں اصولوں کو بُھلا دیا۔ جہاں ان کا بس تھا انہوں نے انتخاب کو قائم نہ رکھا اور جو امور ان کے اختیار سے نکل گئے تھے ان کو چھوڑ کر جو امور ان کے اختیار میں تھے ان میں بھی انہوں نے اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا نظام قائم کر کے ان کی اطاعت سے وحدتِ اسلامی کو قائم نہ رکھا اور ان لغو بحثوں میں پڑ گئے کہ انہیں صرف اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اور اس طرح جو اصل غرض اس حکم کی تھی وہ نظر انداز ہو گئی حالانکہ جو امر ان کے اختیار میں نہ تھا اس میں ان پر کوئی گرفت نہ تھی اگر وہ اس حصہ کو پورا کرتے جو ان کے اختیار میں تھا۔

اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے متعلق ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ شاید کوئی اعتراض کرے کہ احمدیہ جماعت کی تعلیم تو یہ ہے کہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں غیر مذاہب کے اُولِی الْاَمْرِ بھی شامل ہیں اور اس آیت کے ماتحت غیر مسلم حکام کی اطاعت بھی فرض ہے۔ مگر اب جو معنی کئے گئے ہیں اس کے ماتحت غیر مسلم آ ہی نہیں سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے لیکن یہ معنی صرف اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے ٹکڑے سے نکلتے ہیں۔ یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ غیر مسلم اُولِی الْاَمْرِ بھی اس میں شامل ہیں تو اس وقت ہم سارے رکوع کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ آیت کے صرف ایک ٹکڑہ سے اپنے دعوے کا استنباط کرتے ہیں لیکن یہ ٹکڑہ ساری آیتوں سے مل کر جو معنی دیتا ہے انہیں باطل نہیں کیا جا سکتا۔ بیشک دُنیوی امور میں ہر اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت جو مسلمانوں میں سے ان کیلئے منتخب ہوں ان پر واجب ہے۔

اُولِی الْاَمْرِ سے اختلاف کی صورت میں رُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے کیا معنی ہیں؟

اب میں اس مضمون کو لیتا ہوں جس کے بیان کرنے کا میں پیچھے وعدہ کر آیا ہوں کہ بعض لوگ اس مقام پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اُولِی الْاَمْرِ سے اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے رُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اختلاف کی صورت میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ معنی کئے جائیں تو آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے خیال کو درست سمجھا کرتا ہے۔ پس اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا جائے تو اطاعت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ آخر وہ کونسا امر ایسا نکلے گا جسے تمام لوگ متفقہ طور پر خدا اور رسول کا حکم سمجھیں گے۔ یقیناً کچھ لوگوں کو اختلاف بھی ہؤا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں اگر ہر شخص کو یہ اختیار ہو کہ وہ حکم سنتے ہی کہہ دے کہ یہ خدا اور رسول کی تعلیم کے خلاف ہے تو اس صورت

میں خلیفہ صرف اپنے آپ پر ہی حکومت کرنے کیلئے رہ جائے، کسی اور پر اس نے کیا حکومت کرنی ہے۔ بالخصوص موجودہ زمانہ میں تو ایسا ہے کہ آجکل ماننے والے کم ہیں اور مجتہد زیادہ۔ ہر شخص اپنے آپ کو اہل الرائے خیال کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ تو اپنا بوریا بچھا کر الگ شور مچاتا رہے گا کہ یوں کرو اور لوگ یہ شور مچاتے رہیں گے کہ پہلے ان حکموں کو قرآن اور حدیث کے مطابق ثابت کرو، تب مانیں گے ورنہ نہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی دینی امر ایسا نہیں جسے ساری دنیا یکساں طور پر مانتی ہو بلکہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک جاہل شخص تھا جسے مولویوں کی مجلس میں بیٹھنے کا بڑا شوق تھا مگر چونکہ اسے دین سے کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے جہاں جاتا لوگ دھکّے دے کر نکال دیتے۔ ایک دفعہ اس نے کسی دوست سے ذکر کیا کہ مجھے علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا بڑا شوق ہے مگر لوگ مجھے بیٹھنے نہیں دیتے میں کیا کروں؟ اس نے کہا ایک بڑا سا جُبّہ اور پگڑی پہن لو۔ لوگ تمہاری صورت کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ کوئی بہت بڑا عالم ہے اور تمہیں علماء کی مجلس میں بیٹھنے سے نہیں روکیں گے۔ جب اندر جا کر بیٹھ جاؤ اور تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو کہہ دینا کہ اختلافی مسئلہ ہے بعض نے یوں لکھا ہے اور بعض نے اس کے خلاف لکھا ہے اور چونکہ مسائل میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے تمہاری اس بات سے کسی کا ذہن اِدھر منتقل نہیں ہوگا کہ تم کچھ جانتے نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک بڑا سا جُبّہ پہنا، پورے تھان کی پگڑی سر پر رکھی اور ہاتھ میں عصا لے کر اس نے علماء کی مجالس میں آنا جانا شروع کر دیا۔ جب کسی مجلس میں بیٹھتا تو سر جُھکا کر بیٹھا رہتا۔ لوگ کہتے کہ جناب آپ بھی تو کچھ فرمائیں۔ اِس پر وہ گردن ہلا کر کہہ دیتا اس بارہ میں بحث کرنا لغو ہے۔ علمائے اسلام کا اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے کچھ علماء نے تو اس طرح لکھا ہے جس طرح یہ مولانا فرماتے ہیں اور کچھ علماء نے اُس طرح لکھا ہے جس طرح وہ مولانا فرماتے ہیں۔ لوگ سمجھتے کہ اس شخص کا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ چنانچہ کہتے بات تو ٹھیک ہے جھگڑا چھوڑ و اور کوئی اور بات کرو۔ کچھ مدت تو اسی طرح ہوتا رہا اور علماء کی مجالس میں اس کی بڑی عزت و تکریم رہی۔ مگر ایک دن مجلس میں یہ ذکر چل

پڑا کہ زمانہ ایسا خراب آ گیا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ خدا کا انکار کرتا چلا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو کوئی دلیل دو۔ اس پر لوگوں نے حسبِ دستور ان سے بھی کہا کہ سنائیے مولانا آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگا بحث فضول ہے کچھ علماء نے لکھا ہے کہ خدا ہے اور کچھ علماء نے لکھا ہے کہ خدا نہیں۔ یہ سنتے ہی لوگوں میں اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور اُنہوں نے دھکّے دے کر اسے مجلس سے باہر نکال دیا۔ تو دنیا میں اس کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے یہ معنی کئے جائیں کہ جب بھی خلیفہ کے کسی حکم سے کسی کو اختلاف ہو اس کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کو دھکّا دے کر کہے کہ تیرا حکم خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ہے تو اس کو اتنے دھکّے ملیں کہ ایک دن بھی خلافت کرنی اس کیلئے مشکل ہو جائے۔ پس یہ معنی عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگوں کو اس آیت کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ٹھوکر لگی ہے اگر وہ صحیح معنی سمجھ لیتے تو ان کو کبھی ٹھوکر نہ لگتی۔

اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ والی آیت دُنیوی حکام اور خلفائے راشدین دونوں پر حاوی ہے

وہ صحیح معنی کیا ہیں؟ ان کو معلوم کرنے کیلئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ آیت عام ہے اس میں خالص دُنیوی حکام بھی شامل ہیں اور خلفائے راشدین بھی شامل ہیں پس یہ آیت خالص اسلامی خلفاء کے متعلق نہیں بلکہ دُنیوی حکام کے متعلق بھی ہے۔

اب اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ آیت اپنے مطالب کے لحاظ سے عام ہے اور اس میں خالص دُنیوی حکام اور خلفائے راشدین دونوں شامل ہیں یہ سمجھ لو کہ اِن دونوں کے بارہ میں قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام الگ الگ ہیں۔ جو خالص دُنیوی حکام ہیں ان کیلئے شریعتِ اسلامی کے الگ احکام ہیں۔ اور جو خلفائے راشدین ہیں ان کیلئے الگ احکام ہیں۔ پس جب خدا نے یہ کہا کہ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تمہارا اُولِی الْاَمْرِ سے جھگڑا ہو تو تم یہ دیکھنے لگ جاؤ کہ خدا اور رسول کا حکم تم کیا سمجھتے ہو بلکہ

اس کے یہ معنی ہیں کہ چونکہ اس عام حکم میں خلفائے راشدین بھی شامل ہیں اور دُنیوی حکام بھی اس لئے جب اختلاف ہوتو دیکھو کہ وہ حکام کس قسم کے ہیں۔ اگر تو وہ خلفائے راشدین ہیں تو تم ان کے متعلق وہ عمل اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے بارہ میں بیان فرمایا ہے اور اگر وہ حکام دُنیوی ہیں تو ان کے بارہ میں تم ان احکام پر عمل کرو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کے متعلق بیان کئے ہیں۔

دونوں کے متعلق الگ الگ احکام

اَب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اِن دونوں قسم کے **اُولِی الْاَمْرِ** کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے الگ الگ قسم کے احکام بیان کئے ہیں یا نہیں۔ اگر کئے ہیں تو وہ کیا ہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں قسم کے **اُولِی الْاَمْرِ** کی نسبت دو مختلف احکام بیان کئے ہیں جو یہ ہیں:۔

(۱) عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے **بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَ الْمَکْرَہِ وَ عَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَ عَلٰی اَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَ عَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ فَاَیْنَمَا کُنَّا لَانَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔** [۴۲]

یعنی ہم نے رسول کریم ﷺ کی اِن شرائط پر بیعت کی کہ جو ہمارے حاکم مقرر ہوں گے ان کے احکام کی ہم ہمیشہ اطاعت کریں گے خواہ ہمیں آسانی ہو یا تنگی اور چاہے ہمارا دل ان احکام کے ماننے کو چاہے یا نہ چاہے بلکہ خواہ ہمارے حق وہ کسی اور کو دلا دیں پھر بھی ہم ان کی اطاعت کریں گے۔ اسی طرح ہماری بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب ہم کسی کو اہل سمجھ کر اس کے سپرد حکومت کا کام کر دیں گے تو اس سے جھگڑا نہیں کریں گے اور نہ اس سے بحث شروع کر دیں گے کہ تم نے یہ حکم کیوں دیا وہ دینا چاہئے تھا۔ ہاں چونکہ ممکن ہے کہ وہ حکام کبھی کوئی بات دین کے خلاف بھی کہہ دیں اس لئے اگر ایسی صورت ہو تو ہمیں ہدایت تھی کہ ہم سچائی سے کام لیتے ہوئے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں اور خدا کے دین کے

متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں اور ان کے سپرد یہ کام تمہاری طرف سے ہو چکا ہو اُن سے تم کسی قسم کا جھگڑا نہ کرو۔ مگر یہ کہ تم ان سے کھلا کھلا کفر صادر ہوتے ہوئے دیکھ لو۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ کسی کُھلے کفر کا ارتکاب کریں اور قرآن کریم کی نص صریح تمہاری تائید کر رہی ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس خلافِ مذہب بات میں ان کی اطاعت کرنے سے انکار کر دو اور وہی کرو جس کے کرنے کا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے **عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خِیَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تُحِبُّوْنَھُمْ وَیُحِبُّوْنَکُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَیْھِمْ وَیُصَلُّوْنَ عَلَیْکُمْ وَشِرَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تَبْغَضُوْنَھُمْ وَ یَبْغَضُوْنَکُمْ وَتَلْعَنُوْنَھُمْ وَیَلْعَنُوْنَکُمْ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلا نُنَابِذُھُمْ عِنْدَ ذٰلِکَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃَ اِلَّا مَنْ وُلِیَ عَلَیْہِ وَالٍ فَرَاٰہُ یَاْتِیْ شَیْئًا مِنْ مَّعْصِیَۃِ اللّٰہِ فَلْیَکْرَہْ مَا یَاْتِیْ مِن مَّعْصِیَۃِ اللّٰہِ وَلَا یَنْزِعَنَّ یَدًا مِنْ طَاعَۃٍ** [۴۳]

حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان پر درود بھیجو اور ان کی ترقیات کیلئے دعائیں کرو اور وہ تم پر درود بھیجیں اور تمہاری ترقیات کیلئے دعائیں کریں۔ اور بدترین حُکّام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنت ڈالو اور وہ تم پر لعنت ڈالیں۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا۔ **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ**! جب ایسے حکمران ہمارے سروں پر مسلّط ہو جائیں تو کیوں نہ ہم ان کا مقابلہ کر کے انہیں حکومت سے الگ کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لَامَا اَقَامُوا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃَ قَالَ لَامَا اَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃ**۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں جب تک وہ نماز اور روزہ کے متعلق تم پر کوئی پابندی عائد نہ کریں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکیں تم ان کی اطاعت سے ہرگز منہ نہ موڑو۔ **اِلَّا مَنْ وُلِیَ عَلَیْہِ وَالٍ فَرَاٰہُ یَاْتِیْ شَیْئًا مِنْ مَّعْصِیَۃِ فَلْیَکْرَہْ مَایَاْتِیْ مِنْ مَّعْصِیَۃِ اللّٰہِ وَلَا**

یَنْزِعَنَّ یَدًا مِنْ طَاعَتِہٖ ۔ سنو! جب تم پر کسی کو حاکم بنایا جائے اور تم دیکھو کہ وہ بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے تو تم اپنے دل میں اس کے ان افعال سے سخت نفرت رکھو مگر بغاوت نہ کرو۔

دوسری حدیث میں اس سے یہ زائد حکم ملتا ہے کہ اگر کفر بواح اس سے ظاہر ہو تو اِس حالت میں اس کے خلاف بغاوت بھی کی جاسکتی ہے۔

خلفائے راشدین کی سنت پر ہمیشہ قائم رہنے کا حکم

اس کے مقابلہ میں احادیث میں عرباض بن ساریہؓ سے ہمیں ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔ وہ کہتے ہیں صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ قَائِلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تُعَھِّدُ اِلَیْنَا ۔ فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْداً حَبْشِیًّا فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ فَتَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔[۴۴]

عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں ۔ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور جب نماز سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ہمیں ایک وعظ کیا۔ وہ وعظ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس سے ہمارے آنسو بہنے لگ گئے اور دل کانپنے لگے۔ اِس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! معلوم ہوتا ہے یہ الوداعی وعظ ہے۔آپ ہمیں کوئی وصیت کر دیں۔آپؐ نے فرمایا۔ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْداً حَبْشِیًّا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بناؤ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حکمران کیوں نہ ہو۔ جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ لوگوں میں بہت بڑا اختلاف دیکھیں گے پس ایسے وقت میں میری وصیت تمہیں یہی ہے کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تم میری سنت اور میرے بعد

میں آنے والے خلفاء الراشدین کی سنت کو اختیار کرنا۔ تَمَسَّکُوْابِھَا تم اس سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ اور جس طرح کسی چیز کو دانتوں سے پکڑ لیا جاتا ہے اسی طرح اس سنت سے چمٹے رہنا اور کبھی اس راستے کو نہ چھوڑنا جو میرا ہے یا میرے خلفائے راشدین کا ہوگا۔ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ اور تم نئی نئی باتوں سے بچتے رہنا فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ کیونکہ ہر وہ نئی بات جو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کے خلاف ہوگی وہ بدعت ہوگی اور بدعت ضلالت ہؤا کرتی ہے۔

ان دونوں قسم کے حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُولِی الْاَمْرِ دو قسم کے تسلیم کئے ہیں۔ ایک دُنیوی اور ایک دینی اور اسلامی۔ دُنیوی امراء کے متعلق اطاعت کا حکم ہے مگر ساتھ ہی کُفر بواح کا جواز بھی رکھا ہے اور اس صورت میں بشرطیکہ برہان ہو قیاس نہ ہو ان کُفر یہ اُمور میں ان کی اطاعت سے باہر جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔ گو بعض اسلامی علماء نے جیسے حضرت محی الدین ابن عربی ہیں اس بارہ میں بھی اتنی احتیاط کی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایسی صورت میں بھی صرف علیحدگی کا اعلان کرنا جائز ہے بغاوت کرنا پھر بھی جائز نہیں۔ مگر ایک دینی اور اسلامی اُولِی الْاَمْرِ بتائے ہیں جن کے بارہ میں ہمیں حَکَم نہیں بنایا بلکہ انہیں اُمت پر حَکَم بنایا ہے اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کریں وہ تم پر حجت ہے اور ان کے طریق کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح میرے حکم کی۔

پس حاکم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دُنیوی ہیں اور جن کے متعلق اس بات کا امکان ہے کہ وہ کُفر کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ ان کے متعلق تو یہ حکم دیا کہ تم ان کی اطاعت کرتے چلے جاؤ، ہاں جب ان سے کُفر بواح صادر ہو تو الگ ہو جاؤ۔ مگر دوسرے حکام وہ ہیں جو غلطی کر ہی نہیں سکتے ان کے متعلق یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہمیشہ ان کی سنّت اور طریق کو اختیار کرنا چاہئے اور کبھی ان کے راستہ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ اگر کبھی تمہیں یہ شبہ پڑ جائے کہ تمہارے عقائد درست ہیں یا نہیں تو تم اپنے عقائد کو خلفائے راشدین کے عقائد کے ساتھ ملاؤ۔ اگر مل جائیں تو سمجھ لو کہ تمہارا قدم صحیح راستہ پر ہے اور اگر نہ ملے تو سمجھ لو کہ تم غلط راستے پر جارہے ہو۔

خلفائے راشدین اُمت کیلئے ایک میزان ہیں

گویا خلفائے راشدین ایک میزان ہیں جن سے دوسرے لوگ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا قدم صحیح راستہ پر ہے یا اس سے منحرف ہو چکا ہے۔ جیسے دو سیر کا بٹہ ایک طرف ہو اور مولیاں گاجریں دوسری طرف تو ہر شخص ان مولیوں، گاجروں کو ہی دو سیر کے بٹہ کے مطابق وزن کرے گا یہ نہیں ہوگا کہ اگر پانچ سات مولیاں کم ہوں تو بٹے کو اُٹھا کر پھینک دے اور کہہ دے کہ وہ صحیح نہیں۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم خلفائے راشدین کے اعمال کا جائزہ لو اور دیکھو کہ وہ تمہاری عقل کے اندر آتے ہیں یا نہیں اور وہ تمہاری سمجھ کے مطابق خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہیں یا نہیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تمہیں اپنے متعلق کبھی یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ تمہارے اعمال خدا اور اس کے رسول کی رضا کے مطابق ہیں یا نہیں تو تم دیکھو کہ ان اعمال کے بارہ میں خلفائے راشدین نے کیا کہا ہے۔ اگر وہ خلفائے راشدین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہوں گے تو درست ہوں گے اور اگر وہ ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہ ہوں گے تو غلط ہوں گے۔

پس خدا اور رسول کا وہ حکم جس کی طرف بات کو لوٹانے کا ارشاد ہے یہی احکام ہیں جن کو میں نے بیان کیا ہے۔ یعنی تم یہ دیکھو کہ جن حکام سے تمہیں اختلاف ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آیا وہ دُنیوی حُکّام میں سے ہیں یا خلفائے راشدین میں سے۔ اگر وہ دُنیوی حُکّام ہیں تو حتّی الوسع ان کی اطاعت کرو۔ ہاں اگر وہ کسی نص صریح کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیں تو تمہارا حق ہے کہ ان کی غلطی پر انہیں متنبہ کرو، انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو اور انہیں بتاؤ کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو اور اگر نہ مانیں اور کفرِ بوّاح کا ارتکاب کریں مثلاً نماز پڑھنے سے روک دیں یا روزے نہ رکھنے دیں تو تمہیں اس بات کا اختیار ہے کہ ان کے اس قسم کے احکام ماننے سے انکار کر دو اور کہو کہ ہم نمازیں پڑھیں گے، ہم روزے رکھیں گے، تم جو جی میں آئے کر لو لیکن اگر وہ اُولِي الْأَمْرِ خلفائے راشدین ہوں تو پھر سمجھ لو کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے۔ وہ جو کچھ کریں گے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوگا اور اللہ تعالیٰ انہیں اُسی راہ پر چلائے گا جو اس کے نزدیک درست ہوگا۔ پس ان پر حکم

بننے کی بجائے اُن کو اپنے اوپر حَکَم بناؤ اور ان سے اختلاف کر کے اللہ تعالیٰ سے اختلاف کرنے والے مت بنو۔

آیتِ استخلاف پر بحث

اس عام حکم کے بعد اَب میں ان احکام کو لیتا ہوں جو خالص دینی اسلامی نظام کے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں فرماتا ہے قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [۴۵]

ان آیات میں پہلے اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور پھر مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اطاعت میں کامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ انہیں مطاع بنا دے گا اور پہلی قوموں کی طرح ان کو بھی زمین میں خلیفہ بنائے گا اور اُس وقت ان کا فرض ہو گا کہ وہ نمازیں قائم کریں اور زکوتیں دیں اور اس طرح اللہ کے رسول کی اطاعت کریں۔ یعنی خلفاء کے ساتھ دین کی تمکین کر کے وہ اطاعتِ رسول کرنے والے ہی ہوں گے گویا مَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَا عَنِىْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِىْ کا نکتہ بیان کیا کہ اس وقت رسول کی اطاعت اسی رنگ میں ہوگی کہ اشاعت وتمکینِ دین میں خلفاء کی اطاعت کی جائے۔

اقامتِ صلوٰۃ صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی

پس اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے پہلے خلافت کا وعدہ کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ ان کا فرض ہو گا کہ وہ نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اپنے

صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی خلافت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دیکھ لو، رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں زکوٰۃ کی وصولی کا باقاعدہ انتظام تھا۔ پھر جب آپؐ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اہلِ عرب کے کثیر حصہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ حکم صرف رسول کریم ﷺ کیلئے مخصوص تھا بعد کے خلفاء کیلئے نہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ کے گھٹنے کو باندھنے والی ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ جاری رکھوں گا اور اس وقت تک بس نہیں کروں گا جب تک ان سے اسی رنگ میں زکوٰۃ وصول نہ کرلوں جس رنگ میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے اور زکوٰۃ کا نظام پھر جاری ہو گیا جو بعد کے خلفاء کے زمانہ میں بھی جاری رہا۔ مگر جب سے خلافت جاتی رہی مسلمانوں میں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی نظام نہ رہا اور یہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا نظام نہ ہوتو مسلمان زکوٰۃ کے حکم پر عمل ہی نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اسلامی تعلیم کا منشاء ہے امراء سے لی جاتی اور ایک نظام کے ماتحت غرباء کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اب ایسا وہیں ہوسکتا ہے جہاں ایک باقاعدہ نظام ہو۔ اکیلا آدمی اگر چند غرباء میں زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم بھی کر دے تو اس کے وہ شاندار نتائج کہاں نکل سکتے جو اس صورت میں نکل سکتے ہیں جب زکوٰۃ کے تمام روپیہ کو جماعتی رنگ میں غرباء کی بہبودی اور ان کی ترقی کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔ پس زکوٰۃ کا نظام بِالطبع خلافت کا مقتضی ہے۔ اسی طرح اقامتِ صلوٰۃ بھی بغیر اس کے نہیں ہوسکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صلوٰۃ کا بہترین حصہ جمعہ ہے جس میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اور قومی ضرورتوں کو لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اب اگر خلافت کا نظام نہ ہوتو بھلا چھوٹے چھوٹے دیہات کی جماعتوں کو کیا علم ہوسکتا ہے کہ چین اور جاپان میں کیا ہورہا ہے اور اسلام ان سے کن قربانیوں کا مطالبہ کررہا ہے۔ اگر ایک مرکز ہوگا اور ایک خلیفہ ہوگا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک واجب الاطاعت ہوگا تو اسے تمام اکنافِ عالم سے رپورٹیں پہنچتی رہیں گی کہ یہاں یہ ہورہا ہے اور وہاں وہ ہورہا ہے اور اس

طرح وہ لوگوں کو بتا سکے گا کہ آج فلاں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور آج فلاں قسم کی خدمات کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنے کی حاجت ہے اسی لئے حنفیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی سلطان نہ ہو جمعہ پڑھنا جائز نہیں اور اس کی تہہ میں یہی حکمت ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ اسی طرح عیدین کی نمازیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی سنت سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ قومی ضرورتوں کے مطابق خطبات پڑھا کرتے تھے۔ مگر جب خلافت کا نظام نہ رہے تو انفرادی رنگ میں کسی کو قومی ضرورتوں کا کیا علم ہوسکتا ہے اور وہ ان کو کس طرح اپنے خطبات میں بیان کرسکتا ہے بلکہ بالکل ممکن ہے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ خود بھی دھوکا میں مبتلاء رہے اور دوسروں کو بھی دھوکا میں مبتلاء رکھے۔

میں نے ایک دفعہ کہیں پڑھا کہ آج سے چالیس پچاس سال پیشتر ایک شخص بیکانیر کے علاقہ کی طرف سیر کرنے کیلئے نکل گیا، جمعہ کا دن تھا وہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے گیا تو اس نے دیکھا کہ امام نے پہلے فارسی زبان میں مروّجہ خطبات میں سے کوئی ایک خطبہ پڑھا اور پھر ان لوگوں سے جو مسجد میں موجود تھے کہا کہ آؤ اب ہاتھ اُٹھا کر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین جہانگیر بادشاہ کو سلامت رکھے۔ اب اس بیچارے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ جہانگیر بادشاہ کو فوت ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں اور اب جہانگیر نہیں بلکہ انگریز حکمران ہیں۔

غرض جمعہ جو نماز کا بہترین حصہ ہے اسی صورت میں احسن طریق پر ادا ہوسکتا ہے جب مسلمانوں میں خلافت کا نظام موجود ہو۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے اندر چونکہ ایک نظام ہے اس لئے میرے خطبات ہمیشہ اہم وقتی ضروریات کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بعض غیر احمدی بھی ان سے اِتنے متأثر ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں ہمیں تو آپ کے خطبات الہامی معلوم ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک مشہور لیڈر باقاعدہ میرے خطبات پڑھا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے کہا کہ اِن خطبات سے مسلمانوں کی صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ سیاسی راہنمائی بھی ہوتی ہے۔

درحقیقت لیڈر کا کام لوگوں کی راہنمائی کرنا ہوتا ہے مگر یہ راہنمائی وہی شخص کرسکتا ہے جس کے پاس دنیا کے اکثر حصوں سے خبریں آتی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ حالات کیا صورت

اختیار کر رہے ہیں۔ صرف اخبارات سے اس قسم کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ اخبارات میں جھوٹی خبریں بھی درج ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں واقعات کو پورے طور پر بیان کرنے کا التزام بھی نہیں ہوتا لیکن ہمارے مبلّغ چونکہ دنیا کے اکثر حصوں میں موجود ہیں، اس کے علاوہ جماعت کے افراد بھی دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ان کے ذریعہ مجھے ہمیشہ سچی خبریں ملتی رہتی ہیں اور میں ان سے فائدہ اُٹھا کر جماعت کی صحیح راہنمائی کرسکتا ہوں۔

اطاعتِ رسول بھی صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی

پس درحقیقت اقامتِ صلوٰۃ بھی بغیر خلیفہ کے نہیں ہوسکتی اسی طرح اطاعتِ رسول بھی جس کا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے الفاظ میں ذکر ہے خلیفہ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے ایک رشتہ میں پرو یا جائے۔ یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں، صحابہؓ بھی روزے رکھتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی روزے رکھتے ہیں، صحابہؓ بھی حج کرتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی حج کرتے ہیں پھر صحابہؓ اور آجکل کے مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ یہی فرق ہے کہ وہ اس وقت نمازیں پڑھتے تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ اب نماز کا وقت آ گیا ہے، وہ اس وقت روزے رکھتے تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ اب روزوں کا وقت آ گیا ہے اور وہ اُس وقت حج کرتے تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ اب حج کا وقت آ گیا ہے اور گو وہ نماز اور روزہ اور حج وغیرہ عبادات میں حصہ لیکر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے تھے مگر ان کے ہر عمل میں رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی روح بھی جھلکتی تھی جس کا یہ فائدہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے، صحابہؓ اُسی وقت اس پر عمل کرنے کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے لیکن یہ اطاعت کی روح آجکل کے مسلمانوں میں نہیں۔ مسلمان نمازیں بھی پڑھیں گے، مسلمان روزے بھی رکھیں گے، مسلمان حج بھی کریں گے مگر ان کے اندر اطاعت کا مادہ نہیں ہوگا کیونکہ اطاعت کا مادہ نظامِ خلافت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی

اطاعت رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو یہ تو خدا کے حکم کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں۔ غرض یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰتیں بھی جاتی رہیں گی، اور تمہارے دل سے اطاعت رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا۔ ہماری جماعت کو چونکہ ایک نظام کے ماتحت رہنے کی عادت ہے اور اس کے افراد اطاعت کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اس لئے اگر ہماری جماعت کے افراد کو آج اُٹھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رکھ دیا جائے تو وہ اسی طرح اطاعت کرنے لگ جائیں جس طرح صحابہؓ اطاعت کیا کرتے تھے لیکن اگر کسی غیر احمدی کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے تم اس زمانہ میں لے جاؤ تو تمہیں قدم قدم پر وہ ٹھوکریں کھاتا دکھائی دے گا اور وہ کہے گا کہ ذرا ٹھہر جائیں مجھے فلاں حکم کی سمجھ نہیں آئی بلکہ جس طرح ایک پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے کہہ دیا تھا ''خو محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ قدوری میں لکھا ہے کہ حرکتِ صغیرہ سے نماز ٹوٹ جاتا ہے۔'' اسی طرح وہ بعض باتوں کا انکار کرنے لگ جائے گا۔ لیکن اگر ایک احمدی کو لے جاؤ تو اس کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ وہ کسی غیر مانوس جگہ میں آ گیا ہے بلکہ جس طرح مشین کا پُرزہ فوراً اپنی جگہ پر فِٹ آ جاتا ہے اسی طرح وہ وہاں پر فِٹ آ جائے گا اور جاتے ہی محمد رسول اللہ ﷺ کا صحابی بن جائے گا۔

آیتِ استخلاف کے مضامین کا خلاصہ

غرض یہ آیت جو آیتِ استخلاف کہلاتی ہے اس کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

(۱) جس بات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ایک وعدہ ہے۔

(۲) وعدہ اُمت سے ہے جب تک وہ ایمان وعمل صالح پر کاربند رہے۔

غیر مبائع ہمیشہ اِس بات پر زور دیا کرتے ہیں کہ اِن آیات میں خلافت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ افراد سے نہیں بلکہ اُمت سے ہے اور میں نے ان کی یہ بات مان لی ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ وعدہ اُمت سے ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جب تک وہ ایمان اور عملِ صالح پر کاربند رہے گی اس کا یہ وعدہ پورا ہوتا رہے گا۔

(۳) اس وعدہ کی غرض یہ ہے کہ

(الف) مسلمان بھی وہی انعام پائیں جو پہلی قوموں نے پائے کیونکہ فرماتا ہے
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(ب) اس وعدہ کی دوسری غرض تمکینِ دین ہے۔

(ج) اس کی تیسری غرض مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دینا ہے۔

(د) اس کی چوتھی غرض شرک کا دور کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قیام ہے۔

اس آیت کے آخر میں وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کہہ کر اس کے وعدہ ہونے پر پھر زور دیا اور وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ [۴۶] کے وعید کی طرف توجہ دلائی کہ ہم جو انعامات تم پر نازل کرنے لگے ہیں اگر تم ان کی ناقدری کرو گے تو ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ خلافت بھی چونکہ ہمارا ایک انعام ہے اس لئے یاد رکھو جو لوگ اِس نعمت کی ناشکری کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے۔

یہ آیت ایک زبردست شہادت خلافتِ راشدہ پر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور احسان مسلمانوں میں خلافت کا طریق قائم کیا جائے گا جو مُؤَیَّد مِنَ اللّٰہ ہوگا۔ (جیسا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ سے ظاہر ہے) اور مسلمانوں کو پہلی قوموں کے انعامات میں سے وافر حصہ دلانے والا ہوگا۔

سچے خلفاء کی علامات

اس آیت میں خلفاء کی علامات بھی بتائی گئی ہیں جن سے سچے اور جھوٹے میں فرق کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں:-

(۱) خلیفہ خدا بناتا ہے یعنی اس کے بنانے میں انسانی ہاتھ نہیں ہوتا، نہ وہ خود خواہش

کرتا ہے اور نہ کسی منصوبہ کے ذریعہ وہ خلیفہ ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے حالات میں ہوتا ہے جب کہ اُس کا خلیفہ ہونا بظاہر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ خود ظاہر کرتے ہیں کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے کیونکہ جو وعدہ کرتا ہے وہی دیتا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے یہ کہتے ہیں کہ اس وعدے کا یہ مطلب ہے کہ لوگ جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں، خدا اُس کو اپنا انتخاب قرار دے دے گا۔ مگر یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ہمارے ایک استاد کا یہ طریق ہوا کرتا تھا کہ جب وہ مدرسہ میں آتا اور کسی لڑکے سے خوش ہوتا تو کہتا کہ اچھا تمہاری جیب میں جو پیسہ ہے وہ مَیں نے تمہیں انعام میں دے دیا۔ یہ بھی ویسا ہی وعدہ بن جاتا ہے کہ اچھا تم کسی کو خود ہی خلیفہ بنالو اور پھر یہ سمجھ لو کہ اُسے مَیں نے بنایا ہے۔ اور اگر یہی بات ہو تو پھر انعام کیا ہوا اور ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کا امتیازی سلوک کونسا ہوا؟ وعدہ تو جو کرتا ہے وہی اسے پورا بھی کیا کرتا ہے نہ یہ کہ وعدہ تو وہ کرے اور اسے پورا کوئی اور کرے۔ پس اس آیت میں پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ خلفاء کی آمد خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ ظاہری لحاظ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص خلافت کی خواہش کر کے خلیفہ نہیں بن سکتا اسی طرح کسی منصوبہ کے ماتحت بھی کوئی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ خلیفہ وہی ہوگا جسے خدا بنانا چاہے گا بلکہ بسا اوقات وہ ایسے حالات میں خلیفہ ہوگا جب کہ دنیا اس کے خلیفہ ہونے کو ناممکن خیال کرتی ہوگی۔

(۲) دوسری علامت اللہ تعالیٰ نے سچے خلیفہ کی یہ بتائی ہے کہ وہ اس کی مدد انبیاء کے مشابہہ کرتا ہے۔ کیونکہ فرمایا كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ یہ خلفاء ہماری نصرت کے ویسے ہی مستحق ہونگے جیسے پہلے خلفاء۔ اور جب پہلی خلافتوں کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دو قسم کی نظر آتی ہیں۔ اوّل خلافتِ نبوت۔ جیسے آدم علیہ السلام کی خلافت تھی جس کے بارہ میں فرمایا کہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [۴۷] مَیں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اَب آدم علیہ السلام کا انتخاب نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہ دُنیوی بادشاہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ایک وعدہ کیا اور انہیں اپنی طرف سے زمین میں آپ کھڑا کیا اور جنہوں نے انکار

کیا انہیں سزا دی۔

جیسے داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ [۴۸] اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا (حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اس لئے معلوم ہؤا کہ یہاں خلافت سے مراد خلافتِ نبوت ہی ہے) پس تو لوگوں کے درمیان عدل وانصاف سے فیصلہ کر اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے سیدھے راستہ سے منحرف کر دیں۔ یقیناً وہ لوگ جو گمراہ ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب ہوگا اس لئے ایسے لوگوں کے مشوروں کو قبول نہ کیا کر بلکہ وہی کر جس کی طرف خدا تیری راہنمائی کرے۔ ان آیات میں دراصل وہی مضمون بیان ہوا ہے جو دوسری جگہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ [۴۹] کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے غلطی سے لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے یہ معنی کئے ہیں کہ اے داؤد! لوگوں کی ہوا وہوس کے پیچھے نہ چلنا حالانکہ اس آیت کے یہ معنی ہی نہیں بلکہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض دفعہ لوگوں کی اکثریت تجھے ایک بات کا مشورہ دے گی اور کہے گی کہ یوں کرنا چاہئے مگر فرمایا تمہارا کام یہ ہے کہ تم محض اکثریت کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ جو بات تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہے وہ مفید ہے یا نہیں۔ اگر مفید ہو تو مان لو اور اگر مفید نہ ہو تو اُسے ردّ کر دو۔ چاہے اُسے پیش کرنے والی اکثریت ہی کیوں نہ ہو بِالخصوص ایسی حالت میں جب کہ وہ گناہ والی بات ہو۔

پہلی خلافتیں یا تو خلافتِ نبوت تھیں یا خلافتِ ملوکیت

پس پہلی خلافتیں یا تو خلافت نبوت تھیں جیسے حضرت آدم اور حضرت داؤد عَلَیْھِمَا السَّلَامُ کی خلافت تھی اور یا پھر خلافتِ حکومت تھیں جیسا کہ فرمایا۔ وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَکُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَۃً ۚ فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ [۵۰] یعنی اُس وقت کو یاد

کرو جب کہ قومِ نوح کے بعد خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا اور اُس نے تم کو بناوٹ میں بھی فراخی بخشی یعنی تمہیں کثرت سے اولاد دی پس تم اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

اِس آیت میں خلفاء کا جو لفظ آیا ہے اِس سے مراد صرف دُنیوی بادشاہ ہیں اور نعمت سے مراد بھی نعمتِ حکومت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی ہے کہ تم زمین میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھ کر تمام کام کرو ورنہ ہم تمہیں تباہ کر دیں گے۔ چنانچہ یہود کی نسبت اس انعام کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ [۵۱] یعنی اس قوم کو ہم نے دو طرح خلیفہ بنایا اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ کے ماتحت انہیں خلافتِ نبوت دی اور جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کے ماتحت انہیں خلافتِ ملوکیت دی۔

غرض پہلی خلافتیں دو قسم کی تھیں۔ یا تو وہ خلافتِ نبوت تھیں اور یا پھر خلافتِ ملوکیت۔ پس جب خدا نے یہ فرمایا لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تو اس سے یہ استنباط ہؤا کہ پہلی خلافتوں والی برکات اِن کو بھی ملیں گی اور انبیائے سابقین سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ سلوک کیا وہی سلوک وہ اُمتِ محمدیہ کے خلفاء کے ساتھ بھی کرے گا۔

خلافتِ ملوکیت کو چھوڑ کر صرف خلافتِ نبوت کے ساتھ مشابہت کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے

اگر کوئی کہے کہ پہلے تو خلافتِ ملوکیت کا بھی ذکر ہے پھر خلافت ملوکیت کا ذکر چھوڑ کر صرف خلافتِ نبوت کے ساتھ اُس کی مشابہت کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ گو مسلمانوں سے دوسری آیات میں بادشاہتوں کا بھی وعدہ ہے مگر اس جگہ بادشاہت کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف مذہبی نعمتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ کہ خدا اپنے قائم کردہ خلفاء کے دین کو دنیا میں قائم کر کے رہتا ہے۔ اب یہ اصول دنیا کے بادشاہوں کے متعلق نہیں اور نہ اُن کے دین کو خدا تعالیٰ نے کبھی دنیا میں قائم کیا بلکہ یہ اصول روحانی خلفاء کے متعلق ہی ہے۔ پس یہ آیت ظاہر کر رہی ہے

کہ اس جگہ جس خلافت سے مشابہت دی گئی ہے وہ خلافتِ نبوت ہی ہے نہ کہ خلافتِ ملوکیت۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ کہ خدا اُن کے خوف کو امن سے بدل دیا کرتا ہے۔ یہ علامت بھی دُنیوی بادشاہوں پر کسی صورت میں چسپاں نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ دُنیوی بادشاہ اگر آج تاج وتخت کے مالک ہوتے ہیں تو کل تخت سے علیحدہ ہوکر بھیک مانگتے دیکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے خوف کو امن سے بدل دینے کا کوئی وعدہ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات جب کوئی سخت خطرہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے مقابلہ کی ہمت تک کھو بیٹھتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا کہ وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ گویا وہ خالص موحّد اور شرک کے شدید ترین دشمن ہونگے۔ مگر دنیا کے بادشاہ تو شرک بھی کر لیتے ہیں حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اُن سے کبھی کفر بواح صادر ہو جائے۔ پس وہ اس آیت کے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں۔

چوتھی دلیل جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان خلفاء سے مراد دُنیوی بادشاہ ہرگز نہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جو لوگ اِن خلفاء کا انکار کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے۔ اب بتاؤ کہ جو شخص کفر بواح کا بھی مرتکب ہوسکتا ہو آیا اس کی اطاعت سے خروجِ فسق ہوسکتا ہے؟ یقیناً ایسے بادشاہوں کی اطاعت سے انکار کرنا انسان کو فاسق نہیں بنا سکتا۔ فسق کا فتویٰ انسان پر اُسی صورت میں لگ سکتا ہے جب وہ روحانی خلفاء کی اطاعت سے انکار کرے۔

غرض یہ چاروں دلائل جن کا اس آیت میں ذکر ہے اس امر کا ثبوت ہیں کہ اس آیت میں جس خلافت کا ذکر کیا گیا ہے وہ خلافتِ ملوکیت نہیں۔ پس جب خدا نے یہ فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ ہم اُن خلیفوں پر ویسے ہی انعامات نازل کریں گے جیسے ہم نے پہلے خلفاء پر انعامات نازل کئے تو اس سے مراد یہی ہے کہ جیسے پہلے انبیاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی رہی ہے اسی طرح ان کی مدد

ہوگی۔ پس اس آیت میں خلافتِ نبوت سے مشابہت مراد ہے نہ کہ خلافتِ ملوکیت سے۔

خلافت کا وعدہ ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ مشروط ہے

(۳) تیسری بات اِس آیت سے یہ نکلتی ہے کہ یہ وعدہ اُمت سے اُس وقت تک کیلئے ہے جب تک کہ اُمت مؤمن اور عمل صالح کرنے والی ہو۔ جب وہ مومن اور عملِ صالح کرنے والی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کو واپس لے لے گا۔ گویا نبوت اور خلافت میں یہ عظیم الشان فرق بتایا کہ نبوت تو اُس وقت آتی ہے جب دنیا خرابی اور فساد سے بھر جاتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ [۵۲] کہ جب بر اور بحر میں فساد واقعہ ہو جاتا ہے، لوگ خدا تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، الٰہی احکام سے اپنا منہ موڑ لیتے ہیں، ضلالت اور گمراہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور تاریکی زمین کے چپہ چپہ کا احاطہ کر لیتی ہے، تو اُس وقت لوگوں کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ کسی نبی کو بھیجتا ہے جو پھر آسمان سے نورِ ایمان کو واپس لاتا اور اُن کو سچے دین پر قائم کرتا ہے لیکن خلافت اُس وقت آتی ہے جب قوم میں اکثریت مؤمنوں اور عمل صالح کرنے والوں کی ہوتی ہے۔ گویا نبوت تو ایمان اور عمل صالح کے مٹ جانے پر آتی ہے اور خلافت اُس وقت آتی ہے جب قریباً تمام کے تمام لوگ ایمان اور عملِ صالح پر قائم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت اُسی وقت شروع ہوتی ہے جب نبوت ختم ہوتی ہے کیونکہ نبوت کے ذریعہ ایمان اور عملِ صالح قائم ہو چکا ہوتا ہے اور چونکہ اکثریت ابھی ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ایمان اور عملِ صالح پر قائم ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں خلافت کی نعمت دے دیتا ہے۔

اور درمیانی زمانہ جب کہ نہ تو دنیا نیکوکاروں سے خالی ہو اور نہ بدی سے پُر ہو دونوں سے محروم رہتا ہے کیونکہ نہ تو بیماری شدید ہوتی ہے کہ نبی آئے اور نہ تندرستی کامل ہوتی ہے کہ اُن سے کام لینے والا خلیفہ آئے۔

خلافت کا فُقدان کسی خلیفہ کے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ جماعت کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے

پس اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا فُقدان کسی خلیفہ کے

نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ جماعت کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلافت کا مٹنا خلیفہ کے گنہگار ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اُمت کے گنہگار ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ صریح وعدہ ہے کہ وہ اُس وقت تک خلیفہ بناتا چلا جائے گا جب تک جماعت میں کثرت مؤمنوں اور عملِ صالح کرنے والوں کی رہے گی۔ جب اس میں فرق پڑ جائے گا اور کثرت مؤمنوں اور عملِ صالح کرنے والوں کی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب چونکہ تم بدعمل ہو گئے ہو اس لئے مَیں بھی اپنی نعمت تم سے واپس لیتا ہوں۔ (گو خدا چاہے تو بطور احسان ایک عرصہ تک پھر بھی جماعت میں خلفاء بھجواتا رہے) پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ خلیفہ خراب ہو گیا ہے وہ بالفاظِ دیگر اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ جماعت کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہو چکی ہے کیونکہ خدا کا یہ وعدہ ہے کہ جب تک اُمت ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہے گی اُس میں خلفاء آتے رہیں گے اور جب وہ اس سے محروم ہو جائے گی تو خلفاء کا آنا بھی بند ہو جائے گا۔ پس خلیفہ کے بگڑنے کا کوئی امکان نہیں ہاں اِس بات کا ہر وقت امکان ہے کہ جماعت کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح سے محروم نہ ہو جائے۔ اور چونکہ خلیفہ نہیں بگڑ سکتا بلکہ جماعت ہی بگڑ سکتی ہے اس لئے جب کوئی شخص دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا خلیفہ بگڑ گیا تو اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ابھی جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کثیر صحابہؓ ہم میں موجود ہیں، جب کہ زمانہ ابھی دجّالی فِتن سے پُر ہے، جب کہ اس درخت کی ابھی کونپل ہی نکلی ہے جس نے تمام دنیا میں پھیلنا ہے تو شیطان اس جماعت پر حملہ آور ہؤا۔ اُس نے اُس کے ایمان کی دولت کو لوٹ لیا، اعمالِ صالحہ کی قوت کو سلب کر لیا اور اس درخت کی کونپل کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل ڈالا جس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایک بار آور درخت کی صورت میں تمام دنیا کو اپنے سایہ سے فائدہ پہنچائیگا کیونکہ بقول اُس کے خلیفہ خراب ہو گیا اور قرآن یہ بتاتا ہے کہ سچے خلفاء اُس وقت تک آتے رہیں گے جب تک جماعت کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہے۔ پس خلافت کا انکار محض خلافت کا انکار نہیں بلکہ اِس امر کا اظہار ہے کہ جماعت ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہو چکی ہے۔

تمکینِ دین کا نشان

چوتھی علامت خلفاء کی اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ اُن کے دینی احکام اور خیالات کو اللہ تعالیٰ دنیا میں پھیلائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دین کو تمکین دے گا اور باوجود مخالف حالات کے اُسے دنیا میں قائم کر دے گا۔ یہ ایک زبردست ثبوت خلافتِ حقہ کی تائید میں ہے اور جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو خلفائے راشدین کی صداقت پر خدا تعالیٰ کا یہ ایک بہت بڑا نشان نظر آتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایسے خاندانوں میں سے تھے جو عرب میں کوئی جتّھا نہیں رکھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایسے خاندانوں میں سے تھے جو عرب میں جتھے رکھتے تھے۔ چنانچہ بنواُمیّہ حضرت عثمانؓ کے حق میں تھے اور بنوعباسؓ حضرت علیؓ کے حق میں اور ان دونوں کو عرب میں بڑی قوت حاصل تھی۔ جب خلافت میں تنزّل واقع ہؤا اور مسلمانوں کی اکثریت میں سے ایمان اور عملِ صالح جاتا رہا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بنواُمیّہ نے مسلمانوں پر تسلط جما لیا اور یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی حکومت کے دوران میں حضرت علیؓ کی تو مذمّت کی جاتی رہی مگر حضرت عثمانؓ کی خوبیاں بیان ہوتی رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مداح اور ان کی خوبیوں کا ذکر کرنے والے اس دَور میں بہت ہی کم تھے۔ اس کے بعد حالات میں پھر تغیر پیدا ہؤا اور بنواُمیّہ کی جگہ بنوعباس نے قبضہ کر لیا اور یہ وہ لوگ تھے جو اہلِ بیت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ان کا تمام زور حضرت علیؓ کی تعریف اور آپ کی خوبیاں بیان کرنے پر صرف ہونے لگ گیا اور کہا جانے لگا کہ عثمانؓ بہت بُرا تھا۔ غرض بنواُمیّہ تو یہ کہتے رہے کہ علیؓ بہت بُرا تھا اور بنوعباس یہ کہتے رہے کہ عثمانؓ بہت بُرا تھا اور اس طرح کئی سَو سال تک مسلمانوں کا ایک حصہ حضرت عثمانؓ کے اوصاف شمار کرتا رہا اور ایک حصہ حضرت علیؓ کے اوصاف شمار کرتا رہا مگر باوجود اس کے کہ خلفائے اربعہ کے بعد اسلامی حکومتوں کے یہ دو دَور آئے اور دونوں ایسے تھے کہ ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے تعلق رکھنے والے لوگ کوئی نہ تھے پھر بھی دنیا میں جو عزت اور جو رُتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فتووں اور

ارشادات کو حاصل ہے وہ ان دونوں کو حاصل نہیں۔ گو اِن سے اُتر کر انہیں بھی حاصل ہے اور یہ ثبوت ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کا کہ خدا نے ان کے دین کو قائم کیا اور اُن کی عزت کو لوگوں کے قلوب میں جاگزیں کیا۔ چنانچہ آج کسی مسلمان سے پوچھ لو کہ اُس کے دل میں خلفاء میں سے سب سے زیادہ کس کی عزت ہے تو وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کا نام لے گا پھر حضرت عمرؓ کا نام لے گا پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کا نام لے گا حالانکہ کئی صدیاں ایسی گذری ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا اور اتنے لمبے وقفہ میں بڑے بڑے لوگوں کے نام دنیا سے مٹ جایا کرتے ہیں لیکن خدا نے اُن کے نام کو قائم رکھا اور اُن کے فتووں اور ارشادات کو وہ مقام دیا جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فتووں اور ارشادات کو بھی حاصل نہیں۔ پھر بنو اُمیّہ کے زمانہ میں حضرت علیؓ کو بدنام کرنے کی بڑی کوششیں کی گئیں اور بنو عباس کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ پر بڑا لعن طعن کیا گیا مگر باوجود اس کے کہ یہ کوششیں حکومتوں کی طرف سے صادر ہوئیں اور انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اُن کو بدنام کرنے اور اُن کے ناموں کو مٹانے کی بڑی کوشش کی پھر بھی یہ دونوں خلفاء دُھلے دُھلائے نکل آئے اور خدا نے تمام عالمِ اسلامی میں ان کی عزت وتوقیر کو قائم کر دیا۔

خوف کو امن سے بدلنے کی پیشگوئی

(۵) پانچویں علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ وہ اُن کے خوف کے بعد اُن کے خوف کی حالت کو اَمن سے بدل دیتا ہے۔ بعض لوگ اِس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ ہر تخویف سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو چونکہ خلافت کے بعد خوف پیش آیا اور دشمنوں نے انہیں شہید کر دیا اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی کو خلیفۂ راشد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے بھی اس بات پر بڑا زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ اصل خلیفہ صرف حضرت ابوبکرؓ تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت آیت استخلاف کے ماتحت نہیں آتی۔

سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ غلطی لوگوں کو صرف اس لئے لگی ہے کہ وہ قرآنی الفاظ پر غور نہیں کرتے ۔ بیشک خوف کا امن سے بدل جانا بھی بڑی نعمت ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا کہ جو بھی خوف پیدا ہوگا اُسے امن سے بدل دیا جائے گا بلکہ فرمایا وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ جو خوف اُن کے دل میں پیدا ہوگا اور جس چیز سے وہ ڈریں گے اللہ تعالیٰ اُسے دُور کر دے گا اور اُس کی جگہ امن پیدا کر دے گا ۔ پس وعدہ یہ نہیں کہ زید اور بکر کے نزدیک جو بھی ڈرنے والی بات ہو وہ خلفاء کو پیش نہیں آئے گی بلکہ وعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے وہ ڈریں گے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور دُور کر دے گا اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا ۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ سانپ بظاہر ایک بڑی خوفناک چیز ہے مگر کئی لوگ ہیں جو سانپ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے سانپ کا خوف کوئی حقیقت نہیں رکھتا ۔ اسی طرح فقر ایک بڑی خوف والی چیز ہے مگر رسول کریم ﷺ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی ۔ اَب اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہو کہ کھانے کیلئے اگر ایک وقت کی روٹی بھی نہ ملے تو یہ بڑی ذلّت کی بات ہوتی ہے تو کیا اُس کے اِس خیال کی وجہ سے ہم یہ مان لیں گے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ رسول کریم ﷺ کی بھی ذلت ہوئی ۔ جو شخص فقر کو اپنی عزت کا موجب سمجھتا ہے ، جو شخص چیتھڑوں کو قیمتی لباس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور جو شخص دُنیوی مال و متاع کو نجاست کی مانند حقیر سمجھتا ہے اُس کیلئے فقر کا خوف بالکل بے معنی ہے ۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا بلکہ فرمایا ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ کوئی ایسی خوف والی بات پیدا نہیں ہوگی جس سے وہ ڈرتے ہونگے ۔ اس فرق کو مدنظر رکھ کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ خلفاء پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی جس سے انہوں نے خوف کھایا ہو اور اگر آئی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے امن سے بدل دیا ۔

حضرت عمرؓ کو اپنی شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ۔ مگر جب واقعات کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس

شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا بلکہ وہ متواتر دعائیں کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھے شہادت نصیب کر اور شہید بھی مجھے مدینہ میں کر۔ پس وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر یہ دعائیں کرتے ہوئے گذاردی ہو کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے، وہ اگر شہید ہو جائے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُس پر ایک خوفناک وقت آیا مگر وہ امن سے نہ بدلا گیا۔ بیشک اگر حضرت عمرؓ شہادت سے ڈرتے اور پھر وہ شہید ہو جاتے تو کہا جا سکتا تھا کہ اُن کے خوف کو خدا تعالیٰ نے امن سے نہ بدلا مگر وہ تو دعائیں کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے۔ پس اُن کی شہادت سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ وہ شہادت سے ڈرتے بھی تھے۔ اور جب وہ شہادت سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے قبول کر لیا تو معلوم ہؤا کہ اس آیت کے ماتحت اُن پر کوئی ایسا خوف نہیں آیا جو اُن کے دل نے محسوس کیا ہو۔ اور اس آیت میں جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں یہی ذکر ہے کہ خلفاء جس بات سے ڈرتے ہونگے وہ کبھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ مگر جب وہ ایک بات سے ڈرتے ہی نہ ہوں بلکہ اُسے اپنی عزت اور بلندی درجات کا موجب سمجھتے ہوں تو اُسے خوف کہنا اور پھر یہ کہنا کہ اسے امن سے کیوں نہ بدل دیا گیا بے معنی بات ہے۔ مَیں نے تو جب حضرت عمرؓ کی اِس دعا کو پڑھا تو مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا بظاہر یہ مطلب تھا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کرے اور اُس کا حملہ اتنی شدت سے ہو کہ تمام مسلمان تباہ ہو جائیں پھر وہ خلیفۂ وقت تک پہنچے اور اُسے بھی شہید کر دے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ایسے سامان کر دیئے کہ بجائے اس کے کہ مدینہ پر کوئی بیرونی لشکر حملہ آور ہوتا اندر سے ہی ایک خبیث اُٹھا اور اس نے خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے بھی کوئی خوف محسوس نہیں کیا

پھر حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اُن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اِن باتوں سے کبھی خائف نہیں ہوئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو وہ نماز سے پہلے تمام مسجد میں پھیل جاتے اور اہلِ مدینہ

کو ایک دوسرے سے جُدا جُدا رکھتے تا کہ وہ اکٹھے ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں مگر باوجود اس شورش اور فتنہ انگیزی اور فساد کے حضرت عثمانؓ نماز پڑھانے کیلئے اکیلے مسجد میں تشریف لاتے اور ذرا بھی خوف محسوس نہ کرتے اور اُس وقت تک برابر آتے رہے جب تک لوگوں نے آپ کو منع نہ کر دیا۔ جب فتنہ بہت بڑھ گیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر پر مفسدوں نے حملہ کر دیا تو بجائے اس کے کہ آپ صحابہؓ کا اپنے مکان کے اِردگرد پہرہ لگواتے آپ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ وہ آپ کی حفاظت کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالیں اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ کیا شہادت سے ڈرنے والا آدمی بھی ایسا ہی کیا کرتا ہے اور وہ لوگوں سے کہا کرتا ہے کہ میرا فکر نہ کرو بلکہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

پھر اس بات کا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان واقعات سے کچھ بھی خائف نہیں تھے ایک اور زبردست ثبوت یہ ہے کہ اس فتنہ کے دوران میں ایک دفعہ حضرت معاویہؓ حج کیلئے آئے جب وہ شام کو واپس جانے لگے تو مدینہ میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ شام میں چلیں وہاں آپ تمام فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ معاویہؓ! میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ بات منظور نہیں تو میں شامی سپاہیوں کا ایک لشکر آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مَیں اپنی حفاظت کیلئے ایک لشکر رکھ کر مسلمانوں کے رزق میں کمی کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ امیرالمؤمنین! لوگ آپ کو دھوکا سے قتل کر دیں گے یا ممکن ہے آپ کے خلاف وہ برسرِ جنگ ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اِس کی پرواہ نہیں میرے لئے میرا خدا کافی ہے۔ آخر انہوں نے کہا اگر آپ اور کچھ منظور نہیں کرتے تو اتنا ہی کریں کہ شرارتی لوگوں کو بعض اکابر صحابہؓ کے متعلق گھمنڈ ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے بعد وہ کام سنبھال لیں گے۔ چنانچہ وہ اُن کا نام لے لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں آپ ان سب کو مدینہ سے رخصت کر دیں اور بیرونی ملکوں میں پھیلا دیں اس سے شریروں کے ارادے پست ہو جائیں گے اور وہ خیال کریں گے کہ آپ سے تعرض کر کے انہوں نے کیا لینا ہے جب کہ مدینہ میں

کوئی اور کام کوسنبھالنے والا ہی نہیں۔مگر حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی نہ مانی اور کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ہے مَیں انہیں جلا وطن کر دوں۔حضرت معاویہؓ یہ سن کر رو پڑے اور انہوں نے عرض کیا اگر آپ اور کچھ نہیں کرتے تو اتنا ہی اعلان کر دیں کہ میرے خون کا بدلہ معاویہؓ لے گا۔آپ نے فرمایا معاویہؓ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں پر تم کہیں سختی نہ کرو اس لئے مَیں یہ اعلان بھی نہیں کرسکتا۔اب کہنے کوتو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ دل کے کمزور تھے مگر تم خود ہی بتاؤ کہ اس قسم کی جرأت کتنے لوگ دکھا سکتے ہیں اور کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے دل میں کچھ بھی خوف تھا۔اگر خوف ہوتا تو وہ کہتے کہ تم اپنی فوج کا ایک دستہ میری حفاظت کیلئے بھجوادو، انہیں تنخواہیں میں دلا دوں گا اور اگر خوف ہوتا تو آپ اعلان کر دیتے کہ اگر مجھ پر کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ سن لے کہ میرا بدلہ معاویہؓ لے گا۔مگر آپ نے سوائے اِس کے کوئی جواب نہ دیا کہ معاویہؓ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر مَیں نے تم کو یہ اختیار دے دیا تو تم مسلمانوں پر سختی کروگے۔

پھر جب آخر میں دشمنوں نے دیوار پھاند کر آپ پر حملہ کیا تو بغیر کسی ڈر اور خوف کے اظہار کے آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک بیٹا (اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے) آگے بڑھا اور اُس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ کر اُسے زور سے جھٹکا دیا۔حضرت عثمانؓ نے اُس کی طرف آنکھ اُٹھائی اور فرمایا۔میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس وقت ہوتا تو تو کبھی ایسا نہ کرتا۔یہ سنتے ہی اُس کا سر سے لیکر پَیر تک جسم کانپ گیا اور وہ شرمندہ ہوکر واپس لوٹ گیا۔اس کے بعد ایک اور شخص آگے بڑھا اور اس نے ایک لوہے کی سیخ حضرت عثمانؓ کے سر پر ماری اور پھر آپ کے سامنے جو قرآن پڑا ہؤا تھا اُسے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے الگ پھینک دیا۔وہ ہٹا تو ایک اور شخص آگے آ گیا اور اس نے تلوار سے آپ کو شہید کر دیا۔ان واقعات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان واقعات سے خائف تھے اور جب وہ ان واقعات سے خائف ہی نہ تھے تو مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کے خلاف یہ واقعات کیونکر ہوگئے۔یہ لوگ تو اگر کسی امر

سے خائف تھے تو اس سے کہ اسلام کی روشنی میں فرق نہ آئے۔ سو باوجود ان واقعات کے وہی بات آخر قائم ہوئی جسے یہ لوگ قائم کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدل دیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت

یہی حال حضرت علیؓ کا ہے۔ اُن کے دل کا خوف بھی صرف صداقت اور روحانیت کی اشاعت کے بارہ میں تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو امن سے بدل دیا۔ یہ ڈر نہیں تھا کہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت معاویہؓ کا لشکر بعض دفعہ حضرت علیؓ کے لشکر سے کئی کئی گنے زیادہ ہوتا تھا آپ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہی فرماتے تھے کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے وہی مانوں گا اس کے خلاف میں کوئی بات تسلیم نہیں کرسکتا۔

اگر محض لوگوں کی مخالفت کو ہی خوفناک امر قرار دے دیا جائے تب تو ماننا پڑے گا کہ انبیاء (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ہمیشہ لوگوں سے ڈرتے رہے کیونکہ جتنی مخالفت لوگ ان کی کرتے ہیں اتنی مخالفت اور کسی کی نہیں کرتے۔ بہرحال دنیا کی مخالفت کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور نہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا بلکہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا فرمایا ہے یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے ہوں گے اسے اللہ تعالیٰ دور کردے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں وہ صرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ اُمت محمدیہ میں گمراہی اور ضلالت نہ آجائے۔ سو اُمتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس توجہ اور دعا کی برکت سے بحیثیت مجموعی ضلالت سے محفوظ رکھا اور اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہی دنیا کے کثیر حصہ پر ہمیشہ غالب رہا۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلفاء کو عام خوف سے بھی محفوظ رکھتا ہے

میں نے اس آیت کے جو معنی کئے ہیں کہ اس جگہ خوف سے مراد عام خوف نہیں بلکہ وہ خوف ہے جسے خلفاء کا دل محسوس کرتا ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں عام خوف ضرور ہوتا ہے بلکہ عام خوف بھی اللہ تعالیٰ اُن سے دور ہی رکھتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہو۔ جیسے حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب

خوف پیدا ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت کے انعام کے مستحق نہیں رہے تھے۔ پس میرا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام خوفوں سے محفوظ نہیں رکھتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل وعدہ اس آیت میں اسی خوف کے متعلق ہے جس کو وہ خوف قرار دیں۔ اور وہ بجائے کسی اور بات کے ہمیشہ اس ایک بات سے ہی ڈرتے تھے کہ اُمتِ محمدیہؐ میں گمراہی اور ضلالت نہ آ جائے۔ سو خدا کے فضل سے اُمتِ محمدیہ ایسی ضلالت سے محفوظ رہی اور باوجود بڑے بڑے فتنوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد اس کی ہدایت کے سامان ہوتے رہے۔ اور اصل معجزہ یہی ہوتا ہے کہ کسی کی وفات کے بعد بھی اس کی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ زندگی میں اگر کسی کی خواہشیں پوری ہوں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس نے تدبیروں سے کام لے لیا تھا مگر جس کی زندگی ختم ہو جائے اور پھر بھی اس کی خواہشیں پوری ہوتی رہیں اس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کسی ظاہری تدبیر سے کام لے لیا ہوگا بلکہ یہ امر اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کا محبوب اور پیارا تھا اور اللہ تعالیٰ کا اس سے گہرا تعلق تھا۔

رسول کریم ﷺ کا ایک کشف جو آپؐ کی وفات کے بعد پورا ہوا

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفی حالت میں ایک شخص کے ہاتھوں میں شہنشاہِ ایران کے سونے کے کڑے دیکھے۔ اَب رسول کریم ﷺ کا معجزہ یہ نہیں کہ آپؐ نے اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے دیکھے بلکہ معجزہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ رسول کریم ﷺ فوت ہو گئے ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد مالِ غنیمت میں سونے کے کڑے آئے اور باوجود اس کے کہ شریعت میں مَردوں کو سونے کے کڑے پہننے ممنوع ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے اس کشف کو پورا کرنے کیلئے اسے سونے کے کڑے پہنائیں چنانچہ آپ نے اسے پہنا دیئے۔ پس اس واقعہ میں معجزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں رسول کریم ﷺ کی ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ پھر یہ بھی معجزہ ہے کہ

رسول کریم ﷺ کی یہ بات حضرت عمرؓ نے سن لی اور آپ کو اسے پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ آخر حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ کی ہر بات تو نہیں سنا کرتے تھے ممکن ہے یہ بات کسی اور کے کان میں پڑتی اور وہ آگے کسی اور کو بتانا بُھول جاتا مگر اس معجزے کا ایک یہ بھی حصہ ہے کہ جس شخص کے پاس سونے کے کڑے پہنچنے تھے اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کشف پہنچ چکا تھا۔ پھر اُسی معجزہ کا یہ بھی حصہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ تحریک پیدا کر دی کہ وہ اس صحابیؓ کو سونے کے کڑے پہنائیں حالانکہ شریعت کے لحاظ سے مردوں کیلئے سونا پہننا ممنوع ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو پورا کرنا چاہتا تھا اس لئے آپ کے دل کو اس نے اس طرف مائل کر دیا کہ مردوں کے سونا نہ پہننے میں جو حکمتیں ہیں وہ بھی بے شک اچھی ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے کسی کو تھوڑی دیر کیلئے سونے کے کڑے پہنا دینا بھی کوئی بُری بات نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے اس صحابیؓ کو اپنے سامنے سونے کے کڑے پہنائے۔[۵۳]

خلفائے راشدین کی وفات کے بعد بھی اُن کا خوف امن سے بدلتا رہا

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین فوت ہوگئے تو اُن کی وفات کے سالہا سال بعد خدا تعالیٰ نے اُن کے خوف کو امن سے بدلا۔ کبھی سَو سال کے بعد، کبھی دوسَو سال کے بعد، کبھی تین سَو سال کے بعد، کبھی چار سَو سال کے بعد اور کبھی پانچ سَو سال کے بعد اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ خدا اُن سے محبت رکھتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اُن کے ارادے رائیگاں جائیں۔ اگر اس ساری آیت کو قوم کی طرف منسوب کر دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی وہی معنی لئے جائیں گے جن کو مَیں نے بیان کیا ہے۔ یعنی اس صورت میں بھی ساری قوم کو اگر کوئی خوف ہوسکتا تھا تو وہ کُفّار کے اسلام پر غلبہ کا ہوسکتا تھا۔ فردی طور پر تو کسی کو خوف ہوسکتا ہے کہ میرا بیٹا نہ مر جائے یا کسی کو خوف ہوسکتا ہے کہ مجھے تجارت میں نقصان نہ پہنچ جائے مگر قوم کا خوف تو قومی ہی ہوسکتا ہے اور وہ خوف بھی پھر یہی بن جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو اسلام پر کُفّار غالب آجائیں سو قوم کا یہ خوف بھی اسلام کے ذریعہ ہی دور ہؤا اور اسلام کو ایسا زبردست غلبہ

حاصل ہؤا جس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

خلفائے راشدین کا غیر مسلم بادشاہوں پر رُعب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کے اندرونی جھگڑے اور مناقشات بہت بڑھ گئے تو ایک دفعہ روم کے بادشاہ کو خیال آیا کہ یہ وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے بہت اچھا ہے وہ آپس میں لڑ رہے ہیں اور اُن کی طاقت اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے اس لئے مسلمانوں پر اگر حملہ کیا گیا تو وہ بہت جلد شکست کھا جائیں گے۔ جب یہ افواہ اُڑتے اُڑتے حضرت معاویہؓ تک پہنچی تو انہوں نے اس بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ یاد رکھو اگر تم نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو علیؓ کی طرف سے پہلا جرنیل جو تمہارے خلاف لڑنے کیلئے نکلے گا وہ مَیں ہونگا۔ جب یہ پیغام اسے پہنچا تو اس نے لڑائی کا ارادہ فوراً ترک کر دیا۔ یہ واقعہ بھی بتاتا ہے کہ خلفاء کا بہت بڑا رُعب تھا کیونکہ جب اسے معلوم ہؤا کہ معاویہؓ بھی علیؓ کے ماتحت ہو کر مجھ سے لڑنے کیلئے آ جائے گا تو وہ دم بخود رہ گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ لڑائی کرنا میرے لئے مفید نہیں ہوگا۔

سچے خلفاء توحیدِ حقیقی کے علمبردار ہوتے ہیں

(۶) خلفاء کی چھٹی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے یعنی اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ غیر معمولی جرأت اور دلیری پیدا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی اَور کا خوف اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ وہ لوگوں کے ڈر سے کوئی کام نہیں کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھیں گے اور اُسی کی خوشنودی اور رضاء کیلئے تمام کام کریں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ بُت پرستی نہیں کریں گے۔ بُت پرستی تو عام مسلمان بھی نہیں کرتے کُجا یہ کہ خلفاء کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ بُت پرستی نہیں کریں گے۔ پس یہاں بُت پرستی کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا ذکر ہے کہ وہ بندوں سے ڈر کر کسی مقام سے اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے بلکہ جو کچھ کریں گے خدا کے منشاء اور اُس کی رضاء کو پورا کرنے کیلئے کریں گے اور اِس امر کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ اس راہ میں اُنہیں کن بلاؤں

اور آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں بڑے سے بڑا دلیر آدمی بھی بعض دفعہ لوگوں کے ڈر سے ایسا پہلو اختیار کر لیتا ہے جس سے گو یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ سچائی کو چھوڑ دے مگر دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ مَیں ایسے رنگ میں کام کروں کہ کسی کو شکوہ پیدا نہ ہو۔

مولوی غلام علی صاحب ایک کٹر وہابی ہؤا کرتے تھے۔ وہابیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے لیکن حنفیوں کے نزدیک ہندوستان میں جمعہ کی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں جمعہ پڑھنا تب جائز ہو سکتا ہے جب مسلمان سلطان ہو۔ جمعہ پڑھانے والا مسلمان قاضی ہو اور جہاں جمعہ پڑھا جائے وہ شہر ہو۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی وجہ سے چونکہ نہ مسلمان سلطان رہا تھا نہ قاضی اس لئے وہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اِدھر چونکہ قرآن کریم میں وہ یہ لکھا ہؤا دیکھتے تھے کہ جب تمہیں جمعہ کیلئے بلایا جائے تو فوراً تمام کام چھوڑتے ہوئے جمعہ کی نماز کیلئے چل پڑو اس لئے اُن کے دلوں کو اطمینان نہ تھا۔ ایک طرف ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ جمعہ پڑھیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی حنفی مولوی ہمارے خلاف فتویٰ نہ دے دے۔ اس مشکل کی وجہ سے ان کا یہ دستور تھا کہ جمعہ کے روز گاؤں میں پہلے جمعہ پڑھتے اور پھر ظہر کی نماز ادا کر لیتے اور یہ خیال کرتے کہ اگر جمعہ والا مسئلہ درست ہے تب بھی ہم بچ گئے اور اگر ظہر پڑھنے والا مسئلہ صحیح ہے تب بھی بچ گئے اسی لئے وہ ظہر کا نام ظہر کی بجائے ''احتیاطی'' رکھا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر خدا نے ہمارے جمعہ کی نماز کو الگ پھینک دیا تو ہم ظہر کو اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیں گے اور اگر اُس نے ظہر کو ردّ کر دیا تو ہم جمعہ اُس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اگر کوئی ''احتیاطی'' نہ پڑھتا تو سمجھا جاتا کہ وہ وہابی ہے۔

مولوی غلام علی صاحب کا ایک واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم مولوی غلام علی صاحب کے ساتھ گورداسپور گئے راستہ میں جمعہ کا وقت آ گیا ہم نماز پڑھنے کیلئے ایک مسجد میں چلے گئے۔ آپ کا عام طریق وہابیوں سے ملتا جُلتا تھا کیونکہ وہابی حدیثوں کے مطابق عمل کرنا اپنے لئے ضروری جانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنتوں پر عمل کرنا ہر انسان کی نجات کیلئے ضروری ہے۔غرض آپ بھی مولوی غلام علی صاحب کے ساتھ گئے اور جمعہ کی نماز پڑھی۔ جب مولوی غلام علی صاحب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے چار رکعت ظہر کی نماز پڑھ لی۔ آپ فرماتے تھے کہ مَیں نے اُن سے کہا مولوی صاحب! یہ جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعتیں کیسی ہیں۔ وہ کہنے لگے یہ ''احتیاطی'' ہے۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب آپ تو وہابی ہیں اور عقیدۃً اس کے مخالف ہیں پھر ''احتیاطی'' کے کیا معنی ہوئے؟ وہ کہنے لگے یہ ''احتیاطی'' ان معنوں میں نہیں کہ خدا کے سامنے ہمارا جمعہ قبول ہوتا ہے یا ظہر بلکہ اِن معنوں میں ہے کہ لوگ مخالفت نہ کریں۔تو کئی لوگ اِس طرح بھی کام کر لیتے ہیں جیسے مولوی غلام علی صاحب نے کیا کہ اپنے دل میں تو وہ اس بات پر خوش رہے کہ انہوں نے جمعہ پڑھا ہے اور اُدھر لوگوں کو خوش کرنے کیلئے چار رکعت ظہر کی نماز بھی پڑھ لی۔

ایک سُنّی بزرگ کا لطیفہ

اِسی طرح ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کوئی سُنّی بزرگ تھے جو شیعوں کے علاقہ میں رہتے تھے۔ایک دفعہ غربت کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہو گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر مدد کی درخواست کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ اُس کے پاس گئے اور مدد کی درخواست کی۔ وزیر نے اُن کی شکل کو دیکھ کر بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص سُنّی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا تمہیں کس طرح معلوم ہؤا؟ وہ کہنے لگا بس شکل سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کہنے لگا یہ کوئی دلیل نہیں،تم میرے سامنے اس کا امتحان لو۔ چنانچہ وزیر نے اُن کے سامنے حضرت علیؓ کی بڑے زور سے تعریف شروع کر دی وہ بزرگ بھی حضرت علیؓ کی تعریف کرنے لگ گئے۔ بادشاہ نے دیکھ کر کہا کہ دیکھا! تم جو کچھ کہتے تھے وہ غلط ثابت ہؤا یا نہیں۔اگر یہ شیعہ نہ ہوتا تو کیا حضرت علیؓ کی ایسی ہی تعریف کرتا۔ وزیر کہنے لگا۔ بادشاہ سلامت! آپ خواہ کچھ کہیں مجھے یہ سُنّی ہی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا امتحان کیلئے پھر کوئی اور بات کرو۔ چنانچہ وزیر کہنے لگا کہو ''بر ہر سہ لعنت'' یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) لعنت۔ وہ بھی کہنے لگ گیا۔ ''بر ہر سہ لعنت''۔ بادشاہ نے کہا اَب تو یہ یقینی طور پر شیعہ ثابت ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگے

بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر میرا دل مطمئن نہیں۔ آخر وزیر انہیں الگ لے گیا اور کہا سچ سچ بتاؤ تمہارا مذہب کیا ہے؟ انہوں نے کہا مَیں ہوں تو سُنّی ہی۔ وہ کہنے لگا پھر تم نے ''بر ہر سہ لعنت'' کیوں کہا؟ وہ بزرگ کہنے لگے تمہاری اِن الفاظ سے تو یہ مراد تھی کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر لعنت ہو مگر میری مراد یہ تھی کہ آپ دونوں اور مجھ پر لعنت ہو۔ آپ لوگوں پر اِس لئے کہ آپ بزرگوں پر لعنت کرتے ہیں اور مجھ پر اس لئے کہ مجھے اپنی بدبختی کی وجہ سے تم جیسے لوگوں کے پاس آنا پڑا۔ غرض انسان کئی طریق سے وقت گذار لیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح اُس نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ مگر فرمایا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا خلفاء انتہائی طور پر دلیر ہونگے اور خوف و ہراس اُن کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔ وہ جو کچھ کریں گے خدا کی رضا کیلئے کریں گے، کسی انسان سے ڈر کر اُن سے کوئی فعل صادر نہیں ہوگا۔

فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں حضرت ابوبکرؓ کی استقامت

یہ علامت بھی خلفائے راشدین میں بتمام وکمال پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُس وقت سارا عرب مرتد ہوگیا۔ صرف دو جگہ نماز باجماعت ہوتی تھی باقی تمام مقامات میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہؤا اور سوائے مکہ اور مدینہ اور ایک چھوٹے سے قصبہ کے تمام لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُو اِن کے مالوں سے صدقہ لے، کسی اَور کو یہ اختیار نہیں کہ ہم سے زکوٰۃ وصول کرے۔ غرض سارا عرب مرتد ہوگیا اور وہ لڑائی کیلئے چل پڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گو اسلام کمزور تھا مگر قبائلِ عرب متفرق طور پر حملہ کرتے تھے۔ کبھی ایک گروہ نے حملہ کر دیا اور کبھی دوسرے نے۔ جب غزوۂ احزاب کے موقع پر کُفّار کے لشکر نے اجتماعی رنگ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تو اُس وقت تک اسلام بہت کچھ طاقت پکڑ چکا تھا گو ابھی اِتنی زیادہ طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ انہیں آئندہ کیلئے کسی حملے کا ڈر ہی نہ رہتا۔ اس کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ

فتح کرنے کیلئے گئے تو اُس وقت عرب کے بعض قبائل بھی آپ کی مدد کیلئے کھڑے ہو گئے تھے۔ اِس طرح خدا نے تدریجی طور پر دشمنوں میں جوش پیدا کیا تا کہ وہ اتنا زور نہ پکڑ لیں کہ سب مُلک پر چھا جائیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یکدم تمام عرب مرتد ہو گیا صرف مکہ اور مدینہ اور ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گئے باقی تمام مقامات کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور وہ لشکر لے کر مقابلہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ بعض جگہ تو اُن کے پاس ایک ایک لاکھ کا بھی لشکر تھا۔ مگر اِدھر صرف دس ہزار کا ایک لشکر تھا اور وہ بھی شام کو جارہا تھا اور یہ وہ لشکر تھا جسے اپنی وفات کے قریب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی علاقہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا تھا اور اسامہؓ کو اس کا افسر مقرر کیا تھا باقی لوگ جو رہ گئے تھے وہ یا تو کمزور اور بڈھے تھے اور یا پھر گنتی کے چند نوجوان تھے۔ یہ حالات دیکھ کر صحابہؓ نے سوچا کہ اگر ایسی بغاوت کے وقت اسامہؓ کا لشکر بھی روانہ ہو گیا تو مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ اکابر صحابہؓ کا ایک وفد جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے اور جو اپنی شجاعت اور دلیری کے لحاظ سے مشہور تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہؤا اور عرض کیا کہ کچھ عرصہ کیلئے اس لشکر کو روک لیا جائے۔ جب بغاوت فرو ہو جائے تو پھر بیشک اُسے بھیج دیا جائے مگر اب اس کا بھیجنا خطرہ سے خالی نہیں، مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں اور دشمن کا لشکر ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت غصہ کی حالت میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو قحافہ کا بیٹا سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس لشکر کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اُسے روک لے۔ مَیں اِس لشکر کو کسی صورت میں روک نہیں سکتا۔ اگر تمام عرب باغی ہو گیا ہے تو بے شک ہو جائے اور اگر مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں تو بے شک نہ رہے، خدا کی قسم! اگر دشمن کی فوج مدینہ میں گھس آئے اور ہمارے سامنے مسلمان عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی مَیں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔[۵۴] اگر تم دشمن کی فوجوں سے ڈرتے ہو تو بے شک میرا ساتھ چھوڑ دو مَیں اکیلا تمام دشمنوں کا مقابلہ

کرونگا۔ یہ یَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا کی صداقت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

دوسرا سوال زکوٰۃ کا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ لشکر نہیں روک سکتے تو صرف اتنا کر لیجئے کہ اِن لوگوں سے عارضی صلح کر لیں اور انہیں کہہ دیں کہ ہم اس سال تم سے زکوٰۃ نہیں لیں گے۔ اس دوران میں ان کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا اور تفرقہ کے مٹنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائیگی۔ موجودہ صورت میں جب کہ وہ جوش سے بھرے ہوئے ہیں اور لڑنے مرنے کیلئے تیار ہیں ان سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ اونٹ کے گھٹنے کو باندھنے والی ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے اور اب نہیں دیں گے تو مَیں اُس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھوں گا جب تک وہ رسی بھی اُن سے وصول نہ کرلوں۔ اس پر صحابہؓ نے کہا کہ اگر جَیشِ اسامہؓ بھی چلا گیا اور ان لوگوں سے عارضی صلح بھی نہ کی گئی تو پھر دشمن کا کون مقابلہ کرے گا۔ مدینہ میں تو یہ بُڈّھے اور کمزور لوگ ہیں اور یا صرف چند نوجوان ہیں وہ بھلا لاکھوں کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اے دوستو! اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ابوبکرؓ اکیلا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔ [۵۵] یہ دعویٰ اُس شخص کا ہے جسے فنونِ جنگ سے کچھ زیادہ واقفیت نہ تھی اور جس کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دل کا کمزور ہے۔ پھر یہ جرأت، یہ دلیری، یہ یقین اور یہ وثوق اُس میں کہاں سے پیدا ہؤا۔ اسی بات سے یہ یقین پیدا ہؤا کہ حضرت ابوبکرؓ نے سمجھ لیا تھا کہ مَیں خلافت کے مقام پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کھڑا ہؤا ہوں اور مجھ پر ہی تمام کام کی ذمہ داری ہے۔ پس میرا فرض ہے کہ مَیں مقابلہ کیلئے نکل کھڑا ہوں کامیابی دینا یا نہ دینا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ کامیابی دینا چاہے گا تو آپ دے دے گا اور اگر نہیں دینا چاہے گا تو سارے لشکر مل کر بھی کامیاب نہیں کر سکتے۔

حضرت عمرؓ کے بہادرانہ کارنامے

اِس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کا ہم کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں وہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے جَیشِ اسامہؓ

کو روک لیا جائے تا کہ وہ ہماری مدد کر سکے، اُن میں بھی وہی توکّل آ جاتا ہے اور وہ ایک وقت میں ساری دنیا سے جنگ کرتے ہیں اور ذرا نہیں گھبراتے چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رومی حکومت سے لڑائی ہوئی۔ وہ حکومت بڑی زبردست تھی اور اُس سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ایسا ہی تھا جیسے افغانستان انگریزی حکومت سے لڑائی شروع کر دے مگر باوجود اتنی زبردست حکومت کے ساتھ جنگ جاری ہونے کے جب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ سوال پیش ہؤا کہ کسریٰ کی فوجوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں سرگرمی دکھانی شروع کر دی ہے اور اُن کے بہت سے علاقے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اُن میں بغاوت اور سرکشی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو وہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ اگر ہم ایک ہی وقت میں ایک طرف جَیشِ اسامہؓ کو رومیوں کے مقابلہ میں بھیج دیں گے اور دوسری طرف اندرونی باغیوں کا مقابلہ کریں گے تو یہ سخت غلطی ہوگی حکم دیتے ہیں کہ فوراً ایران پر حملہ کر دو۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں دو زبردست حکومتوں سے کس طرح مقابلہ ہوگا مگر آپ فرماتے ہیں کچھ پرواہ نہیں جاؤ اور مقابلہ کرو۔ مسلمان چونکہ اُس وقت رومی حکومت سے جنگ کرنے میں مشغول تھے اِس لئے ایران پر مسلمانوں کا حملہ اِس قدر دُور اَز قیاس تھا کہ ایران کے بادشاہ کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ مسلمان فوجیں بڑھتی چلی آ رہی ہیں تو اُس نے اِن خبروں کو کوئی اہمیت نہ دی اور کہا کہ لوگ خواہ مخواہ جھوٹی افواہیں اُڑا رہے ہیں مسلمان بھلا ایسی حالت میں جب کہ وہ پہلے ہی ایک خطرناک جنگ میں مبتلاء ہیں ایران پر حملہ کرنے کا خیال بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک تو ایرانیوں کی شکست کی بڑی وجہ یہی رہی کہ دارالخلافہ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی فوج نہیں آتی تھی اور بادشاہ خیال کرتا تھا کہ لوگ جھوٹی خبریں اُڑا رہے ہیں مگر جب کثرت اور تواتر کے ساتھ اُسے اس قسم کی خبریں پہنچیں تو اُس نے اپنا ایک جرنیل بھیجا اور اُسے حکم دیا کہ میرے پاس صحیح حالات کی رپورٹ کرو۔ چنانچہ اس نے جب رپورٹ کی کہ مسلمان واقع میں حملہ کر رہے ہیں اور وہ بہت سے حصوں پر قابض بھی ہو چکے ہیں تب اُس نے اُن کے مقابلہ کیلئے فوج بھیجی۔ اس سے تم اندازہ لگا لو کہ مسلمانوں کا اس لڑائی میں کُودنا بظاہر کتنا خطرناک تھا جب کہ اس کے ساتھ ہی وہ رومی لشکروں کا بھی مقابلہ

کر رہے تھے مگر حضرت عمرؓ کو خدا تعالیٰ نے مقامِ خلافت پر کھڑا کرنے کے بعد جو قوت بخشی اُس کے آگے اِن چیزوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا کسریٰ کے رومال میں تھوکنا

یہی وہ جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو جب فتح حاصل ہوئی تو مالِ غنیمت میں کسریٰ کا ایک رومال بھی آیا جو حضرت ابو ہریرہؓ کو ملا۔ ایک دن انہیں کھانسی اُٹھی تو انہوں نے کسریٰ شاہِ ایران کا رومال نکال کر اس میں تھوک دیا اور پھر کہا بخ بخ ابوھریرہ۔ کہ واہ، واہ ابو ہریرہ تیری بھی کیا شان ہے کہ تُو آج کسریٰ شاہِ ایران کے رومال میں تُھوک رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض دفعہ مجھے اتنے فاقے ہوتے تھے کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر بیہوش ہو جاتا تھا اور لوگ یہ سمجھ کر کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے میرے سر پر جُوتیاں مارنی شروع کر دیتے تھے مگر آج یہ حالت ہے کہ میں شاہی رومال میں تُھوک رہا ہوں۔[۵۶] تو یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا کی علامت خدا تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے ذریعہ نہایت واضح رنگ میں پوری فرمائی اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے سِوا کبھی کسی کا خوف اپنے دل میں نہیں آنے دیا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا دلیرانہ مقابلہ

اِسی طرح حضرت عثمانؓ جیسے باحیا اور رقیق القلب انسان نے اندرونی مخالفت کا مقابلہ جس یقین سے کیا وہ انسانی عقل کو دنگ کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ عام طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں مگر جب ان کا اپنا زمانہ آیا تو انہوں نے ایسی بہادری اور جرأت سے کام لیا کہ انسان ان واقعات کو پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

یہی حال حضرت علیؓ کا ہے کسی مخالفت یا خطرے کی انہوں نے پرواہ نہیں کی حالانکہ اندرونی خطرے بھی تھے اور بیرونی بھی۔ مگر ان کے مدنظر صرف یہی امر رہا کہ خدا تعالیٰ کی مرضی پوری ہو اور ذرا بھی کسی سے خوف کھا کر اس منشاءِ الٰہی میں جو انہوں نے سمجھا تھا فرق نہیں آنے دیا۔

غرض تمام خلفاء کے حالات میں ہمیں یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا کا نہایت اعلیٰ درجہ کا نظارہ نظر آتا ہے جو اِس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں خود مقامِ خلافت پر کھڑا کیا تھا اور وہ آپ ان کی تائید اور نصرت کا ذمہ وار رہا۔

آیت استخلاف پر اعتراضات

اَب میں اُن اعتراضات کو لیتا ہوں جو عام طور پر اِس آیت پر کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں اُمتِ مُسلمہ سے وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد سے اور اُمت کو خلیفہ بنانے کا وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد کو۔ پس اس سے مراد مسلمانوں کو غلبہ اور حکومت کا مل جانا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ کہا ہے اور پہلی قوموں کو خلافت نبوت یا ملوکیت کے ذریعہ سے ملی تھی۔ پس اسی حد تک تشبیہہ تسلیم کی جاسکتی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مسلمانوں میں نبی ہوں گے اور پھر یہ کہ ملوک ہوں گے مگر جس قسم کی خلافت تم کہتے ہو وہ نہ تو نبوت کے تحت آتی ہے اور نہ ملوکیت کے تحت آتی ہے۔ پھر اس کا وجود کہاں سے ثابت ہؤا۔

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اس خلافت کو تسلیم بھی کر لیا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی تو چونکہ اس خلافت کے ساتھ حکومت بھی شامل تھی اس لئے وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا کے ماتحت وہ آسکتی تھی لیکن اس خلافت کا ثبوت کہاں سے ملا جو جماعت احمدیہ میں قائم ہے۔ یہ خلافت نہ تو خلافتِ نبوت ہے اور نہ خلافتِ ملوکیّت۔

چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت سے اگر افراد مراد لئے جائیں جماعت نہ لی جائے تو پھر خلافتِ نبوت اور خلافتِ ملوکیّت کا پتہ چلتا ہے اور معنی یہ بنتے ہیں کہ اس اُمت میں سے بعض افراد نبی ہوں گے اور بعض افراد ملوک ہوں گے۔ مگر جو خلافتِ نبوت پہلے جاری تھی اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا اور تم خود بھی تسلیم کرتے ہو کہ جس قسم کے نبی پہلے آیا کرتے تھے اب اس قسم کے نبی نہیں آسکتے اور ملوکیّت کے متعلق بھی تم خود قائل ہو کہ خلفاء ملوک میں شامل نہ تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے عَنِ النُّعۡمَانِ بۡنِ بَشِیۡرٍ

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكاً عَاضًا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ۔[۵۷]

یعنی رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔تم میں نبوت رہے گی جب تک خدا چاہے گا پھر خدا اس نعمت کو اُٹھالے گا اور تمہیں خلافت علی منہاجِ النبوۃ کی نعمت دے گا اور یہ خلافت تم میں اس وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا۔ پھر خدا اس نعمت کو بھی اُٹھالے گا اور جب تک چاہے گا تم میں ملوکیّت کو قائم رکھے گا۔ پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء کے بادشاہ ہونے سے بھی انکار کیا ہے جیسا کہ فرمایا کہ پہلے خلافت ہوگی اور پھر ملوکیت تو معلوم ہوا کہ خلافتِ نبوت اور خلافتِ ملوکیت دونوں اُمت محمدیہ کے افراد کو نہیں مل سکتیں اور جب صورت یہ ہے تو اس آیت سے کسی فردی خلافت کا ثبوت نہ ملا بلکہ صرف قومی خلافت ہی مراد لی جاسکتی ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔

اِس سوال کا جواب کہ اس آیت میں اُمتِ مُسلمہ سے وعدہ ہے، نہ کہ بعض افراد سے

اَب مَیں اِن تمام سوالات کے جواب دیتا ہوں۔ پہلا سوال کہ اس آیت میں اُمتِ مُسلمہ سے وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد سے اس کے یہ جوابات ہیں۔

(۱) بے شک وعدہ قوم سے ہے مگر قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں کہ افراد کے ذریعہ سے وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ بعض وعدے قوم سے ہوتے ہیں لیکن افراد کے ذریعہ سے پورے کئے جاتے ہیں اور کہا یہی جاتا ہے کہ قوم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ اس کی مثالیں دنیا کی ہر زبان میں ملتی ہیں۔ مثلاً ہماری زبان میں کہا جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں۔ اب کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہر انگریز بادشاہ ہے۔ ہر انگریز تو نہ بادشاہ ہے اور نہ بادشاہ بن سکتا ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم حاکم ہے حالانکہ ساری قوم کہاں حاکم ہوتی ہے چند افراد کے سپرد حکومت کا نظم ونسق ہوتا ہے اور باقی سب اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے فلاں قوم بڑی دولت مند ہے مگر اس

کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اس قوم کا ہر فرد دولتمند ہے۔ انگریزوں کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے دولتمند ہیں حالانکہ ان میں بڑے بڑے غریب بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم ومغفور نے ایک دفعہ سنایا کہ جب وہ لنڈن میں تھے تو ایک دن جس مکان میں وہ رہتے تھے اس کا کوڑا کرکٹ اٹھا کر خادمہ نے جب باہر پھینکا تو ایک انگریز لڑکا دَوڑ کر آیا اور اُس نے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر میں سے ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر کھا لیا۔

اسی طرح برنڈزی [۵۸] میں مَیں نے دیکھا کہ عورتیں اپنے سروں پر برتن رکھ کر پانی لینے جاتی تھیں اور ان کے بچوں نے جو پتلونیں پہنی ہوئی ہوتی تھیں ان کا کچھ حصہ کسی کپڑے کا ہوتا تھا اور کچھ حصہ کسی کپڑے کا مگر کہا یہی جاتا ہے کہ انگریز بڑے دولتمند ہیں۔

غرض قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ افراد کے ذریعہ وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ کئی وعدے قوم سے ہی ہوتے ہیں لیکن پورے وہ افرد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں اپنے انبیاء مبعوث کئے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور اس نے تم کو بادشاہ بنایا۔ اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ سب بنی اسرائیل بادشاہ بن گئے تھے۔ یقیناً بنی اسرائیل میں بڑے بڑے غریب بھی ہوں گے مگر موسیٰؑ ان سے یہی فرماتے ہیں کہ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس نے تم سب کو بادشاہ بنایا۔ مراد یہی ہے کہ جب کسی قوم میں سے بادشاہ ہو تو چونکہ وہ قوم اُن انعامات اور فوائد سے حصہ پاتی ہے جو بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے بالفاظ دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہوگئی (غرض جب جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کی موجودگی کے باوجود اس آیت کے یہ معنی نہیں کئے جاتے کہ ہر یہودی بادشاہ بنا تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے یہ کیونکر نتیجہ نکال لیا جاتا

ہے کہ یہ وعدہ بعض افراد کے ذریعہ پورا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُمت کے ہر فرد کو خلافت کا انعام ملنا چاہئے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ یہود کے متعلق جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا تو مفسرین نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ گو بادشاہت چند افراد کو ہی ملی مگر چونکہ اُن کے ذریعہ قوم کا عام معیار بلند ہو گیا اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب کو بادشاہت ملی۔ مگر جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ وعدہ سب قوم سے ہے ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ بعض افراد کے ذریعہ یہ وعدہ پورا ہؤا حالانکہ اگر اس سے قومی غلبہ ہی مراد لے لیا جائے تو بھی ہر مؤمن کو یہ غلبہ کہاں حاصل ہوتا ہے۔ پھر بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض کو غلبہ ملتا ہے اور بعض کو نہیں ملتا۔ صحابہؓ میں سے بھی کئی ایسے تھے جو قومی غلبہ کے زمانہ میں بھی غریب ہی رہے اور ان کی مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ ہوئی) حضرت ابو ہریرہؓ کا ہی لطیفہ ہے۔ جب حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی آپس میں جنگ ہوئی اور صفّین کے مقام پر دونوں لشکروں نے ڈیرے ڈال دیئے تو باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے کیمپوں میں ایک ایک میل کا فاصلہ تھا جب نماز کا وقت آتا تو حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ کے کیمپ میں آ جاتے اور جب کھانے کا وقت آتا تو حضرت معاویہؓ کے کیمپ میں چلے جاتے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں اُدھر حضرت علیؓ کی مجلس میں چلے جاتے ہیں اور اِدھر معاویہؓ کی مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے۔ نماز علیؓ کے ہاں اچھی ہوتی ہے اور کھانا معاویہؓ کے ہاں اچھا ملتا ہے اس لئے جب نماز کا وقت ہوتا ہے مَیں اُدھر چلا جاتا ہوں اور جب روٹی کا وقت آتا ہے تو اِدھر آ جاتا ہوں۔ معاویہؓ کے ہاں سے انہیں چونکہ کھانے کیلئے پلاؤ اور تنجن وغیرہ ملتا تھا اس لئے وہ اُس وقت اُدھر چلے جاتے مگر نماز چونکہ حضرت علیؓ کی رقّت اور سوز والی ہوتی تھی اس لئے نماز کے وقت وہ آپ کے ساتھ شریک ہو جاتے۔

ایک غیر مبائع دوست کا لطیفہ

ہمارے بعض غیر مبائع دوستوں کا بھی ایسا ہی حال ہے بلکہ اُن کا لطیفہ تو ابو ہریرہؓ کے لطیفے

سے بھی بڑھ کر ہے۔مَیں ایک دفعہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے ہاں بیٹھا ہؤا تھا کہ کسی دوست نے ایک غیر مبائع کے متعلق بتایا کہ وہ کہتے ہیں عقائد تو ہمارے ہی درست ہیں مگر دعائیں میاں صاحب کی زیادہ قبول ہوتی ہیں۔گویا جیسے ابوہریرہؓ نے کہا تھا کہ روٹی معاویہؓ کے ہاں سے اچھی ملتی ہے اور نماز علیؓ کے ہاں اچھی ہوتی ہے۔اسی طرح اُس نے کہا عقائد تو ہمارے ٹھیک ہیں مگر دعائیں اِن کی قبول ہوتی ہیں۔

غرض قوم میں بادشاہت کے آ جانے کے باوجود پھر بھی کئی لوگ غریب ہی رہتے ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ وہ قوم بادشاہ ہے حالانکہ بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے باقی سب بادشاہ نہیں ہوتے۔ اِسی طرح یہود کے متعلق یہ کہا گیا کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۔اگر یہی ضروری ہے کہ جب خدا یہ کہے کہ مَیں نے تم کو بادشاہ بنایا تو قوم کا ہر فرد بادشاہ بنے تو ثابت کرنا چاہئے کہ ہر یہودی کو خدا نے بادشاہ بنایا۔مگر ایسا کوئی ثابت نہیں کر سکتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ جب کسی قوم میں سے بادشاہ ہو تو چونکہ وہ تمام قوم بادشاہت کے فوائد سے حصہ پاتی ہے اس لئے ہم دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قوم بادشاہ ہوگئی۔ اِسی طرح جب کسی قوم میں سے بعض افراد کو خلافت مل جائے تو یہی کہا جائے گا کہ اُس قوم کو وہ انعام ملا۔ یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہر فرد کو یہ انعام ملے۔

دوسری مثال اس کی یہ آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ [59] کہ جب یہود سے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں جو کچھ اُترا ہے اُس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ہم تو اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہؤا ہے۔اب یہ امر صاف ظاہر ہے کہ وحی اُن پر نہیں اُتری تھی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔ مگر وہ کہتے ہیں ''ہم پر اُتری'' گویا وہ حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء علیہم السلام کے کلام کے متعلق اُنْزِلَ عَلَيْنَا کہتے ہیں حالانکہ وہ کلام اُن پر نہیں بلکہ اُن کے انبیاء پر اُترا تھا۔پس بعض افراد پر جو ایسا انعام نازل ہو جس سے ساری قوم کو فائدہ پہنچتا ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ ساری قوم کو ملا۔مثلاً زید کے پاس روپیہ ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سارا شہر دولتمند ہے لیکن

اگر شہر میں ایک عالم بھی ایسا ہو جو درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کی علمی خدمت کر رہا ہو تو اس شہر کو عالموں کا شہر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ قادیان میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ عالم بھی ہیں جاہل بھی ہیں، دُکاندار بھی ہیں، مزدور بھی ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں اور اَن پڑھ بھی ہیں، مگر اِرد گرد کے دیہات میں قادیان کے جب بھی دو چار آدمی چلے جائیں تو وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ''قادیان کے مولوی'' آ گئے چاہے وہ اینٹیں ڈھونے والے مزدور ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ قادیان میں ہر وقت علم کا چرچا رہتا ہے اور اس علمی چرچے کی وجہ سے قادیان کے ہر آدمی کو مولوی کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے باپ حکیم ہوتا ہے تو بیٹا خواہ طِبّ کا ایک حرف بھی نہ جانتا ہو اُسے لوگ حکیم کہنے لگ جاتے ہیں۔ تو جہاں شدید نسبت ہوتی ہے وہاں اس نسبت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اُس کی وجہ سے افراد بھی اس میں شریک سمجھے جاتے ہیں۔ جب کسی نبی پر خدا کا کلام نازل ہو تو وہ نبی جس قوم میں سے ہو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر خدا کا کلام نازل ہؤا حالانکہ کلام نبی پر نازل ہوتا ہے۔ اسی طرح قوم میں سے کوئی بادشاہ ہو تو ساری قوم کو بادشاہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ انگلستان میں کئی ایسے غریب لوگ ہیں جو دوسروں سے بھیک مانگتے ہیں لیکن ہندوستان میں اگر وہاں کا ایک چوہڑا بھی آ جائے تو اسے لوگ دور سے سلام کرنے لگ جاتے ہیں۔ پولیس والے بھی خیال رکھتے ہیں کہ ''صاحب بہادر'' کی کوئی ہتک نہ کر دے حالانکہ اپنے ملک میں اُسے کوئی اعزاز حاصل نہیں ہوتا مگر چونکہ قوم کے بعض افراد کو بادشاہت مل گئی اس لئے قوم کا ہر فرد معزز سمجھا جانے لگا۔

کچھ عرصہ ہؤا ہندوستان کے ایک راجہ صاحب ولایت گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے اور بمبئی میں پہنچے تو انہیں کوئی ضروری کام تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ بندرگاہ سے جلدی نکلنے کی اجازت مل جائے۔ پاسپورٹ دیکھنے پر ایک انگریز مقرر تھا۔ وہ جلدی سے پاسپورٹ لے کر آگے بڑھے اور کہا کہ میرا پاسپورٹ دیکھ لیجئے مجھے ایک ضروری کام ہے اور مَیں نے جلدی جانا ہے مگر اس نے کہا ٹھہرو مَیں باری باری دیکھوں گا۔ چنانچہ اس نے راجہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور سب کے بعد اسے گزرنے کی اجازت دی۔ اس پر اخبارات میں

بڑا شور اُٹھا کہ راجہ صاحب کی ہتک ہوئی ہے مگر کسی نے اس انگریز کو پوچھا تک نہیں کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔

تو جس قوم کو غلبہ حاصل ہو اس کے غرباء کو بھی ایک رنگ کی عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ امریکہ میں جب شراب کی بندش ہوئی تو اُس وقت بعض غیر ممالک کے جہاز چوری چوری وہاں شراب پہنچاتے تھے۔ایک دفعہ ایک انگریزی جہاز وہاں شراب لے گیا۔اتفاقاً امریکہ والوں کو علم ہو گیا اور اُن کے جہازوں نے اُس جہاز کا تعاقب کیا مگر اِس دوران میں وہ ساحلِ امریکہ سے تین میل دور نکل آیا اگر اُس حد کے اندر جہاز گرفتار ہو جاتا تو اور بات تھی مگر اب چونکہ یہ جہاز امریکہ کی مقررہ حد سے باہر نکل آیا اس لئے بے فکر ہو کر چلنے لگ گیا۔ اس پر امریکہ کے جہازوں نے سگنل کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ٹھہر جاؤ اور اگر نہ ٹھہرے تو تم پر بمباری کی جائے گی اِس پر انگریزی جہاز نے اپنا جھنڈا اُونچا کر کے اُس پر بجلی کی روشنی ڈال دی۔ مطلب یہ تھا کہ پہلے یہ دیکھ لو کہ یہ جہاز کس قوم کا ہے اگر اس کے بعد بھی تم میں بمباری کی ہمت ہوئی تو بیشک کر لینا۔امریکہ والوں نے جب دیکھا کہ اس جہاز پر انگریزی جھنڈا لہرا رہا ہے تو وہ اُسی وقت واپس چلے گئے اور انہوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے اس کا مقابلہ کیا تو امریکہ اور انگلستان کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی۔

تو کوئی قوم جب غلبہ پا لیتی ہے تو بعض باتوں میں اس کے ادنیٰ افراد کو بھی عزت مل جاتی ہے۔ یہاں کے کئی ہندو دوستوں نے مجھے سنایا کہ جب وہ باہر جاتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں کہ وہ قادیان سے آئے ہیں تو لوگ اُن کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں، محض اس لئے کہ اُن کا قادیان سے تعلق ہوتا ہے۔عرب سے جب کوئی آدمی ہندوستان میں آئے تو ہمارے ہندوستانیوں کی عرب صاحب، عرب صاحب کہتے زبانیں خشک ہو جاتی ہیں حالانکہ اپنے ملک میں اُسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

اپنی جماعت کو ہی دیکھ لو۔ ہماری جماعت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کی نعمت رکھی ہوئی ہے اس لئے بہت سے فوائد قوم کو پہنچ رہے ہیں۔ کہیں کسی احمدی کو ذرا بھی تکلیف ہو تو ساری دنیا میں شور مچ جاتا ہے۔اسی طرح اگر لوگوں کو کسی امداد کی ضرورت ہو تو وہ قادیان

میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں سے اُن کی اکثر ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہمارے اندر بھی ویسا ہی تفرقہ ہوتا جیسا مسلمانوں کے اندر ہے تو نہ ہماری آواز میں کوئی طاقت ہوتی اور نہ مجموعی رنگ میں افرادِ جماعت کو وہ فوائد پہنچتے جو اَب پہنچ رہے ہیں۔

افغانستان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنیکا اثر

افغانستان میں جب ہماری جماعت کے بعض آدمی شہید ہوئے تو ہم نے صدائے احتجاج بلند کی اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی مؤثر ہوئی کہ چھ مہینے تک لنڈن کے گلی کوچوں میں اِس کا چرچا رہا اور افغانی سفیر کیلئے شرم کے مارے باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ جب بھی وہ نکلتا لوگ اُسے طعنے دیتے اور کہتے کہ کیا تمہارے ملک میں یہ آزادی ہے حالانکہ افغانستان میں روزانہ کئی پٹھان مارے جاتے ہیں اور کوئی ان کا ذکر تک نہیں کرتا۔ تو جماعتی نظام کی وجہ سے چونکہ افرادِ جماعت کو بہت کچھ فوائد حاصل ہوتے ہیں اس لئے جب قوم کے بعض افراد کو کوئی ایسا انعام ملتا ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ انعام اس قوم کو ملا کیونکہ قوم اُن انعامات اور فوائد سے حصہ پاتی ہے جو خلافت یا بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں۔ غرض چونکہ ملوکیّت کے ذریعہ سے ساری قوم کی عزت ہوتی ہے اس وجہ سے جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا فرمایا۔ اور چونکہ خلافت سے سب قوم نے نفع اُٹھانا تھا اور اُٹھایا اس لئے خلافت کے بارہ میں بھی یہی کہا کہ تم کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

خلافت ایک انتخابی چیز ہے جس میں سب قوم کا دخل ہوتا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ خلافت چونکہ انتخابی امر ہے اور انتخابی امر میں سب قوم کا دخل ہوتا ہے اس لئے انتخاب پر زور دینے کیلئے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کہا گیا کہ چونکہ یہ وعدہ قوم سے ہے اس لئے ورثہ کے طور پر یہ عہدہ نہیں مل سکتا بلکہ وہی خلیفہ ہوگا جس پر قوم جمع ہو۔ اس طرح انتخاب کے مسئلہ پر خاص طور پر زور دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ وہی شخص خلیفہ ہوسکتا ہے جس کی خلافت میں مؤمنوں کا ہاتھ ہو۔ بیشک یہ ایک الٰہی انعام ہے مگر یہ انعام ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ پہلے اپنے مؤمن بندوں کو دیتا ہے اور پھر ان کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے میں سے قابل ترین انسان کو

منتخب کر کے اسے دے دو۔ پس وہ مؤمنوں کے ذریعہ سے خلافت کا انتخاب کراتا ہے تاکہ خلافت ورثہ کے طور پر نہ چل پڑے۔ اور ہمیشہ اس غرض کے لئے قوم بہترین لوگوں کو منتخب کیا کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں اُمت مُسلمہ سے اس لئے وعدہ کیا ہے تا یہ امر ان کے ذہن نشین ہو جائے کہ خلافت کا وعدہ قومی ہے اور قوم کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا خلیفہ بنا دے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیوں کیا تھا؟

اگر کہا جائے کہ جب قوم کے انتخاب سے ہی کوئی خلیفہ ہوسکتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیوں کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یونہی نامزد نہیں کر دیا بلکہ پہلے صحابہؓ سے آپ کا مشورہ لینا ثابت ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ اور خلفاء کو خلیفہ کی وفات کے بعد منتخب کیا گیا اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں ہی منتخب کر لیا گیا۔ پھر آپ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ چند صحابہؓ سے مشورہ لینے کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہو بلکہ باوجود سخت نقاہت اور کمزوری کے آپ اپنی بیوی کا سہارا لے کر مسجد میں پہنچے اور لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! میں نے صحابہؓ سے مشورہ لینے کے بعد اپنے بعد خلافت کے لئے عمرؓ کو پسند کیا ہے کیا تمہیں بھی ان کی خلافت منظور ہے؟ اس پر تمام لوگوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ پس یہ بھی ایک رنگ میں انتخاب ہی تھا۔

کیا حضرت معاویہؓ کا یزید کو خلیفہ مقرر کرنا بھی انتخاب کہلا سکتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ پھر معاویہؓ کا یزید کو مقرر کرنا بھی انتخاب کہلائے گا کیونکہ انہوں نے بھی لوگوں کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود معاویہؓ کا انتخاب نہیں ہوا اور جب ان کی اپنی خلافت ہی ثابت نہیں تو ان کے بیٹے کی خلافت کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔ ہم یزید کو معاویہ کا جانشین ماننے کیلئے تیار ہیں مگر ہم اسے خلیفہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ خلافت خود معاویہؓ کی بھی ثابت نہیں پھر ان کے بیٹے کی کس طرح ثابت ہو جائے۔ معاویہؓ ایک دُنیوی بادشاہ تھے اس

لئے یزید کو بھی ہم ایک دُنیوی بادشاہ مان سکتے ہیں مگر خلیفہ تو نہ معاویہؓ تھے اور نہ یزید۔

پھر معاویہؓ نے جب یزید کے متعلق لوگوں سے مشورہ لیا تو اُس وقت وہ لوگوں کے حاکم تھے۔ ایسی صورت میں جو انہوں نے مشورہ لیا وہ کوئی مشورہ نہیں کہلا سکتا کیونکہ مشورہ میں آزادی ضروری ہے لیکن جہاں آزادی نہ ہو اور جہاں بادشاہ اپنی رعایا سے کہہ رہا ہو کہ میرے بیٹے کی بیعت کر لو وہاں رعایا مشورہ دینے میں کہاں آزاد ہو سکتی ہے اور کب وہ اس کی بات کا انکار کر سکتی ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے افغانستان کا بادشاہ اپنی رعایا سے کہہ دے کہ اے لوگو! مجھے خلیفہ مان لو اور جب وہ مان لیں تو کہہ دے لوگوں نے مجھے حکومت کے لئے منتخب کیا ہے۔ یہ ہرگز انتخاب نہیں کہلا سکتا اور نہ اس قسم کا مشورہ مشورہ کہلا سکتا ہے۔ مشورہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب لوگ آزاد ہوں اور ہر ایک کو اجازت ہو کہ وہ مخلّی بالطبع ہو کر جس کا نام چاہے پیش کرے۔ پس اوّل تو معاویہؓ خود خلیفہ نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے۔ دوسرے انہوں نے بادشاہ ہونے کی حالت میں اپنے بیٹے کی خلافت کا لوگوں کے سامنے معاملہ پیش کیا اور یہ ہرگز کوئی مشورہ یا انتخاب نہیں کہلا سکتا۔

باپ کا اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے تجویز کرنا سنتِ صحابہؓ کے خلاف ہے

پھر باپ کا بیٹے کو خلافت کیلئے پیش کرنا بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حقیقی انتخاب نہیں تھا کیونکہ باپ کا اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے پیش کرنا سنتِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے قریب آپ کے پاس لوگوں کے کئی وفود گئے اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ آپ کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ اہل آپ کا بیٹا عبداللہ ہے آپ اسے خلیفہ مقرر کر جائیں۔ مگر آپ نے فرمایا مسلمانوں کی گردنیں ایک لمبے عرصہ تک ہمارے خاندان کے آگے جُھکی رہی ہیں۔ اَب میں چاہتا ہوں کہ یہ نعمت کسی اور کو ملے۔[۶۰] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد لوگ آپ کے بیٹے عبداللہ کو خلافت کیلئے منتخب کرتے تو یہ اور بات ہوتی مگر یہ جائز نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے خود نامزد کر جاتے۔ اسی طرح اگر معاویہؓ اپنی موجودگی میں یزید کا معاملہ لوگوں کے سامنے پیش نہ کرتے اور بعد میں قوم اسے منتخب کرتی تو

ہم اسے انتخابی بادشاہ کہہ سکتے تھے مگر اب تو نہ ہم اسے خلیفہ کہہ سکتے ہیں اور نہ انتخابی بادشاہ۔ہم معاویہؓ کو گنہگار نہیں کہتے انہوں نے اُس وقت کے حالات سے مجبور ہو کر ایسا کیا مگر یزید کو بھی بلکہ خود معاویہؓ کو بھی خلیفہ نہیں کہہ سکتے، ایک بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ یزید کا معاملہ تو جب معاویہؓ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا اُس وقت تمام صحابہؓ اسے ایک تمسخر سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ معاویہؓ نے جب لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اے مسلمانو! تم جانتے ہو ہمارا خاندان عرب کے رؤساء میں سے ہے۔ پس آج مجھ سے زیادہ حکومت کا کون مستحق ہو سکتا ہے اور میرے بعد میرے بیٹے سے زیادہ کون مستحق ہے تو اُس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایک کونہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں جب میں نے معاویہؓ کو یہ بات کہتے سنا تو وہ چادر جو میں نے اپنے پاؤں کے گرد لپیٹ رکھی تھی اُس کے بند کھولے اور میں نے ارادہ کیا کہ کھڑے ہو کر معاویہؓ سے یہ کہوں کہ اے معاویہؓ! اِس مقام کا تجھ سے زیادہ حقدار وہ ہے جس کا باپ تیرے باپ کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر لڑتا رہا اور جو خود اسلامی لشکروں میں تیرے اور تیرے باپ کے مقابلہ میں جنگوں میں شامل رہا ہے۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ یہ دنیا کی چیزیں میں نے کیا کرنی ہیں اس سے فتنہ اُٹھے گا اور مسلمانوں کی طاقت اور زیادہ کمزور ہو جائے گی۔ چنانچہ میں پھر بیٹھ گیا اور میں نے معاویہؓ کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھائی۔ تو صحابہؓ معاویہؓ کی اس حرکت کو بالکل لغو سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

یزید کے ایک بیٹے کی تختِ حکومت سے دستبرداری

پھر یزید کی خلافت پر دوسرے لوگوں کی رضا تو الگ رہی خود اس کا اپنا بیٹا متفق نہ تھا بلکہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی بادشاہت سے انکار کر کے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے مگر میں نہیں جانتا مسلمان مؤرخین نے کیوں اس واقعہ کو زیادہ استعمال نہیں کیا۔ حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ اس واقعہ کو بار بار دُہراتے کیونکہ یہ یزید کے مظالم کا ایک عبرتناک ثبوت ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ یزید کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا تخت نشین ہؤا جس کا نام بھی اپنے دادا کے نام پر معاویہ ہی تھا تو لوگوں سے بیعت لینے کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور چالیس دن تک باہر نہیں نکلا۔ پھر ایک دن وہ باہر آیا اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میں نے تم سے اپنے ہاتھوں پر بیعت لی ہے مگر اس لئے نہیں کہ میں اپنے آپ کو تم سے بیعت لینے کا اہل سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ تم میں تفرقہ پیدا نہ ہو اور اُس وقت سے لیکر اب تک میں گھر میں یہی سوچتا رہا کہ اگر تم میں کوئی شخص لوگوں سے بیعت لینے کا اہل ہو تو میں یہ امارت اُس کے سپرد کر دوں اور خود بری الذمّہ ہو جاؤں مگر باوجود بہت غور کرنے کے مجھے تم میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا اس لئے اے لوگو! یہ اچھی طرح سن لو کہ میں اِس مَنصب کے اہل نہیں ہوں اور میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا باپ اور میرا دادا بھی اِس منصب کے اہل نہیں تھے۔ میرا باپ حسینؓ سے درجہ میں بہت کم تھا اور اس کا باپ حسنؓ حسینؓ کے باپ سے کم درجہ رکھتا تھا۔ علیؓ اپنے وقت میں خلافت کا حقدار تھا اور اس کے بعد بہ نسبت میرے دادا اور باپ کے حسنؓ اور حسینؓ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اس لئے میں اس امارت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ [۶۱] اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ جس کی چاہو بیعت کرلو۔ اس کی ماں اُس وقت پردہ کے پیچھے اُس کی تقریر سن رہی تھی جب اُس نے اپنے بیٹے کے یہ الفاظ سنے تو بڑے غصہ سے کہنے لگی کہ کمبخت! تو نے اپنے خاندان کی ناک کاٹ دی ہے اور اس کی تمام عزت خاک میں ملا دی ہے۔ وہ کہنے لگا جو سچی بات تھی وہ میں نے کہہ دی ہے اب آپ کی جو مرضی ہو مجھے کہیں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں بیٹھ گیا اور تھوڑے ہی دن گزرنے کے بعد وفات پا گیا۔

یہ کتنی زبردست شہادت اس بات کی ہے کہ یزید کی خلافت پر دوسرے لوگوں کی رضا تو الگ رہی خود اس کا اپنا بیٹا بھی متفق نہ تھا۔ یہ نہیں کہ بیٹے نے کسی لالچ کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ یہ بھی نہیں کہ اس نے کسی مخالفت کے ڈر سے ایسا کیا ہو بلکہ اس نے اپنے دل میں سنجیدگی کے ساتھ غور اور فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میرے دادا سے علیؓ کا حق زیادہ تھا اور میرے باپ سے حسنؓ حسینؓ کا۔ اور میں اس بوجھ کو اُٹھانے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ پس معاویہؓ کا یزید کو مقرر کرنا کوئی

انتخاب نہیں کہلا سکتا۔

آیتِ استخلاف کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تشریح

تیسرا جواب احمدیوں کیلئے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے ''سِرّ الخلافہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَعَدَ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتِ لِلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ اَنَّهٗ سَیَسْتَخْلِفَنَّ بَعْضَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُمْ فَضْلاً وَرَحْمَةً ۶۲؎ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں سے بعض کو اپنے فضل اور رحم کے ساتھ خلیفہ بنائے گا۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں ساری قوم مراد نہیں بلکہ بعض افرادِ اُمت مراد ہیں تو کم از کم کوئی احمدی یہ معنی نہیں کر سکتا کہ یہاں ساری قوم مراد ہے۔

خلافتِ محمدیہ کا اِستنباط

چوتھا جواب بھی احمدیوں کیلئے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا اس آیت سے اپنی خلافتِ محمدیہ کا استنباط کیا ہے اور اس وعدہ میں خلافتِ نبوت بھی شامل کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خلافتِ نبوت سے ساری قوم مراد نہیں ہو سکتی بلکہ بعض افراد ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں بادشاہت کا ذکر کیا ہے وہاں تو یہ فرمایا ہے کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس نے تم کو بادشاہ بنایا مگر جب نبوت کا ذکر کیا تو جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْبِیَاءَ فرمایا۔ یعنی اس نے تم میں انبیاء مبعوث فرمائے اور اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے فلاں قوم کو بادشاہ بنایا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں قوم کو نبی بنایا۔ پس اگر نبوت کا وعدہ ساری قوم کو مخاطب کرنے کے باوجود بعض اشخاص کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے تو خلافت کا وعدہ بھی ساری قوم کو مخاطب کرنے کے باوجود بعض اشخاص کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح وعدے کے ایک حصے کا ایفاء ہؤا اسی طرح وعدہ کے دوسرے حصے کا ایفاء ممکن ہے۔

خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت

پانچواں جواب اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فعل نے اس پر شہادت دے دی ہے کہ اس کی اس آیت سے کیا مراد ہے۔ خدا نے یہ کہا تھا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ وہ ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہنے والوں کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی اس سے یہ مراد تھی کہ ہم جمہوریت قائم کر دیں گے تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمہوریت قائم ہوئی یا نہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء تھا کہ بعض افرادِ اُمت کو خلافت ملے گی اور ان کی وجہ سے تمام قوم برکاتِ خلافت کی مستحق قرار پا جائے گی تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ آیا اس رنگ میں مسلمانوں میں خلافت قائم ہوئی یا نہیں۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس طرح اس نے یہ وعدہ پورا کیا وہی اس آیت سے مراد ہوسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ عمدگی کے ساتھ اور کوئی پورا نہیں کرسکتا۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض افرادِ امت کو ہی خلافت ملی سب کو خلافت نہیں ملی۔ پس یا تو یہ مانو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق نہیں رہے تھے اور جس طرح شیعہ کہتے ہیں کہ اُمت میں صرف اڑھائی مؤمن تھے اسی طرح یہ تسلیم کرلو کہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سب منافق ہی منافق رہ گئے تھے، اس لئے خلافتِ قومی کا وعدہ ان سے پورا نہ ہؤا اور اگر وہ ایمان اور عمل صالح پر قائم تھے تو پھر اگر ان سے ہی صحیح رنگ میں یہ وعدہ پورا نہیں ہؤا تو اور کس سے ہوسکتا ہے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں جس رنگ میں خلافت قائم کی وہ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت بتا رہی ہے کہ قوم سے اس وعدہ کو بعض افراد کے ذریعہ سے ہی پورا کیا جائے گا۔

خلفائے اربعہ کی پہلے خلفاء سے ہر رنگ میں مشابہت ضروری نہیں

دوسرا اعتراض اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ بہت اچھا ہم نے مان لیا کہ اس آیت میں افراد کی خلافت کا ذکر ہے مگر تم خود تسلیم کرتے ہو کہ پہلوں میں خلافت، یا نبوت کے ذریعہ سے ہوئی یا ملوک کے ذریعہ۔ مگر خلفائے اربعہ کو تم نہ نبی مانتے ہو نہ ملوک۔ پھر یہ وعدہ کس طرح پورا ہوا اور وہ اس آیت کے کس طرح مصداق ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں پہلوں کو خلافت یا تو نبوت کی شکل میں ملی یا ملوکیت کی صورت میں۔ مگر مشابہت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر رنگ میں مشابہت ہو بلکہ صرف اصولی رنگ میں مشابہت دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً کسی لمبے آدمی کا ہم ذکر کریں اور پھر کسی دوسرے کے متعلق کہیں کہ وہ بھی ویسا ہی لمبا ہے تو اب کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ تم نے دونوں کو لمبا قرار دیا ہے تو یہ مشابہت کس طرح درست ہوئی جبکہ ان میں سے ایک چور ہے اور دوسرا نمازی یا ایک عالم ہے اور دوسرا جاہل بلکہ صرف لمبائی میں مشابہت دیکھی جائے گی۔ ہر بات اور ہر حالت میں مشابہت نہیں دیکھی جائے گی۔ اس کی مثال قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [۶۳] کہ ہم نے تمہاری طرف اپنا ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اور وہ ویسا ہی رسول ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں مشابہت بیان کی ہے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے مگر رسول کریم ﷺ ساری دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا زمانہ صرف چند سَو سال تک ممتد تھا اور آخر وہ ختم ہو گیا مگر رسول کریم ﷺ کی رسالت کا زمانہ قیامت تک کیلئے ہے۔ یہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں اہم فرق ہیں مگر باوجود ان اختلافات کے مسلمان یہی کہتے ہیں بلکہ قرآن کہتا ہے

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل ہیں حالانکہ نہ تو رسول کریم ﷺ فرعون کی طرح کے کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث ہوئے، نہ آپ کسی ایک قوم کی طرف تھے بلکہ سب دنیا کی طرف تھے اور نہ آپ کی رسالت کسی زمانہ میں موسیٰؑ کی رسالت کی طرح ختم ہونے والی تھی۔ پس باوجود ان اہم اختلافات کے اگر آپ کی مشابہت میں فرق نہیں آتا تو اگر پہلوں کی خلافت سے جزوی امور میں خلفائے اسلام مختلف ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت صرف ان معنوں میں ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک شریعت کی کتاب ملی جو اپنے زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے تمام مضامین پر حاوی اور کامل تھی اسی طرح رسول کریم ﷺ کو ایک شریعت کی کتاب ملی جو قیامت تک کی ضروریات کیلئے تمام مضامین پر حاوی اور کامل ہے گو تورات سے وہ بہرحال کئی درجے افضل اور اعلیٰ ہے۔ پھر جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ ان کی وفات کے بعد اپنے انبیاء کے ذریعہ چلاتا رہا اسی طرح اُمت محمدیہ میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہوگی اللہ تعالیٰ ایسے لوگ کھڑا کرتا رہے گا جو اِن خرابیوں کی اصلاح کریں گے۔ اسی طرح اس مشابہت کے ذریعے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیرہ سَو سال بعد ایک مسیح آیا اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سَو سال بعد مسیح موعود آئے گا۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک خاص زمانہ اور ایک خاص قوم کیلئے تھے اسی طرح رسول کریم ﷺ کی رسالت بھی کسی خاص زمانہ یا خاص قوم کیلئے مخصوص ہوگی۔ پس اگر پہلوں کی خلافت سے خلفائے راشدین کی بعض باتوں میں مشابہت ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی مشابہت ثابت ہوگئی۔ یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہر بات میں پہلوں سے ان کی مشابہت دیکھی جائے۔ اصل امر تو یہ ہے کہ جس طرح ان کی قوم کو ان کی وفات کے بعد سنبھالنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بعض وجود کھڑے کئے اسی طرح بتایا گیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ایسے وجود کھڑے کرے گا جو آپ کی اُمت کو سنبھال لیں گے اور یہ مقصد بہ نسبت پہلے خلفاء کے رسول کریم ﷺ کے خلفاء نے

زیادہ پورا کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائم مقام نبی تھے، اسی طرح اور انبیاء جب وفات پا جاتے تو ان کے کام کو جاری رکھنے کیلئے انبیاء ہی ان کے جانشین مقرر کئے جاتے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے انبیاء کے ذریعہ جو تمکینِ دین ہوئی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ذریعہ نہیں ہوئی۔ اگر بصیرت اور شعور کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا جائے تو اقرار کرنا پڑے گا کہ تمکینِ دین کے سلسلہ میں یوشعؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ وہ کام نہیں کر سکے جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ نے کیا۔ نادان انسان کہے گا کہ تم نے نبیوں کی ہتک کی مگر اس میں ہتک کی کوئی بات نہیں۔ جب نبوت کا سوال آئے گا تو ہم کہیں گے کہ ابوبکرؓ نبی نہیں، عمرؓ نبی نہیں، عثمانؓ نبی نہیں، علیؓ نبی نہیں مگر جب تمکینِ دین کا سوال آئے گا تو ہم کہیں گے کہ اس حصہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع خلفاء یقیناً پہلے انبیاء سے بڑھ کر ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء چونکہ کامل شریعت لے کر نہ آئے تھے اِس لئے اُن کے بعد یا نبی مبعوث ہوئے یا ملوک پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب اصلاحِ خلق کیلئے الہام کی ضرورت ہوتی تو نبی کھڑا کر دیا جاتا مگر اُسے نبوت کا مقام براہِ راست حاصل ہوتا اور جب نظام میں خلل واقع ہوتا تو کسی کو بادشاہ بنا دیا جاتا اور چونکہ لوگوں کو ابھی اس قدر ذہنی ارتقاء حاصل نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے آپ جدوجہد کر سکتے اس لئے نہ صرف انبیاء کو اللہ تعالیٰ براہِ راست مقامِ نبوت عطا فرماتا بلکہ ملوک بھی خدا کی طرف سے ہی مقرر کئے جاتے تھے۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا [۶۴] طالوت کو تمہارے لئے خدا نے بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ گویا ابھی لوگ اِس قابل نہیں ہوئے تھے کہ خود اپنے بادشاہ کا بھی انتخاب کر سکیں اور نہ شریعت اتنی کامل تھی کہ اُس کے فیضان کی وجہ سے کسی کو مقامِ نبوت حاصل ہو سکتا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک کامل تعلیم لے کر آئے تھے اس لئے دونوں قسم کے خلفاء میں فرق ہو گیا۔ پہلے انبیاء کے خلیفے تو نبی ہی ہوتے تھے گو انہیں نبوت مستقل اور براہِ راست حاصل ہوتی تھی اور اگر انتظامی امور چلانے کیلئے ملوک مقرر ہوتے تو وہ انتخابی

نہ ہوتے بلکہ یا تو ورثہ کے طور پر ملوکیت کو حاصل کرتے یا نبی اُنہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت بطور بادشاہ مقرر کر دیتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم چونکہ زیادہ اعلیٰ درجہ کی تھی اس لئے آپ کے بعد خلفائے انبیاء کی ضرورت نہ رہی اس کے ساتھ ہی ملوکیت کی ادنیٰ صورت کو اُڑا دیا گیا اور اُس کی ایک کامل صورت آپ کو دی گئی اور یہ ظاہر ہے کہ اسلامی خلافت کے ذریعہ سے جس طرح قوم کے ساتھ وعدہ پورا ہوتا ہے کہ اُس میں انتخاب کا عنصر رکھا گیا ہے اور قومی حقوق کو محفوظ کیا گیا ہے وہ پہلے بادشاہوں کی صورت میں نہ تھا اور زیادہ کامل صورت کا پیدا ہو جانا وعدہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ جیسے اگر کسی کے ساتھ پانچ روپے کا وعدہ کیا جائے اور اُسے دس روپے دے دیئے جائیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ پس اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلوں سے افضل تھے آپ کی خلافت بھی پہلے انبیاء کی خلافت سے افضل تھی۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سے مُراد روحانی خلفاء ہی ہیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ۶۵؎ یعنی میری اُمت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اُمتِ محمدیہ کا جو بھی عالم ہے وہ انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہے کیونکہ علماء کہلانے والے ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دینی اور اخلاقی حالت کو دیکھ کر رونا آتا ہے۔ میری عمر کوئی دس گیارہ برس کی ہوگی کہ نانا جان مرحوم کے ساتھ بعض چیزیں خریدنے کیلئے میں امرتسر گیا۔ رام باغ میں مَیں نے دیکھا کہ ایک مولوی صاحب ہاتھ میں عصا اور تسبیح لئے اور ایک لمبا سا جبہ پہنے جا رہے ہیں اور اُن کے پیچھے پیچھے ایک غریب شخص اُن کی منتیں کرتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ مولوی صاحب مجھے خدا کیلئے روپے دے دیں، مولوی صاحب مجھے خدا کیلئے روپے دے دیں۔ مولوی صاحب تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس کی طرف مڑ کر دیکھتے اور کہتے جا خبیث دُور ہو۔ آخر وہ بیچارہ تھک کر الگ ہو گیا۔ مَیں نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا بات تھی؟ وہ کہنے لگا مَیں نے اپنی شادی کیلئے بڑی مشکلوں سے سَو دوسَو روپیہ جمع کیا تھا اور اس شخص کو مولوی اور

دیندار سمجھ کر اس کے پاس امانتاً رکھ دیا تھا مگر اب مَیں روپیہ مانگتا ہوں تو یہ دیتا نہیں اور کہتا ہے کہ مَیں تجھے جانتا ہی نہیں کہ تُو کون ہے اور تو نے کب میرے پاس روپیہ رکھا تھا۔ اب بتاؤ ایسے علماء کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیلَ ہو سکتے ہیں؟ اور کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ان ننگِ اسلام علماء کے متعلق ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اِن علماء سے مراد دراصل خلفاء ہیں جو علماءِ رُوحانی ہوتے ہیں اور اِس ارشادِ نبوی سے اِس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ پہلے نبیوں کے بعد جو کام بعض دوسرے انبیاء سے لیا گیا تھا وہی کام میری اُمت میں اللہ تعالیٰ بعض علماءِ ربّانی یعنی خلفائے راشدین سے لے گا۔ چنانچہ موسیٰؑ کے بعد جو کام یوشعؑ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ سے لے گا اور جو کام داؤدؑ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ عمرؓ سے لے گا اور جو کام بعض اور انبیاء مثلاً سلیمانؑ وغیرہ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ عثمانؓ اور علیؓ سے لے گا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ مقام بخشا ہے کہ میری اُمت کے خلفاء وہی کام کریں گے جو انبیاء سابقین نے کیا۔ پس اس جگہ علماء سے مراد رشوتیں کھانے والے علماء نہیں بلکہ ابوبکرؓ عالم، عمرؓ عالم، عثمانؓ عالم اور علیؓ عالم مراد ہیں۔ چنانچہ جب ادنیٰ ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کو پیدا کر دیا اور پھر زیادہ روشن صورت میں جب زمانہ کو ایک نبی کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے پورا کر دیا۔ گو فرق یہ ہے کہ پہلے انبیاء براہ راست مقام نبوت حاصل کرتے تھے مگر آپ کو نبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی وجہ سے ملی۔

خلافتِ احمدیہ

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ آیا ہے۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ پہلے خلفاء اِس آیت کے ماتحت تھے کیونکہ اُن کے پاس نظامِ ملکی تھا لیکن اس آیت سے وہ خلافت جو احمدیہ جماعت میں ہے کیونکر ثابت ہوگئی کیونکہ ان کے پاس تو کوئی نظامِ مُلکی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ یہ کیا ہے کہ وہ اٰمَنُوْا اور وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی مصداق جماعت کو خلیفہ بنائے گا اور خلیفہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کا نائب ہوتا ہے۔ پس وعدہ کی ادنیٰ حدّ یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد اُس کے نائب ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ جس رنگ کا نبی ہوا گر اسی رنگ میں اس کا نائب بھی ہو جائے تو وعدہ کی ادنیٰ حدّ پوری ہو جاتی ہے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد مُلکی نظام نہ تھا اس لئے آپ کی امرِ نبوت میں جو شخص نیابت کرے وہ اس وعدہ کو پورا کر دیتا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مُلکی نظام عطا ہوتا تب تو اعتراض ہوسکتا تھا کہ آپ کے بعد کے خلفاء نے نیابت کس طرح کی مگر نظامِ مُلکی عطا نہ ہونے کی صورت میں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ جس نبی کا کوئی خلیفہ ہوا ُسے وہی چیز ملے گی جو نبی کے پاس ہوگی اور جو اُس کے پاس ہی نہیں ہوگی وہ اُس کے خلیفہ کو کس طرح مل جائے گی۔

حضرت خلیفہ اوّل کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی اور آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب بھی روپیہ کی ضرورت ہوا اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے روپیہ بھجوا دیتا ہے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کے پاس بتّیس روپے بطور امانت رکھے جو کسی ضرورت پر آپ نے خرچ کر لئے چند دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ میری امانت مجھے دے دیجئے۔ اُس وقت آپ کے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا مگر آپ نے اُسے فرمایا ذرا ٹھہر جائیں ابھی دیتا ہوں۔ دس پندرہ منٹ ہی گزرے ہونگے کہ باہر سے ایک مریض آیا اور اس نے فیس کے طور پر آپ کے سامنے کچھ روپے رکھ دیئے۔ حافظ روشن علی صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے انہیں حضرت خلیفۂ اوّل فرمانے لگے کہ یہ روپے گِن کر اس شخص کو دے دیں۔ انہوں نے روپے گِن کر دے دیئے اور رسید لے کر پھاڑ دی۔ بعد میں ہم نے حافظ روشن علی صاحب سے پوچھا کہ کتنے روپے تھے انہوں نے بتایا کہ جتنے روپے وہ مانگتا تھا بس اتنے ہی روپے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ عجیب در عجیب رنگ میں آپ کی مدد فرمایا کرتا تھا اور بسا اوقات نشان کے طور پر آپ پر مال و دولت کے عطایا ہو جایا کرتے تھے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ سب دُعا کی برکات ہیں مگر بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے تھے کہ آپ کو کیمیا کا نسخہ آتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل جب

وفات پا گئے تو دہلی کے ایک حکیم صاحب میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ مَیں آپ سے الگ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے انہیں موقع دے دیا۔ وہ پہلے تو مذہبی رنگ میں باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے آپ کے والد صاحب کو خدا تعالیٰ نے بڑا درجہ بخشا ہے وہ خدا تعالیٰ کے مأمور تھے اور جسے خدا تعالیٰ نے مأمور بنا دیا ہو اس کا بیٹا بھلا کہاں بخیل ہوسکتا ہے مجھے آپ سے ایک کام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں میری مدد کریں اور بُخل سے کام نہ لیں۔ میں نے کہا فرمائیے کیا کام ہے۔ وہ کہنے لگے مجھے کیمیا گری کا بڑا شوق ہے اور مَیں نے اپنی تمام عمر اس میں برباد کر دی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کو کیمیا کا نسخہ آتا تھا اب چونکہ آپ اُن کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے ہیں اس لئے وہ آپ کو ضرور کیمیا کا نسخہ بتا گئے ہونگے۔ پس مہربانی کر کے وہ نسخہ مجھے بتا دیجئے۔ مَیں نے کہا مجھے تو کیمیا کا کوئی نسخہ نہیں بتا گئے۔ وہ کہنے لگے یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ آپ اُن کی جگہ خلیفہ ہوں اور وہ آپ کو کیمیا کا نسخہ بھی نہ بتا گئے ہوں۔ غرض میں انہیں جتنا یقین دلاؤں کہ مجھے کیمیا کا کوئی نسخہ نہیں ملا اتنا ہی ان کے دل میں میرے بخل کے متعلق یقین بڑھتا چلا جائے میں انہیں بار بار کہوں کہ مجھے ایسے کسی نسخہ کا علم نہیں اور وہ پھر میری خوشامد کرنے لگ جائیں اور نہایت لجاجت سے کہیں کہ میری ساری عمر اس نسخہ کی تلاش میں گزر گئی ہے آپ تو بخل سے کام نہ لیں اور یہ نسخہ مجھے بتا دیں۔ آخر جب میں اُن کے اصرار سے بہت ہی تنگ آ گیا تو میرے دل میں خدا تعالیٰ نے ایک نکتہ ڈال دیا اور مَیں نے اُن سے کہا کہ گو مَیں مولوی صاحب کی جگہ خلیفہ بنا ہوں مگر آپ جانتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے مکان مجھے نہیں ملے۔ وہ کہنے لگے مکان کس کو ملے ہیں۔ مَیں نے کہا اُن کے بیٹوں کو۔ پھر مَیں نے کہا اُن کا ایک بڑا بھاری کتب خانہ تھا مگر وہ بھی مجھے نہیں ملا۔ پس جب کہ مجھے نہ اُن کے مکان ملے اور نہ اُن کا کتب خانہ ملا ہے تو وہ مجھے کیمیا کا نسخہ کس طرح بتا سکتے تھے۔ اگر انہوں نے یہ نسخہ کسی کو بتایا ہوگا تو اپنے بیٹوں کو بتایا ہوگا۔ آپ اُن کے پاس جائیں اور کہیں کہ وہ نسخہ آپ کو بتا دیں۔ چنانچہ وہ میرے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ عبدالحی مرحوم ان دنوں زندہ تھے وہ جاتے ہی اُن سے کہنے لگے کہ لائیے نسخہ۔ انہوں نے کہا نسخہ کیسا۔ کہنے لگے وہی

کیمیا کا نسخہ جو آپ کے والد صاحب جانتے تھے۔ اب وہ حیران کہ میں اسے کیا کہوں۔ آخر انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے کسی نسخے کا علم نہیں۔ اس پر وہ ناکام ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے باپ والا بخل بیٹے میں بھی موجود ہے۔ مَیں نے کہا۔ یہ آپ جانیں کہ وہ بخیل ہیں یا نہیں مگر مَیں اُن کے جس حصے کا خلیفہ ہوں وہی مجھے ملا ہے اور کچھ نہیں ملا۔

غرض جس رنگ کا کوئی شخص ہو اُسی رنگ کا اُس کا جانشین ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد مُلکی نظام نہیں تھا اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے خلفاء کے پاس کوئی نظامِ مُلکی کیوں نہیں؟

آیتِ استخلاف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت اور خلافت دونوں شامل ہیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خلافتِ نظامی ہی کے بارہ میں یہ نہیں آیا کہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ بلکہ اس آیت میں جس قدر وعدے ہیں سب کے ساتھ ہی یہ الفاظ لگتے ہیں۔ مگر غیر مبائعین میں سے بھی جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں جیسے شیخ مصری وغیرہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی نبوت کلی طور پر پہلے نبیوں کی قسم کی نبوت نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود لکھا ہے یہ نبوت پہلی نبوتوں سے ایک بڑا اختلاف رکھتی ہے اور وہ یہ کہ پہلے نبی مستقل نبی تھے اور آپ اُمتی نبی ہیں۔ پس جس طرح آپ کی نبوت کے پہلے نبیوں کی نبوت سے مختلف ہونے کے باوجود اس وعدہ کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح خلافت کے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی اس وعدہ کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ اور اگر بعض باتوں میں پہلی خلافتوں سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے یہ خلافت اس آیت سے باہر نکل جاتی ہے تو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی اس آیت کے ماتحت نہیں آتی کیونکہ اگر ہماری خلافت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت سے کچھ اختلاف رکھتی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی پہلے نبیوں سے کچھ اختلاف رکھتی ہے۔ پس اگر ہماری خلافت اس آیت کے ماتحت نہیں آتی تو ماننا پڑے گا کہ

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی اس آیت کے ماتحت نہیں آتی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس نبوت کو باوجود مختلف ہونے کے اسی آیت کے ماتحت قرار دیتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پہلی نبوتوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس آیت کے وعدہ میں شامل ہے اِسی طرح یہ خلافت باوجود پہلی خلافتوں سے ایک اختلاف رکھنے کے اِس آیت کے وعدہ میں شامل ہے۔

حضرت مسیح ناصریؑ کے خلفاء بھی نظامِ مُلکی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے

تیسرا جواب یہ ہے کہ مسیح ناصریؑ کے بعد کے خلفاء بھی نظامِ ملکی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ آپ کے بعد کوئی خلیفہ ہؤا ہی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ مَا کَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ [۶۶]۔ کہ دنیا میں کوئی بھی ایسی نبوت نہیں گزری جس کے پیچھے اُسی قسم کی خلافت قائم نہ ہوئی ہو۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی تو آپ کے بعد ویسی ہی خلافت کے قیام کو ماننا ہمارے لئے ضروری ہے بصورت دیگر معترضین کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں تھے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کو نبوت کے بعد لازمی قرار دیا ہے۔

دوسرے مسیحی لوگ پطرس کو خلیفہ مانتے چلے آئے ہیں۔ پس جب کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ کے بعد ضرور خلافت ہوئی اور مسیحی خود اقرار کرتے ہیں کہ پطرس حضرت مسیح ناصریؑ کا خلیفہ تھا تو پھر یہ تیسرا گروہ کہاں سے پیدا ہو گیا جو کہتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی خلیفہ ہی نہیں ہؤا جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب انہوں نے بھی فرما دیا کہ ہر نبی کے بعد خلافت قائم ہوئی ہے اور جب عیسائی جن کے گھر کا یہ معاملہ ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے بعد خلافت قائم ہوئی اور جب کہ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے تو پھر اس سے انکار کرنا محض ضد ہے۔ اگر کہا جائے کہ بعض مسیحی انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی خلفاء اربعہ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے، بعض کے ردّ کر دینے سے مسئلہ تو ردّ نہیں ہو جاتا۔

تیسرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''الوصیت'' میں مسیحیوں کے بارہ میں ایسا انتظام تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اَخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے وقت میں ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا...... ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہؤا...... ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہؤا''۔ [۶۷]

گویا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اِسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے بعد بھی خلافت قائم ہوئی۔ پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خلافت قائم نہیں ہوئی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس صریح ارشاد کے خلاف قدم اٹھاتا ہے اور ایک ایسی بات پیش کرتا ہے جس کی نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے تائید ہوتی ہے نہ تاریخ سے تائید ہوتی ہے اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تائید کرتے ہیں۔

مخالفین کا ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس آیت سے افراد مراد لئے جائیں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وعدہ دو قسم کے وجودوں کے متعلق ہے۔ ایک نبیوں کے متعلق

اور ایک بادشاہوں کے متعلق ۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قسم کے نبی آیا کرتے تھے اُن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا اور بادشاہت کو آپ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ صاف فرما دیا کہ میرے بعد کے خلفاء بادشاہ نہ ہونگے تو پھر کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ اس آیت میں وعدہ قوم سے ہی ہے افراد سے نہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی نبوت بھی ختم ہوگئی اور پہلی قسم کی ملوکیت بھی ختم ہوگئی لیکن کسی خاص قسم کے ختم ہو جانے سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس کا قائم مقام جو اس سے اعلیٰ ہو وہ نہیں آ سکتا ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سب انبیاء سے نرالے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے بعد کا نظام بھی سب نظاموں سے نرالا ہو ۔ اس کا نرالا ہونا اُسے مشابہت سے نکال نہیں دیتا بلکہ اس کے حسن اور خوبصورتی کو اَور زیادہ بڑھا دیتا ہے ۔ چنانچہ آپ چونکہ کامل نبی تھے اور دنیا میں کامل شریعت لائے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے بعد ایسے نبی ہوتے جو آپ سے فیضان حاصل کر کے مقامِ نبوت حاصل کرتے اسی طرح آپ کا نظام چونکہ تمام نظاموں سے زیادہ کامل تھا اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے بعد ایسے خلفاء ہوتے جو پبلک طور پر منتخب ہوتے ۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی اور ملوکیت بھی ایک نئے رنگ میں ڈھال دی اور پہلی قسم کی نبوت اور پہلی قسم کی ملوکیت کو ختم کر دیا ۔

پہلے انبیاء کی خلافت خواہ خلافتِ نبوت ہو یا خلافتِ ملوکیت ۔ ناقص تھی

یاد رکھنا چاہئے کہ خلافتِ نبوت پہلے نبی کی تائید کے لیے آتی ہے اور خلافتِ ملوکیت مؤمنین کے حقوق کی حفاظت اور اُن کی قوتوں کے نشو ونما کیلئے آتی ہے ۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کو جو خلفاء انبیاء ملے تو اُن کی خلافت ناقص تھی کیونکہ گو وہ ان کے کام کو چلاتے تھے مگر نبوت براہِ راست پاتے تھے ۔ پس اُن کی خلافت کامل خلافت نہ ہوتی تھی اور اگر ان کی اقوام کو خلفاءِ ملوکی ملے تو اُن کی خلافت بھی ناقص خلافت ہوتی تھی کیونکہ وہ اختیارات براہِ راست ورثہ سے پاتے تھے ۔ اور اس کے نتیجہ میں اُن کی قوم کے قویٰ پورے

طور پر نشو ونما نہ پاتے تھے کیونکہ اُن کے مقرر کرنے میں اُمت کا دخل نہ ہوتا تھا اُسی طرح جس طرح نبیوں کا اپنے تابع نبیوں کی نبوت میں دخل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جہاں بھی باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا ورثہ کے طور پر تختِ حکومت سنبھالتے چلے جاتے ہیں وہاں اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ پبلک کے علمی معیار کو بلند کیا جائے اور اُس کے ذہنی قویٰ کو ایسا نشوونما دیا جائے کہ وہ صحیح رنگ میں حکام کا انتخاب کر سکے لیکن جہاں حکام کا انتخاب پبلک کے ہاتھ میں ہو وہاں حکومت اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ ہر فرد کو عالم بنائے، ہر فرد کو سیاست دان بنائے اور ہر فرد کو ملکی حالات سے باخبر رکھے تا کہ انتخاب کے وقت اُن سے کوئی بیوقوفی سرزد نہ ہو جائے۔ پس اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے لوگوں کے علمی نشوونما کو مدنظر رکھتے ہوئے حُکّام کے انتخاب کا حکم دیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کی خلافت خواہ وہ خلافتِ نبوت ہو یا خلافتِ ملوکیت ناقص تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ صحیح معنوں میں کامل نبی تھے اس لئے آپ کے بعد جو نبی آیا یا آئیں گے وہ آپ کے تابع ہی نہ ہونگے بلکہ آپ کے فیض سے نبوت پانے والے ہونگے۔ اِسی طرح چونکہ آپ کی قوم صحیح معنوں میں کامل اُمت تھی جیسا کہ فرمایا۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [۶۸] اس لئے ضروری تھا کہ اُن کے کام کو چلانے والے بھی اُسی رنگ میں آئیں جس طرح اس اُمت میں نبی آنے تھے یعنی اُن کے انتخاب میں قوم کو دخل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ ملوکی خلیفہ نہ ہوں جن کے انتخاب میں قوم کو دخل نہ ہوتا تھا بلکہ انتخابی خلیفہ ہوں تا کہ اُمتِ محمدیہ کی پوری ترجمانی کرنے والے ہوں اور اُمت کی قوت کا صحیح نشوونما ہو۔ چنانچہ اس حکم کی وجہ سے ہر خلیفہ اس بات پر مجبور ہے کہ وہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ علم اور سمجھ کا مادہ پیدا کرے تا کہ وہ اگلے انتخاب میں کوئی غلطی نہ کر جائیں۔ پس یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہیں اور آپ کی اُمت خَيْرُ الْأُمَم ہے۔ جس طرح سید الانبیاء کے تابع نبی آپ کے فیضان سے نبوت پاتے ہیں اسی طرح خَيْرُ الْأُمَم کے خلفاء قوم کی آواز سے خلیفہ مقرر ہوتے ہیں۔ پس یہ نظامِ اسلام کی برتری اور نبیٔ اسلام اور اُمّتِ اسلامیہ کے عُلّوِ مرتبت کی وجہ سے ہے اور اس سے خلافتِ فردی کو مٹایا نہیں گیا بلکہ

خلافتِ شخصی کو زیادہ بہتر اور مکمل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان اصولی سوالوں کے بعد میں ایک دو ضمنی اعتراضوں کو لے لیتا ہوں۔

کیا خلافتِ موعودہ محض اُس خلیفہ کے متعلق ہے جو نبی کے معاً بعد آتا ہے؟

(۱) ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلافتِ موعودہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے محض اُس خلیفہ کے متعلق ہے جو نبی کے معاً بعد آتا ہے نہ کہ خلفاء کے ایک لمبے سلسلہ کے متعلق۔ اس کا جواب یہ ہے۔

(۱) رسول کریم ﷺ نے خود چاروں خلافتوں کو خلافتِ راشدہ قرار دیا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ **عَنْ سَفِیْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَـلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکاً۔** [۶۹] یعنی حضرت سفینہؓ کہتے ہیں مَیں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میرے بعد خلافت صرف تیس سال ہوگی اس کے بعد ملوکیت قائم ہو جائے گی۔ اور چاروں خلفاء کی مدت صرف تیس سال ہی بنتی ہے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کو چاروں خلفاء تک لمبا کرتے ہیں تو کسی دوسرے کا کیا حق ہے کہ اسے پہلے خلیفہ تک محدود کر دے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خیال کو ''سِرُّالخلافہ'' میں بیان فرمایا ہے مگر یہ درست نہیں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ شیعوں کے ردّ میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل جانشین حضرت علیؓ تھے آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خلافت کا وعدہ قرآن کریم کی آیت **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ** میں ہے اور اس میں جو شرائط پائی جاتی ہیں وہ بدرجۂ کمال حضرت ابوبکرؓ میں پائی جاتی ہیں۔ [۷۰]

پس آپ کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن کریم سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حضرت علیؓ کی خلافت سے زیادہ ثابت ہے نہ یہ کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ تھے۔ آپ نے اپنی کتب میں چار خلفاء کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں [۷۱] اور حضرت علیؓ کی خلافت کا بھی ذکر فرمایا ہے [۷۲] اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ نے شیعوں کے ردّ میں ایک لیکچر دیا

تھا جس میں انہوں نے اسی آیت سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ثابت کیا ہے اور حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی مختلف مقامات میں تسلیم کیا ہے۔ آپ نے بعد میں اس لیکچر کو بعض زوائد کے ساتھ کتابی صورت میں ''خلافتِ راشدہ'' کے نام سے چھپوا دیا تھا۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ میرا یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا اور بار بار پڑھوایا اور اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ اپنی کتاب حجۃ اللہ میں بھی کر دیا اور مختلف مقامات پر میرا یہ مضمون دوستوں کو اپنی طرف سے بطور تحفہ بھجوایا۔

پس معلوم ہؤا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عقیدہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سے متفق تھے جس کا انہوں نے ''خلافتِ راشدہ'' میں اظہار کیا ہے[۳]۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ پہلے خلیفہ کی خلافت ثابت ہو جائے تو دوسروں کی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ ہوئے اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا اور مسلمانوں سے مشورہ کر کے انھیں خلیفہ مقرر کیا۔ اسی طرح اس زمانہ میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک دفعہ تو میرا نام لے کر وصیت کی اور دوسری دفعہ بغیر نام کے وصیت کی مگر بہر حال خلافت کے وجود کو آپ نے قائم کیا۔ آپ کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں:-

''خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُـحَـمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـہِ ....میرا جانشین متقی ہو، ہر دلعزیز عالم باعمل۔ حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی و درگزر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیرخواہ تھا وہ بھی خیرخواہ رہے قرآن و حدیث کا درس جاری رہے۔

والسلام

نورالدین

۴ر مارچ[۴]

اسی طرح آپ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کیا ہے اور میرے بعد جو ہوگا اسے بھی خدا ہی خلیفہ مقرر کرے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:-

’’خلافت کیسری کی دُکان کا سوڈا واٹر نہیں۔ تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ نہ تم کوکسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ میں جب مر جاؤں گا تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا اور خدا اس کو آپ کھڑا کر دے گا۔‘‘ ۵ے

پس اگر پہلے خلفاء اس آیت کے ماتحت خلیفہ تھے تو ان کے فیصلے اسی کی تائید میں ہیں کہ ان کے بعد بھی خلافت رہے گی اور اسی رنگ میں ہوگی جس رنگ میں ان کی اپنی خلافت تھی اور ان کے فیصلے اس بارہ میں حُجت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ** ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب موجبات موجود ہوں تو پھر ان کا طبعی نتیجہ کیوں نہ ہوگا یا تو یہ ماناجائے گا کہ ضرورتِ خلافت بعد میں نہ رہی اور اُمت بھی مؤمنوں اور عملِ صالح کرنے والوں کی نہ رہی اور یا پھر خلافت کے وجود کو تسلیم کرنا ہوگا۔

کیا خلیفہ کا عزل جائز ہے؟

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب خلیفہ انتخاب سے ہوتا ہے تو پھر امت کیلئے اس کا عزل بھی جائز ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ گو خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن آیت کی نص صریح اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو اپنے فیصلہ کا اس امر میں ذریعہ بناتا ہے اور اس کے دماغ کو خاص طور پر روشنی بخشتا ہے لیکن مقرر اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ** کہ وہ خود ان کو خلیفہ بنائے گا۔ پس گو خلفاء کا انتخاب مؤمنوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا الہام لوگوں کے دلوں کو اصل حقدار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ ایسے خلفاء میں مَیں فلاں فلاں خاصیتیں پیدا کر دیتا ہوں اور یہ خلفاء ایک انعامِ الٰہی ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں اس اعتراض کی تفصیل یہ ہوئی کہ کیا اُمت کو حق نہیں کہ وہ اس شخص کو جو کامل موحّد ہے جس کے دین کو اللہ تعالیٰ نے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کیلئے خدا نے تمام خطرات کو دور کرنے کا وعدہ کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ شرک کو مٹانا چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ اسلام کو محفوظ کرنا چاہتا ہے

معزول کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو امّتِ اسلامیہ معزول نہیں کر سکتی۔ ایسے شخص کو تو شیطان کے چیلے ہی معزول کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ وعدہ کا لفظ ہے اور وعدہ احسان پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس اعتراض کے معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ انعام کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اُمت کے ہاتھ میں رکھا ہے اسے کیوں حق نہیں کہ وہ اس انعام کو ردّ کر دے۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ استنباط بدترین استنباط ہے۔ جو انعام منہ مانگے ملے اس کا ردّ کرنا تو انسان کو اور بھی مجرم بنا دیتا ہے اور اس پر شدید حجت قائم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرمائے گا کہ اے لوگو! میں نے تمہاری مرضی پر چھوڑا اور کہا کہ میرے انعام کو کس صورت میں لینا چاہتے ہو؟ تم نے کہا ہم اس انعام کو فلاں شخص کی صورت میں لینا چاہتے ہیں اور میں نے اپنے فضل اس شخص کے ساتھ وابستہ کر دیئے۔ جب میں نے تمہاری بات مان لی تو اب تم کہتے ہو کہ ہم اس انعام پر راضی نہیں۔ اب اس نعمت کے اوپر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ اسی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے فرمایا کہ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی انتخاب کے وقت تو ہم نے اُمت کو اختیار دیا ہے مگر چونکہ اس انتخاب میں ہم اُمت کی راہبری کرتے ہیں اور چونکہ ہم اس شخص کو اپنا بنا لیتے ہیں اس کے بعد اُمت کا اختیار نہیں ہوتا اور جو شخص پھر بھی اختیار چلانا چاہے تو یاد رکھے وہ خلیفہ کا مقابلہ نہیں کرتا بلکہ ہمارے انعام کی بے قدری کرتا ہے۔ پس مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اگر انتخاب کے وقت وہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں شامل تھا تو اب اس اقدام کی وجہ سے ہماری درگاہ میں اس کا نام وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی فہرست سے کاٹ کر فاسقوں کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

ایک لطیف نکتہ اب ایک لطیف نکتہ بھی سن لو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا عجیب بات بیان کی ہے۔ خلافت کے انعام کا وارث اس قوم کو بتایا ہے جو (۱) ایمان رکھتی ہو یعنی اس کے ارادے نیک ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ[٦] کہ مؤمن کے عمل محدود ہوتے ہیں مگر اس کے ارادے بہت وسیع ہوتے ہیں۔ اور وہ کہتا ہے

کہ میں یوں کروں گا اور ووں کروں گا۔ گویا مؤمن کے ارادے بہت نیک ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق ہوتے ہیں۔ یعنی صالح ہوتے ہیں مگر فرماتا ہے جب وہ خلافت کا انکار کرتے ہیں تو فاسق ہو جاتے ہیں۔ فاسق کے معنی ہیں جو حلقہ اطاعت سے نکل جائے اور نبی کی معیت سے محروم ہو جائے۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہؤا کہ نیک ارادے رکھنے والوں اور صالح لوگوں میں خلافت آتی ہے۔ مگر جو اس سے منکر ہو جائیں تو باوجود نیک ارادے رکھنے اور صالح ہونے کے وہ اس فعل کی وجہ سے نبی کی معیت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

اب آیت کے اِن الفاظ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رؤیا کے مقابل پر رکھو جو آپ نے مولوی محمد علی صاحب کے متعلق دیکھا اور جس میں آپ ان سے فرماتے ہیں:۔

''آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔''[۷]

تو معلوم ہوا کہ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ایمان رکھنے اور عمل صالح کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ان میں خلافت قائم کرے گا۔ مگر جو شخص اس نعمت کا انکار کر دے گا وہ نبی کی معیت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس رؤیا میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھا یا نہیں بیٹھا۔ مگر قرآنی الفاظ بتاتے ہیں کہ ایسے شخص کو پاس بیٹھنے کی توفیق نہیں ملی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ[۸]

خلافتِ راشدہ کی تائید میں دوسری آیت

دوسری آیت جو خلافت کے ثبوت میں قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ

عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۹ے

یعنی اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے بعض باتوں کے ذریعہ سے آزمایا اور اس نے ان سب کو پورا کر کے دکھا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم ! میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے خدا! میری اولاد میں سے بھی امام بنائیو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بہت اچھا مگر اِن میں سے جو لوگ ظالم ہو جائیں گے ان کو امام نہیں بنایا جائے گا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے انہیں امام بنانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً اور جائز طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جو کام میرے سپرد ہونے والا ہے وہ ایک نسل میں پورا نہیں ہوسکتا اور ضرورت ہے کہ میرے بعد بھی کچھ اور وجود ہوں جو اس کام کو چلائیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی ذریت کے امام بنانے کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہاں اِن سے بھی میں وعدہ کرتا ہوں مگر ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔

اس آیت میں بھی وعدہ اولاد سے ہے گو ظالم اولاد سے نہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں یا تو امام تھے یا ظالم تھے اِن دونوں کے سوا بھی اور اولاد تھی۔ پھر ان سے امامت کا وعدہ کس طرح پورا ہؤا؟ اسی طرح کہ بعض کو امامت ملی اور بعض کو ان کے ذریعہ سے امامت سے فائدہ پہنچا۔ یہ بھی آیتِ استخلاف کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ وعدہ تو سب سے تھا پھر خلافت شخصی کس طرح ہوسکتی ہے۔

مگر میں اِس وقت آیت کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد کے متعلق امامت کا وعدہ تھا وہ وعدہ کس طرح پورا ہوا؟ آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے چار نبی ہوئے (۱) حضرت اسماعیلؑ (۲) حضرت اسحاقؑ (۳) حضرت یعقوبؑ (۴) حضرت یوسفؑ۔ اور ان چاروں انبیاء خلفاء نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشن کو تکمیل تک پہنچایا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ان چاروں کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [80]

یعنی اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اے میرے رب! مجھے بتا کہ تُو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں لا چکا؟ حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ کیوں نہیں ایمان تو مجھے حاصل ہو چکا ہے لیکن صرف اطمینانِ قلب کی خاطر میں نے یہ سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ سدھالے پھر ہر ایک پہاڑ پر اُن میں سے ایک ایک حصہ رکھ دے، پھر اُنہیں بلا۔ وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ واقعہ اگر ظاہری ہوتا تو اس پر بہت سے اعتراض پڑتے ہیں۔ اوّل یہ کہ احیائے موتی کے ساتھ پرندوں کے سِدھانے کا کیا تعلق؟ (۲) چار پرندے لینے کے کیا معنی؟ کیا ایک سے یہ غرض پوری نہ ہوتی تھی؟ (۳) پہاڑوں پر رکھنے کا کیا فائدہ؟ کیا کسی اور جگہ رکھنے سے کام نہ چلتا تھا؟

پس حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری کلام نہیں بلکہ باطن رکھنے والا کلام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ الٰہی! جو احیائے موتی کا کام تو نے میرے سپرد کیا ہے اسے پورا کر کے دکھا اور مجھے بتا کہ یہ قومی زندگی کس طرح پیدا ہوگی جبکہ میں بڈھا ہوں اور کام بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے وعدہ کیا ہے تو یہ ہو کر رہے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہو کر تو ضرور رہے گا مگر میں اپنے اطمینان کیلئے پوچھتا ہوں کہ یہ مخالف حالات کیونکر بدلیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے چار پرندے لے کر سِدھا اور ہر ایک کو پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر بلاؤ اور دیکھو کہ وہ کس طرح تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔ یعنی اپنی اولاد میں سے چار کی تربیت کرو۔ وہ تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس احیاء کے کام کی تکمیل کریں گے۔ یہ چار جیسا کہ میں بتا چکا ہوں حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ ہیں۔ اِن میں سے دو کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے براہِ راست تربیت

کی اور دو کی بِالواسطہ۔ پہاڑ پر رکھنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کی اعلیٰ تربیت کر کیونکہ وہ بہت بڑے درجہ کے ہوں گے گویا پہاڑ پر رکھنے کے معنی ان کے رفیع الدرجات ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بلندیوں کی چوٹیوں تک جا پہنچیں گے۔

غرض اس طرح احیائے قومی کا وہ نقشہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب زمانہ میں ظاہر ہونا تھا انہیں بتا دیا گیا۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی مثیل ہیں جیسا کہ درود پڑھنے والے مسلمان جانتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سکھائی ہے کہ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔** لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں تو یقیناً کسی خاص خصوصیت کی طرف ہی اِس درود میں اشارہ ہوسکتا ہے اور وہ خصوصیت ان کی اولاد میں امامت و نبوت کی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** [۸۱] یعنی ہم نے اس کی ذرّیت کے ساتھ نبوت اور کتاب کو مخصوص کر دیا اور ہم نے اس کو اس دنیا میں بھی اجر بخشا اور آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں شامل کیا جائے گا۔ پس وہ فضیلت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی وہ نبوت ہی تھی جس کے بعد متواتر ان کی اولاد کو نبوتِ خلافت حاصل ہوئی جس نے ان کے گھر کو شرف سے بھر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ** ! سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ** ! میرا یہ سوال نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر یوسفؑ بڑا معزز ہے جو خود بھی نبی تھا اور نبی کا بیٹا بھی تھا۔ پھر اُس کا دادا بھی نبی تھا اور اُس کا پڑ دادا ابراہیمؑ بھی نبی تھا [۸۲]۔ پس جب ہم **کَمَا صَلَّیْتَ** یا **کَمَا بَارَکْتَ** کہتے ہیں تو ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی فضیلت دے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھی۔ ذاتی طور پر بھی اور اولاد کی طرف سے بھی۔ یعنی

آپ ابوالانبیاء ہو جائیں اور آپ کی اولاد روحانی میں بھی نبوت مخصوص ہو جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اِس دعا کو سنا اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاً بعد چار رسول ہوئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد چار خلیفے ہوئے جنہوں نے آپ کے دین کی تمکین کی اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں دُور زمانہ میں پھر نبی پیدا ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعید زمانہ بعد بھی انبیاء کی بعثت کی خبر دی گئی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں بھی فضیلت دی گئی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو دو خلفاء کی تربیت بِلا واسطہ کی تھی اور دو کی بالواسطہ۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں اماموں کی تربیت خود فرمائی اگر یہ مشابہت نہ ہوتی تو پھر کَمَا صَلَّيْتَ اور کَمَا بَارَكْتَ کے معنی ہی کیا ہوتے۔ پھر تو یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ پس ابراہیمی وعدہ اور درود مل کر صاف بتاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا ہی ہونے والا تھا اور آپ کے بعد بھی آپ کے دین کی تمکین کیلئے خلفاء آنے والے تھے۔

اگر کہو کہ وہ خلفاء تو نبی تھے یہ تو نبی نہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد کے امام ہونے کے درحقیقت دو وعدے تھے ایک تو قریب عہد میں اور ایک بعید عہد میں جس میں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے تقاضا کیا کہ قریب عہد کے امام خلیفہ امام ہوں اور بعید کا خلیفہ نبی خلیفہ ہو۔ چنانچہ خلفائے راشدین عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ کے ماتحت انبیاء سے شدید مشابہت رکھتے تھے مگر نبی نہ تھے اور آخری خلیفہ ایک پہلو سے اُمتّی اور ایک پہلو سے نبی ہوا تاکہ مشابہت میں نقص نہ رہ جائے۔

اب دیکھو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں ان خلفاء نے ان چار انبیاء سے زیادہ تمکین دین کی ہے اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر بھی اس اُلجھن کو دور کر دیتی ہے۔

آپ ''الوصیت'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ...... ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہؤا''۔[۸۳]

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کے نبی جانشین سے حضرت ابوبکرؓ کی مشابہت کو تسلیم کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابُ[۸۴]۔ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن الخطاب ہوتا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ عمرؓ میرے بعد امام ہونے والے ہیں۔ اگر میرے معاً بعد نبوت کا اجراء اللہ تعالیٰ نے کرنا ہوتا تو عمرؓ بھی نبی ہوتے مگر اب وہ امام تو ہونگے مگر نبی نہ ہونگے۔

ایک دوسری حدیث بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جنگ پر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے قائم مقام بنا گئے۔ پیچھے صرف منافق ہی منافق رہ گئے تھے۔ اس وجہ سے وہ گھبرا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مجھے بھی لے چلیں۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا۔ اَلاَ تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ[۸۵] یعنی (۱) اے علیؓ! تمہیں مجھ سے ہارونؑ اور موسیٰؑ کی نسبت حاصل ہے۔ ایک دن ہارونؑ کی طرح تم بھی میرے خلیفہ ہوگے (۲) لیکن باوجود اس نسبت کے تم نبی نہ ہوگے۔

اس میں ایک ہی وقت میں نبی سے مشابہت بھی دے دی اور نبوت سے خالی بھی بتا دیا۔ پس جس طرح علیؓ ہارونؑ کے مشابہ ہوسکتے ہیں چاروں خلفاء چار دوسرے نبیوں کے بھی مشابہ ہوسکتے ہیں۔

اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ یہ ثبوت ملتا ہے کہ خلفاء نبیوں کے مشابہ قرار دیئے جا

سکتے ہیں حضرت علیؓ کے زمانہ کے فتنہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس میں یہ پیشگوئی نظر آتی ہے کہ جس طرح حضرت ہارونؑ کے زمانہ میں فساد ہوا حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی فساد ہوگا اور لوگ حضرت علیؓ پر الزام لگائیں گے لیکن وہ الزام اُسی طرح غلط ہونگے جس طرح ہارونؑ پر یہ اعتراض غلط ہے کہ انہوں نے شرک کیا۔ بہرحال حضرت علیؓ کا طریق حضرت ہارونؑ کے مشابہ ہوگا کہ تفرقہ کے ڈر سے کسی قدر نرمی کریں گے (جیسا کہ صِفّین کے موقع پر تحکیم کو تسلیم کر کے انہوں نے کیا)

خلافت کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد

اس کے بعد مَیں حدیثوں میں سے صرف ایک حدیث بطور مثال خلافت کے بارہ میں پیش کر دیتا ہوں کیونکہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَا مِنْ نَّبِیِّ اِلَّا تَبِعَتْهُ خِلَافَةٌ [۸۶] یعنی کوئی نبی نہیں کہ اس کے بعد خلافت نہ ہوئی ہو۔ اس عام فیصلہ کے بعد خلافت کا انکار درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کا انکار ہے کیونکہ یہ ایک قاعدہ کلّیہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

خلفاء کے حقوق کے بارہ میں ایک بہت بڑا اعتراض

اب مَیں ایک اعتراض جو بہت مشہور اور جو خلفاء کے حقوق کے بارہ میں ہے اس کا جواب دیتا ہوں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جیسا کہ آیت استخلاف سے ثابت ہے اور جیسا کہ آیت وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے ثابت ہے اور جیسا کہ آیت وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ سے ثابت ہے خلفاء پر گو اہم امور میں مشورہ لینے کی پابندی ہے لیکن اُس پر عمل کرنے کی پابندی نہیں۔ اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ خود فرماتے ہیں کہ اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ [۸۷] اگر مَیں کجی دکھاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ معلوم ہؤا کہ وہ پبلک کو خلیفہ کو روکنے کا اختیار دیتے ہیں۔ غیر مبائعین ہمیشہ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر مَیں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا

کر دینا تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلیفہ غلطی کر سکتا ہے اور پبلک کو حق ہے کہ جب بھی وہ اسے سیدھے راستہ سے منحرف ہوتا دیکھے اُسے پکڑ کر سیدھا کر دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ نے اپنے اس قول کے کبھی بھی وہ معنی نہیں سمجھے جو معترضین لیتے ہیں۔ اور نہ مسلمان آپ کے اس قول کا کبھی یہ مفہوم لیتے تھے کہ جب وہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو اپنی رائے کے خلاف دیکھیں تو سختی سے آپ کو سیدھا کر دیں۔ جَیشِ اسامہؓ کو رُکوانے کے متعلق جب بڑے بڑے صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہماری یہ بات ماننی ہے تو مانو ورنہ ہم تمہیں ابھی سیدھا کر دیں گے بلکہ آپ نے جب ان تمام لوگوں کے مشورہ کو ردّ کر دیا اور فرمایا کہ مَیں جَیشِ اسامہؓ کو نہیں روک سکتا تو انہوں نے اپنی رائے واپس لے لی۔ اسی طرح جب باغیوں سے جنگ کے بارہ میں صحابہؓ نے کسی قدر نرمی کی درخواست کی تو آپ نے ان کی اس درخواست کو بھی ردّ کر دیا اور فرمایا کہ مَیں تو ان کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو مُرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر بھی صحابہؓ نے یہ نہیں کہا کہ اگر آپ ہماری بات نہیں مانتے تو ہم آپ کو سیدھا کر کے چھوڑیں گے بلکہ انہوں نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کے سامنے انہوں نے اپنی گردنیں جُھکا دیں۔ اسی طرح جہاں بھی آپ کا لوگوں سے مقابلہ ہؤا آپ نے یہی کہا کہ میری بات صحیح ہے اور تمہاری غلط۔ یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ کبھی لوگوں نے آپ کو سیدھا کیا ہو۔ یا آپ نے ہی لوگوں سے کہا ہو کہ اے مسلمانو! مَیں کچھ ٹیڑھا سا ہو گیا ہوں مجھے سیدھا کر دینا۔ پس آپ کے قول کے وہی معنی لئے جا سکتے ہیں جو خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں اور خود آپ کے فعل کے مطابق ہوں نہ کہ مخالف۔

کجی سے مراد صرف کُفر بواح ہے

سو یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کی ٹیڑھا ہونے سے مراد وہی کُفرِ بواح ہے جس کا ذکر احادیث آتا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ جب تک مَیں اسلام پر چلتا ہوں تم پر میری اطاعت فرض ہے اور اگر مَیں اسلام کو ترک کر دوں یا مجھ سے کفرِ بوّاح صادر ہو تو پھر تم پر یہ فرض ہے کہ میرا مقابلہ کرو ورنہ یہ مُراد نہیں کہ میرے روزمرہ کے فیصلوں پر تنقید کر کے جو تمہاری مرضی کے

مطابق ہوں اُن پر عمل کرو اور دوسروں کو چھوڑ دو۔

کیا حضرت ابوبکرؓ کُفر بواح کر سکتے تھے؟

اگر کوئی کہے کہ کیا حضرت ابوبکرؓ کفر بواح کر سکتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا حضرت ابوبکرؓ اس قدر ٹیڑھا ہو سکتے تھے کہ انہیں سیدھا کرنے کی مسلمانوں کو ضرورت پیش آئے! ایسی صورت تو اُسی وقت پیش آ سکتی تھی جب صحابہؓ کہیں کہ قرآن اور حدیث سے فلاں امر ثابت ہے اور حضرت ابوبکرؓ کہیں کہ مَیں قرآن اور حدیث کی بات نہیں مانتا۔ پس کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کبھی قرآن اور حدیث کے خلاف ایسا قدم اُٹھا سکیں؟ اور مسلمانوں کو انہیں لٹھ لیکر سیدھا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اگر اس قدر کجی بھی آپ سے ممکن نہ تھی مگر آپ نے یہ فقرہ کہا تو کفرِ بواح بھی گو آپ سے ممکن نہ تھا مگر آپ نے یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ صداقتِ ازلی سب چیزوں سے بڑی ہے یہ فقرہ کہہ دیا اس سے آپ کا یہ منشاء نہیں تھا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ سے کفر بواح صادر ہوسکتا ہے بلکہ یہ منشاء تھا کہ میری حیثیت محض ایک خلیفہ کی ہے اور میرا کام اپنے رسول اور مطاع کی تعلیم کو صحیح رنگ میں دنیا میں قائم کرنا ہے۔ پس تم اس صداقتِ ازلی کو ہر چیز پر مقدم رکھو اور خواہ مَیں بھی اُس کے خلاف کہوں تم اصل تعلیم کو کبھی ترک نہ کرو۔

قرآن کریم سے بعض مثالیں

اَب مَیں بتاتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں۔ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا۔[۸۸] جب کُفّار نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ آؤ اور ہم میں مل جاؤ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ ہمارے لئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ تمہارے مذہب میں شامل ہوں ہاں اگر خدا چاہے تو ہوسکتا ہے۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کو کافر کر دینا اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن تھا یا شعیبؑ کا کافر ہو جانا ممکن تھا۔ یقیناً اُن کا کافر ہونا ناممکن تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ مگر انہوں نے یہ کہا اور اس لئے کہا تا اللہ تعالیٰ کا مقام اور اُس کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو کہ گو میرا کافر ہونا ناممکن ہے مگر اس میں میرے نفس کی کوئی بڑائی نہیں

بلکہ یہ مقام محض اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہؤا ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر یہ عصمت بھی نہ رہے۔
اِسی طرح رسول کریم ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی کلمات نکلوائے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۸۹ یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو لوگوں سے کہہ دے کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتو مَیں سب سے پہلے اُس کی پرستش اور عبادت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اب اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لئے بیٹے کا امکان موجود ہے بلکہ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ خدا کا بیٹا تو یقیناً کوئی نہیں لیکن اگر ہوتا تو میرے جیسا مطیع وفرمانبردار بندہ اُس کی ضرور عبادت کرتا۔
اِسی طرح حضرت ابوبکرؓ سے گو کُفر بواح کا صدور بالکل ناممکن تھا مگر آپ نے صداقت ازلی کی اہمیت لوگوں کو ذہن نشین کرانے کیلئے فرما دیا کہ اگر مَیں بھی اس کے مقابلہ میں آجاؤں تو میری پرواہ نہ کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک واقعہ

ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ایک واقعہ ہے۔
آپ کے زمانہ میں ایک شخص میاں نظام الدین نامی تھے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں تو تمام ہندوستان میں ایک شور مچ گیا، اُن دنوں حضرت خلیفہ اوّل جموں سے چند دنوں کی رخصت لیکر لاہور آئے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی وہیں جا پہنچے اور انہوں نے آپ کو مباحثہ کا چیلنج دے دیا اور کہا کہ صرف حدیثوں سے اس مسئلہ پر بحث ہونی چاہئے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے کہ حدیث حاکم نہیں بلکہ قرآن حاکم ہے۔ پس ہمیں اس معاملہ کا قرآن کریم کی آیات سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس پر کئی دن بحث ہوتی رہی اور ایک دوسرے کی طرف سے اشتہارات بھی نکلتے رہے۔ میاں نظام الدین چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھی دوست تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس جھگڑے کو نپٹانا چاہئے۔ انہوں نے اپنے دل میں سمجھا کہ مرزا صاحب نیک آدمی ہیں وہ قرآن کریم کے خلاف تو کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ ضرور انہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہوگی جسے مولوی محمد حسین

بٹالوی سمجھے نہیں اور جوش میں آ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں ورنہ یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ قرآن سے حیاتِ مسیح ثابت ہو اور مرزا صاحب جیسا نیک اور متقی آدمی قرآن کے خلاف یہ دعویٰ کر دے کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بڑے جوش سے قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میرا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر قرآن سے یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا آپ اپنا یہ عقیدہ ترک کر دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں۔ اگر قرآن سے حیات مسیحؑ ثابت ہو جائے تو مَیں انہیں زندہ ماننے لگ جاؤں گا۔ اس پر وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے مَیں پہلے ہی کہتا تھا کہ مرزا صاحب بڑے نیک آدمی ہیں وہ قرآن کے خلاف عمداً کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ انہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اور اگر اُسے رفع کر دیا جائے تو اُن سے حیاتِ مسیح کا منوا لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ چنانچہ کہنے لگے اچھا اگر مَیں ایسی سَو آیتیں نکال کر لے آؤں جن سے حیاتِ مسیح ثابت ہوتی ہو تو کیا آپ مان لیں گے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمانے لگے سَو چھوڑ آپ ایک آیت ہی ایسی لے آئیں تو میرے لئے وہی کافی ہے۔ کہنے لگے اچھا سَو نہ سہی پچاس تو ضرور لے آؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا مَیں تو کہہ چکا ہوں کہ میرے لئے ایک آیت بھی کافی ہے سَو یا پچاس کا سوال ہی نہیں۔ وہ کہنے لگے اچھا یہ بات ہے تو دس آیتیں تو میں ایسی ضرور نکال کر لے آؤں گا جن سے مسیحؑ کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ چنانچہ وہ سیدھے لاہور پہنچے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے جا کر ملے۔ اِس دوران میں چونکہ حضرت خلیفہ اوّل اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی بحث نے بہت طول پکڑ لیا تھا اس لئے تنگ آ کر حضرت خلیفہ اوّل نے اتنا مان لیا کہ قرآن کے علاوہ بخاری سے بھی تائیدی رنگ میں حدیثیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنی اس فتح پر بڑے خوش تھے اور وہ مسجد میں بیٹھے بڑے زور شور سے لافیں مار رہے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو ایسا رگیدا اور ایسی پٹخیاں دیں کہ آخر اُسے ماننا پڑا کہ قرآن کے علاوہ حدیثیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اتفاق ایسا ہؤا کہ اِدھر وہ ڈینگیں مار رہے

تھے اور اُدھر میاں نظام الدین صاحب اُن کے سر پر جا پہنچے اور کہنے لگے بس اس بحث مباحثہ کو ایک طرف رکھیں مَیں قادیان گیا تھا اور مَیں حضرت مرزا صاحب کو منوا آیا ہوں کہ اگر مَیں قرآن سے دس آیتیں ایسی نکال کر لے آؤں جن سے حیاتِ مسیحؑ ثابت ہوتی ہو تو وہ اپنے عقیدہ کو ترک کر دیں گے اس لئے آپ جلدی کریں اور مجھے قرآن سے ایسی دس آیات نکال کر دے دیں مَیں ابھی اس جھگڑے کا فیصلہ کئے دیتا ہوں اور خود مرزا صاحب کی زبان سے یہ اقرار کروالیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو ایسا رگیدا کہ وہ میرے مقابلہ میں شکست کھانے پر مجبور ہو گیا انہوں نے جب میاں نظام الدین صاحب کی یہ بات سنی تو اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ بڑے غصّہ سے کہنے لگے تجھے کس جاہل نے کہا تھا کہ تو مرزا صاحب کے پاس جائے۔ مَیں دو مہینے جھگڑ جھگڑ کر نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا تو پھر بحث کو قرآن کی طرف لے گیا۔ وہ آدمی تھے نیک، انہوں نے جب یہ سنا تو وہ حیرت و اِستعجاب سے تھوڑی دیر تو بالکل خاموش کھڑے رہے اور پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اچھا مولوی صاحب! اگر قرآن میں حیاتِ مسیحؑ کا کوئی ثبوت نہیں تو پھر جدھر قرآن ہے اُدھر ہی مَیں ہوں اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل ہو گئے۔

اب دیکھ لو باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس حقیقت کو کھولا تھا کہ حضرت مسیح ناصریؑ فوت ہو چکے ہیں اور باوجود اس کے کہ آپ نے قرآن و احادیث سے اس مسئلے کو مدلّل طور پر ثابت کر دیا تھا آپ نے فرمایا کہ اگر ایک آیت بھی اس کے خلاف لے آؤ تو مَیں اپنا عقیدہ ترک کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** اس کے متعلق کامل یقین حاصل نہیں تھا اور آپ کا خیال تھا کہ شاید اس کے خلاف بھی کوئی آیت ہو۔ اگر کوئی ایسا کہے تو وہ اوّل درجے کا جاہل ہوگا کیونکہ آپ نے جب یہ کہا کہ اگر ایک آیت بھی میرے پاس ایسی نکال کر لے آئیں جس سے حیاتِ مسیحؑ ثابت ہوتی ہو تو مَیں اپنے

عقیدہ کو ترک کر دوں گا تو یہ قرآن مجید کی عظمت اور اُس کی بزرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے ایک لفظ کے خلاف بھی اگر میرا عقیدہ ہو تو مَیں ترک کرنے کیلئے تیار ہوں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ واقع میں آپ کا کوئی عقیدہ خلافِ قرآن ہے۔ اِسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے اس قول کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ سے کُفر بواح صادر ہوسکتا تھا بلکہ یہ معنی ہیں کہ صداقت ہر حالت میں قابلِ اتباع ہوتی ہے اور اُس کیلئے زید یا بکر کا کوئی سوال نہیں ہوتا اگر مَیں بھی کسی ایسے امر کا ارتکاب کروں تو تم میری اطاعت سے انکار کر دو۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کبھی خدا اور رسول کے حکم کے خلاف بھی کسی فعل کا ارتکاب کر سکتے تھے اور نہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اور آیت استخلاف کی موجودگی میں یہ معنی ہو سکتے ہیں۔

آیتِ استخلاف اور خلافتِ ثانیہ

اَب مَیں مختصراً آیت استخلاف کے ماتحت احمدیہ خلافت کے ذکر کو چھوڑ کر صرف اپنی خلافت کو لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ میں یہ بتایا ہے کہ جب تک قوم کی اکثریت میں ایمان اور عملِ صالح رہتا ہے اُن میں خلافت کا نظام بھی موجود رہتا ہے۔ پس دیکھنا یہ چاہئے کہ (۱) کیا جماعت اب تک ایمان اور عملِ صالح رکھتی ہے یعنی کیا ہماری جماعت کی شہرت نیک ہے اور کیا ہماری جماعت کے افراد کی اکثریت عملِ صالح رکھتی ہے؟ اس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے کہ جماعت کی شہرت نیک ہے اور جماعت کی اکثریت عمل صالح پر قائم ہے۔ پس جب ایمان اور عملِ صالح کی یہ حالت ہے تو خلافت کا وعدہ ضرور پورا ہونا چاہئے کیونکہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے اِس بات کا وعدہ کیا ہے اور وعدہ ضرور پورا ہؤا کرتا ہے۔

(۲) دوسری بات اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی جس طرح پہلے خلفاء ہوئے اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں خلفاء ہونگے۔ مطلب یہ کہ جس طرح پہلے خلفاء الٰہی طاقت سے بنے اور کوئی اُن کی خلافت کا مقابلہ نہ کر سکا اِسی طرح اب ہوگا۔ سو میری خلافت کے ذریعہ یہ علامت بھی پوری ہوئی۔ حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کے وقت صرف بیرونی اعداء کا خوف تھا مگر میری خلافت کے وقت اندرونی اعداء کا خوف بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہی حکیم الامت اور اَور بہت سے القاب سے ملقّب کیا جاتا تھا مگر میرے متعلق سالہا سال سے جماعت میں یہ پروپیگنڈا کیا جارہا تھا کہ اگر اِس بچہ کے ہاتھ میں جماعت کی باگ ڈور آ گئی تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔ پھر میں نہ عربی کا عالم تھا، نہ انگریزی کا عالم تھا، نہ ایسا فن جانتا تھا جو لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھرا سکے، نہ جماعت میں مجھے کوئی عہدہ اور رسوخ حاصل تھا تمام اختیارات مولوی محمد علی صاحب کو حاصل تھے اور وہ جس طرح چاہتے تھے کرتے تھے۔ ایسے حالات میں ایک ایسا شخص جس کو عمر کے لحاظ سے بچہ کہا جاتا تھا، جس کو علم کے لحاظ سے جاہل کہا جاتا تھا، جسے انجمن میں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا، جس کے ہاتھ میں کوئی روپیہ نہیں تھا، اُس کی مخالفت میں وہ لوگ کھڑے ہوئے جن کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں تھیں، وہ لوگ کھڑے ہوئے جن کے ہاتھوں میں قوم کا تمام روپیہ تھا، وہ لوگ کھڑے ہوئے جو ایک عرصہ دراز سے بہت بڑی عزتوں کے مالک سمجھے جاتے تھے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اس بچہ کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے مگر خدا نے اُن کو ناکام و نامراد کیا اور وہی جسے جاہل کہا جاتا تھا، جسے کودن [90] قرار دیا جاتا تھا اور جس کے متعلق یہ عَلَى الْإِعْلان کہا جاتا تھا کہ وہ جماعت کو تباہ کر دے گا، خدا تعالیٰ نے اُسی کو خلافت کے مقام کیلئے منتخب کیا۔ یہ لوگ اپنی امیدوں پر پانی پھرتا دیکھ کر یہاں سے الگ ہو گئے اور انہوں نے کہا جماعت نے بے وقوفی کی جو اُس نے ایک نادان اور احمق بچہ کو خلیفہ بنا لیا تھوڑے دنوں میں ہی اُسے اپنی حماقت کا خمیازہ نظر آ جائے گا، جماعت تباہ ہو جائے گی، روپیہ آنا بند ہو جائے گا، تمام عزت اور نیک نامی خاک میں مل جائے گی اور وہ عروج جو سلسلہ کو اب تک حاصل ہؤا ہے اس نادان بچے کی وجہ سے ضائع ہو جائیگا مگر

ہوتا کیا ہے؟ وہی بچہ جب خدا کی طرف سے خلافت کے تخت پر بیٹھتا ہے تو جس طرح شیر بکریوں پر حملہ کرتا ہے اُسی طرح خدا کا یہ شیر دنیا پر حملہ آور ہؤا اور اس نے ایک یہاں سے اور ایک وہاں سے، ایک مشرق سے اور ایک مغرب سے، ایک شمال سے اور ایک جنوب سے بھیڑیں اور بکریاں پکڑ پکڑ کر خدا کے مسیحؑ کی قربان گاہ پر چڑھا دیں یہاں تک کہ آج اس سٹیج پر اس وقت سے زیادہ لوگ موجود ہیں جتنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری سال جلسہ سالانہ پر آئے تھے۔ جس کی آنکھیں دیکھتی ہوں وہ دیکھے اور جس کے کان سنتے ہوں وہ سنے کہ کیا خدا کے فضل نے ان تمام اعتراضات کو باطل نہیں کر دیا جو مجھ پر کئے جاتے تھے۔ اور کیا اُس نے اُسی پچیس سالہ نوجوان کو جس کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ وہ جماعت کو تباہ کر دے گا خلیفہ بنا کر اور اُس کے ذریعہ سے جماعت کو حیرت انگیز ترقی دے کر یہ ظاہر نہیں کر دیا کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہؤا خلیفہ نہیں بلکہ میرا بنایا ہؤا خلیفہ ہے اور کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۳) تیسری علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ** یعنی جو علومِ دینیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن پر ظاہر ہونگے انہیں خدا دنیا میں قائم کرے گا اور کوئی اُن کو مٹانے پر قادر نہ ہو سکے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے صحابہؓ کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ صحابہؓ نے جو حدیثیں جمع کیں وہ بجائے خود اتنا بڑا کارنامہ ہے جو اُن کے درجہ کو عام لوگوں کے وہم و گمان سے بھی بلند تر کر دیتا ہے۔ پھر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل قرآن کریم کے کامل ماہر اور اُس کے عاشق تھے اور آپ کے احسانات جماعت احمدیہ پر بہت بڑے ہیں لیکن یہ سب وہ تھے جن میں سے کسی ایک پر بھی جاہل ہونے کا اعتراض نہیں کیا گیا اس لئے خدا تعالیٰ کی صفتِ علیم جس شان اور جس جاہ وجلال کے ساتھ میرے ذریعہ جلوہ گر ہوئی اُس کی مثال مجھے خلفاء کے زُمرہ میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ مَیں وہ تھا جسے کَل کا بچہ کہا جاتا تھا، مَیں وہ تھا جسے احمق اور نادان قرار دیا جاتا تھا مگر عہدۂ خلافت کو سنبھالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی علوم اتنی کثرت کے ساتھ کھولے کہ اب

قیامت تک اُمتِ مُسلمہ اِس بات پر مجبور ہے کہ میری کتابوں کو پڑھے اور اُن سے فائدہ اٹھائے۔ وہ کونسا اسلامی مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ نہیں کھولا۔ مسئلہ نبوت، مسئلہ کفر، مسئلہ خلافت، مسئلہ تقدیر، قرآنی ضروری امور کا انکشاف، اسلامی اقتصادیات، اسلامی سیاسیات اور اسلامی معاشرت وغیرہ پر تیرہ سَو سال سے کوئی وسیع مضمون موجود نہیں تھا مجھے خدا نے اِس خدمتِ دین کی توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ہی ان مضامین کے متعلق قرآن کے معارف کھولے جن کو آج دوست دشمن سب نقل کر رہے ہیں۔ مجھے کوئی لاکھ گالیاں دے، مجھے لاکھ بُرا بھلا کہے جو شخص اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے لگے گا اُسے میرا خوشہ چیں ہونا پڑے گا اور وہ میرے احسان سے کبھی باہر نہیں جا سکے گا چاہے پیغامی ہوں یا مصری۔ ان کی اولادیں جب بھی دین کی خدمت کا ارادہ کریں گی وہ اس بات پر مجبور ہونگی کہ میری کتابوں کو پڑھیں اور اُن سے فائدہ اُٹھائیں بلکہ میں بغیر فخر کے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارہ میں سب خلفاء سے زیادہ مواد میرے ذریعہ سے جمع ہؤا ہے اور ہو رہا ہے۔ پس مجھے یہ لوگ خواہ کچھ کہیں خواہ کتنی بھی گالیاں دیں ان کے دامن میں اگر قرآن کے علوم پڑیں گے تو میرے ذریعہ ہی اور دنیا ان کو یہ کہنے پر مجبور ہوگی کہ اے نادانو! تمہاری جھولی میں تو جو کچھ بھرا ہؤا ہے وہ تم نے اسی سے لیا ہے پھر اس کی مخالفت تم کس منہ سے کر رہے ہو۔

(۴) چوتھی علامت یہ بتائی تھی کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ خدا اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ یہ علامت میرے زمانہ میں خدا نے نہایت صفائی کے ساتھ پوری کی۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل جب خلیفہ ہوئے ہیں تو اُس وقت صرف یہ خوف تھا کہ باہر کے دشمن ہنسی مذاق اُڑائیں گے اور وہ جماعت کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر میری خلافت کے آغاز میں نہ صرف بیرونی دشمنوں کا خوف تھا بلکہ جماعت کے اندر بھی بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اور خطرہ تھا کہ اَور لوگ بھی اس بگاڑ سے متأثر نہ ہو جائیں ایسے حالات میں خدا نے میرے ذریعہ ہی اس خوف کو امن سے بدلا اور یہ خطرہ کہ جماعت کہیں صحیح عقائد سے منحرف نہ ہو جائے بالکل دُور کر دیا۔ چنانچہ دیکھ لو آج مصری صاحب

بھی باوجود میری مخالفت کے نبوتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قائل ہیں اور اگر وہ دیانتداری اور سچائی سے کام لیں تو اس بات کا اعتراف کر سکتے ہیں کہ اس مسئلہ پر جماعت کو ثبات میری وجہ سے ہی حاصل ہؤا اور مَیں نے ہی اس مسئلہ کو حل کیا۔ پھر کیا یہ مسئلہ خدا نے اِسی سے حل کرانا تھا جو بقول مصری صاحب معزول ہونے کے قابل تھا؟ اِسی طرح جماعت پر بڑے بڑے خطرات کے اوقات آئے مگر خدا تعالیٰ نے ہر خطرہ کی حالت میں میری مدد کی اور میری وجہ سے اس خوف کو امن سے بدل دیا گیا۔

احرار کا جن دنوں زور تھا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اب جماعت تباہ ہو جائے گی مگر میں نے کہا میں احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکلتی دیکھتا ہوں اور اس کے تھوڑے دنوں بعد ہی احرار کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور وہ دنیا میں ذلیل اور رُسوا ہو گئے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہؤا ایک سکھ نے ایک رسالہ لکھا [91] جس میں وہ میرا ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ تم انہیں خواہ کتنا ہی جھوٹا کہو، ایک بات ایسی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور وہ یہ کہ جن دنوں احرار اپنے زور پر تھے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جماعت احمدیہ کو مٹا کر رکھ دیں گے اُن دنوں امام جماعت احمدیہ نے کہا کہ میں احرار کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی دیکھ رہا ہوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی یہ بات بڑی شان سے پوری ہوئی۔ پہلے احرار جس تحریک کو بھی اپنے ہاتھ میں لیتے تھے کامیاب ہوتے تھے مگر اب ان کی یہ حالت ہے کہ وہ جس تحریک کو بھی اُٹھاتے ہیں اس میں ناکام ہوتے ہیں۔ اسی طرح ارتدادِ ملکانا کا فتنہ لے لو، رنگیلا رسول کے وقت کی ایجی ٹیشن کو لے لو یا ان بہت سی سیاسی اُلجھنوں کو لے لو جو اِس دوران میں پیدا ہوئیں تمہیں نظر آئے گا کہ ہر مصیبت کے وقت خدا نے میری مدد کی، ہر مشکل کے وقت اس نے میرا ساتھ دیا اور ہر خوف کو اس نے میرے لئے امن سے بدل دیا۔ میں کبھی بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایسا عظیم الشان کام لے گا مگر میں اس حقیقت کو چھپا نہیں سکتا کہ خدا نے میرے وہم اور گمان سے بڑھ کر مجھ پر احسانات کئے۔ جب میری خلافت کا آغاز ہؤا تو اُس وقت میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں کوئی دین کی خدمت کر سکوں گا۔ ظاہری حالات میرے خلاف تھے، کام کی قابلیت میرے اندر نہیں تھی، پھر میں نہ عالم تھا نہ

فاضل، نہ دولت میرے پاس تھی نہ جتھا، چنانچہ خدا گواہ ہے جب خلافت میرے سپرد ہوئی تو اس وقت میں یہی سمجھتا تھا کہ خدا کے عرفان کی نہر کا ایک بند چونکہ ٹوٹ گیا ہے اور خطرہ ہے کہ پانی اِدھر اُدھر بہہ کر ضائع نہ ہو جائے، اس لئے مجھے کھڑا کیا گیا ہے تاکہ میں اپنا مردہ دھڑ اس جگہ ڈال دوں جہاں سے پانی نکل کر بہہ رہا ہے اور وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائے چنانچہ میں نے دین کی حفاظت کیلئے اپنا دھڑ وہاں ڈال دیا اور میں نے سمجھا کہ میرا کام ختم ہو گیا مگر میری خلافت پر ابھی تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ خدا تعالیٰ کے نشانات بارش کی طرح برسنے شروع ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب نشان

چنانچہ علی گڑھ کا ایک نوجوان جس کی حالت یہ تھی کہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے عہد میں ہی میرے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں جمع کرنے لگ گیا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ یہ پیشگوئیاں اتنی زبردست ہیں کہ ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے بارہ تیرہ دن پہلے قادیان آیا اور یہ دیکھ کر کہ آپؓ کی حالت نازک ہے مجھے کہنے لگا کہ میں آپ کی بیعت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ میں نے کہا تم کیسی گناہ والی بات کر رہے ہو ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کے متعلق گفتگو کرنا شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہے تم ایسی بات مجھ سے مت کرو۔ چنانچہ وہ علی گڑھ واپس چلا گیا اور بارہ تیرہ دن کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہو گئی۔ وہ چونکہ حضرت خلیفہ اوّل سے اچھے تعلقات رکھتا تھا اس لئے جب آپ کی وفات پر اختلاف ہؤا تو بعض پیغامیوں نے اُسے لکھا کہ تم اس فتنہ کو کسی طرح دور کرو۔ اس پر اُس نے علی گڑھ سے مجھے تار دیا کہ فوراً ان لوگوں سے صلح کر لو ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے اُسے جواب لکھا کہ تمہارا خط پہنچا تم تو مجھے یہ نصیحت کرتے ہو کہ میں ان لوگوں سے صلح کر لوں مگر میرے خدا نے مجھ پر یہ الہام نازل کیا ہے کہ:-

''کون ہے جو خدا کے کاموں کو روک سکے''

پس میں ان سے صلح نہیں کر سکتا۔ رہا تمہارا مجھے یہ تحریک کرنا سو یاد رکھو تم خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حُجت کے نیچے ہو۔ تم نے حضرت خلیفہ اوّل کی زبان سے میرے متعلق بارہا ایسا ذکر

سنا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے بعد خدا تعالیٰ مجھے خلافت کے مقام پر کھڑا کرے گا پھر تم خود میرے متعلق ایک کتاب لکھ رہے تھے جس میں ان پیشگوئیوں کا ذکر تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے متعلق کیں پس تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اور تم میرا انکار کر کے اب دہریت سے ورے نہیں رہو گے۔

یہ خط میں نے اُسے لکھا اور ابھی اس پر ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ دہریہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ آج تک دہریہ ہے اور عَلَی الْاِعْلَانْ خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر ہے حالانکہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے بارہ تیرہ دن پہلے میری بیعت کیلئے تیار تھا اور پھر میرے متعلق ایک کتاب بھی لکھ رہا تھا جس میں اس کا ارادہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُن تمام پیشگوئیوں کو جمع کر دے جو میرے متعلق ہیں مگر چونکہ اس نے ایک کھلی سچائی کا انکار کیا اس لئے میں نے اُسے لکھا کہ اب میرا انکار تمہیں دہریت کی حد تک پہنچا کر رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہؤا اور وہ ایک مہینہ کے اندر اندر دہریہ ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دفعہ وہ میرے پاس آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر بحث کرنے لگا۔ میں نے اُسے کہا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو جانے دو تم یہ بتاؤ کہ میں نے تمہارے متعلق جو پیشگوئی کی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اس پر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

غیر مبائعین کے متعلق الہام لَیُمَزِّقَنَّھُمْ پورا ہو گیا

غیر مبائعین کے پاس دوسری بڑی چیز جتھا تھی۔ انہیں اس بات پر بڑا گھمنڈ تھا کہ جماعت کا پچانوے فیصدی حصہ ان کے ساتھ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انہی دنوں مجھ پر الہام نازل کیا کہ ’’لَیُمَزِّقَنَّھُمْ ‘‘ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

چنانچہ خدا کی قدرت وہی خواجہ کمال الدین صاحب جن کے مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ایسے گہرے تعلقات تھے کہ خواجہ صاحب اگر رات کو دن کہتے تو وہ بھی دن کہنے لگ جاتے اور وہ اگر دن کو رات کہتے تو یہ بھی رات کہنے لگ جاتے ان کی خواجہ صاحب کی وفات سے دو سال پہلے آپس میں وہ لڑائی ہوئی اور ایک دوسرے پر ایسے ایسے اتہامات لگائے

گئے کہ حد ہو گئی ۔ پھر ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اور ان کی انجمن کے دوسرے ممبروں میں احمد یہ بلڈنگس میں عَلَی الْاِعْلَانْ لڑائی ہوئی ۔ یہاں تک کہ بعضوں نے کہہ دیا ہم عورتوں کو پکڑ کر یہاں سے نکال دیں گے ۔کل بھی انہی میں سے ایک آدمی میرے پاس آیا ہؤا تھا اور کہتا تھا کہ میری جائداد فلاں شخص لوٹ کر کھا گیا ہے آپ میری کہیں سفارش کرا دیں ۔ غرض جس طرح الہام میں بتایا گیا تھا اسی طرح واقعہ ہؤا اور ان کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ۔ اس کے مقابلہ میں وہ پچیس سالہ نوجوان جسے یہ تحقیر سے بچہ کہا کرتے تھے اسے خدا تعالیٰ نے ایسی طاقت دی کہ جب بھی کوئی فتنہ اُٹھتا ہے اُس وقت وہ اسے اس طرح کچل کر رکھ دیتا ہے جس طرح مکھی اور مچھر کو مسل دیا جاتا ہے اور کسی کی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ مقابلہ میں دیر تک ٹھہر سکے ۔

اللہ تعالیٰ پر کامل یقین

پانچویں علامت اللہ تعالیٰ نے سچے خلفاء کی یہ بتائی ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے ۔اس علامت کے مطابق بھی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی کسی سے نہیں ڈرا ۔احتیاط میرے اندر حد درجہ کی ہے اور میں اسے عَیب نہیں بلکہ خوبی سمجھتا ہوں لیکن جب مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ فلاں بات یوں ہے تو پھر میں نے مشکلات کی کبھی پرواہ نہیں کی ۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود شدید ترین خطرات کے خدا تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے مداہنت سے بچایا ہے اور کبھی بھی میں جھوٹی صلح کی طرف مائل نہیں ہؤا ۔

مستریوں کے فتنہ کے بارہ میں ایک رؤیا

میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ میں بہشتی مقبرہ کی طرف سے آرہا ہوں اور میرے ساتھ میر محمد اسحاق صاحب ہیں راستہ میں ایک بڑا سمندر ہے جس میں ایک کشتی بھی موجود ہے ۔ میں اور میر محمد اسحاق صاحب دونوں اس کشتی میں بیٹھ گئے اور چل پڑے ۔ جب وہ کشتی اس مقام پر پہنچی جہاں مستریوں کا مکان ہؤا کرتا تھا تو وہ بھنور میں پھنس گئی اور چکر کھانے لگی ۔اتنے میں اس سمندر میں سے ایک سر نمودار ہؤا اور اس نے کہا کہ یہاں ایک پیر صاحب کی قبر ہے تم ان کے نام ایک رقعہ لکھ کر ڈال دو تا کہ یہ کشتی بھنور سے نکل جائے اور

تم سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ۔ میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا یہ سخت مشرکانہ فعل ہے۔ اس کے بعد چکر اور بھی بڑھ گئے اور یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ کہیں کشتی ڈوب ہی نہ جائے۔ اس پر میر محمد اسحاق صاحب مجھ سے کہتے ہیں کہ اس میں حرج ہی کیا ہے بہتر یہ ہے کہ اس وقت ہم رُقعہ لکھ کر ڈال دیں جب بچ جائیں گے تو پھر توبہ کرلیں گے۔ میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس پر انہوں نے مجھ سے چُھپ کر رُقعہ لکھا اور اُس کی مروڑی سی بنا کر چاہا کہ وہ رُقعہ سمندر میں ڈال دیں۔ اتفاقاً میں نے دیکھ لیا اور میں نے کہا میر صاحب! چاہے ہم ڈوب جائیں ایسی مشرکانہ بات کا ارتکاب مَیں نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ میں نے وہ رُقعہ ان سے چھین کر پھاڑ ڈالا اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کشتی خود بخود بھنور میں سے نکل گئی۔

اِس رؤیا کے سالہا سال بعد اسی مقام پر جہاں خواب میں ہماری کشتی بھنور میں پھنسی تھی مستریوں کا فتنہ اٹھا اور انہوں نے کئی قسم کے الزامات لگائے۔ پھر اس خواب کے عین مطابق ایک دن میر محمد اسحاق صاحب سخت گھبرا کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس میں کیا حرج ہے کہ ہم اِن لوگوں کو کچھ روپیہ دے دیں اور اس طرح ان کو خاموش کرا دیں؟ میں نے کہا میر صاحب! اگر وہ باتیں ٹھیک ہیں جن کو یہ پیش کرتے ہیں تو پھر اِن کو خاموش کرانے کے کوئی معنی نہیں اور اگر وہ باتیں غلط ہیں تو خدا ان کو خود تباہ کرے گا ہمیں اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ ہم ان کو روپیہ دیں۔

پس جہاں تک خلافت کا تعلق میرے ساتھ ہے اور جہاں تک اس خلافت کا ان خلفاء کے ساتھ تعلق ہے جو فوت ہو چکے ہیں ان دونوں میں ایک امتیاز اور فرق ہے۔ ان کے ساتھ تو خلافت کی بحث کا علمی تعلق ہے اور میرے ساتھ نشاناتِ خلافت کا معجزاتی تعلق ہے۔ پس میرے لئے اِس بحث کی کوئی حقیقت نہیں کہ کوئی آیت میری خلافت پر چسپاں ہوتی ہے یا نہیں۔ میرے لئے خدا کے تازہ بتازہ نشانات اور اس کے زندہ معجزات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور کوئی شخص نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔ اگر تم میں کوئی ماں کا بیٹا ایسا موجود ہے جو میرا مقابلہ کرنے کا شوق اپنے دل میں رکھتا ہو تو وہ اب میرے

مقابلہ میں اٹھ کر دیکھ لے۔ خدا اُس کو ذلیل اور رُسوا کرے گا بلکہ اُسے ہی نہیں اگر دنیا جہان کی تمام طاقتیں مل کر بھی میری خلافت کو نابود کرنا چاہیں گی تو خدا اُن کو مچھر کی طرح مسل دے گا اور ہر ایک جو میرے مقابلہ میں اُٹھے گا گرایا جائے گا، جو میرے خلاف بولے گا وہ خاموش کرایا جائے گا اور جو مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا وہ خود ذلیل اور رُسوا ہوگا۔

پس اے مؤمنوں کی جماعت اور اے عملِ صالح کرنے والو! میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ خلافت خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اِس کی قدر کرو جب تک تم لوگوں کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہے گی خدا اس نعمت کو نازل کرتا چلا جائے گا لیکن اگر تمہاری اکثریت ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہوگئی تو پھر یہ امر اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ چاہے تو اس انعام کو جاری رکھے اور چاہے تو بند کر دے۔ پس خلیفہ کے بگڑنے کا کوئی سوال نہیں خلافت اس وقت چھینی جائے گی جب تم بگڑ جاؤ گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری مت کرو اور خدا تعالیٰ کے الہامات کو تحقیر کی نگاہ سے مت دیکھو بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے تم دعاؤں میں لگے رہو تا قدرتِ ثانیہ کا پے در پے تم میں ظہور ہوتا رہے۔ تم ان ناکاموں اور نامرادوں اور بے علموں کی طرح مت بنو جنہوں نے خلافت کو ردّ کر دیا بلکہ تم ہر وقت ان دعاؤں میں مشغول رہو کہ خدا قدرتِ ثانیہ کے مظاہر تم میں ہمیشہ کھڑے کرتا رہے تا کہ اس کا دین مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے اور شیطان اس میں رخنہ اندازی کرنے سے ہمیشہ کیلئے مایوس ہو جائے۔

قدرتِ ثانیہ کے نزول کیلئے ہمیشہ دعاؤں میں مشغول رہو

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدرتِ ثانیہ کے نزول کیلئے دعاؤں کی جو شرط لگائی ہے وہ کسی ایک زمانہ کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ میرے زمانہ میں تم یہ دعا کرو کہ تمہیں پہلی خلافت نصیب ہو اور پہلی خلافت کے زمانہ میں اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ الٰہی! اس کے بعد ہمیں دوسری خلافت ملے اور دوسری خلافت میں اِس دعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں تیسری خلافت ملے اور تیسری خلافت میں

اِس دعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں چوتھی خلافت ملے ایسا نہ ہو کہ تمہاری شامتِ اعمال سے اس نعمت کا دروازہ تم پر بند ہو جائے۔

پس ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہو اور اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک تم میں خلافت رہے گی دنیا کی کوئی قوم تم پر غالب نہیں آسکے گی اور ہر میدان میں تم مظفر و منصور رہو گے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے جو اُس نے ان الفاظ میں کیا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ مگر اس بات کو بھی یاد رکھو کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ خدا تمہارے ساتھ ہو اور اَبَدُ الآباد تک تم اس کی برگزیدہ جماعت رہو۔

اختتامی الفاظ:- ۲۹/دسمبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دو بجے جب تقریر ختم فرمائی تو جلسہ پر تشریف لانے والے اصحاب کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:-

''اب جلسہ ختم ہوتا ہے اور احباب اپنے گھروں کو جائیں گے۔ انہیں احمدیت کی ترقی کیلئے ہر وقت کوشاں رہنا چاہئے۔ اولاد پیدا ہونے کے ذریعہ بھی ترقی ہوتی ہے مگر وہ ایسی نہیں جو تبلیغ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ ترقی اولاد کے ذریعہ ہونے والی ترقی سے بڑھ کر بابرکت ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ایک شخص کا ہدایت پا جانا اِس سے زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ کسی کے پاس اِس قدر سرخ اونٹ ہوں کہ ان سے دو وادیاں بھر جائیں۔۹۲

پس تبلیغ کرو اور احمدیت کی اشاعت میں منہمک رہو تا کہ تمہاری زندگی میں اسلام اور احمدیت کی شوکت کا زمانہ آ جائے جبکہ سب لوگ احمدی ہو جائیں گے تو پھر رعایا بھی احمدی ہو گی اور بادشاہ بھی احمدی۔

میں نے بچپن میں ایک رؤیا دیکھا تھا ۱۲۔۱۳ سال کی عمر تھی کہ کبڈی ہو رہی ہے۔ ایک طرف احمدی ہیں اور دوسری طرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ساتھی جو شخص کبڈی کہتا ہؤا مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے آتا ہے اسے ہم مار لیتے ہیں۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو مر جائے وہ دوسری پارٹی کا ہو جائے۔ اس قاعدہ کی رُو سے مولوی صاحب کا جو ساتھی مارا جاتا وہ ہمارا ہو جاتا۔ مولوی صاحب کے سب ساتھی اس طرح

ہماری طرف آ گئے تو وہ اکیلے رہ گئے۔ اس پر انہوں نے پاس کی دیوار کی طرف منہ کر کے آہستہ آہستہ لکیر کی طرف بڑھنا شروع کیا اور لکیر کے پاس پہنچ کر کہا میں بھی اس طرف آ جاتا ہوں اور وہ بھی آ گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب سے مراد ائمۂ کُفر ہیں اور اس طرح بتایا گیا کہ جب عام لوگ احمدی ہو جائیں گے تو وہ بھی ہو جائیں گے اور جب رعایا احمدی ہو جائے گی تو بادشاہ بھی ہو جائیں گے پس تبلیغ کرو، احمدیت کو پھیلاؤ اور دعاؤں میں لگے رہو۔ دل میں درد پیدا کرو، عاجزی، فروتنی اور دیانت داری اختیار کرو اور ہر طرح خدا کے مخلص بندے بننے کی کوشش کرو۔ اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر اصرار مت کرو کیونکہ جو اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے اس کے اندر سے نور جاتا رہتا ہے۔ نہ اُس کی نمازوں میں لذت رہتی ہے اور نہ دعاؤں میں برکت۔ اپنی غلطی پر نادم ہونا اور خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرنا ترقی کا بڑا بھاری گُر ہے۔

پس اگر غلطی کرو تو بھی اور نہ کرو تو بھی خدا تعالیٰ کے حضور جھکو اور اس سے عفو طلب کرو۔ اس طرح مستقل ایمان حاصل ہو جاتا ہے اور اسے توبہ ٹوٹنے نہیں دیتی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جب کوئی مؤمن چوری کرتا ہے یا زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان اس کے سر پر معلّق ہو جاتا ہے اور جب وہ ایسا فعل کر چکتا ہے تو پھر اس میں داخل ہو جاتا ہے [۹۳]۔ اس سے بتایا کہ توبہ کرنے والے کا ایمانِ کُلّی طور پر اسے نہیں چھوڑتا، اس کی غلطی کی وجہ سے نکل جاتا ہے مگر پھر توبہ کرنے سے لوٹ آتا ہے۔ پس دعائیں کرتے رہو میرے لئے بھی، تمام مبلغین کے لئے بھی اور سب احمدیوں کیلئے بھی۔ بے شک خدا تعالیٰ کے میرے ساتھ وعدے ہیں لیکن میری طاقت تمہارے ذریعہ ہے۔ پس اپنے لئے دعائیں کرو اور میرے لئے بھی۔ اب کے تو خلافت جوبلی کی وجہ سے اتنے لوگ جمع ہوئے ہیں کوشش کرو کہ جماعت اتنی بڑھ جائے کہ اگلے سال یوں بھی اتنے لوگ جمع ہو سکیں۔

پھر غیروں کیلئے بھی دعائیں کرو۔ ان کے متعلق اپنے دلوں میں غصہ نہیں بلکہ رحم پیدا کرو۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس شخص پر رحم آتا ہے جو اپنے دشمن پر رحم کرتا ہے۔ پس تم اپنے دلوں

میں ہر ایک کے متعلق خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرو۔

انہی دنوں ایک وزیری پٹھان آئے اور کہنے لگے دعا کریں انگریز دفع ہو جائیں۔ میں نے کہا۔ ہم بد دعا نہیں کرتے۔ یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہو جائیں۔ پس کسی کیلئے بد دعا نہ کرو۔ کسی کے متعلق دل میں غصہ نہ رکھو بلکہ دعائیں کرو اور کوشش کرو کہ اسلام کی شان و شوکت بڑھے اور ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے۔

اس موقع پر مَیں ان لوگوں کیلئے بھی دعا کرتا ہوں جنہوں نے تاروں کے ذریعہ دعاؤں کیلئے لکھا۔ ان کے نام نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وقت تنگ ہو رہا ہے۔ آپ لوگ ان کیلئے اور دوسروں کیلئے اور اسلام و احمدیت کیلئے دعا کریں۔

(انوارالعلوم جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۴۴۳ تا ۵۹۵)

---

۱ بخاری کتاب الاضاحی باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی...... الخ (مفہوماً)

۲ الانفال: ۴۳

۳ ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی النوم یسامرون......الخ

۴ متی باب ۱۷ آیت ۲۱، نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۵ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۰۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۶ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۷ الحشر: ۸ ۸ النساء: ٦٦ ۹ النّور: ۵۲

۱۰ الاعراف: ۱۵۸ ۱۱ الحجرٰت: ۸ ۱۲ التوبة: ۱۰۳

۱۳ التوبة: ۸۱ ۱۴ المائدة: ۳۴ ۱۵ التوبة: ۱تا۵

۱٦ بخاری کتاب الحج باب النزول بین عرفة و جمع

۱۷ السیرة الحلبیة جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۸، ۱۹ اٰل عمران: ۱۴۵

۲۰ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۹۹، ۱۰۰ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۱ شرح دیوان حسان بن ثابت صفحہ ۲۲۱ آرام باغ کراچی

۲۲ مسلم کتاب الوصية باب ترث الوصية لمن ليس له شيئٌ......
۲۳ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۲۴ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۲۵،۲۶ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۲۷ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۳۳۱ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۲۸ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۲۹ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۳۰ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۳۱ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۳۲ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۳۲۶، ۳۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء (مفہوماً)
۳۳ النساء: ۵۲ تا ۶۰
۳۴ پیغام صلح ۲۲ / مارچ ۱۹۱۴ء
۳۵ پیغام صلح ۵ / مئی ۱۹۱۴ء
۳۶ التوبة: ۸ ۳۷ الرّحمٰن: ۴۷ ۳۸ الرّحمٰن: ۶۳
۳۹ الكهف: ۴۷
۴۰ نسائی كتاب الجهاد باب الرخصة فی التخلف لمن له والدة
۴۱ الجمعة: ۴
۴۲ مسلم كتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء فی غير معصية
۴۳ مسلم كتاب الامارة باب خيار الأئمة و شرارهم
۴۴ مسند احمد بن حنبل جلد۴ صفحہ ۱۲۷۔ المكتب الاسلامی بيروت
۴۵ النور: ۵۵ تا ۵۷ ۴۶ ابراهيم: ۸ ۴۷ البقرة: ۳۱
۴۸ ص: ۲۷ ۴۹ اٰل عمران: ۱۶۰ ۵۰ الاعراف: ۷۰
۵۱ المائدة: ۲۱ ۵۲ الرّوم: ۴۲

۵۳؎ اسد الغابة جلد۲صفحہ۲۶۶مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ
۵۴؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء
۵۵؎ تاریخ الخمیس جلد۲صفحہ ۲۰۱مطبوعہ مصر ۱۲۸۳ھ
۵۶؎ بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب ماذکر النبی ﷺ
۵۷؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۴صفحہ ۲۷۳۔ المکتب الاسلامی بیروت
۵۸؎ برنڈزی (BRINDISI) جنوبی اٹلی کا شہر۔ رومی دَور کا اہم بحری اڈہ
(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱صفحہ ۲۴۳مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)
۵۹؎ البقرة: ۹۲
۶۰؎ تاریخ ابن اثیر جلد۴صفحہ ۶۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۶۱؎ تاریخ ابن اثیر جلد۴صفحہ ۱۳۰مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء
۶۲؎ سِرُّ الخلافة صفحہ ۲۰روحانی خزائن جلد۸صفحہ ۳۳۴
۶۳؎ المزّمل: ۱۶ ۶۴؎ البقرة: ۲۴۸
۶۵؎ موضوعات مُلّا علی قاری صفحہ ۴۸مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ
۶۶؎ کنز العمال جلد ۱۱صفحہ ۲۵۹مطبوعہ حلب ۱۹۷۴ء
۶۷؎ الوصیت صفحہ ۶، ۷روحانی خزائن جلد ۲۰صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵
۶۸؎ اٰل عمران: ۱۱۱
۶۹؎ مسند احمد بن حنبل جلد۵صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱مطبوعہ بیروت
۷۰؎ سرّالخلافة صفحہ ۱۹، ۲۰روحانی خزائن جلد ۸صفحہ ۳۳۳، ۳۳۴
۷۱؎ سرّالخلافة صفحہ ۱۲روحانی خزائن جلد ۸صفحہ ۳۲۶
۷۲؎ سرّالخلافة صفحہ ۴۴روحانی خزائن جلد ۸صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹
۷۳؎ خلافت راشدہ حصہ اوّل صفحہ ۱۱۰ مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۲ء
۷۴؎ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱

۷۵؎ بدر ۱۱؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴

۷۶؎ **المعجم الکبیر للطبرانی** جلد ۶ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ عراق ۱۹۷۹ء کے مطابق یہ حدیث ہے۔

۷۷؎ تذکرہ صفحہ ۵۱۸۔ ایڈیشن چہارم

۷۸؎ **البقرۃ: ۱۵۷**

۷۹؎ **البقرۃ: ۱۲۵** ۸۰؎ **البقرۃ: ۲۶۱** ۸۱؎ **العنکبوت: ۲۸**

۸۲؎ **بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللّٰہ تعالیٰ لقد کان فی یوسف و اخوتہ......**

۸۳؎ الوصیت صفحہ ۶، ۷ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵

۸۴؎ **ترمذی ابواب المناقب باب لو کان نبیٌّ بعدی......**

۸۵؎ **بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک**

۸۶؎ **الخصائص الکبریٰ للسیوطی الجزء الثانی** صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ فیصل آباد

۸۷؎ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء میں ''زِغْتُ'' کی بجائے ''اَسَأْتُ'' ہے۔

۸۸؎ **الاعراف: ۹۰** ۸۹؎ **الزخرف: ۸۲**

۹۰؎ کودن: نادان، کُند ذہن

۹۱؎ اِس رسالہ کا نام ''خلیفۂ قادیان'' ہے اور اس کے مصنّف سردار اَرجن سنگھ صاحب امرتسری ہیں۔

۹۲؎ **مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ۔**

۹۳؎ **ترمذی ابواب الایمان باب ماجاء لایزنی الزانی وھومؤمن۔**
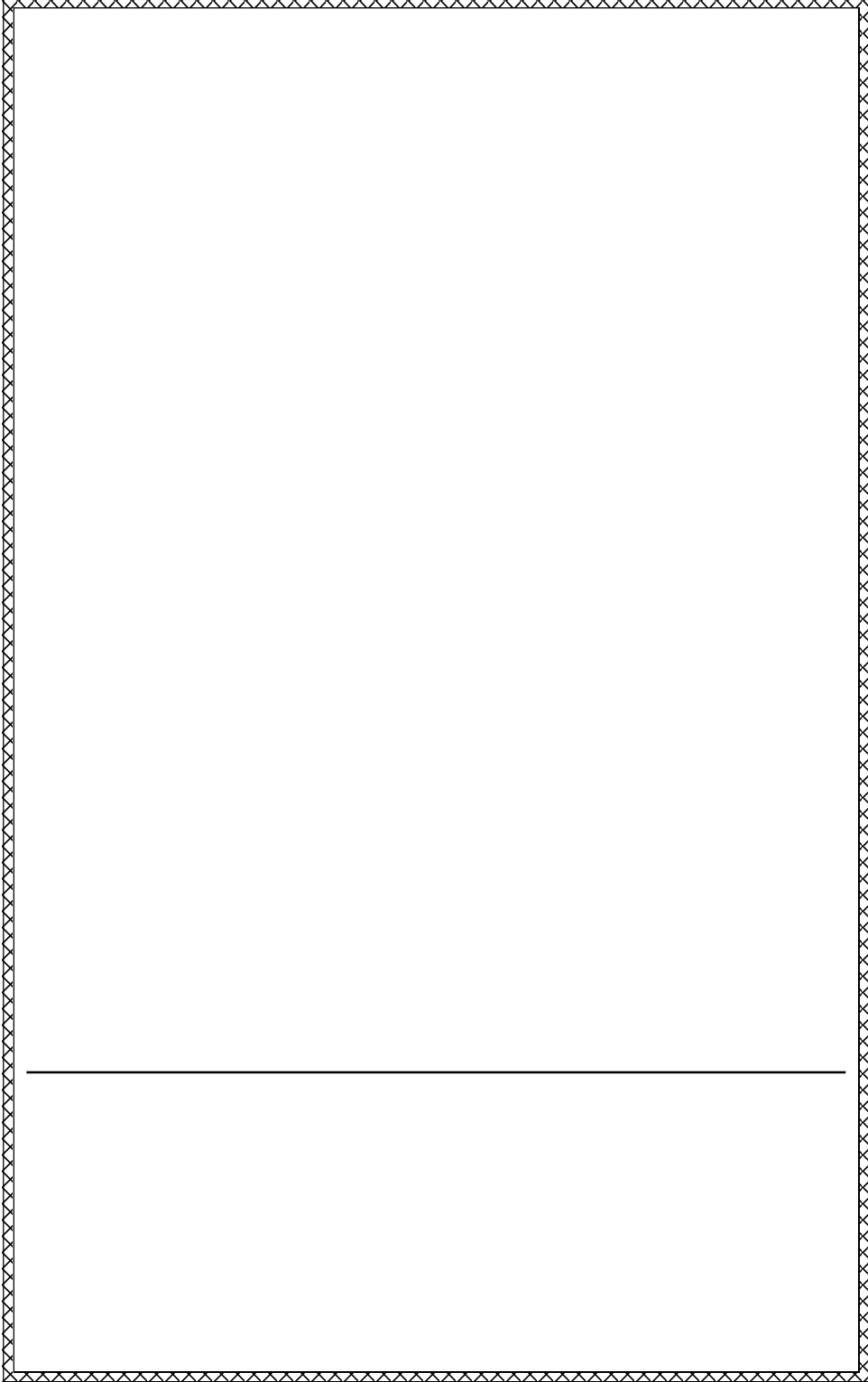
کارکنانِ جلسہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء سے خطاب

(فرمودہ ۶ رجنوری ۱۹۴۰ء) [1]

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔
میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں جس نے باوجود ہر قسم کے موانع اور ہر قسم کی کمیوں کے گزشتہ سالوں سے زیادہ اِس بات کی توفیق بخشی کہ اس کے قائم کردہ سلسلہ اور دین کیلئے جمع ہونے والے مہمانوں کی خدمت کیلئے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے حوصلہ ،اپنے اخلاص اور اپنی طاقت و ہمت کے مطابق موقع ملا۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک کے اندر بھی ایسا اجتماع کہیں نہیں ہوتا جس میں اتنی مقدار میں مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔ انگلستان، امریکہ، جرمنی ،فرانس اور روس یہ اس وقت ترقی یافتہ اور بڑے بڑے ممالک خیال کئے جاتے ہیں مگر ان میں تیس چالیس ہزار آدمیوں کے اجتماع ایسے نہیں ہوتے جن کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔ ہندوستان میں کانگرس کے اجتماع بے شک بڑے ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال مَیں نے نمائندے تحریک جدید سے وہاں بھجوائے تو انہوں نے بتایا کہ ان کو کھانا مفت ملنا تو الگ مول لینے میں بھی دقّتیں پیش آئیں۔غرض یہ ہمارے جلسہ کی خاص خصوصیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ جن کو دوسرے اجتماع دیکھنے کا موقع ملا ہے جب وہ یہاں آتے ہیں تو ہمارے انتظام کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔اسی سال یو۔ پی کے ایک اخبار کے نمائندے جو بعض انگریزی اخبارات کے بھی نمائندے رہ چکے ہیں اور کانگرس سے تعلق رکھتے ہیں یہاں آئے تو انہوں نے ملاقات کے وقت کہا کہ کانگرس کے اجلاس سے اُتر کر ہندوستان میں اتنا بڑا اجتماع مَیں نے کہیں نہیں دیکھا۔ میں نے کہا سنا ہے کانگرس کے اجلاس

میں لاکھ لاکھ دو دو لاکھ آدمی شریک ہوتے ہیں۔ کہنے لگے لاکھ دو لاکھ تو ہرگز نہیں چالیس پچاس ہزار کے قریب ہوتے ہیں اور مرد عورتیں اکٹھے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ہمارے ہاں مستورات کے لئے الگ جلسہ گاہ ہے تو وہ کہنے لگے پھر آپ کے جلسہ کے مردوں کی اِس تعداد کے ساتھ مستورات کی تعداد بھی شامل کر لی جائے تو کانگرس کے اجتماع میں بھی شاید اتنے ہی مرد عورتیں ہوتی ہوں۔

غرض قادیان کا جلسہ سالانہ اب کم از کم ہندوستان میں دوسرے نمبر پر ہے اور اپنے انتظام کے لحاظ سے تو دنیا بھر کے اجتماعوں سے اوّل نمبر پر ہے۔ کیونکہ ایسا انتظام کھانا کھلانے کا قادیان کے سوا اور کسی اتنے بڑے اجتماع میں نہیں ہوتا۔ ہاں میلے بے شک ہوتے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے اجتماع ہوتے ہیں مگر ان میں نہ تو رہائش کا انتظام ہوتا ہے نہ کھانے کا اور نہ روشنی کا۔ پس قادیان کا یہ جلسہ ایک لحاظ سے اوّل نمبر پر اور تعداد کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر۔ اور جس رنگ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کی ترقی ہو رہی ہے اس کے لحاظ سے ہمارا جلسہ سالانہ اِنْشَاءَ اللّٰہ کسی وقت کانگرس سے بھی ہر لحاظ سے اوّل نمبر پر ہوگا۔

(اس کے بعد حضور نے انتظامی امور کے متعلق متعلقہ صیغوں کو ہدایات دیں اور آخر میں فرمایا۔)

میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس خدمتِ دین میں حصہ لیا اور محنت و مشقت سے جی نہ چُرایا۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے اس خدمت میں تم لوگوں کو منفرد کیا ہے اور منفرد ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ بعض لوگ تو منفرد ہونے کے لئے بعض پاجی[2] کام بھی کر لیتے ہیں جیسا کہ چاہِ زمزم میں پیشاب کرنے والے کے متعلق مشہور ہے۔ اِس وقت خدا کے فضل سے آپ لوگوں کو قومی طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ آپ لوگوں کے ذمہ خدا تعالیٰ کے مہمانوں کی میزبانی کا کام سپرد کیا گیا ہے یہ میزبانی اور اتنی بڑی جماعت کی اس رنگ میں میزبانی کسی اور کے سپرد نہیں کی گئی۔ آپ لوگوں کے ہی مکان ایسے ہیں جو خدا کے دین کیلئے آنے والے مہمانوں کیلئے وقف ہوتے ہیں۔ مکہ میں بھی بے شک مہمانوں کیلئے مکانات دیئے

جاتے ہیں مگر وہ کرایہ لیتے ہیں۔ یہ صرف قادیان ہی کے مکانات ہیں جن کی نسبت مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [۳] کے مطابق خرچ کرنے کا آپ لوگوں کو موقع ملتا ہے۔ پھر آپ لوگ ہی ایک ایسی جماعت ہیں جسے وہ شرف حاصل ہے جس کا حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں ذکر کیا تھا کہ خدا کی قسم! خدا تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ مہمان نواز ہیں۔[۴] پس یہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن پانچ شخص ایسے ہوں گے جن پر خدا تعالیٰ اپنا سایہ کرے گا۔ ان میں سے آپ نے ایک مہمان نواز قرار دیا ہے۔

بے شک ایک دوست دوست کی میزبانی کرتا ہے مگر وہ ایک رنگ کا سَودا ہوتا ہے۔ ایک رشتہ دار اپنے رشتہ دار کی میزبانی کرتا ہے اور وہ بھی ایک سَودا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے تعلق کی وجہ سے مہمان نوازی کرتا ہے۔ مگر آپ لوگ جن لوگوں کی میزبانی کرتے ہیں ان سے کوئی دُنیوی تعلق نہیں ہوتا اور یہی دراصل مہمانی ہے جو خدا تعالیٰ کی رحمت کے سایہ کے نیچے آپ لوگوں کو لے جانے والی ہے اور یہی وہ مہمانی ہے جو شاذونادر ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے مگر خدا تعالیٰ نے قادیان والوں کو عطا کر رکھی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اخلاص سے آپ لوگ کام لیتے ہوں تو نہ معلوم کتنے اُحد پہاڑوں کے برابر آپ کو ثواب حاصل ہوتا ہوگا۔

ممکن ہے کہ جب ہماری جماعت بڑھ جائے اور یہاں قادیان میں ایسے جلسے کرنا مشکل ہو جائیں تو پھر ہم اجازت دے دیں کہ ہر ملک میں الگ سالانہ جلسے ہوا کریں اُس وقت ان ممالک میں کام کرنے والے بھی ثواب کے مستحق ہوا کریں گے مگر وہ وقت تو آئے گا جب آئے گا اِس وقت تو آپ لوگوں کے سِوا ایسی خوش قسمت جماعت اور کوئی نہیں۔

اب میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہماری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور ہماری غلطیوں، سُستیوں اور کمزوریوں سے درگزر کرے تا ایسا نہ ہو کہ غلطیاں ہماری نیکیوں کو کھا جانے والی ہوں۔ اور ہم آئندہ سال اس سے بھی بڑھ کر

خدمتِ خلق کر کے اپنے خدا کو راضی کر سکیں۔

(انوار العلوم جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۶۰۱ تا ۶۰۳)

---

۱ قادیان ۲ جنوری جلسہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء کے انتظامات بخیر وخوبی ختم ہونے پر مدرسہ احمدیہ کے صحن میں صبح سَوا نو بجے کے قریب کارکنانِ جلسہ کا اجتماع ہوا۔ جہاں سٹیج پر لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام کیا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے تشریف لانے پر جلسہ سالانہ کے انتظامات کرنے والی پانچ نظامتوں کی طرف سے رپورٹیں سنائی گئیں۔ پھر حضرت صاحب نے سَوا دس بجے سے سَوا بارہ بجے تک تقریر فرمائی جس میں حضور انور نے اہم امور کی اصلاح کے متعلق ہدایات دیں۔

۲ پاجی: ذلیل، کمینہ

۳ البقرة: ۴

۴ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی (الخ)

خلافت نبوت کو زندہ رکھتی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر سیر روحانی کے عنوان سے کی جانے والی تقاریر کے تسلسل میں یہ تقریر فرمائی۔ اِس تقریر میں آپ نے خصوصیت سے مساجد اور قلعوں کی بابت تفصیل سے روشنی ڈالی۔

مساجد کے تعلق میں مساجد کی دس خصوصیات بیان فرمائیں اور صحابہ اور مساجد میں مماثلت بیان کرتے ہوئے امامت کے قیام کا ذکر کیا اور فرمایا:۔

''درحقیقت جس طرح مسجد، خانہ کعبہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے اس طرح امام نبوت کی یاد تازہ رکھتا ہے اب دیکھ لو اس امر کو بھی مسلمانوں نے تازہ کیا اور مقام ابراہیم کو مصلّٰی بنایا یعنی امامت کا وجود ظاہر کیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ نے خلافت کو قائم کیا اور امامت کو زندہ رکھا۔

پہلے حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علیؓ مقامِ ابراہیم پر کھڑے رہے، گویا بالکل مسجد کا نمونہ تھے۔ جس طرح مسجد میں لوگ ایک شخص کو امام بنا لیتے ہیں اس طرح صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہوتے ہی ایک شخص کو اپنا امام بنالیا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ گجرات کے ایک دوست نے سنایا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر پھیلی تو ایک مولوی کہنے لگا کہ جماعت احمدیہ انگریزی خوانوں کی جماعت ہے اسے دین کا کچھ پتہ نہیں اب فیصلہ ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی تھے یا نہیں؟ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے[1] اور تم میں چونکہ انگریزی خوانوں کا غلبہ ہے وہ ضرور انجمن کے ہاتھ میں کام دیدیں گے اور اس طرح ثابت ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی نہیں تھے۔ دوسرے ہی دن یہاں سے تار چلا گیا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ ہو گئے ہیں یہ خبر جماعت کے دوستوں نے اُس مولوی کو بھی جا کر سنا

دی۔ وہ کہنے لگا مولوی نورالدین دین سے واقف تھا وہ چالا کی کر گیا ہے اس کے مرنے پر دیکھنا کہ کیا بنتا ہے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو اُس وقت وہ ابھی زندہ تھا اور اُس وقت چونکہ یہ شور پیدا ہو چکا تھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں اصل جانشین انجمن ہے اور بعض خلافت کے قائل ہیں اِس لئے اس نے سمجھا کہ اب تو جماعت ضرور ٹھوکر کھا جائے گی چنانچہ اس نے کہنا شروع کر دیا کہ میری بات یاد رکھنا اب ضرور تم نے انجمن کو اپنا مطاع تسلیم کر لینا ہے مگر معاً یہاں سے میری خلافت کی اطلاع چلی گئی۔ یہ خبر سن کر وہ مولوی کہنے لگا کہ تم لوگ بڑے چالاک ہو۔

خلافت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو قائم رکھتی ہے

غرض رسول کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے تو اس لیے کہ مسجد سے اس کی مشابہت ثابت ہو۔ جس مسجد بنائی ہی اس لئے جاتی ہے تا کہ عبادت میں اتحاد قائم رہے اسی طرح نبیوں کی جماعت قائم ہی اِسی لئے کی جاتی ہے تا کہ عبودیت میں اتحاد قائم رہے۔ پس جس طرح مسجد خانہ کعبہ کی یاد کو قائم رکھتی ہے اسی طرح خلافت محمد ﷺ کی یاد کو قائم رکھتی ہے یہی وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا تھا کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى [2] ایک خانہ خدا قائم کر دیا گیا ہے اب تم بھی ابراہیمی طریق پر زندگی بسر کرو اور اس کی روح کو زندہ رکھو۔

مقامِ ابراہیمی کو مصلّی بنانے کا مفہوم

مقامِ ابراہیم کو مصلّی بنانے کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص ان کے مصلّی پر جا کر کھڑا ہو یہ تو قطعی طور پر ناممکن ہے اگر اس سے یہی مراد ہوتی کہ مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھو تو اوّل تو یہی جھگڑا رہتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہاں نماز پڑھی تھی یا وہاں؟ اور اگر بالفرض یہ پتہ یقینی طور پر بھی لگ جاتا کہ انہوں نے کہاں نماز پڑھی تھی تو بھی ساری دنیا کے مسلمان وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ صرف حج میں ایک لاکھ کے قریب حاجی شامل ہوتے ہیں، اگر حنفیوں کی طرح نماز میں مرغ کی طرح ٹھونگیں ماری جائیں تب بھی ایک شخص کی نماز پر دو منٹ صرف ہونگے اس کے معنے یہ ہوئے کہ ایک گھنٹہ میں تین اور چوبیس گھنٹے میں سات سَو بیس آدمی وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں اب بتاؤ کہ باقی جو ۹۹ ہزار ۲۸۰ رہ جائیں گے وہ کیا

کریں گے؟ اور باقی مسلم دنیا کے لئے تو کوئی صورت ہی ناممکن ہوگی ۔ پس اگر اس حکم کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر ایسی صورت میں فسادات کا بھی احتمال رہتا ہے بلکہ ایک دفعہ تو محض اس جھگڑے کی وجہ سے مکہ میں ایک قتل بھی ہو گیا تھا پس اس آیت کے یہ معنی نہیں بلکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ نے امامت کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہدایت دی ہے کہ تمہارا ایک امام ہو تا کہ اس طرح سنت ابراہیمی پوری ہوتی رہے۔ درحقیقت آیت اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۚ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى [۳] میں دو اماموں کا ذکر کیا گیا ہے پہلے فرمایا کہ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تجھے امام یعنی نبی بنانے والا ہوں ۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے عرض وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ میری ذریت کو بھی نبی بنا، کیونکہ اگر میں مرگیا تو کام کس طرح چلے گا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے، تمہاری اولاد میں سے تو بعض زمانوں میں ظالم ہی ظالم ہونے والے ہیں، یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان ظالموں کے سپرد یہ کام کیا جائے ۔ ہاں ہم تمہاری اولاد کو یہ حکم دیتے ہیں کہ سنت ابراہیمی کو قائم رکھیں جو لوگ ایسا کریں گے ہم ان میں سے امام بناتے جائیں گے۔ اس طرح ابراہیم ان میں زندہ رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ انعامات سے حصہ لیتے چلے جائیں گے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اماموں کا ذکر کیا ہے ایک امامت نبوت جو خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملتی ہے اور دوسری امامت خلافت جس میں بندوں کا بھی دخل ہوتا ہے اور جس کی طرف وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی اس میں کسب کا دخل ہے پس تم اس کیلئے کوشش کرتے رہو۔ غرض اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت کی ہے کہ جب امامت نبوت نہ ہو تو امامت خلافت کو قائم کرلیا کرو، ورنہ اگر ظاہری معنی لئے جائیں تو اس حکم پر کوئی عمل نہیں کرسکتا''۔

(انوار العلوم جلد ۱۶ سیر روحانی (۲) صفحہ ۷۹، ۸۰)

---

[۱]

[۲] البقرة: ۱۲۶ [۳] البقرة: ۱۲۵، ۱۲۶

خلافت کو بادشاہت کا رنگ نہیں دینا چاہیے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۶ دسمبر۱۹۴۲ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر بعض اہم اور ضروری امور پر تقریر فرمائی۔ اس موقع پر ایک پرائیویٹ بات کا ذکر فرمایا جو ملاقات کے بارہ میں تھی۔ آپ نے فرمایا:۔

''میں ایک واقعہ کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ پرائیویٹ ہے مگر اس لئے بیان کرتا ہوں کہ دوسروں کو بھی فائدہ ہو سکے۔ آج ملاقات کے بعد مجھے پرائیویٹ سیکرٹری نے بتایا کہ ایک عزیز مجھ سے ملنے کیلئے آئے تھے اور انہوں نے دروازہ میں داخل ہونا چاہا مگر پہرہ دار نے روکا۔ انہوں نے کہا کہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں مگر پہرہ دار نے کہا کہ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں۔ اُس عزیز نے کہا میں اسی جماعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں جس کی ملاقات ہو رہی ہے۔ اس پر پہرہ دار نے کہا کہ آپ وقت پر کیوں نہیں آئے بعد از وقت میں اجازت نہیں دے سکتا۔ اُس پر بھی اس عزیز نے ملاقات پر اصرار کیا۔ پہرہ دار نے اجازت نہ دی تو اُس نے اُسے مُکّا مارا جس سے پہرہ دار کے جسم سے خون بہہ نکلا۔ اس واقعہ میں دونوں کی غلطی ہے۔ اس نوجوان کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ مخلص ہے اور اس نے ایسے وقت میں اپنے اخلاص کو قائم رکھا جبکہ اُس کے بزرگ اس سے محروم ہو گئے تھے وہ ملاقات کرنا چاہتے تھے تو اس طرح ان کو روکنا مناسب نہ تھا۔ چاہیے یہ تھا کہ پہرہ دار اُنہیں کہتے کہ تشریف لائیے آپ کا کس جماعت کے ساتھ تعلق ہے اور پھر اس جماعت کے سیکرٹری صاحب کے پاس لے جاتے کہ یہ آپ کی جماعت کے فرد ہیں اور اس طرح ان کیلئے میرے ساتھ ملاقات کا انتظام کرتے۔ پہرہ والوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کے روکنے کے بعد میرے ساتھ ملاقات کا ان کے پاس کیا ذریعہ تھا۔ اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ یہ

بادشاہت نہیں بلکہ خلافت ہے خلافت کو بادشاہت کا رنگ ہرگز نہیں دینا چاہئے۔ روکنے والے کو خود غور کرنا چاہئے تھا کہ اگر وہ خود باہر کا رہنے والا ہوتا، سال کے بعد یہاں آتا اور پھر اسے خلیفہ کے ساتھ ملاقات سے روکا جاتا تو اُسے کتنا دکھ ہوتا اور اس دکھ کا احساس کرتے ہوئے اسے اس طرح روکنا نہ چاہئے تھا۔ ملاقات کا موجودہ انتظام تو اس لئے ہے کہ جماعتیں اکٹھی ملیں تا واقفیت ہو سکے مگر بعض دفعہ ایک جماعت کے ساتھ دوسری جماعت کا کوئی دوست بھی آ جاتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اگر اسے آنے بھی دیا جاتا تو کیا اس نے آتے ہی گولی چلا دینی تھی؟ یہ انتظام تو صرف سہولت کیلئے ہے ورنہ لوگوں نے بہر حال ملنا ہے۔ پس جہاں تک ملاقات سے روکنے کا تعلق ہے روکنے والے کی غلطی ہے باقی رہا مُکّا مارنے کا معاملہ سو مارنے والا سپاہی ہے اور فوجی افسر ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کو مُکّا بازی آ گئی مگر اتنا کہتا ہوں یہ شرعاً ناجائز ہے۔ اگر ان پر ظلم ہوا تو چاہئے تھا کہ وہ اسے برداشت کرتے تاہم جسے مارا گیا ہے میں اسے کہتا ہوں کہ وہ معاف کر دے کیونکہ اس نے اس جذبہ کے زیر اثر مارا ہے کہ اسے خلیفہ سے ملنے سے روکا گیا''۔

(انوار العلوم جلد ۱۶ صفحہ ۴۶۸، ۴۶۹)

خلافت احمدیہ کا قیام اور اس کی برکات

دعویٰ مصلح موعود کے سلسلہ میں دوسرا عظیم الشان جلسہ مؤرخہ ۱۲ / مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مختلف مذاہب کے لوگ کثرت سے شامل ہوئے۔ اس موقع پر جو تقریر آپ نے فرمائی اس کا عنوان تھا ''میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں'' اس تقریر میں خلافت احمدیہ کے قیام اور اس کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اَب مرزا صاحب تو فوت ہو گئے ہیں اِس سلسلہ کا اَب خاتمہ سمجھو۔ تب اللہ تعالیٰ نے جماعت کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خلیفہ مقرر کریں۔ چنانچہ سب جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ خلیفہ اوّل مقرر ہوئے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ جماعت کا شیرازہ بکھرا نہیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا ہے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ سب ترقی حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وجہ سے اِس سلسلہ کو حاصل ہو رہی تھی۔ وہ پیچھے بیٹھ کر کتابیں لکھتے اور مرزا صاحب اپنے نام سے شائع کر دیتے تھے۔ بس اِس کی زندگی تک اِس سلسلہ نے ترقی کرنی ہے، مولوی نورالدین صاحب کے مرتے ہی یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مگر خدا کی قدرت ہے کہ اپنے تمام زمانہ خلافت میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک کتاب بھی نہ لکھی اور اِس طرح وہ اعتراض باطل ہو گیا جو مخالف کرتے رہتے تھے کہ کتابیں مولوی نورالدین صاحب لکھتے ہیں اور نام مرزا صاحب کا ہوتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کا طرزِ تحریر ہی بالکل اور رنگ کا تھا۔ مگر بہرحال لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضرت مولوی صاحب تک ہی اِس سلسلہ کی زندگی ہے اِس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا مگر وہ خدائے واحد وقہار جس نے بانی سلسلہ احمدیہ کو خبر دی تھی کہ تیرا

ایک بیٹا ہوگا جو تیرا نام دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا اور دین اسلام کی شوکت قائم کرنے کا موجب ہوگا اُس نے مخالفوں کی اِس امید کو بھی خاک میں ملا دیا۔ آخر وہ وقت آ گیا جب حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہوئی۔ اُس وقت جماعت میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ جماعت کے ایک برسرِ اقتدار حصہ نے جس کے قبضہ میں صدر انجمن احمدیہ تھی، جس کے قبضہ میں خزانہ تھا اور جس کے زیر اثر جماعت کے تمام بڑے بڑے لوگ تھے کہنا شروع کر دیا کہ خلافت کی ضرورت نہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب جیسے سحر البیان لیکچرار، مولوی محمد علی صاحب جیسے مشہور مصنف، شیخ رحمت اللہ صاحب جیسے مشہور تاجر، مولوی غلام حسین صاحب جیسے مشہور عالم جن کے سرحدی علاقہ میں اکثر شاگرد ہیں، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جیسے بارسوخ اور صاحب جائداد ڈاکٹر یہ سب ایک طرف ہو گئے اور اِن لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک بچہ کو بعض لوگ خلیفہ بنا کر جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ بچہ جس کی طرف ان کا اشارہ تھا مَیں تھا۔ اُس وقت میری عمر بیس سال کی تھی اور اللہ بہتر جانتا ہے مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ میرے متعلق یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ میں جماعت کا خلیفہ بنوں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے نہ میں اِن باتوں میں شامل تھا اور نہ مجھے کسی بات کا علم تھا۔ سب سے پہلے میرے کانوں میں یہ آواز شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس کی طرف سے آئی۔ میں نے سنا کہ وہ مسجد میں بڑے جوش سے کہہ رہے تھے کہ ایک بچہ کی خاطر سلسلہ کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ مجھے اُس وقت اُن کی یہ بات اتنی عجیب معلوم ہوئی کہ باہر نکل کر میں نے دوستوں سے پوچھا کہ وہ بچہ ہے کون جس کا آج شیخ رحمت اللہ صاحب ذکر کر رہے تھے۔ وہ میری اِس بات کو سُن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے وہ بچہ تم ہی تو ہو۔ غرض میں اِن باتوں سے اتنا بے بہرہ تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مَیں زیر بحث ہوں اور میرے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ اِس کی وجہ سے جماعت تباہ ہو رہی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی مشیّت یہی تھی کہ وہ مجھے دنیا کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود آگے کرے اور میرے سپرد جماعت کی نگرانی کا کام کرے۔ میں نے امن قائم رکھنے اور جماعت کو تفرقہ سے بچانے کی بڑی کوشش کی مگر خدا تعالیٰ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ آخر وہی ہوا جو اُس کا منشاء تھا۔ جوں جوں

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات نزدیک آتی گئی اِن لوگوں نے جماعت میں کثرت کے ساتھ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ جاری نہیں ہونا چاہئے۔ جس دن حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے دنیا نے کہا اَب یہ سلسلہ ختم ہوگیا کیونکہ جس شخص پر اِس سلسلہ کا تمام انحصار تھا وہ اُٹھ گیا۔ اُس دن جب مخالفوں کی زبان پر یہ تھا کہ یہ سلسلہ ختم ہوگیا میں نے جماعت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے مولوی محمد علی صاحب سے گفتگو کی اور میں نے اُن سے کہا کہ آپ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کریں میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جب میں بیعت کرلوں گا تو وہ لوگ جو میرے ساتھی ہیں وہ بھی میرے ساتھ ہی خود بخود بیعت کرلیں گے اور اِس طرح تفرقہ پیدا نہیں ہوگا۔ مگر باوجود میری تمام کوششوں کے آخری جواب مولوی محمد علی صاحب نے یہ دیا کہ آپ جانتے ہیں جماعت والے کس کو خلیفہ مقرر کریں گے اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔ حالانکہ میری نیک نیتی اِس سے ظاہر ہے کہ جس دن عصر کی نماز کے وقت لوگوں نے میری بیعت کی اُسی دن صبح کے وقت میں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ ہمیں ضد نہیں کرنی چاہئے اگر وہ خلافت کو تسلیم کرلیں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کرلیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو پھر اِن لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے اور میرے اصرار پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام اہلِ بیت نے اِس امر کو تسلیم کرلیا۔ پھر میری یہ حالت تھی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے چند دن پہلے میں اُس مقام پر گیا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اور میں نے وضو کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ میری عمر اُس وقت اتنی چھوٹی نہ تھی مگر بڑی بھی نہ تھی۔ ۲۵ سال میری عمر تھی، میری والدہ موجود تھیں، میری بیوی موجود تھیں اور میرے بچے بھی تھے مگر مَیں نے اُس وقت نیت کر لی کہ چونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری وجہ سے جماعت میں تفرقہ پیدا ہو رہا ہے اِس لئے میں خاموشی سے کہیں باہر نکل جاؤں گا تا کہ میں تفرقہ کا باعث نہ بنوں۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ خدایا! مَیں اِس جماعت میں فتنہ پیدا کرنے والا نہ بنوں تُو میرے دل کو تقویت عطا فرما تا کہ مَیں پنجاب یا ہندوستان کے کسی علاقہ میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر نکل

جاؤں اور میری وجہ سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ اِس کے بعد میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ کہیں نکل کر چلا جاؤں گا مگر خدا کی قدرت ہے دوسرے تیسرے دن ہی اچانک حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہوگئی اور میں اِس جھگڑے میں پھنس گیا۔ تب جماعت کے غریب طبقہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ جو بڑے بڑے لوگ کہلاتے تھے جماعت سے الگ ہو گئے۔ اِن میں سے ایک ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ انہوں نے وہاں سے روانہ ہوتے وقت ہماری عمارتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو جاتے ہیں کیونکہ جماعت نے ہم سے اچھا سلوک نہیں کیا لیکن تم دیکھ لوگے کہ دس سال کے عرصہ میں اِن جگہوں پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا اور احمدیوں کے ہاتھ سے یہ تمام جائدادیں نکل جائیں گی۔ اُس وقت میرے ہاتھ پر دو ہزار کے قریب آدمیوں نے بیعت کی، باہر کی اکثر جماعتیں ابھی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ ''پیغام صلح'' میں لکھا گیا کہ پچانوے فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور صرف پانچ فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے۔ مگر ابھی دو مہینے نہیں گزرے تھے بلکہ ابھی صرف ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ ساری کی ساری جماعت میری بیعت میں شامل ہوگئی اور پیغام صلح نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ۹۵ فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے اور صرف پانچ فیصدی ہمارے ساتھ۔ پھر میری مخالفت بھی تھوڑی نہیں ہوئی میرے قتل کی کئی بار کوششیں کی گئیں۔

احرار کی شورش کے ایام میں ہی ایک دفعہ قادیان میں سرحد کی طرف سے ایک پٹھان آیا اور میرے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے لڑکا اندر بھیجا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ مَیں تو اِن باتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتا مَیں آنے ہی لگا تھا کہ مجھے باہر کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ معلوم ہوا کہ ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست جو پٹھان ہیں اُنہوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کے نیفے میں سے چھرا نکال لیا۔ بعد میں اُس نے تسلیم کیا کہ میں واقع میں قتل کرنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔

اِسی طرح یہاں لاہور میں ایک دفعہ ایک دیسی عیسائی کو پھانسی ہوئی۔ جے میتھوز اُس کا نام تھا۔ اُس نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا جس کی پاداش میں سیشن جج نے اُسے پھانسی کی سزا

دی۔ اُس نے اپنے بیانات میں اِس اَمر کا اظہار کیا کہ میں ایک دفعہ پستول لے کر مرزا محمود احمد کو مارنے کے لئے قادیان گیا تھا مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ میں اُن سے مل نہ سکا اور وہ دریا پر چلے گئے۔ پھر میں پستول لیکر اُن کے پیچھے پیچھے دریا پر گیا۔ وہاں ایک دن میں نے اُن کے ایک ساتھی کو بندوق صاف کرتے دیکھا جس سے میں ڈر گیا کہ بندوق تو دُور تک وار کر جاتی ہے، ایسا نہ ہو میں خود ہی مارا جاؤں چنانچہ میں واپس آ گیا اور اپنی بیوی سے کسی بات پر لڑ کر میں نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ ایک عدالتی بیان ہے جو سیشن جج کی عدالت میں اُس نے لاہور میں دیا۔ اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ لوگوں کی جوش دلانے والی باتیں سن کر مَیں نے اِن کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

پھر اِسی قسم کا ایک اور کیس ہوا۔ ایک شخص ہماری دیوار پھاندتے ہوئے پکڑا گیا۔ بعد میں پولیس نے اُسے پاگل قرار دیکر چھوڑ دیا حالانکہ وہ دیوار پھاندتے ہوئے پکڑا گیا تھا اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا وہ قتل کرنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے سالانہ جلسہ میں تقریر کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی شخص نے ملائی دی کہ جلدی سے حضرت صاحب تک پہنچا دی جائے آپ تقریر کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ چنانچہ گھبراہٹ میں لوگوں نے جلدی جلدی ملائی آگے پہنچانی شروع کر دی یہاں تک کہ وہ سٹیج پر پہنچ گئی۔ سٹیج پر کسی شخص کو ہوش آیا اور اُس نے ذرا سی ملائی اپنی زبان پر لگائی تو لگاتے ہی اُس کی زبان کٹ گئی۔ تب اِدھر اُدھر تلاش کیا گیا کہ ملائی دینے والا کون تھا مگر وہ نہ ملا۔ غرض ہر رنگ میں دشمنوں نے مجھے مٹانے اور گرانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُن کو ناکام و نامراد رکھا۔

گزشتہ سالوں میں ہی لاہور میں سر سکندر حیات خاں نے اپنی کوٹھی پر مجھے اِس غرض کے لئے بُلا بھیجا کہ اگر کشمیر کمیٹی اور احرار میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حکومت کسی نہ کسی رنگ میں فیصلہ کر دے گی۔ اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا آپ کو ایسی میٹنگ میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ میں نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نہ مجھے سیاسیات سے کوئی دلچسپی ہے میں تو ایک مذہبی آدمی ہوں اور چاہتا ہوں کہ اِس قسم کے جھگڑے جلد دُور ہو جائیں۔

وہاں احرار کی طرف سے چوہدری افضل حق صاحب شامل ہوئے اور انہوں نے بڑے غصہ سے کہا کہ میں اِن سے ہرگز صلح نہیں کر سکتا کیونکہ میں جب الیکشن کے لئے کھڑا ہوا تھا تو اِنہوں نے میری دو دفعہ مخالفت کی تھی۔ میں نے اُن سے کہا کہ مخالفت کرنا ہر شخص کا حق ہے مگر یہ درست نہیں کہ مَیں نے آپ کی دو دفعہ مخالفت کی ہے۔ ایک دفعہ مخالفت کی ہے اور ایک دفعہ تائید کی ہے۔ سر سکندر حیات خاں بھی اِن سے کہنے لگے کہ آپ بھولتے ہیں آپ نے خود مجھے کہا تھا کہ امام جماعت احمدیہ سے چونکہ میرے دوستانہ تعلقات ہیں اِس لئے میں آپ کے متعلق اِن کے پاس سفارش کر دوں اور میں نے آپ کے کہنے پر سفارش کی اور انہوں نے آپ کی مدد کی۔ پس یہ درست نہیں کہ انہوں نے دو دفعہ مخالفت کی ہے ایک دفعہ انہوں نے مخالفت کی ہے اور ایک دفعہ تائید کی ہے۔ اِس پر چوہدری افضل حق صاحب کہنے لگے خواہ کچھ ہو مَیں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ میں جماعت احمدیہ کو کچل کر رکھ دوں گا۔ اسی طرح وہ غصہ میں اور بھی بہت کچھ کہتے چلے گئے مَیں مسکراتا رہا اور خاموش رہا۔ جب وہ اپنا غصہ نکال چکے تو میں نے کہا چوہدری صاحب! ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہمارا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اگر ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ہے تو آپ کی کسی کوشش کی ضرورت نہیں خدا خود ہمارے سلسلہ کو کچل دے گا لیکن اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ سلسلہ ہے تو پھر آپ کی کیا حیثیت ہے دنیا کے سارے بادشاہ مل کر بھی ہمارے سلسلہ کو کچلنا چاہیں تو وہ خود کُچلے جائیں گے مگر ہمارے سلسلہ کو کچل نہیں سکتے۔ اُس وقت مجلس میں نواب مظفر خان صاحب موجود تھے، شیخ محمد صادق صاحب موجود تھے، نواب احمد یار خاں صاحب دولتانہ موجود تھے، جب مجلس ختم ہوئی تو شیخ محمد صادق صاحب چوہدری افضل حق صاحب کے ساتھ اُن کے گھر تک گئے اور انہیں کہا کہ چوہدری صاحب! آپ نے اچھا نہیں کیا۔ گھر پر بُلا کر امام جماعت احمدیہ کی آج شدید ہتک کی گئی ہے چنانچہ بعد میں واپس آ کر اُنہوں نے خود ہی ذکر کیا کہ میں چوہدری افضل حق صاحب کے ساتھ اُن کے دروازہ تک گیا تھا اور اُن سے کہا تھا کہ آپ نے آج جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا اور چوہدری افضل حق صاحب کہتے تھے کہ اب میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہ الفاظ نہیں کہنے چاہئیں تھے اصل بات یہ ہے غصہ میں میری زبان

قابو میں نہیں رہی تھی ۔ تو لوگوں نے ہر طرح زور لگایا کہ ہمارے سلسلہ کو مٹا دیں ۔
یہاں تک کہ ۱۹۳۴ء میں انگریزی گورنمنٹ بھی ہماری جماعت کی مخالف ہوگئی ۔ سر ایمرسن جو گورنر پنجاب رہ چکے ہیں گورنری سے پہلے میرے بڑے دوست تھے یہاں تک کہ لندن سے انہوں نے مجھے چٹھی لکھی کہ میں اب گورنر بن کر آ رہا ہوں اور امید کرتے ہیں کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے مگر یہاں آتے ہی ہماری جماعت کے شدید مخالف ہو گئے یہاں تک کہ سر فضل حسین صاحب نے ایک ملاقات کے دَوران میں مجھ سے کہا کہ نہ معلوم سر ایمرسن کو کیا ہو گیا ہے وہ تو آپ کے سلسلہ کو بہت کچھ بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں ۔ پھر انہوں نے کریمنل لاء ایمنڈمنٹ (CRIMINAL LAW AMENDMENT) ایکٹ مجھ پر لگانا چاہا اور قادیان میں احرار کا جلسہ کرایا جس میں ہمارے سلسلہ کی شدید ہتک کی گئی ۔ غرض ہر رنگ میں ہماری مخالفت ہوئی اور ہر طبقہ نے مخالفت کی ۔ افغانستان میں میرے زمانہ میں جماعت احمدیہ کے چار آدمی یکے بعد دیگرے شہید کئے گئے حالانکہ افغانستان کے وزیر خارجہ نے خود ہمیں چٹھی لکھی تھی کہ افغانستان میں آپ کو تبلیغ کی اجازت ہے بے شک اپنے مبلّغ بھجوائیں ۔ مگر جب ہم نے اپنے مبلّغ بھجوائے تو حکومت نے اُن کو سنگسار کر دیا ۔ غرض جتنا زور دُنیا لگا سکتی تھی اُس نے لگا کر دیکھ لیا مگر باوجود اِس کے خدا نے ہمیں بڑھایا اور ایسی ترقی دی جو ہمارے وہم اور خیال میں بھی نہیں تھی ۔

جب میں خلیفہ ہوا اُس وقت ہمارے خزانہ میں صرف چودہ آنے کے پیسے تھے اور ۱۸ ہزار کا قرض تھا یہاں تک کہ میں نے اپنے زمانۂ خلافت میں جو پہلا اشتہار لکھا اور جس کا عنوان تھا ۔ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' اُس کو چھپوانے کے لئے بھی میرے پاس کوئی روپیہ نہ تھا ۔ اُس وقت ہمارے نانا جان کے پاس کچھ چندہ تھا جو اُنہوں نے مسجد کے لئے لوگوں سے جمع کیا تھا اُنہوں نے اُس چندہ میں سے دوسَو روپیہ اِس اشتہار کے چھپوانے کے لئے دیا اور کہا کہ جب خزانہ میں روپیہ آنا شروع ہو جائے گا تو یہ دوسَو روپیہ ادا ہو جائے گا ۔ غرض وہ روپیہ اُن سے قرض لے کر یہ اشتہار شائع کیا گیا ۔ مگر اُس وقت جب جماعت کے سرکردہ لوگ میرے مخالف تھے، جب جماعت کے لیڈر میرے مخالف تھے، جب خزانہ خالی

تھا، جب صرف چودہ آنے کے پیسے اس میں موجود تھے، جب اٹھارہ ہزار کا انجمن پر قرض تھا، جب انجمن کی اکثریت میری مخالف تھی، جب انجمن کا سیکرٹری میرا مخالف تھا، جب مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر میرا مخالف تھا میرے یہ الفاظ ہیں جو میں نے خدا کے منشاء کے ماتحت اُس اشتہار میں شائع کئے کہ:

''خدا چاہتا ہے کہ جماعت کا اتحاد میرے ہی ہاتھ پر ہو اور خدا کے اِس ارادہ کو اَب کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کے لئے صرف دو ہی راہ کھلے ہیں یا تو وہ میری بیعت کر کے جماعت میں تفرقہ کرنے سے باز رہیں یا اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اُس پاک باغ کو جسے پاک لوگوں نے خون کے آنسوؤں سے سینچا تھا اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ جو کچھ ہو چکا ہو چکا مگر اب اِس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کا اتحاد ایک ہی طریق سے ہوسکتا ہے کہ جسے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے ورنہ ہر ایک شخص جو اُس کے خلاف چلے گا تفرقہ کا باعث ہوگا''۔

پھر میں نے لکھا:۔

''اگر سب دنیا مجھے مان لے تو میری خلافت بڑی نہیں ہوسکتی اور سب کے سب خدانخواستہ مجھے ترک کر دیں تو بھی خلافت میں فرق نہیں آ سکتا۔ جیسے نبی اکیلا ہی نبی ہوتا ہے اِسی طرح خلیفہ اکیلا بھی خلیفہ ہوتا ہے۔ پس مبارک ہے وہ جو خدا کے فیصلہ کو قبول کرے۔ خدا تعالیٰ نے جو بوجھ مجھ پر رکھا ہے وہ بہت بڑا ہے اور اگر اُس کی مدد میرے شاملِ حال نہ ہو تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اُس پاک ذات پر یقین ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرے گی۔''

غرض طرح طرح کی مخالفتیں ہوئیں سیاسی بھی اور مذہبی بھی، اندرونی بھی اور بیرونی بھی مگر خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں جماعت کو اَور زیادہ ترقی کی طرف لے جاؤں۔ چنانچہ یہ جماعت بڑھنی شروع ہوئی یہاں تک کہ آج دنیا کے کونے کونے میں یہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے پھیل چکی ہے۔ اِسی شہر لاہور میں پہلے جماعت احمدیہ کے صرف چند افراد ہوا کرتے تھے مگر آج ہزاروں کی تعداد میں یہاں جماعت موجود ہے اِسی

طرح دنیا کے ہر گوشہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور اسلام کا پیغام میرے ذریعہ سے پہنچ چکا ہے اور وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی وہ میرے وجود میں بڑی شان سے پوری ہو چکی ہے۔ اِس پیشگوئی میں اُنسٹھ باتیں بتائی گئی ہیں مگر ان تمام باتوں کے متعلق اِس وقت تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ صرف ایک دو باتیں میں بیان کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ جس طرح میرا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اسی طرح میرا بیٹا دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ دنیا کے کناروں کے لحاظ سے امریکہ ایک طرف ہے اور جاپان دوسری طرف۔ درمیان میں یورپ اور افریقہ کا علاقہ ہے۔ ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اِس پیشگوئی کے مطابق مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں دنیا کے مختلف ممالک میں احمدیہ مشن قائم کروں۔ چنانچہ اِس وقت امریکہ میں احمدیہ مشن قائم ہے، انگلستان میں احمدیہ مشن قائم ہے، شمالی اور جنوبی افریقہ میں احمدیہ مشن قائم ہے، چین اور جاپان میں بھی احمدیہ مشن قائم کئے گئے تھے مگر جنگ کی وجہ سے کچھ عرصہ کیلئے بند کر دیئے ہیں، سماٹرا اور جاوا میں احمدیہ مشن قائم ہیں، اسی طرح جرمنی میں اور ہنگری میں، ارجنٹائن میں، یوگوسلاویہ میں، البانیہ میں، پولینڈ میں، زیکوسلوا کیہ میں، سیرالیون میں، گولڈ کوسٹ میں، نائیجیریا میں، مصر میں، فلسطین میں، ماریشس میں، شام میں، روس میں، سٹریٹ سیٹلمنٹس [1] میں، ایران میں، کابل میں، ملایا میں اور دوسرے کئی ممالک میں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے احمدیت کا پیغام پہنچایا اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کہ دنیا کے کناروں تک وہ اسلام اور احمدیت کا نام پہنچائے گا''۔ (انوار العلوم جلد ۷ اصفحہ ۲۱۳ تا ۲۲۱)

---

[1] سٹریٹ سیٹلمنٹس: (Straits Settlements) ملایا میں برطانیہ کی سابق شاہی نوآبادی ۱۸۲۶ء سے ۱۸۵۸ء تک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے پیانگ، ملکا اور سنگاپور کو ایک انتظامی جزو کی حیثیت سے سنبھالے رکھا۔ بعد ازاں قلیل مدت کے لیے انڈیا آفس نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ۱۸۶۷ء میں یہ نوآبادی قائم کی گئی اور ۱۹۴۶ء میں ختم کر دی گئی۔ اب سنگاپور ایک الگ کالونی ہے مگر باقی حصے ملایا کے اتحاد میں شامل ہو گئے۔ (اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۷۴۱ مطبوعہ لاہور)

خلافت کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے وابستہ رہو

(تقریر فرمودہ ۲۵ رجون ۱۹۴۴ء بمقام قادیان)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

انسانی زندگی بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سِوا ساری ہی چیزیں اپنی جگہ پر ضروری بھی ہیں اور غیر ضروری بھی۔ جو خالصتہً ضروری چیز ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ ہر چیز اپنے وقت میں اور اپنے ماحول میں ضروری نظر آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک مرکز ہے دنیا کا جس کے گرد ساری دنیا چکر لگا رہی ہے مگر باوجود اِس کے پھر ایک وقت پر وہ چیز جاتی رہتی ہے ایک اثر اور ایک نشان تو وہ ایک عرصہ کے لئے چھوڑ جاتی ہے لیکن دنیا پھر بھی جاری ہی رہتی ہے۔ پھر نئے وجود دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اِن کے بغیر اَب دنیا نہیں چل سکتی۔ پھر وہ مٹ جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے وہ اپنا اثر اور نشان چھوڑ جاتے ہیں مگر پھر خدا کی طرف سے اُس وقت کے ماحول کے ساتھ لوگوں کو ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اِس کے بعد وہ خیال کرتے ہیں کہ اَب یہ نئے وجود نہایت ضروری ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں پیدا کیا اُس وقت ابھی دنیا کی ابتداء تھی۔ ابھی لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کیسی کیسی مخلوق دنیا میں بھجوانے والا ہے۔ خدا کا تازہ کلام اور ان معنوں میں تازہ کلام کہ اِس شکل میں اِس سے پہلے نازل نہیں ہوا تھا آدم پر اُترا اور لوگوں کے لئے ابھی ایمانیات سے باہر اور کوئی دلیل ایسی نہ تھی جس کی بناء پر وہ سمجھتے کہ یہ کلام پھر بھی دنیا میں اُترے گا اور انسان اپنے تجربہ کا غلام ہوتا ہے۔ جس وقت

آدم کے ساتھی یہ خیال کرتے ہوں گے کہ آدم بھی ایک دن اِس دنیا سے گزر جائے گا وہ وقت اُن کے لئے کیسا تکلیف دِہ ہوتا ہوگا۔ اُن کے لئے کوئی مثال موجود نہ تھی کہ آدم کا قائم مقام کوئی اور آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے سارے فضلوں کو آدمؑ میں ہی مرکوز دیکھتے تھے اور آدم سے بڑھ کر کسی اور وجود میں اِن فضلوں کا مشاہدہ کرنا اُن کے نزدیک خام خیالی تھی کیونکہ اور کوئی انسان انہوں نے نہیں دیکھا تھا جو آدمؑ سے بڑھ کر ہوتا۔ غرض آدمؑ جس کی تعلیم کا نشان سوائے قرآن کے اور کہیں نہیں ملتا، آدم جس کی تربیت کا نشان دنیا کی کسی تاریخ سے مہیا نہیں ہوتا وہ اُن لوگوں کیلئے اپنے زمانہ کے لحاظ سے ایسا ہی ضروری تھا جیسے حیات کے قیام کے لئے ہوا اور پانی ضروری ہوتا ہے۔ وہ آدم کو اپنی روحانی حیات کے قیام کا ذریعہ سمجھتے تھے اور روحانی حیات کو آدم کا نتیجہ قرار دیتے تھے مگر ایک دن آیا جب خدا کی قدرت نے آدم کو اُٹھا لیا۔ آدم کے مومنوں پر وہ کیسا تکلیف کا دن ہوگا وہ کس طرح تاریکی اور خلا اپنے اندر محسوس کرتے ہوں گے مگر وہ نسل گزری اور اُس نسل کی نسل گزری اور اِسی طرح کئی نسلیں گزرتی چلی گئیں اور آدم کی قیمت اُن کے دلوں سے کم ہوگئی یہاں تک کہ وہ اُس وجود کو بھی بھول گئے جس کی وجہ سے آدم کی قدر و قیمت تھی یعنی انہوں نے خدا تعالیٰ کو بھی بھلا دیا، اُس سے قطع تعلق کر لیا اور اُن کی ساری کوششیں دنیا میں ہی محدود ہوگئیں۔

تب خدا نے نوحؑ کو دنیا میں بھیجا۔ یا کم سے کم ہمارے لئے جس شخص کے ذکر کی ضرورت سمجھی گئی ہے وہ نوحؑ ہی ہے۔ درمیان میں بعض اور وجود بھی آئے ہوں گے مگر وہ اہم وجود جس کا قرآن نے ذکر کیا نوحؑ ہی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ میں جو لوگ اُس پر ایمان لائے کس طرح اُنہیں محسوس ہوتا ہوگا کہ وہ تاریکی سے نکل کر نور کی طرف آ گئے ہیں۔ وہ تنہائی کی زندگی کو چھوڑ کر ایک نبی کی صحبت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا تازہ کلام اور اُس کی پُر معرفت باتیں سن کر ان کے اندر کیسی زندگی پیدا ہوتی ہوگی، کیسا یقین پیدا ہوتا ہوگا، کتنی خوشی ہوتی ہوگی کہ کس طرح انہوں نے یہ غلط خیال کر لیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اُس کا نور اَب دنیا میں نہیں آئے گا۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ ہم کس طرح دنیا میں مشغول

تھے کہ خدا کا ہاتھ پھر ہماری طرف لمبا ہوا اور اُس نے ہمیں تاریک گڑھوں سے نکال کر معرفت کی روشنی میں کھڑا کر دیا۔لیکن اُس زمانہ کے لوگ بھی یہ خیال کرتے ہوں گے کہ نوحؑ جیسی نعمت کے بعد اور کیا نعمت ہوگی ، کون سی برکت ہوگی جو اُس کے بعد بھی آئے گی ۔ وہ خیال کرتے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کی آخری نعمت ہم کو حاصل ہوگئی اَب ہماری زندگیاں خوشی کی زندگیاں ہیں اب ہم علیحدگی اور تنہائی کی بدمزگیوں سے بچ گئے ۔اَب خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم خدا کے ساتھ ہیں لیکن پھر ایک زمانہ آیا جب خدا کی حکمتِ کاملہ نے نوحؑ کو اُٹھا لیا۔ اُس وقت نوحؑ کے ماننے والوں کی جو کیفیت ہوگی اُسے ہم تو سمجھ سکتے ہیں جنہیں ایک نبی کی جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا مگر دوسرے لوگ اِس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے ۔کس طرح چمکتا ہوا سورج اُن کے لئے تاریک ہوگیا ہوگا ، کس طرح نور والا چاند اُن کے لئے اندھیرا ہوگیا ہوگا ، کس طرح اللہ تعالیٰ کا روشن چہرہ جو ہر وقت اُن کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا اُنہیں دُھندلکے میں چھپا ہوا دکھائی دینے لگا ہوگا اور کس طرح وہ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ دنیا اب ہلاکت کے گڑھے میں گر گئی ۔لیکن ابھی نوحؑ کا پیدا کردہ ایمان لوگوں کے دلوں میں موجود تھا اُس ایمان کی وجہ سے وہ خیال کرتے ہوں گے کہ جس طرح آدمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو کھڑا کر دیا اِسی طرح شاید نوحؑ کے بعد کسی اور کو کھڑا کر دے ۔ پس وہ ایک ہلکی سی امید اپنے دل میں رکھتے ہوں گے گو یہ امید اپنے ساتھ ایسا زخم رکھتی ہوگی ، ایسا درد اور اضطراب رکھتی ہوگی جس کی مثال انبیاء کی جماعتوں کے باہر اور کہیں نہیں مل سکتی ۔

پھر خدا تعالیٰ کے فضل نے نہ معلوم کتنے عرصے کے بعد ، کتنے تغیرات کے بعد ، کتنی چھوٹی چھوٹی روشنیوں کے بعد ابراہیمؑ کو پیدا کیا اور پھر وہی کیفیت جو نوحؑ کے زمانہ میں لوگوں پر گزری تھی ابراہیمؑ کے زمانہ میں دکھائی دینے لگی ۔ اب لوگوں کی دماغی ترقی کو دیکھ کر خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ پے درپے اپنے انبیاء لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے چنانچہ ابراہیمؑ کے بعد اسحاقؑ کو ایک مُلک میں اور اسماعیلؑ کو دوسرے مُلک میں کھڑا کیا گیا۔ پھر یعقوبؑ آئے پھر یوسفؑ آئے اور یہ سلسلہ چلتا چلا گیا اور لوگ نورِ ہدایت سے منور ہوتے رہے ۔مگر پھر

ایک ایسا وقت آیا جب دنیا تاریکی کے گڑھوں میں گر گئی، گمراہی میں مبتلا ہوگئی، خدا تعالیٰ کے تازہ نشانوں سے محروم ہوگئی اور یہ دَورِ ضلالت جاری رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور اُنہوں نے بندوں کا خدا سے پھر تازہ عہد باندھا۔ اِس کے بعد پے درپے انبیاء لوگوں کی ہدایت کے لئے آتے رہے۔ داؤدؑ آئے، سلیمانؑ آئے، الیاسؑ آئے، یحییٰؑ آئے، عیسیٰؑ آئے اور آخر میں ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ جس طرح آدمؑ کے زمانہ میں لوگوں کو یہ احساس تھا کہ خدا نے ایک نیا نور پیدا کیا ہے، ایک نئی چیز دنیا میں ظاہر کی ہے اور وہ خیال کرتے تھے کہ ایسی چیز پھر دنیا میں کب آسکتی ہے وہ اپنے تجربہ کے مطابق آدمؑ کو ہی اوّل الانبیاء اور آدمؑ کو ہی آخر الانبیاء سمجھتے تھے۔ اِسی طرح کا احساس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ سارے ہی نبی اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ہر نبی کی اُمت یہی سمجھ لیتی ہے کہ یہ نبی آخری نبی ہے۔ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہوگئے تو اُن کی قوم نے کہا اب یوسفؑ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔[1] حقیقت یہ ہے کہ انبیاء خدا تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کی شفقت اور اُس کی عنایت اور اُس کی رأفت کا ایسا دلکش نمونہ ہوتے ہیں کہ اُن کو دیکھنے کے بعد لوگ یہ خیال بھی نہیں کرسکتے کہ ایسے وجود دُنیا پھر بھی پیدا کرسکتی ہے۔

لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود تو ایسا تھا جس کے متعلق یہ دعویٰ بھی موجود تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کی شریعت آخری شریعت ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک تو اِس کے یہ معنی تھے کہ آپؐ آخری شرعی رسول ہیں اور یہ کہ اب دنیا میں جو بھی رسول اور مصلح آئے گا وہ آپؐ سے روحانی فیوض حاصل کرکے اور آپؐ کا غلام اور شاگرد بن کر آئے گا۔ مگر جو دیکھنے والے تھے جن کو ابھی آئندہ کا تجربہ نہیں تھا اُن میں سے بعض شاید یہی سمجھتے ہوں کہ آپ دنیا کے لئے آخری روشنی ہیں اور وہ یہی خیال کرتے ہوں کہ اِس روشنی کو خدا اب واپس نہیں لے گا اِسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا خیال بھی اُن کے لئے ایک ایسا صدمہ تھا جن کو برداشت کرنا اُن کی طاقت سے بالکل باہر تھا

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو یہ بات صحابہ کے لئے اِس قدر صدمہ کا موجب ہوئی کہ وہ لمبی تعلیم جو متواتر تیئیس سال تک خدا کا رسول اُن کو دیتا رہا اُس کو بھی وہ بھول گئے۔ جس رسول نے بڑے زور سے اُن پر یہ واضح کیا تھا کہ مرنے کے بعد انسان اِس دنیا میں واپس نہیں آتا، جس رسول نے بڑے زور سے واضح کیا تھا کہ ہر انسان جو اِس دنیا میں آیا وہ ایک دن مرے گا اور جس رسول کے کلام میں یہ بات موجود تھی کہ ایک دن وہ خود بھی مرنے والا ہے اُس کی اُمت کے ایک جلیل القدر فرزند نے کہنا شروع کر دیا کہ جو شخص کہے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اُس کی تلوار سے گردن اُڑا دی جائے گی۔[۲] ہماری جماعت کے وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا زمانہ نہیں دیکھا شاید اِس پر تعجب کرتے ہوں گے اور یہ واقعہ پڑھ کر اُن کو خیال آتا ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کو یہ خیال کیونکر پیدا ہو گیا کہ آپ فوت نہیں ہو سکتے۔ مگر جب وہ اِس نقطۂ نگاہ سے دیکھیں گے تو اِس بات کا سمجھنا ان کے لئے کوئی مشکل نہیں رہے گا کہ جن وجودوں سے شدید محبت ہوتی ہے اُن کی جدائی کا اِمکان بھی دل پر گراں گزرتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے جس کا تصور بھی انسان کو بے چین کر دیتا ہے تو عارضی طور پر انسان پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کیا ہی سچے جذبات کا آئینہ ہے حسانؓ کا وہ شعر جو اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہا جب آپ کی وفات اُن پر ثابت ہوگئی تو انہوں نے کہا ع

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ. فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ. فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ[۳]

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو میری آنکھ کی پتلی تھے آج آپ فوت ہوئے تو میری آنکھ بھی جاتی رہی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اِس شعر کی عظمت اور اِس کی خوبی کا اِس امر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعر کہنے والا آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا اور اندھے کی نظر پہلے ہی جا چکی ہوتی ہے۔ پس اُس کے یہ کہنے کا کہ آپ میری آنکھ کی پتلی تھے آپ کی وفات سے مَیں اندھا ہو گیا مطلب یہ تھا

کہ باوجود اِس کے کہ مَیں اندھا تھا آپ کی موجودگی میں مجھے اپنا اندھا پن بُرا معلوم نہیں ہوتا تھا، بے شک میں نے اپنی جسمانی آنکھیں کھودی تھیں مگر مَیں خوش تھا، مَیں شاداں تھا، مَیں فرحاں تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میری روحانی آنکھیں موجود ہیں، مجھے وہ پتلی حاصل ہے جس کے ساتھ میں اپنے خدا کو دیکھ سکتا ہوں۔ اگر میری جسمانی آنکھیں نہیں ہیں، اگر میں لوٹے اور گلاس کو نہیں دیکھ سکتا تو کیا ہوا مجھے وہ پتلی تو ملی ہوئی ہے جس سے مَیں اپنے پیدا کرنے والے خدا کو دیکھ سکتا ہوں۔ بھلا لوٹے اور گلاس اور رنگ کو دیکھنے میں کیا مزا ہے۔ مزا تو یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کو دیکھ سکے لیکن آج جب وہ پتلی مجھ سے لے لی گئی ہے، جب وہ عینک مجھ سے چھین لی گئی ہے تو فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ اے لوگو! تم مجھے پہلے اندھا کہا کرتے تھے لیکن حقیقتاً میں اندھا آج ہوا ہوں۔ مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ میری بیوی بھی ہے، میرے بچے بھی ہیں اور عزیز اور رشتہ دار بھی ہیں مگر اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ ان میں سے کون مرجاتا ہے جو بھی مرتا ہے مرجائے اُس کی موت میرے لئے اس نقصان کا موجب نہیں ہوسکتی جس نقصان کا موجب میرے لئے یہ موت ہوئی ہے۔ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میں تو اِسی دن سے ڈرتا تھا کہ میری یہ بینائی کہیں چھین نہ لی جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کی تاریکیوں سے لوگوں کو نکالا، جس قسم کی تباہیوں سے عربوں کو بچایا، جس قسم کی ذلّت سے اور رُسوائی سے نکال کر ان کو ترقی کے بلند مقام تک پہنچایا اُس کو دیکھتے ہوئے آپ کے احسانوں کی جو قدر و قیمت صحابہؓ کے دل میں ہوسکتی تھی وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے دلوں میں نہیں ہوسکتی۔ مگر پھر بھی دنیا چلی اور چلتی چلی گئی یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت صرف زبانوں پر رہ گئی دلوں میں سے مٹ گئی۔ خدا تعالیٰ کا نور کتابوں میں تو رہ گیا مگر دماغوں میں سے جاتا رہا۔ دنیا خدا کو بھول گئی اور اُس کی لذتیں دنیا سے ہی وابستہ ہوگئیں۔ جس طرح کسی درخت کو ایک زمین سے اُکھیڑ کر دوسری جگہ لگا دیا جاتا ہے اِسی طرح خدا کی زمین میں سے لوگوں کی جڑیں اُکھڑ گئیں اور شیطان کی زمین میں جالگیں، ان کا ماحول شیطانی ہوگیا اور اُن کی تمام لذت اور اُن کا تمام سرور شیطانی کاموں سے وابستہ ہوگیا۔

تب خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا۔ دنیا اِن کی بعثت پر حیران رہ گئی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب خدا تعالیٰ کے انعامات کو اِس رنگ میں پانے والا کہ وہ قطعی اور یقینی طور پر خدا اور بندے کو آمنے سامنے کر دے کوئی نہیں آ سکتا۔ جن لوگوں کی آنکھیں کھلی تھیں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا آپ پر ایمان لائے اور انہوں نے یوں محسوس کیا جیسے ایک کھویا ہوا بچہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھ جاتا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ جو صدیوں سے خدا سے دُور جا چکے تھے اِس شخص کے ذریعہ خدا کی گود میں جا بیٹھے ہیں۔ اُن کی خوشیوں کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، اُن کی فرحت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کے کسی نبی کا مبعوث ہونا ناممکن ہے جہاں اُن کے غصہ کی کوئی حد نہ تھی وہاں مومنوں کی خوشی اور اُن کی مسرت کی بھی کوئی حد نہ تھی اور اُنہوں نے یہ خیال کرنا شروع کر لیا کہ اتنے صدموں کے بعد اب کوئی اور صدمہ انہیں پیش نہیں آئے گا۔ چنانچہ ہر شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتا تھا **اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ** جس کا ایمان ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچا تھا یہ تو نہیں سمجھتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت نہیں ہوں گے مگر ہر شخص یہ ضرور سمجھتا تھا کہ کم سے کم میری موت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوگی۔

مگر ایک دن آیا کہ ہر شخص جو یہ سمجھ رہا تھا کہ میری موت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوں گے اُس نے دیکھا کہ وہ تو زندہ تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اُٹھا لیا۔ وہ وقت پھر اُن لوگوں کے لئے جو سچے مومن تھے نہایت مصیبت کا وقت تھا اور یہ صدمہ ایسا شدید تھا کہ جس کی چوٹ کو برداشت کرنا بظاہر وہ ناممکن خیال کرتے تھے لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چیز آتی ہے اُسے بہر حال لینا پڑتا ہے اور انسان کو نئی حالت کے تابع ہونا پڑتا ہے اِسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:

''اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھا دے سو اَب ممکن نہیں

ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اِس لئے تم میری اِس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک مَیں نہ جاؤں لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی''۔[۲]

اللہ بہتر جانتا ہے کہ جماعت کی یہ حالت کب تک رہے گی، کب تک خدا کا نور ہمارے درمیان موجود رہے گا، کب تک ہم اپنے آپ کو اِس نور سے وابستہ رکھیں گے، مگر بہرحال یہ لمبا سلسلہ بتاتا ہے کہ کس طرح ایک کے بعد ایک چیز آئی۔ لوگ جب پہلی چیز کو بھول جاتے ہیں تو خدا دوسری چیز کو بھیج دیتا ہے اور دنیا کی خوشی اور اُس کی شادمانی کا سامان مہیا کر دیتا ہے لیکن ایک چیز ہے جو شروع سے آخر تک ہمیں تمام سلسلہ میں نظر آتی ہے۔ آدمؑ آیا اور آدمؑ کے ساتھ خدا آیا۔ آدمؑ چلا گیا لیکن ہمارا زندہ خدا اِس دنیا میں موجود رہا، نوحؑ آیا اور نوحؑ کے ساتھ خدا آیا۔ نوحؑ چلا گیا لیکن ہمارا زندہ خدا اِس دنیا میں موجود رہا، ابراہیمؑ آیا اور ابراہیمؑ کے ساتھ خدا آیا ابراہیمؑ فوت ہوگیا لیکن ہمارا زندہ خدا اِس دنیا میں موجود رہا۔ اِسی طرح اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک کے ساتھ خدا آیا۔ اِن میں سے ہر شخص فوت ہوگیا لیکن ہمارا خدا زندہ رہا، زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ ہر شخص جو اُس سے تعلق پیدا کر لیتا ہے وہ ہمیشہ اپنی جڑیں اِس زمین میں پائے گا جو خدا کی رحمت کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ اُس پودے کی طرح اپنے آپ کو نہیں پائے گا جس کی جڑیں اچھی زمین میں سے اُکھیڑ کر ایک خراب اور ناقص زمین میں لگا دی جاتی ہیں۔

پس یاد رکھو! جسمانی تناسل انسان کو موت اور فنا کی طرف لے جاتا ہے گو وہ انسان کے لئے خوشی کا بھی موجب ہوتا ہے، راحت کا بھی موجب ہوتا ہے مگر روحانی تناسل جس

کے ذریعہ ایک پاک انسان دوسرے پاک انسان کو پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے دنیا سے رنج اور غم کو بالکل مٹا دیتا ہے کیونکہ اِس تعلق کیلئے موت نہیں، اِس تعلق کیلئے فنا نہیں اور اگر بنی نوع انسان چاہیں تو وہ اپنی زندگی کو دائمی زندگی بنا سکتے ہیں۔جس کا طریق یہی ہے کہ ہر نسل قدرتِ ثانیہ کے مظاہر کے ذریعہ اِس طرح خدا تعالیٰ سے وابستہ رہے جس طرح پہلی نسل اُس سے وابستہ رہی ہو بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ روحانی تناسل کا انقطاع ایک موت ہے لیکن جسمانی تناسل کا انقطاع صرف ایک عارضی صدمہ۔

تم عیسائیوں کو دیکھ لو انہیں تم کچھ کہہ لو۔ چاہے اُن کو خدا کا منکر کہو، چاہے اُن کو صلیب پرست کہو، چاہے اُن کو مشرک کہو اور چاہے اُن کو ضالّین کہہ لو مگر ایک مثال اُن کے اندر ایسی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی آنکھ اُن کے سامنے جھک جانے پر مجبور ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ تمہارے اندر خلافت قائم کی جائے گی اور اِس وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اندر خلافت قائم بھی کی لیکن مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت کو اپنی نادانی سے اُڑا دیا اور عیسائیوں نے خود خلافت قائم کی جو اُنیس سَو سال کا لمبا عرصہ گزارنے کے باوجود آج تک اُن کے اندر قائم ہے۔عیسائیوں کے پوپ کو دیکھ لو اُس کو وہ خلیفہ کے برابر ہی سمجھتے ہیں اور باوجود یکہ مذہب نے اُن کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی انہوں نے خدا تعالیٰ کی گزشتہ سنت کو دیکھتے ہوئے اِسی میں اپنی بہتری سمجھی اور کہا آؤ ہم اس خدائی سنت سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے اندر خلافت قائم کریں۔ وہ قوم دینی لحاظ سے بالکل تباہ ہو گئی، وہ قوم اچھے اعمال کو کھو بیٹھی، اس قوم نے اپنے آپ کو کُلّی طور پر دُنیوی رنگ میں رنگین کر لیا، اس قوم نے خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی لیکن اُنہوں نے آج تک اِس چیز کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا ہے کہ آج بھی ان کا پوپ یورپ کے بڑے سے بڑے تاجدار اور شہنشاہ کی برابری کرتا ہے اور بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ بادشاہت ہمیں پوپ سے ہی پہنچی ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو اُن کی کامیابی کا موجب ہوئی۔ اگر مسلمان بھی اِس کو قائم رکھتے تو آج اِن کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اِنہوں نے خلافت کو اُڑا دیا اور پھر اپنے دلوں کو

تسکین دینے کے لئے ہر بادشاہ کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا مگر کُجا لکڑی کی بنی ہوئی بھینس اور کُجا اصل بھینس۔لکڑی کی بنی ہوئی بھینس کو دیکھ کر کوئی شخص خوش نہیں ہوسکتا لیکن وہ اپنی اصل بھینس کو دیکھ کر ضرور خوش ہوتا ہے چاہے وہ کتنی ہی لاغر اور دُبلی پتلی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ دودھ دے یا نہ دے۔

مسلمانوں نے چونکہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت کی ناقدری کی اور اُسے اُڑا دیا اور پھر اِس کی برکات کو سمجھنے کی کوشش نہ کرتے ہوئے دُنیوی بادشاہوں کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا اس لئے وہ خلافت کی برکات سے محروم ہوگئے۔اب یہ ہماری جماعت کا کام ہے کہ وہ اِس غفلت اور کوتاہی کا ازالہ کرے اور خلافت احمدیہ کو ایسی مضبوطی سے قائم رکھے کہ قیامت تک کوئی دشمن اِس میں رخنہ اندازی کرنے کی جرأت نہ کر سکے اور جماعت اپنی روحانیت اور اتحاد اور تنظیم کی برکت سے ساری دنیا کو اِسلام کی آغوش میں لے آئے۔

بے شک جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ دنیا چلتی چلی جاتی ہے اور ایسے رنگ میں جاری ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے آپ کو پہلوں سے ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔مرنے والے مر جاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں اب کیا ہوگا؟ لیکن ابھی ایک صدی بھی نہیں گزرتی کہ لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں اَب ہم زیادہ عقلمند ہیں پہلے لوگ جاہل اور علومِ صحیحہ سے بے بہرہ تھے۔گویا وہی جن کے متعلق ایک زمانہ میں کہا جاتا ہے کہ اُن کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا انہیں آئندہ آنے والے احمق اور جاہل قرار دیتے ہیں لیکن روحانی تعلق ایسا نہیں ہوتا کہ اِس میں ایک دوسرے کو جاہل کہا جا سکے نہ یہ تعلق اِس قسم کی مایوسی پیدا کرتا ہے جس قسم کی مایوسی جسمانی تعلق کا انقطاع پیدا کرتا ہے۔اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو شخص خدا سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اُسے بھی غم ہوسکتا ہے لیکن مایوسی اُس کے دل میں پیدا نہیں ہوسکتی۔غم ایک ایسی چیز ہے جسے خدا نے روحانی ترقی کیلئے اِس دنیا میں ضروری قرار دیا ہے۔دو وفائیں ہیں جو خدا نے ضروری قرار دی ہیں ایک اپنے ساتھ اور ایک اپنے بندوں کے ساتھ۔اگر غم نہ ہوتو یہ بندوں کے ساتھ وفا نہیں سمجھی جائے گی اور اگر مایوسی ہوتو یہ خدا کے متعلق بے وفائی ہوگی اِسی

لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم کہتے وہی ہیں جس کا ہمیں خدا نے حکم دیا۔[۵] تو جہاں انسان کو دنیا میں کئی قسم کی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں وہاں اُسے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہ سب خوشیاں عارضی ہیں۔ اُسے وہ حقیقی تعلق استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو موت کو مٹا دے۔ موت اُسی صورت میں موت ہے جب انسان یہ سمجھتا ہو کہ میں ایک ایسی چیز سے محروم کیا گیا ہوں جس کا کوئی قائم مقام نہیں۔ روحانیت میں چونکہ انسان کا اصل تعلق خدا سے ہوتا ہے اور اِس تعلق میں انقطاع واقع نہیں ہوسکتا جب تک کوئی شیطان سے تعلق پیدا نہ کرلے۔ اِس لئے کسی کی موت اُسے اپنے محبوب سے جدا نہیں کرسکتی۔ اس طرح اگر جسمانی طور پر اُس کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے بعض لوگ مرجاتے ہیں تو مایوسی اُس پر طاری نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ جدائی عارضی ہے اور ایک دن آنے والا ہے جب ہم پھر ایک دوسرے سے مل جائیں گے لیکن جب انسان کا خدا سے تعلق نہیں ہوتا تو ہر موت، ہر جدائی اور ہر تفرقہ اُسے دائمی معلوم ہوتا ہے اور وہ اُس کے دل کو ہمیشہ کیلئے مایوسی اور تاریکی میں مبتلا کر دیتا ہے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۳۵۷ تا ۳۶۷)

۱ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (المؤمن:۳۵)

۲ اسد الغابة جلد۳ صفحہ۲۲۱ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۳ شرح دیوان حسان بن ثابت صفحہ۲۲۱ مطبوعہ آرام باغ کراچی

۴ الوصیت صفحہ ۷۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ ۳۰۵

۵ بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انابک لمحزونون
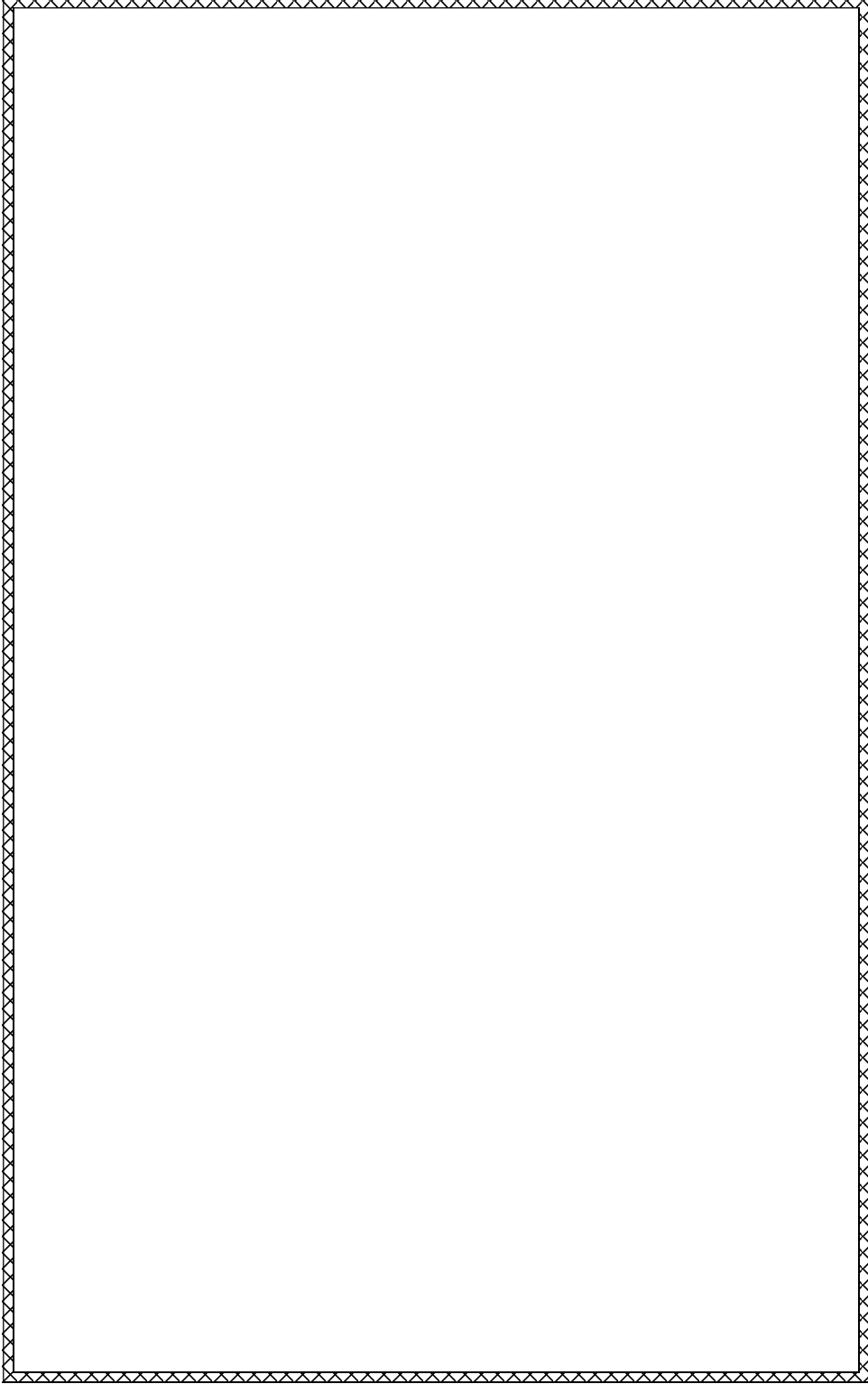
خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کے خلیفہ ہونے کا ذکر کرنا گناہ ہے

حضور انور نے ۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو نماز عصر کے بعد نو تعمیر شدہ فضل عمر ہوسٹل واقع دارالعلوم کا افتتاح کرتے ہوئے تقریر فرمائی۔ اس میں جماعت کے ۱۹۱۴ء کے حالات کا ذکر کیا اور احبابِ جماعت کو ابتدائی صحابہ اور مبائعین جیسا ایمان پیدا کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ بھی دلائی اور یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ خلیفہ کی زندگی میں دوسرے خلیفہ کا ذکر کرنا گناہ ہے فرمایا:۔
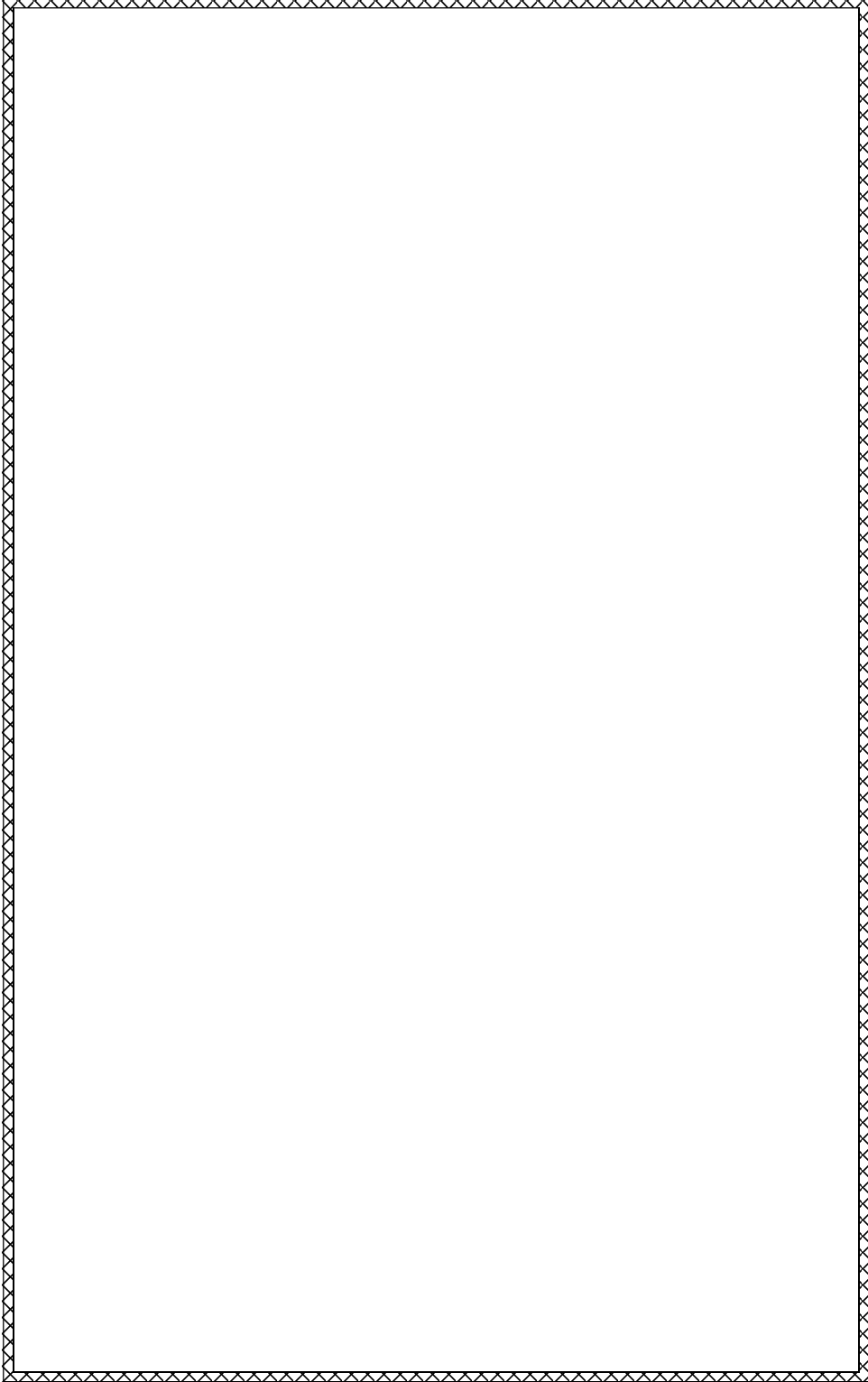
''سب سے عجیب واقعہ میں آپ لوگوں کو سناؤں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات سے چند دن پہلے ایک پروفیسر تھا جو ایم۔ اے تھا۔ میرا گہرا دوست اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا مقبول شاگرد۔ اُس کے والد سے جو جموں میں جج تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ذاتی دوستی تھی۔ وہ خود بھی احمدیت میں اخلاص رکھتا تھا اور میرا دوست ہونے کی وجہ سے میرا ہم سبق بھی بن جایا کرتا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا۔ جب اسے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بیماری کی اطلاع پہنچی تو وہ یہاں آیا اور تین چار روز یہاں رہا۔ مسجد مبارک میں آنے کے لئے ہمارے گھر کا ایک دروازہ ہوتا تھا جو سیڑھیوں کے اندر کھلتا تھا ایک دن اُس پر آ کر اُس نے دستک دی اور میں باہر نکلا۔ اُس نے میرا ہاتھ نہایت گرم جوشی سے پکڑ لیا اور رقت سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کہا مجھے اور چھٹی نہیں مل سکتی اس لئے میں واپس علی گڑھ جا رہا ہوں آپ اس مصافحہ کو میری بیعت سمجھیں۔ میں نے کہا (اس کا نام تیمور تھا۔ اور اب ایک کالج کا وائس پرنسپل ہے) تیمور!

تمہارا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے کتنا گہرا تعلق ہے اور تم ان سے سنتے رہے ہو کہ خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کے خلیفہ ہونے کا ذکر کرنا گناہ ہے تم بجائے اِس کے کہ اچھا نمونہ دکھاتے بہت بُرا نمونہ پیش کر رہے ہو۔ میرے یہ کہنے پر اُسے اور بھی رقت آ گئی اور وہ بے ساختہ رونے لگ گیا اور کہا میں جانتا ہوں مگر مجھ سے رہا نہیں گیا کیونکہ میں فتنہ کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی حالت نازک ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی قابو یافتہ لوگ نظامِ سلسلہ کو بدلنے کی کوشش کریں گے اِس وجہ سے میں نے بیعت کے لئے کہا ہے۔ یہ سات آٹھ دن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات سے پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ میرا گہرا دوست تھا اور چند ہی گہرے دوستوں میں سے تھا۔ اس نے اس جوش سے مصافحہ کیا اور یہ جانتے ہوئے کہ خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کے خلیفہ ہونے کا ذکر کرنا جائز نہیں بے تاب ہوکر کیا اور روتے ہوئے کہا کہ اسے میری بیعت سمجھیں مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد جماعت نے جب یہ فیصلہ کیا کہ خلافت کو قائم رکھیں گے اور خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ اس فیصلہ کے مطابق جو قرآن اور اسلام کے رو سے درست ثابت ہے میں جماعت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لوں تو تیسرے ہی دن اس کی طرف سے تار پہنچا کہ فوراً مولوی محمد علی وغیرہ سے صلح کرلو ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ اِس سے قیاس کرلو کہ وہ کیسے ہیجان کا زمانہ تھا جو شخص آٹھ ہی دن پہلے میرا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ اِسے میری بیعت سمجھو اور میں اسے ملامت کرتا ہوں کہ تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے وہی آٹھ دن بعد مجھے کہتا ہے کہ تم نے غلطی کی ہے فوراً مولوی محمد علی صاحب سے صلح کرلو ورنہ تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ایک شخص رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھے گا اور ایک شخص رات کو کافر سوئے گا اور صبح کو مومن اُٹھے گا[1] وہ بات پیدا ہوگئی تھی۔ تو آج آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ دن کیسے خطرناک تھے اور خدا تعالیٰ نے کس قسم کے فتنوں میں سے جماعت کو گزارا۔ اُس حالت کا آج کی حالت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہی جوش اور وہی اخلاص جو اُس وقت جماعت میں تھا آج بھی آپ لوگوں میں ہو تو یقیناً تم پہاڑوں کو ہِلا سکتے ہو۔ اُس وقت جماعت کے لوگ بہت تھوڑے تھے مگر خدا تعالیٰ

نے ان کو ایسا ایمان اور ایسا جوش بخشا کہ کوئی بڑی سے بڑی روک بھی انہیں کچھ نہ نظر آئی تھی۔ آج کے نوجوان اور آج کی جماعت اگر ویسا ہی ایمان پیدا کرلے تو دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کرسکتی ہے۔ جو کام ایک پونڈ بارود کرسکتا ہے ایک ٹن بارود اس سے بہت زیادہ کام کرسکتا ہے۔ اگر اُس وقت جماعت کی حیثیت پونڈ کی تھی تو آج خدا کے فضل سے ٹن کی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُس وقت جماعت کے لوگ بارود تھے کیا آج بھی وہ بارود ہیں یا ریت کا ڈھیر؟ اگر بارود ہیں تو یقیناً آج اُس وقت کی نسبت بہت زیادہ کام کرسکتے ہیں لیکن اگر ریت ہیں تو اُس وقت کے کام کا سواں حصہ بھی نہیں کرسکتے۔ پس میں نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔

مجھے اُس وقت کے ایک طالب علم کا واقعہ یاد آ گیا۔ اب وہ دارجلینگ میں تاجر ہے۔ اُس وقت یہاں سوال پیدا ہوا کہ جماعت کیا چاہتی ہے؟ آیا خلافت قائم رہے یا نہ؟ اس کے لئے لوگوں کی رائے نوٹ کرنے کا بعض اصحاب نے انتظام کیا۔ بعض سکول کے لڑکوں نے بھی کہا کہ رائے نوٹ کرنے والے کاغذ ہمیں بھی دو ہم بھی دستخط کرائیں گے۔ ان سے کہا گیا کہ تمہارے ہیڈ ماسٹر صاحب خلاف ہیں تمہیں تکلیف نہ پہنچے۔ اُس وقت مولوی صدر دین صاحب ہیڈ ماسٹر تھے مگر لڑکوں نے کہا ہمیں نقصان کی پرواہ نہیں۔ اس طرح اس لڑکے نے بھی کاغذ لے لیا اور جو مہمان آتے ان کے سامنے پیش کرتا کہ اپنی رائے لکھ دیجئے۔ اسے دیکھ کر ہیڈ ماسٹر آیا اور اس نے اس کے ہاتھ سے زبردستی کاغذ چھین کر پھاڑ دیا اور کہا جاؤ ایسا نہ کرو یہ میرا حکم ہے مگر اس نے پھر کاغذ لیا اور پنسل سے وہی عبارت اس پر لکھ کر جو پہلے کاغذ پر لکھی تھی لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگ گیا۔ پھر ہیڈ ماسٹر آیا اور اس نے کاغذ چھین کر پھاڑ ڈالا اور دستخط کرانے سے منع کیا۔ اس پر اس نے کہا میں آپ کے ادب کی وجہ سے اور تو کچھ نہیں کہتا مگر یہ دینی کام ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ اس کا والد بھی مخالف تھا اس نے اسے خرچ دینا بھی بند کر دیا مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور آج اچھا تاجر ہے۔''

(الفضل یکم نومبر ۱۹۴۵ء)

ل مسلم کتاب الایمان باب الحث علی المبادرة بالاعمال......الخ

نبوت اور خلافت اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جاتی ہیں

(تقریر ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء برموقع جلسہ سالانہ)

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی زندگی ایک دَور بلکہ چند ادوار کا نام ہے ایک دَور چل کر ختم ہوتا ہے تو ایک اور دَور چل پڑتا ہے وہ ختم ہوتا ہے تو پھر ایک اور دَور ویسا ہی چل پڑتا ہے۔ جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح ایک دَور کے بعد دوسرا چلتا چلا جاتا ہے اور الٰہی منشاء اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے دَور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان اَدوار کے لوگ ایک دوسرے کی نقلیں کر رہے ہیں۔ مومنوں کی باتیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے پہلے مومنوں کی اور کافروں کی باتیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسی پہلے کافروں کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حیرت کا اظہار فرماتا ہے کہ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ [1] ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہی باتیں کہتے ہیں جو پہلے نبیوں کو ان کے نہ ماننے والوں نے کہیں اور کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو نئی ہو اور پہلے انبیاء کو ان کے مخالفوں نے نہ کہی ہو۔ عیسائی اور یہودی مصنفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمیں کیا علم ہے کہ پہلے انبیاء کے دشمنوں نے وہی اعتراض اپنے وقت کے نبیوں پر کئے تھے یا نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے۔ اور ہمارے پاس کیا ثبوت ہے اس بات کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ آدمؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے، نوحؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے، ابراہیمؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ خبریں آپ کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے الہام کی گئی ہیں محض باتیں ہی باتیں ہیں ان میں حقیقت کچھ بھی نہیں بلکہ یہ قصّے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے منہ سے کہلوا دیئے گئے ہیں۔ اگر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہ ملا ہوتا اور کوئی اس بات کا ثبوت ہم سے مانگتا تو ہمیں مشکل پیش آتی لیکن اس علم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بعینہٖ وہی باتیں کہی گئیں جو جہالت کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے کہی تھیں اور وہی اعتراض آپؐ پر کئے گئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں نے آپ پر کئے تھے۔ اس سے ہم نے یقین کرلیا اور ہمارے لئے شک کی کوئی گنجائش نہ رہی کہ واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن وہی باتیں کہتے ہونگے جو حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے دشمن کہتے تھے کیونکہ آج ۱۳۰۰ سال کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن آپ پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپؐ کے دشمنوں نے کئے اور ان میں اتنی مطابقت اور مشابہت ہوتی ہے کہ حیرت آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن جب آپ پر اعتراض کرتے تو آپ فرماتے یہی اعتراض آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ کے مخالفین نے کئے تھے جب وہ باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قابل اعتراض نہ تھیں بلکہ آپؐ کی صداقت کی دلیل تھیں تو وہ میرے لئے کیوں قابلِ اعتراض بن گئی ہیں۔ پس جو جواب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دیا وہی جواب مَیں تمہیں دیتا ہوں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں یہ طریق اختیار فرماتے اور لوگوں پر اس طریق سے حجت قائم کرتے تو مخالفین شور مچاتے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برابری کرتا ہے حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ جو اعتراض ابوجہل کرتا تھا جو شخص اُن اعتراضوں کو دُہراتا ہے وہ مثیلِ ابوجہل ہے اور جس شخص پر وہ اعتراض کئے جاتے ہیں وہ مثیلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پس ہر زمانہ میں مومنوں اور کافروں کی پہلے مومنوں اور کافروں سے مشابہت ہوتی چلی آئی ہے لیکن دنیا ہمیشہ اس بات کو بھول جاتی ہے اور جب کبھی نیا دور آتا ہے تو نئے سرے سے لوگوں کو یہ سبق دینا پڑتا ہے

اور اس اصول کو دنیا کے سامنے دُہرانا پڑتا ہے اور خدا کی طرف سے آنے والا لوگوں کے اس اصول کو بھول جانے کی وجہ سے لوگوں سے گالیاں سنتا ہے اور ذلّتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کے اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب مخالف ہو جاتے ہیں اور قریبی رشتہ دار سب سے بڑے دشمن بن جاتے ہیں۔

حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار پاس کے مکانوں میں نئے آنے والوں کو روکنے کے لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب کوئی شخص مسلمانوں کے پاس آتا تو وہ رستہ میں اسے روک لیتے اور سمجھاتے کہ یہ شخص ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے ہم اس کے قریبی رشتہ دار ہونے کے باوجود اس کو نہیں مانتے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ سوائے جھوٹ کے اور کوئی بات نہیں۔ ہم آپ لوگوں سے اس کو زیادہ جانتے ہیں ہم سے زیادہ آپ کو واقفیت نہیں ہوسکتی ہم اس کے ہر ایک راز سے واقف ہیں بہتر ہے کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں اسی میں آپ کا فائدہ ہے۔ یہی حال ہم نے ان کا دیکھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار تھے۔ ان کی باتوں کو سن کر جو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کیا کرتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر جو وہ باہر سے آنے والوں کو روکنے کے لئے کرتے انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کی باتوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں کس قدر مشابہت ہے۔

مرزا امام الدین سارا دن اپنے مکان کے سامنے بیٹھے رہتے۔ دن رات بھنگ گھٹا کرتی اور کچھ وظائف بھی ہوتے رہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر اُنہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ جب کوئی نیا احمدی باہر سے آتا یا کوئی ایسا آدمی جو احمدی تو نہ ہوتا لیکن تحقیق کے لئے قادیان آتا تو اُس کو بُلا کر اپنے پاس بیٹھا لیتے اور اُسے سمجھانا شروع کر دیتے۔ میاں تم کہاں اس کے دھوکا میں آ گئے یہ تو محض فریب اور دھوکا ہے اگر حق ہوتا تو ہم لوگ جو کہ بہت قریبی رشتہ دار ہیں کیوں پیچھے رہتے۔ ہمارا اور مرزا صاحب کا خون ایک ہے تم خود سوچو بھلا خون بھی کبھی دشمن ہوسکتا ہے۔ اگر ہم لوگ انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اِس کے اور کوئی نہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص صحیح

راستے سے لوگوں کو پھیرنے والا ہے اور اس نے لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لئے یہ دکان کھول رکھی ہے۔ اب حیرت آتی ہے کہ کونسا ابوجہل آیا جس نے مرزا امام الدین کو یہ باتیں سکھائیں کہ تم باہر سے آنے والوں کو اس طریق سے روکا کرو یہ نسخہ میرا آزمایا ہوا ہے یا پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی باتیں مسمریزم کے ذریعہ مرزا امام الدین سے کہلوالیں۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور صحیح ہوگی۔

لدھیانہ کے ایک دوست نور محمد نامی نَومسلم تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت محبت و اخلاص رکھتے اُنہوں نے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ بیٹا جب باپ کے پاس جائے تو اسے کچھ نہ کچھ نذر ضرور پیش کرنی چاہیے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ میں مصلح موعود ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہوں اور چونکہ وہ اپنے آپ کو خاص بیٹا سمجھتے تھے اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کم سے کم ایک لاکھ روپیہ تو انہیں ضرور پیش کرنا چاہیے۔ کہتے ہیں ابھی اُنہوں نے چالیس پچاس ہزار روپیہ ہی جمع کیا تھا کہ وہ فوت ہوگئے اور نہ معلوم روپیہ کون کھا گیا۔ اُنہوں نے بہت سے چوہڑے مسلمان کئے اور ان سے کہا کرتے تھے کہ کچھ روپیہ جمع کرو پھر تمہیں دادا پیر کے پاس ملاقات کے لئے لے چلوں گا کچھ عرصہ کے بعد ان نَومسلموں نے کہا کہ پتہ نہیں کہ آپ کب جائیں گے آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم قادیان ہو آئیں۔ اس پر اُنہوں نے ان نَومسلموں کو قادیان آنے کی اجازت دے دی۔ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیر کے لئے نکلے تو وہ باہر کھڑے ہوئے تھے غالباً وہ ۹ آدمی تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک اشرفی پیش کی کیونکہ ان کے پیر نے کہا تھا کہ تم دادا پیر کے پاس جا رہے ہو میں تمہیں اس شرط پر جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ تم دادا پیر کے سامنے سونا پیش کرو۔ چنانچہ اُنہوں نے ذکر کیا کہ ہمارے پیر نے ہمیں اس شرط پر آنے کی اجازت دی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آدمی آپ کی خدمت میں سونا پیش کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وہ سیر کو چلے گئے جب سیر سے واپس آئے تو چونکہ اُن کو حقہ پینے کی عادت تھی اس لئے وہ حقہ پینے کے لئے مرزا امام الدین کے پاس چلے

گئے ۔ وہ حقہ پینے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ مرزا امام الدین نے کہنا شروع کیا انسان کو کام وہ کرنا چاہیے جس سے اُسے کوئی فائدہ ہو۔تم جو اتنی دور سے پیدل سفر کر کے آئے ہو(کیونکہ ان کے پیر کا حکم تھا کہ تم چونکہ دادا پیر کے پاس جا رہے ہو اس لئے پیدل جانا ہوگا) بتاؤ تمہیں یہاں آنے سے کیا فائدہ ہوا؟ ایمان انسان کو عقل بھی دے دیتا ہے بلکہ عقل کو تیز کر دیتا ہے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ان میں سے ایک نَومسلم کہنے لگا کہ ہم پڑھے لکھے تو ہیں نہیں اور نہ ہی کوئی علمی جواب جانتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ آپ کو بھلے مانس مرید ملے نہیں اس لئے آپ چوہڑوں کے پیر بن گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ملا؟ آپ مرزا صاحب کی مخالفت کر کے مرزا سے چوہڑے بن گئے اور ہم مرزا صاحب کو مان کر چوہڑوں سے مرزا ہو گئے ۔ لوگ ہمیں مرزائی کہتے ہیں یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ہمیں حاصل ہوا۔ اب دیکھو یہ کیسی مشابہت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کی باتوں میں ۔

مرزا علی شیر صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سالے اور مرزا فضل احمد صاحب کے خسر تھے انہیں لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے سے روکنے کا بڑا شوق تھا۔ راستہ میں ایک بڑی لمبی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ، تسبیح کے دانے پھیرتے رہتے اور منہ سے گالیاں دیتے چلے جاتے بڑا لٹیرا ہے، لوگوں کو لُوٹنے کے لئے دُکان کھول رکھی ہے۔ بہشتی مقبرہ کی سڑک پر دارالضعفاء کے پاس بیٹھے رہتے ۔ اُس وقت یہ تمام زمین زیر کاشت ہوتی تھی۔ عمارت کوئی نہ تھی ۔ بڑی لمبی سفید داڑھی تھی سفید رنگ تھا۔ تسبیح ہاتھ میں لئے بڑے شاندار آدمی معلوم ہوتے تھے اور مغلیہ خاندان کی پوری یادگار تھے۔ تسبیح لئے بیٹھے رہتے جو کوئی نیا آدمی آتا اُسے اپنے پاس بُلا کر بٹھا لیتے اور سمجھانا شروع کر دیتے کہ مرزا صاحب سے میری قریبی رشتہ داری ہے آخر میں نے کیوں نہ اُسے مان لیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اُس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں ۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک دُکان ہے جو لوگوں کو لُوٹنے کے لئے کھولی گئی ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ باہر سے پانچ بھائی آئے غالباً وہ چک سکندر ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اب تو لوگ

جلسہ کے دوران میں بھی باہر پھرتے رہتے ہیں لیکن ان پہلے لوگوں میں اخلاص نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا اور قادیان میں دیکھنے کی کوئی خاص چیز نہ تھی نہ منارۃ المسیح تھا نہ دفاتر تھے، نہ مسجد مبارک کی ترقیاں ایمان پرور تھیں، نہ مسجد اقصیٰ کی وسعت اس قدر جاذب تھی، نہ محلوں میں یہ رونق تھی، نہ کالج تھا، نہ سکول تھے۔ اُن دنوں لوگ اپنے اخلاص سے خود ہی قابلِ زیارت جگہ بنا لیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد صاحب کا باغ ہے اسے دیکھو اور یہ حضرت صاحب کے لنگر کا باورچی ہے اس سے ملو اور اس سے باتیں پوچھو۔ ان کا ایمان اسی سے بڑھ جاتا تھا۔ اُن دنوں ابھی بہشتی مقبرہ بھی نہ بنا تھا صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا لگایا ہوا باغ تھا۔ لوگ وہاں برکت حاصل کرنے کیلئے جاتے اور علی شیر صاحب رستہ میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔ وہ پانچوں بھائی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باغ دیکھنے کے لئے گئے تو اُن میں سے ایک جو زیادہ جوشیلا تھا وہ کوئی دوسَو گز آگے تھا اور باقی آہستہ آہستہ پیچھے آرہے تھے۔ علی شیر نے اُسے دیکھ کر کہ یہ باہر سے آیا ہے اپنے پاس بُلا لیا اور پوچھا کہ مرزا کو ملنے آئے ہو؟ اُس نے کہا ہاں مرزا صاحب کو ہی ملنے آیا ہوں۔ علی شیر نے اُس سے کہا ذرا بیٹھ جاؤ اور پھر اُسے سمجھانا شروع کیا کہ میں مرزا کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہوں میں اِس کے حالات سے خوب واقف ہوں، اصل میں آمدنی کم تھی بھائی نے جائداد سے بھی محروم کر دیا اس لئے یہ دُکان کھول لی ہے۔ آپ لوگوں کے پاس کتابیں اور اشتہار پہنچ جاتے ہیں آپ سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں کتنا بڑا بزرگ ہوگا پتہ تو ہم کو ہے جو دن رات اس کے پاس رہتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ کی خیرخواہی کے لئے آپ کو بتائی ہیں۔ چک سکندر سے آنے والے دوست نے بڑے جوش کے ساتھ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ علی شیر صاحب سمجھے کہ شکار میرے ہاتھ آ گیا ہے۔ اُس دوست نے علی شیر صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور پکڑ کر بیٹھ گیا۔ گویا اِسے اُن سے بڑی عقیدت ہوگئی ہے۔ علی شیر صاحب دل میں سمجھے کہ ایک تو میرے قابو میں آ گیا ہے۔ اِس دوست نے اپنے باقی بھائیوں کو آواز دی کہ جلدی آؤ جلدی آؤ۔ اب تو مرزا علی شیر پھولے نہ سمائے کہ اِس کے کچھ اور ساتھی بھی ہیں وہ بھی میرا شکار ہو جائیں گے اور مَیں ان کو

بھی اپنا گرویدہ بنا لوں گا۔ اس دوست کے باقی ساتھی دَوڑ کر آ گئے تو اس نے کہا۔ مَیں نے تمہیں اِس لئے جلدی بلایا ہے کہ ہم قرآن کریم اور حدیث میں شیطان کے متعلق پڑھا کرتے تھے مگر شکل نہیں دیکھی تھی آج اللہ تعالیٰ نے اُس کی شکل بھی دکھا دی ہے تم بھی غور سے دیکھ لو یہ شیطان بیٹھا ہے۔ مرزا علی شیر غصہ سے ہاتھ واپس کھینچتے لیکن وہ نہ چھوڑتا تھا اور اپنے بھائیوں سے کہتا جاتا تھا دیکھ لو اچھی طرح دیکھ لو، شاید پھر دیکھنا نہ ملے یہ شیطان ہے۔ پھر اس نے اپنے بھائیوں کو سارا قصہ سنایا۔

اب دیکھو کس طرح ایک قوم دوسری قوم کے قدم بقدم چلتی ہے۔ ہم نے خود دیکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن تیرہ سَو سال کے بعد وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم ﷺ پر کئے گئے بلکہ وہی اعتراض کئے جاتے ہیں جو حضرت نوحؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے یا جو اعتراض حضرت ابراہیمؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے، یا جو اعتراض حضرت موسیٰؑ کے دشمنوں نے آپ پر کئے، یا جو اعتراض حضرت عیسیٰؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ سچ کا مقابلہ سوائے جھوٹ اور فریب کے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ سچ ہر زمانہ میں سچ ہے اور جھوٹ ہر زمانہ میں جھوٹ ہے۔ سچ کے مقابلہ میں سوائے جھوٹ اور فریب کے آ ہی کیا سکتا ہے۔ اگر کوئی چیز دشمنوں کے پاس سوائے جھوٹ کے ہو تو نکلے۔

ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ کسی میراثی کے گھر میں رات کے وقت چور آیا یہ سمجھ کر کہ آخر دس بیس پچاس روپے تو اس کے ہاں ضرور ہونگے اور نہیں تو کوئی کپڑا ہی سہی۔ چور کونسا لاکھ پتی ہوتا ہے کہ ضرور لاکھوں والی جگہ ہی چوری کرے اگر اُسے ایک روپیہ بھی مل جائے تو وہ اُسے ہی غنیمت سمجھتا ہے۔ وہ بھی یہی سمجھا کہ آخر کوئی نہ کوئی ہدیہ ہی میراثی کو ججمانوں[۲] کے ہاں سے ملا ہوگا وہی سہی۔ پُرانے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس کے پاس کوئی نقدی یا زیور ہوتا وہ اُسے کسی برتن میں ڈال کر زمین میں دفن کر دیتا تھا اور چوروں نے اُسے نکالنے کا یہ طریق نکالا تھا کہ وہ لاٹھی لے کر گھر کی زمین کو ٹھکور ٹھکور کر دیکھتے جہاں انہیں نرم نرم زمین معلوم ہوتی وہاں سے کھود کر نقدی یا زیور نکال لیتے تھے۔ یہی طریق اُس چور نے اختیار کیا اور لاٹھی لے کر گھر کی زمین کو ٹھکور ٹھکور کر دیکھنے لگا۔ اِسی اثناء میں میراثی کی آنکھ کھل گئی اور اُسے

چور کی یہ حرکت دیکھ کر ہنسی آنے لگی کہ ہمیں تو کھانے کو نہیں ملتا اور یہ سوٹیاں مار مار کر خزانہ تلاش کر رہا ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے ہنس کر چور سے کہا۔''ججمان! سانوں ایتھے دن نوں کچھ نہیں لبھدا۔ تہانوں راتیں کی لبھنا ہے''۔ یعنی ہمیں یہاں دن کو کوئی چیز نہیں ملتی آپ کو رات کے وقت یہاں کیا ملے گا۔ یہی حالت مخالفین کی ہے سچ کے مقابلہ میں سوائے جھوٹ کے کوئی اور چیز ہو تو وہ پیش کریں اور سچ کے مقابلہ میں سچ کہاں سے لائیں۔

مقابلہ کے دو ہی طریق ہیں ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کا بندہ جب کہتا ہے کہ میں نشان دکھاتا ہوں تو دشمن بھی کہیں کہ ہم بھی ویسا ہی نشان دکھاتے ہیں لیکن چونکہ وہ اس بات پر قادر نہیں ہوتے اس لئے نشان کے مقابل پر نشان دکھانے کے لئے سامنے نہیں آتے۔ ہاں دوسرا طریق یہ ہے کہ آئیں بائیں شائیں کرتے اور خوب شور وشغب پیدا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم خوب مقابلہ کر رہے ہیں اور یہی طریق ہمیشہ انبیاء اور خدا تعالیٰ کے دوسرے خادموں کے دشمن اختیار کیا کرتے ہیں۔

جب سے میں نے مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا ہے مولوی محمد علی صاحب نے ویسے ہی اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں جیسے مولوی ثناء اللہ صاحب کیا کرتے تھے۔ میں خواب یا الہام سناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اعلام کی بناء پر اعلان کرتا ہوں لیکن مولوی محمد علی صاحب نہ تو مقابل پر کوئی خواب یا الہام پیش کرتے ہیں اور نہ ہی وہ پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ سارا زور لگا کر تیس سالہ پُرانا ایک الہام پیش کر سکے ہیں مگر وہ بھی واقعات کے رو سے غلط نکلا ہے۔ پس جب الہام ہوا ہی نہیں تو وہ الہام پیش کیسے کریں۔ اب سوائے اعتراضوں کے ان کے پاس کوئی چیز نہیں اگر وہ اعتراض بھی نہ کریں تو مقابلہ کس طرح کریں۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے دشمن اِس بات کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے کہ الہام ہوتا ہی نہیں کیونکہ ان سے پہلے انبیاء کو الہام ہوتا تھا اور وہ اس بات کے قائل تھے اِس لئے ان انبیاء کا انکار کرنے والے اس بات کا انکار نہ کر سکتے تھے کہ الہام کوئی چیز نہیں۔ اپنی بات کو درست ثابت کرنے کیلئے اور ان انبیاء کا مقابلہ کرنے کیلئے یہ کہتے تھے کہ ان کے الہام خود ساختہ ہیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں نے بھی یہی کہا کہ ان کے

الہام خود ساختہ ہیں ۔ اگر عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ قول درست تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وحی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خود ساختہ تھی تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابل پر الہام کر دیتا تا مفتریوں کی قلعی کھل جاتی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ان کو الہام سے محروم رکھنا بتاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی حق پر تھے اور آپؐ کے دشمن یہودی اور عیسائی ناحق پر تھے ۔ اسی طرح آج مولوی محمد علی صاحب یہ کہتے ہیں کہ میرے الہام جھوٹے ہیں لیکن کیوں اللہ تعالیٰ ان کو میرے مقابل پر سچے الہام نہیں کر دیتا، تا دنیا پر واضح ہو جائے کہ مولوی صاحب حق پر ہیں اور مَیں ناحق پر ہوں ۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص دن رات اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہ کرے اور دن رات اُس کے بندوں کو فریب اور دغابازی سے غلط راستہ کی طرف لے جائے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کو غیرت نہ آئے ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو غیرت نہیں آتی تو اِس کی وجہ سوائے اِس کے یقیناً اور کوئی نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ مولوی صاحب اِس کے قرب سے بہت دُور ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو الہام نہیں کیا ۔ پس سچائی کے مقابلے میں ابتداء سے انکار ہوتا رہا ہے یہ سلسلہ ابتداء سے چلتا آیا ہے اور چلتا چلا جائے گا ۔

یہ ایک بالکل واضح بات ہے کہ نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے لیکن لوگ پھر بھی اس طریق کو بھول جاتے ہیں ۔ وقت سے پہلے وہ ان باتوں کو اپنی مجالس میں دُہراتے اور ان کا اقرار کرتے ہیں لیکن عین موقع پر اِن کا صاف انکار کر دیتے ہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو حضرت خلیفہ اوّل کو اِس قدر صدمہ ہوا کہ شدتِ غم کی وجہ سے آپ کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی اور ضعف اِس قدر تھا کہ کبھی کمر پر ہاتھ رکھتے اور کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھتے ۔ اِسی حالت میں مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت خلیفہ اوّل کا ہاتھ پکڑ کر کہا اَنْتَ الصِّدِّیْقُ اور بعض اور فقرات بھی کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ خلافت اسلام کی سنت ہے لیکن بعد میں مولوی سید محمد احسن صاحب اِس بات پر قائم نہ رہے اور اُنہوں نے خلافت سے منہ پھیر لیا ۔ مولوی محمد علی صاحب یا ان کے رفقاء نے ان کے بچوں کو آٹے کی مشین لگوا دینے کا وعدہ کیا تھا ۔ پس اِس بات پر لڑکے اور بیوی پیغامیوں کا

ساتھ دیتے رہے اور مولوی صاحب کو بھی مجبور کرتے رہے کہ وہ لاہوریوں کا ساتھ دیں۔ جب وہ ابتلاء کے کچھ عرصہ بعد قادیان میں مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو صاف کہا کہ میں مجبور ہوں فالج نے قویٰ مار دیئے ہیں میں طہارت تک خود نہیں کرسکتا ان لوگوں کو وعدہ دے کر لاہوریوں نے بگاڑ رکھا ہے اور میں ان کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ اگر یعقوب اور اُس کی والدہ کو سنبھال لیا جائے تو میں بھی رہ سکوں گا مگر چونکہ میں اِس قسم کی رشوت دینے کا عادی نہیں مَیں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ مجھے اکثر ایسے لوگوں کی حالت پر حیرت آتی ہے کہ ذرا ان کو سلسلہ سے کوئی شکایت پیدا ہو تو اُنہیں خلافت کے مسئلہ میں بھی شک پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

گجرات کے دوستوں نے سنایا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو ایک اہل حدیث مولوی نے ہمیں کہا اب تم لوگ قابو آئے ہو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہے[۳] اور تم میں خلافت نہیں ہوگی تم لوگ انگریزی دان ہو اِس لئے خلافت کی طرف تم نہیں جاؤ گے۔ وہ دوست بتاتے ہیں کہ دوسرے دن تار موصول ہوئی کہ جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کر لی ہے اور ان کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے۔ جب احمدیوں نے اُس مولوی کو بتایا تو کہنے لگا نورالدین بڑا پڑھا لکھا آدمی تھا اِس لئے اُس نے جماعت میں خلافت قائم کر دی اگر اس کے بعد خلافت رہی تو پھر دیکھیں گے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو کہنے لگا اُس وقت اور بات تھی اب کوئی خلیفہ بنے گا تو دیکھیں گے۔ دوست بتاتے ہیں کہ اگلے دن تار پہنچ گئی کہ جماعت نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اِس پر کہنے لگا یارو تم بڑے عجیب ہو، تمہارا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ (انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۲۴۳ تا ۲۵۲)

۱؎ الذّٰریٰت: ۵۴

۲؎ جَجمان: برہمنوں یا نائیوں کی آسامی جس کا وہ پشتوں سے کام کرتے آ رہے ہوں۔ مخدوم، آقا، مربی

۳؎ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء

قادیان سے پاکستانی احمدیوں کے نام ایک دردانگیز پیغام

۲۲ راگست ۱۹۴۷ء کو جب کہ ہندو پاکستان میں فتنہ وفساد کے شعلے بلند ہو رہے تھے، حضرت خلیفة المسیح الثانی نے احمدیت کے بنیادی مرکز قادیان سے پاکستانی احمدیوں کے نام ایک دردانگیز پیغام تحریر فرمایا جس کا آخری حصہ درج ذیل ہے۔

''میں جماعت کو محبت بھرا پیغام بھجواتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ اگر ابھی میرے ساتھ مل کر کام کرنے کا وقت ہو تو آپ کو وفاداری اور دیانتداری سے کام کرنے کی توفیق ملے اور اگر ہمارے تعاون کا وقت ختم ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کے قدموں کو ڈگمگانے سے محفوظ رکھے۔ سلسلہ کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔ اسلام کی آواز پست نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا نام ماند نہ پڑے۔ قرآن سیکھو اور حدیث سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور خود عمل کرو اور دوسروں سے عمل کراؤ۔ زندگیاں وقف کرنے والے ہمیشہ تم میں سے ہوتے رہیں اور ہر ایک اپنی جائیداد کے وقف کا عہد کرنے والا ہو۔ خلافت زندہ رہے اور اس کے گرد جان دینے کے لیے مومن آمادہ کھڑا ہو۔ صداقت تمہارا زیور، امانت تمہارا حسن، تقویٰ تمہارا لباس ہو۔ خدا تعالیٰ تمہارا ہو اور تم اس کے ہو۔ آمین

میرا یہ پیغام باہر کی جماعتوں کو بھی پہنچا دو اور انہیں اطلاع دو کہ تمہاری محبت میرے دل میں ہندوستان کے احمدیوں سے کم نہیں۔ تم میری آنکھ کا تارا ہو۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنے مُلکوں میں احمدیت کا جھنڈا گاڑ کر آپ لوگ دوسرے ملکوں کی طرف توجہ دیں گے اور ہمیشہ خلیفہ وقت کے جو ایک وقت میں ایک ہی ہو سکتا ہے، فرمانبردار رہیں گے اور اس کے حکموں کے مطابق اسلام کی خدمت کریں گے''۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد (خلیفة المسیح)

(رسالہ خالد ستمبر ۱۹۵۶ء)

دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

قیام پاکستان کے شروع میں یہ سوال زور پکڑ رہا تھا کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہو یا قومی۔ حضرت مصلح موعود نے بھی اس سلسلہ میں رتن باغ لاہور میں کچھ لیکچر دیے جن کے نوٹس کو ''اسلام کا آئین اساسی کے نام'' سے شائع کیا گیا اس ضمن میں حضور فرماتے ہیں:۔

''اسلامی اصول پر مبنی گورنمنٹ کے لئے چونکہ انتخاب کی شرط ہے اس لئے اگر اسلامی آئین پر گورنمنٹ کی بنیاد رکھی جائے گی تو مندرجہ ذیل شرائط کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

اوّل: حکومت کا ہیڈ منتخب کیا جائے گا۔ انتخاب کا زمانہ مقرر کیا جا سکتا ہے کیونکہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا خلیفہ کو سارے مسلمانوں پر حکومت حاصل ہوتی ہے اور وہ صرف حکومت کا ہیڈ نہیں ہوتا بلکہ مذہب کا بھی ہیڈ ہوتا ہے۔ پاکستان کے ہیڈ کو نہ دوسرے مُلکوں کے مسلمان تسلیم کریں گے اور نہ علماء مذہب کے مسائل میں اُس کو اپنا ہیڈ ماننے کے لئے تیار ہوں گے اس لئے خلافت کے اصول پر اس کے اصول تو مقرر کئے جا سکتے ہیں مگر نہ وہ خلیفہ ہوسکتا ہے نہ خلافت کے سارے قانون اُس پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ خلافت کے اصول یہ ہیں۔

(۱) اُس کا تقرر انتخابی ہو (اس انتخاب کے کئی طریق ہیں لیکن اس تفصیل میں جانے کی اِس وقت گنجائش نہیں۔)

(۲) وہ مملکت کے کام مشورہ سے چلائے (مشورہ کے لئے اسلام کے تین اصول ہیں (i) عام مسلمانوں سے مشورہ لینا یعنی ریفرنڈم۔ (ii) چند تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینا یعنی ایگزیکٹو باڈی سسٹم۔ (iii) قوموں کے منتخب نمائندوں سے مشورہ لینا جیسے آجکل کی پارلیمنٹس ہوتی ہیں۔ یہ تین طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے

ثابت ہیں) لیکن جہاں تک خلافت کا سوال ہے خلیفہ مشورہ لینے کا پابند ہے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔

پس اگر سو فیصدی خلافت کے اصول پر پاکستان کا آئین بنایا جائے تو حکومت کا ہیڈ ایگزیکٹو کا ہیڈ ہوگا۔ ایگزیکٹو کا انتخاب اس کے اپنے اختیار میں ہوگا وہ تمام ضروری امور میں پبلک کے نمائندوں سے مشورہ لے گا لیکن اُن مشوروں پر کاربند ہونے کا پابند نہیں ہوگا۔ لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا کیونکہ نہ ساری اسلامی حکومتیں اس کو ہیڈ تسلیم کریں گی نہ علماء اس کو مذہبی ہیڈ تسلیم کریں گے اس لئے ہم خلافت کے پس پردہ جو اصول کارفرما ہیں ان سے روشنی تو حاصل کر سکتے ہیں ان کی پوری نقل نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ خلافت اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک دنیا کی سب مسلمان حکومتیں اور افراد اس انتخاب پر متفق نہ ہو جائیں یا اکثریت متفق نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے اس لئے یہ کہنا کہ پاکستان کا آئین اساسی اسلام پر مبنی ہو درست نہیں۔ جس طرح انگریزی حکومت کے ماتحت ہمیں شریعت کے وہ احکام نافذ کرنے کا اختیار نہ تھا جو حکومت کے متعلق تھے اور ہم اس کی وجہ سے گنہگار نہیں تھے اسی طرح اسلامی آئین حکومت چونکہ خلافت سے تعلق رکھتا ہے اور خلافت کا قیام مسلمان افراد اور حکومتوں کی اکثریت کے اتفاق کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اگر ہم اس نظام کو قائم نہیں کرتے تو ہم ہرگز خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم نہیں کیونکہ اس نظام کے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں اسلام نے مقرر کی ہیں وہ شرطیں اِس وقت پوری نہیں ہوتیں''۔

(اسلام کا آئین اساسی صفحہ ۳،۴)

خلافت وعدۂ الٰہی، اس کی شرائط اور برکات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سورہ نور کی جو تفسیر، تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل میں بیان فرمائی اس میں مسلمانوں سے خلافت کا وعدۂ الٰہی، اس کی شرائط اور اس کی برکات بیان فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

’’کل ہی میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا اس میں لکھا تھا کہ فرانس کے ایک جرنیل کو ایک آرڈر آیا جو ظالمانہ تھا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ آرڈر نہایت ظالمانہ ہے دوستوں نے اُسے مشورہ دیا کہ تم اِسے ردّ کر دو۔ یہ جرنیل وہی تھا جس نے سسلی کو فتح کیا تھا اور اسے مسلمان جرنیل موسیٰ کی طرح سسلی فتح کر لینے کے بعد سزا ملی۔ اس نے کہا تم مجھے غلط مشورہ دیتے ہو گورنمنٹیں آتی ہیں اور جاتی ہیں لیکن فرانس زندہ رہے گا۔ میں فرانس کا خادم ہوں اور اس سے غداری نہیں کرسکتا۔ موسیٰ نے بھی دوستوں کے اس مشورہ پر کہ تم سرنڈر (Sarrender) نہ کرو یہی جواب دیا تھا کہ ولید کا حکم نہیں بلکہ خلیفہ کا حکم ہے اس حکم کی تعمیل کر کے میں مارا ضرور جاؤں گا لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی یہ کہے کہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی گئی۔ خواہ اس حکم کا نفاذ میرے گرنے یا مرنے سے ہی ہو میں اسے ردّ نہیں کرونگا۔ اسی طرح اس جرنیل نے کہا کہ قومیں آئیں گی اور بدل جائیں گی لیکن فرانس زندہ رہے گا اور یاد رکھا جائے گا۔ میں موت قبول کرلوں گا لیکن یہ بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ دنیا میں یہ کہا جائے کہ فرانس کے کسی جرنیل نے حکم ردّ کر دیا تھا۔ انہی چیزوں کے ساتھ افراد کی عزت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی محبت چیزوں سے ہوتی ہے اور بعض کی محبت اصول سے ہوتی ہے جو لوگ اصول کے ساتھ محبت رکھتے ہیں وہی جیتتے ہیں جو قومیں اصول کی قدر کرتی ہیں گو ان کا ایک واجب الاطاعت امام ہوتا ہے لیکن حقیقتاً وہ خود لیڈر ہوتی ہیں۔ جب ایک لیڈر مر جاتا ہے تو وہ دوسرا لیڈر پیدا

کر لیتی ہیں۔ ان کی مثال کیلے کے درخت کی سی ہوتی ہے اگر کیلے میں پھل لگ جائے تو لوگ اسے کاٹ دیتے ہیں ورنہ اسے پھل نہیں لگتا۔ یہی حال زندہ قوموں کا ہوتا ہے زندہ قوموں کے افراد اپنی شخصیت کو کچل دیتے اور قومیت کو زندہ کر دیتے ہیں اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے وہ اپنی جسمانیت کو مار کر روحانیت کو زندہ کر لیتے ہیں۔

نادان کہتا ہے کہ خلیفہ خدا نہیں بناتا بلکہ اسے لوگ چنتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ نے آیت استخلاف میں کتنا بڑا فلسفہ بیان کیا ہے۔ ساری تاریخ دیکھ لو۔ تمہیں یہی نمونہ ملے گا کہ وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو لیڈر پیدا کرتی ہیں۔ تمہیں ایک تیمور مل جائے گا، تمہیں ایک نپولین مل جائے گا، تمہیں ایک ہٹلر مل جائے گا لیکن تیموروں، ہٹلروں اور نپولینوں کا سلسلہ اسی جگہ ملے گا جہاں قوم میں زندگی پائی جاتی ہو۔ انگلینڈ کے مدبر کہاں سے گرتے ہیں؟ امریکہ کا پریذیڈنٹ سائنس کے کون سے عمل خانہ میں بنایا جاتا ہے؟ وہ معمولی آدمیوں میں سے ہی ایک آدمی ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کے پیچھے قوم کی روح کھڑی ہے۔ قوم پریذیڈنٹ کا آئینہ بن جاتی ہے اور پریذیڈنٹ قوم کا آئینہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس گُر کو بیان کیا ہے کہ خلیفہ تم چنو لیکن وہ ہمارا نمائندہ ہوگا۔

(الفضل ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء)

خلافت راشدہ کے سات امتیازات

(تحریر فرمودہ مئی ۱۹۵۲ء)

۱۹۵۲ء میں الفرقان کے خلافت نمبر کی اشاعت کے لئے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے حضور سے استفسار کیا کہ ''اسلامی خلافت راشدہ کی وہ کونسی علامتیں ہیں جن سے وہ ممتاز ہوتی ہے اور اس میں اور باقی تمام اقسام اقتدار، ملوکیت وغیرہ میں کھلے طور پر فرق کیا جاسکتا ہے؟'' اس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:۔

''اسلام میں خلافت راشدہ کے مجموعی امتیازات سات ہیں۔

اوّل: انتخاب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا[1] یہاں امانت کا لفظ ہے لیکن ذکر چونکہ حکومت کا ہے اس لئے امانت سے مراد امانت حکومت ہے آگے طریق انتخاب مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ خلافت اُس وقت سیاسی تھی مگر اس کے ساتھ مذہبی بھی۔ اس لئے دین کے قائم ہونے تک اُس وقت کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انتخاب صحابہ کریں کہ وہ دین اور دیندار کو بہتر سمجھتے تھے ورنہ ہر زمانہ کے لئے طریقِ انتخاب الگ ہوسکتا ہے۔ اگر خلافت صحابہؓ کے بعد چلتی تو اِس پر بھی غور ہو جاتا کہ صحابہؓ کے بعد انتخاب کس طرح ہوا کرے۔ بہر حال خلافت انتخابی ہے اور انتخاب کے طریق کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔

دوم: شریعت۔ خلیفہ پر اوپر سے شریعت کا دباؤ ہے وہ مشورہ کو ردّ کرسکتا ہے مگر شریعت کو ردّ نہیں کرسکتا گویا وہ کانسٹی ٹیوشنل ہیڈ ہے، آزاد نہیں۔

سوم: شوریٰ۔ اوپر کے دباؤ کے علاوہ نیچے کا دباؤ بھی اُس پر ہے یعنی اسے تمام اہم امور

میں مشورہ لینا اور جہاں تک ہو سکے اس کے ماتحت چلنا ضروری ہے۔

چہارم: **اندرونی دباؤ یعنی اخلاقی** ۔علاوہ شریعت اور شوریٰ کے اس پر نگران اس کا وجود بھی ہے کیونکہ وہ مذہبی رہنما بھی ہے اور نمازوں کا امام بھی۔ اس وجہ سے اس کا دماغی اور شعوری دباؤ اور نگرانی بھی اسے راہِ راست پر چلانے والا ہے جو خالص سیاسی، منتخب یا غیر منتخب حاکم پر نہیں ہوتا۔

پنجم: **مساوات** ۔خلیفہ اسلامی انسانی حقوق میں مساوی ہے جو دنیا میں اور کسی حاکم کو حاصل نہیں وہ اپنے حقوق عدالت کے ذریعہ سے لے سکتا ہے اور اس سے بھی حقوق عدالت کے ذریعہ سے لئے جا سکتے ہیں۔

ششم: **عصمت صغریٰ** ۔عصمت صغریٰ اسے حاصل ہے یعنی اسے مذہبی مشین کا پُرزہ قرار دیا گیا ہے اور وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسی غلطیوں سے اُسے بچایا جائے گا جو تباہ کُن ہوں اور خاص خطرات میں اس کی پالیسی کی اللہ تعالیٰ تائید کرے گا اور اسے دشمنوں پر فتح دے گا گویا وہ مؤیَّد مِنَ اللہ ہے اور دوسرا کسی قسم کا حاکم اِس میں اس کا شریک نہیں۔

ہفتم: وہ سیاسیات سے بالا ہوتا ہے اس لئے اس کا کسی پارٹی سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک باپ کی حیثیت رکھتا ہے اس کے لئے کسی پارٹی میں شامل ہونا یا اس کی طرف مائل ہونا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ**[۲] یعنی جب ایسے شخص کا انتخاب ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ کامل انصاف سے فیصلہ کرے۔ کسی ایک طرف خواہ شخصی ہو یا قومی ہو نہ جھکے''۔

(الفرقان مئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۶، ۷)

۱، ۲ النساء: ۵۹
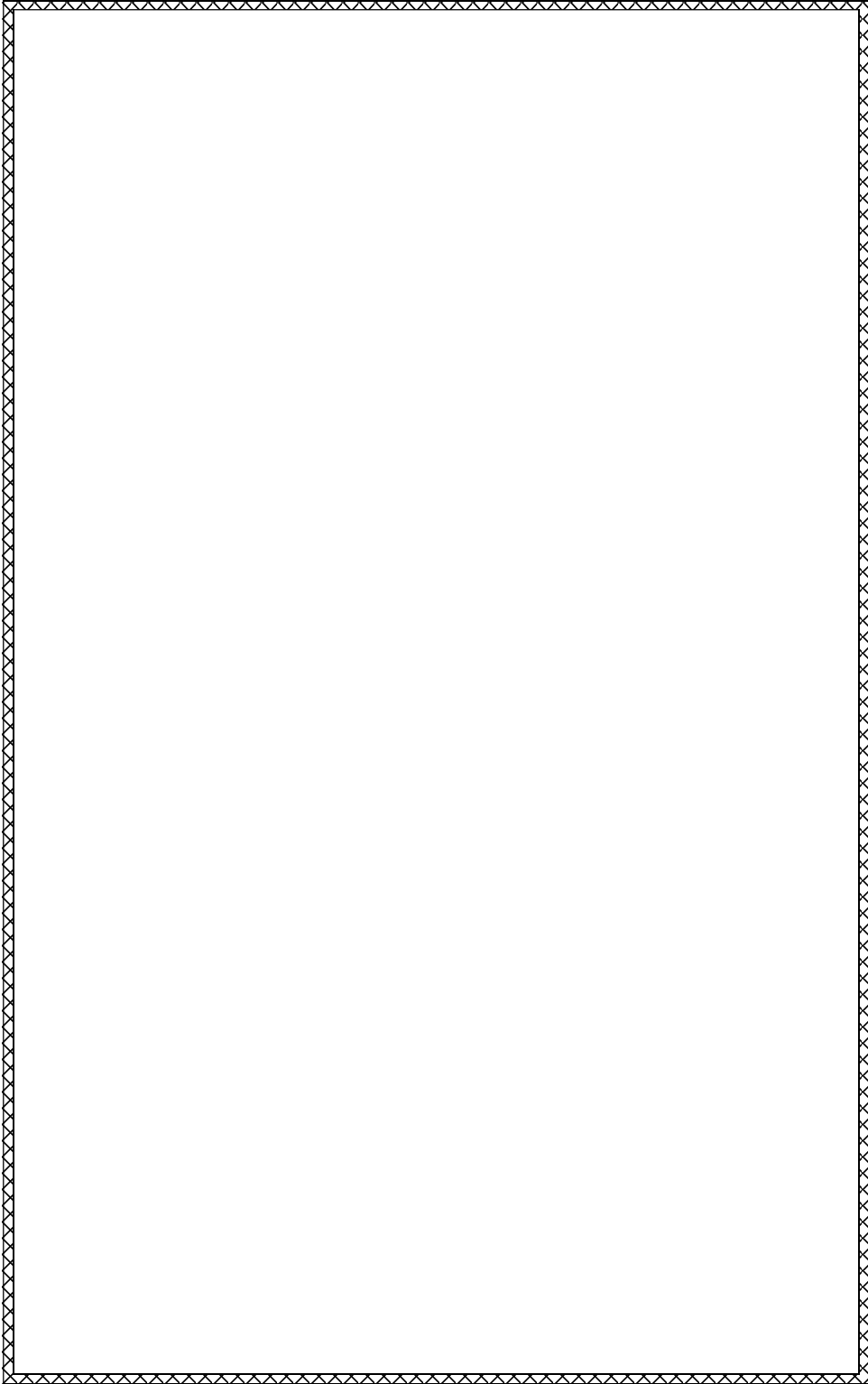
مسئلہ خلافت

(۲۵/ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسئلہ خلافت کے موضوع پر تقریر فرمائی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''میں کل تھوڑی دیر ہی بولا تھا لیکن گھر جاتے ہی میری طبیعت خراب ہوگئی اور سارا دن پسینے آتے رہے آج بھی گلے میں تکلیف ہے کھانسی آ رہی ہے بخار ہے اور جسم ٹوٹ رہا ہے جس کی وجہ سے میں شاید کل جتنا بھی نہ بول سکوں لیکن چونکہ خدام الاحمدیہ کے اجتماع کا یہ آخری اجلاس ہے اِس لئے چند منٹ کے لئے یہاں آ گیا ہوں۔ چند منٹ بات کر کے میں چلا جاؤں گا اور اس کے بعد باقی پروگرام جاری رہے گا۔ انسان دنیا میں پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں کوئی انسان ایسا نہیں ہوا جو ہمیشہ زندہ رہا ہو لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہیں یہی امید دلانے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔

''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔[1]

اس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ چونکہ ہر انسان کے لئے موت مقدر ہے اس لئے میں بھی تم سے ایک دن جدا ہو جاؤں گا لیکن اگر تم چاہو تو تم اَبد تک زندہ رہ سکتے ہو۔ انسان اگر چاہے بھی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ زندہ رہ سکتی ہیں اور اگر وہ زندہ نہ رہنا چاہیں تو مَر جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی فرمایا کہ:۔

''تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا

تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت آ نہیں سکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی'' ۔[۲]

اس جگہ ہمیشہ کے یہی معنی ہیں کہ جب تک تم چاہو گے تم زندہ رہ سکو گے لیکن اگر تم سارے مل کر بھی چاہتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ رہتے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے ہاں اگر تم یہ چاہو کہ قدرتِ ثانیہ تم میں زندہ رہے تو وہ زندہ رہ سکتی ہے۔

قدرت ثانیہ کے دو مظاہر ہیں ۔اوّل تائید الٰہی ۔دوم خلافت

اگر قوم چاہے اور اپنے آپ کو مستحق بنائے تو تائید الٰہی بھی اس کے شامل حال رہ سکتی ہے اور خلافت بھی اس میں زندہ رہ سکتی ہے۔خرابیاں ہمیشہ ذہنیت کے خراب ہونے سے پیدا ہوتی ہیں ۔ ذہنیت درست رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو چھوڑ دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [۳] یعنی اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے دلوں میں خرابی پیدا نہ کر لے یہ چیز ایسی ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔کوئی جاہل سے جاہل انسان بھی ایسا نہیں ہوگا جسے میں یہ بات بتاؤں اور وہ کہے کہ میں اسے نہیں سمجھ سکا یا اگر ایک دفعہ سمجھانے پر نہ سمجھ سکے تو دوبارہ سمجھانے پر بھی وہ کہے کہ میں نہیں سمجھا۔لیکن اتنی سادہ سی بات بھی قومیں فراموش کر دیتی ہیں۔ انسان کا مرنا تو ضروری ہے اگر وہ مر جائے تو اس پر کوئی الزام نہیں آتا لیکن قوم کیلئے مرنا ضروری نہیں۔قومیں اگر چاہیں تو وہ زندہ رہ سکتی ہیں لیکن وہ اپنی ہلاکت کے سامان خود پیدا کر لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحابہ کو ایک ایسی تعلیم دی تھی جس پر اگر ان کی آئندہ نسلیں عمل کرتیں تو ہمیشہ زندہ رہتیں لیکن قوم نے عمل چھوڑ دیا اور وہ مر گئی۔ دنیا یہ سوال کرتی ہے اور میرے سامنے بھی یہ سوال کئی دفعہ آیا ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ نے صحابہ کو ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی تھی جس

میں ہر قسم کی سوشل تکالیف اور مشکلات کا علاج تھا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا پھر وہ تعلیم گئی کہاں اور ۳۳ سال ہی میں وہ کیوں ختم ہوگئی۔ عیسائیوں کے پاس مسلمانوں سے کم درجہ کی خلافت تھی لیکن ان میں اب تک پوپ چلا آ رہا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیوں میں پوپ کے باغی بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی اکثریت ایسی ہے جو پوپ کو مانتی ہے اور انہوں نے اس نظام سے فائدے بھی اُٹھائے ہیں لیکن مسلمانوں میں ۳۳ سال تک خلافت رہی اور پھر ختم ہوگئی۔اسلام کا سوشل نظام ۳۳ سال تک قائم رہا اور پھر ختم ہوگیا۔ نہ جمہوریت باقی رہی، نہ غربا پروری رہی، نہ لوگوں کی تعلیم اور غذا اور لباس اور مکان کی ضروریات کا کوئی احساس رہا۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں کیوں ختم ہوگئیں؟ اس کی یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کی ذہنیت خراب ہوگئی تھی۔ اگر ان کی ذہنیت درست رہتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ یہ نعمت اُن کے ہاتھ سے چلی جاتی۔

پس تم خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو اور ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خلافت تم میں ہمیشہ رہے گی۔خلافت تمہارے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے دی ہی اس لئے ہے تا وہ کہہ سکے کہ میں نے اسے تمہارے ہاتھ میں دیا تھا۔اگر تم چاہتے تو یہ چیز ہمیشہ تم میں قائم رہتی۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے الہامی طور پر بھی قائم کرسکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے یہ کہا کہ اگر تم لوگ خلافت کو قائم رکھنا چاہو گے تو میں بھی اسے قائم رکھوں گا گویا اس نے تمہارے منہ سے کہلوانا ہے کہ تم خلافت چاہتے ہو یا نہیں چاہتے؟ اب اگر تم اپنا منہ بند کرلو یا خلافت کے انتخاب میں اہلیت مدنظر نہ رکھو۔مثلاً تم ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلو جو خلافت کے قابل نہیں تو تم یقیناً اس نعمت کو کھو بیٹھو گے۔

مجھے اس طرف زیادہ تحریک اس وجہ سے ہوئی کہ آج رات دو بجے کے قریب میں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ پنسل کے لکھے ہوئے کچھ نوٹ ہیں جو کسی مصنف یا مؤرخ کے ہیں اور انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں پنسل بھی Copying یا Blue رنگ کی ہے۔نوٹ صاف طور پر نہیں پڑھے جاتے اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نوٹوں میں یہ بحث کی گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان اتنی جلدی کیوں خراب ہوگئے۔

باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات اِن پر تھے اعلیٰ تمدن اور بہترین اقتصادی تعلیم انہیں دی گئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا پھر بھی وہ گر گئے اور ان کی حالت خراب ہوگئی۔ یہ نوٹ انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جو انگریزی لکھی ہوئی تھی وہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو نہیں لکھی ہوئی تھی بلکہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو لکھی ہوئی تھی لیکن پھر بھی میں اسے پڑھ رہا تھا۔ گو وہ خراب سی لکھی ہوئی تھی اور الفاظ واضح نہیں تھے بہرحال کچھ نہ کچھ پڑھ لیتا تھا اس میں ایک فقرہ کے الفاظ قریباً یہ تھے کہ

There were two reasons for it. There temperment becoming

(1) Morbid and (2) Anorchical

یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ مسلمانوں پر کیوں تباہی آئی۔ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ خرابی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی اُس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی طبائع میں دو قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ایک یہ کہ وہ ماربڈ (Morbid) ہوگئے تھے یعنی اَن نیچرل (Unnatural) ناخوشگوار ہوگئے تھے اور دوسرے ان کی ٹنڈنسیز (Tendancies) انارکیکل (Anarchical) ہوگئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ واقعہ میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ مسلمانوں نے یہ تباہی خود اپنے ہاتھوں مول لی تھی۔ ماربڈ (Morbid) کے لحاظ سے یہ تباہی اس لئے واقع ہوئی کہ جو ترقیات اُنہیں ملیں وہ اسلام کی خاطر ملی تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملی تھیں ان کی ذاتی کمائی نہیں تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے اور مکہ والوں کی ایسی حالت تھی کہ لوگوں میں اُنہیں کوئی عزت حاصل نہیں تھی لوگ صرف مجاور سمجھ کر ادب کیا کرتے تھے اور جب وہ غیر قوموں میں جاتے تھے تو وہ بھی ان کی مجاور یا زیادہ سے زیادہ تاجر سمجھ کر عزت کرتی تھیں وہ انہیں کوئی حکومت قرار نہیں دیتی تھیں۔ اور پھر ان کی حیثیت اتنی کم سمجھی جاتی تھی کہ دوسری حکومتیں ان سے جبراً ٹیکس وصول کرنا جائز سمجھتی تھیں۔ جیسے یمن کے بادشاہ نے مکہ پر حملہ کیا جس کا قرآن کریم نے اصحاب الفیل کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو تیرہ سال تک آپ مکہ میں رہے۔ اس عرصہ میں

چند سَو آدمی آپ پر ایمان لائے۔۱۳ سال کے بعد آپ نے ہجرت کی اور ہجرت کے آٹھویں سال سارا عرب ایک نظام کے ماتحت آ گیا اور اس کے بعد اُسے ایک ایسی طاقت اور قوت حاصل ہوگئی کہ اس سے بڑی بڑی حکومتیں ڈرنے لگیں۔

اُس وقت دنیا حکومت کے لحاظ سے دو بڑے حصوں میں منقسم تھی۔

اوّل رومی سلطنت۔ دوم ایرانی سلطنت۔ رومی سلطنت کے ماتحت مشرقی یورپ، ٹرکی ایبے سینیا ، یونان مصر، شام اور اناطولیہ تھا اور ایرانی سلطنت کے ماتحت عراق، ایران، رشین ٹری ٹوری کے بہت سے علاقے، افغانستان، ہندوستان کے بعض علاقے اور چین کے بعض علاقے تھے۔ اُس وقت یہی دو بڑی حکومتیں تھیں۔ ان کے سامنے عرب کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن ہجرت کے آٹھویں سال بعد سارا عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گیا۔ اس کے بعد جب سرحدوں پر عیسائی قبائل نے شرارت کی تو پہلے آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے۔ اس کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے فتنہ ٹل گیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد قبائل نے پھر شرارت شروع کی تو آپؐ نے ان کی سرکوبی کے لئے لشکر بھجوایا۔ اس لشکر نے بہت سے قبائل کو سرزنش کی اور بہتوں کو معاہدہ سے تابع کیا۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد اڑھائی سال کے عرصہ میں سارا عرب اسلامی حکومت کے ماتحت آ گیا بلکہ یہ حکومت عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنی شروع ہوئی۔ فتح مکہ کے پانچ سال کے بعد ایرانی حکومت پر حملہ ہو گیا تھا اور اس کے بعض علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا گیا تھا اور چند سالوں میں رومی سلطنت اور دوسری سب حکومتیں تباہ ہوگئی تھیں۔ اتنی بڑی فتح اور اتنے عظیم الشان تغیر کی مثال تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی۔ تاریخ میں صرف نپولین کی ایک مثال ملتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو تعداد اور قوت میں اس سے زیادہ ہو۔ جرمن کا مُلک تھا مگر وہ اُس وقت ۱۴ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ اس طرح اس کی تمام طاقت منتشر تھی۔ ایک مشہور امریکن پریذیڈنٹ سے کسی نے پوچھا کہ جرمن کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے کہا ایک شیر ہے دو تین لومڑ ہیں اور کچھ چوہے ہیں۔ شیر سے مراد رشیا تھا، لومڑ سے مراد دوسری حکومتیں اور چوہوں سے مراد جرمن تھے گویا جرمن اُس وقت ٹکڑے ٹکڑے تھا۔

روس ایک بڑی طاقت تھی مگر وہ روس کے ساتھ ٹکرایا اور وہاں سے ناکام واپس لوٹا۔ اس طرح انگلستان کو بھی فتح نہ کر سکا اور انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ قید ہو گیا۔

پھر دوسرا بڑا شخص ہٹلر آیا بلکہ دو بڑے آدمی دو مُلکوں میں ہوئے۔ ہٹلر اور مسولینی دونوں نے بے شک ترقیات حاصل کیں لیکن دونوں کا انجام شکست ہوا۔ مسلمانوں میں سے جس نے یکدم بڑی حکومت حاصل کی وہ تیمور تھا۔ اس کی بھی یہی حالت تھی وہ بے شک دنیا کے کناروں تک گیا لیکن وہ اپنے اس مقصد کو کہ ساری دنیا فتح کر لے پورا نہ کر سکا۔ مثلاً وہ چین کو تابع کرنا چاہتا تھا لیکن تابع نہ کر سکا اور جب وہ مرنے لگا تو اُس نے کہا میرے سامنے انسانوں کی ہڈیوں کے ڈھیر ہیں جو مجھے ملامت کر رہے ہیں۔

پس صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آدم سے لے کر اب تک ایسے گزرے ہیں جنہوں نے فردِ واحد سے ترقی کی۔ تھوڑے سے عرصہ میں ہی سارے عرب کو تابع فرمان کر لیا اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے ایک خلیفہ نے ایک بہت بڑی حکومت کو توڑ دیا اور باقی علاقے آپؐ کے دوسرے خلیفہ نے فتح کر لئے۔ یہ تغیر جو واقع ہوا خدائی تھا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مکہ میں پہنچی تو ایک مجلس میں حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ بھی بیٹھے تھے۔ جب پیغامبر نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو سب لوگوں پر غم کی کیفیت طاری ہو گئی اور سب نے یہی سمجھا کہ اب مُلکی حالات کے ماتحت اسلام پراگندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اب کیا ہوگا۔ پیغامبر نے کہا آپؐ کی وفات کے بعد حکومت قائم ہو گئی ہے اور ایک شخص کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کون خلیفہ مقرر ہوا ہے؟ پیغامبر نے کہا۔ ابوبکرؓ۔ ابوقحافہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ کون ابوبکر؟ کیونکہ وہ اپنے خاندان کی حیثیت کو سمجھتے تھے اور اس حیثیت کے لحاظ سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے بیٹے کو سارا عرب بادشاہ تسلیم کر لے گا۔ پیغامبر نے کہا ابوبکر جو فلاں قبیلہ سے ہے۔ ابوقحافہ نے کہا وہ کس خاندان سے ہے؟ پیغامبر نے کہا فلاں خاندان

سے۔ اِس پر ابوقحافہ نے دوبارہ دریافت کیا وہ کس کا بیٹا ہے؟ پیغامبر نے کہا۔ابوقحافہ کا بیٹا۔ اس پر ابوقحافہ نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور کہا آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تھے۔ابوقحافہ پہلے صرف نام کے طور پر مسلمان تھے لیکن اِس واقعہ کے بعد انہوں نے سچے دل سے سمجھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں راستباز تھے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ سارے عرب آپ کو مان لیتے یہ الٰہی دین تھی۔مگر بعد میں مسلمانوں کی ذہنیت ایسی بگڑی کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ فتوحات ہم نے اپنی طاقت سے حاصل کی ہیں۔کسی نے کہنا شروع کیا کہ عرب کی اصل طاقت بنواُمیہ ہیں اس لئے خلافت کا حق ان کا ہے۔کسی نے کہا بنو ہاشم عرب کی اصل طاقت ہیں، کسی نے کہا بنو مطلب عرب کی اصل طاقت ہیں۔کسی نے کہا خلافت کے زیادہ حقدار انصار ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔گویا تھوڑے ہی سالوں میں مسلمان ماربڈ (Morbid) ہو گئے اوران کے دماغ بگڑ گئے۔ان میں سے ہر قبیلہ نے یہ کوشش کی کہ وہ خلافت کو بزور حاصل کرلے۔نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت ختم ہوگئی۔

پھر مسلمانوں کے بگڑنے کا دوسرا سبب انارکی تھی۔اسلام نے سب میں مساوات کی روح پیدا کی تھی۔لیکن مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ مساوات پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک آرگنائزیشن ہو اس کے بغیر مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔اسلام آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ ایک آرگنائزیشن اور ڈسپلن قائم کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ یہ ڈسپلن ظالمانہ نہ ہو اور افراد اپنے نفسوں کو دبا کر رکھیں تا کہ قوم جیتے۔لیکن چند ہی سال میں مسلمانوں میں یہ سوال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ خزانے ہمارے ہیں اور اگر حکّام نے ان کے راستہ میں کوئی روک ڈالی تو اُنہوں نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ روح تھی جس نے مسلمانوں کو خراب کیا۔انہیں یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ حکومت الٰہیہ ہے اور اسے خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لئے اسے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ سورہ نور میں فرماتا ہے کہ خلیفے ہم بنائیں گے لیکن مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں اور جب

انہوں نے یہ سمجھا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں تو خدا تعالیٰ نے کہا اچھا اگر خلیفے تم نے بنائے ہیں تو اب تم ہی بناؤ۔ چنانچہ ایک وقت تک تو وہ پہلوں کا مارا ہوا شکار یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا مارا ہوا شکار کھاتے رہے لیکن مرا ہوا شکار ہمیشہ قائم نہیں رہتا زندہ بکرا زندہ بکری زندہ مرغا اور زندہ مرغیاں تو ہمیں ہمیشہ گوشت اور انڈے کھلائیں گے لیکن ذبح کی ہوئی بکری یا مرغی زیادہ دیر تک نہیں جا سکتی کچھ وقت کے بعد وہ خراب ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں مسلمان تازہ گوشت کھاتے تھے لیکن بے وقوفی سے اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چیز ہماری ہے اس طرح انہوں نے اپنی زندگی کی روح کو ختم کر دیا اور مرغیاں اور بکریاں مُردہ ہوگئیں۔ آخر تم ایک ذبح کی ہوئی بکری کو کتنے دن کھا لو گے۔ ایک بکری میں دس بارہ سیر یا پچیس تیس سیر گوشت ہوگا اور آخر وہ ختم ہو جائے گا۔ پس وہ بکریاں مُردہ ہوگئیں اور مسلمانوں نے کھا پی کر انہیں ختم کر دیا۔ پھر وہی حال ہوا کہ ''ہتھ پرانے کھونسڑے بسنتے ہوری آئے'' وہ ہر جگہ ذلیل ہونے شروع ہوئے، انہیں ماریں پڑیں اور خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا۔ عیسائیوں نے تو اپنی مُردہ خلافت کو آج تک سنبھالا ہوا ہے لیکن ان بدبختوں نے زندہ خلافت کو اپنے ہاتھوں گاڑ دیا اور یہ محض عارضی خواہشات، دُنیوی ترقیات کی تمنا اور وقتی جوشوں کا نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے جو وعدے پہلے مسلمانوں سے کئے تھے وہ وعدے اب بھی ہیں۔ اُس نے جب وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [4] فرمایا تو الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت عثمانؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت علیؓ سے نہیں فرمایا۔ پھر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ صرف پہلے مسلمانوں سے کیا تھا یا پہلی صدی کے مسلمانوں سے کیا تھا یا دوسری صدی کے مسلمانوں سے کیا تھا بلکہ یہ وعدہ سارے مسلمانوں سے ہے چاہے وہ آج سے پہلے ہوئے ہوں یا ۲۰۰ یا ۴۰۰ سال کے بعد آئیں وہ جب بھی اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق ہو جائیں گے، وہ اپنی نفسانی خواہشات کو مار دیں گے، وہ اسلام کی ترقی کو اپنا اصل مقصد بنا لیں گے، شخصیات،

جماعتوں، پارٹیوں، جتھوں، شہروں اور ملکوں کو بھول جائیں گے تو ان کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ قائم رہے گا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے چاہے وہ عرب کے ہوں، عراق کے ہوں، شام کے ہوں، مصر کے ہوں، یورپ کے ہوں، ایشیا کے ہوں، امریکہ کے ہوں، جزائر کے ہوں، افریقہ کے ہوں کیا ہے کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ وہ انہیں اس دنیا میں اپنا نائب اور قائمقام مقرر کرے گا۔ اب اس دنیا میں شام، عرب اور نائیجیریا، کینیا، ہندوستان، چین اور انڈونیشیا ہی شامل نہیں بلکہ اور ممالک بھی ہیں پس اس سے مراد دنیا کے سب ممالک ہیں گویا وہ موعود خلافت ساری دنیا کے لئے ہے۔ فرماتا ہے وہ تمہیں ساری دنیا میں خلیفہ مقرر کرے گا كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ مقرر کیا۔ اس آیت میں پہلے لوگوں کی مشابہت ارض میں نہیں بلکہ استخلاف میں ہے گویا فرمایا ہم انہیں اسی طرح خلیفہ مقرر کریں گے جس طرح ہم نے پہلوں کو خلیفہ مقرر کیا اور پھر اس قسم کے خلیفے مقرر کریں گے جن کا اثر تمام دنیا پر ہوگا۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو یاد رکھو اور خلافت کے استحکام اور قیام کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہو۔ تم نوجوان ہو، تمہارے حوصلے بلند ہونے چاہئیں اور تمہاری عقلیں تیز ہونی چاہئیں تاکہ تم اس کشتی کو ڈوبنے اور غرق نہ ہونے دو۔ تم وہ چٹان نہ بنو جو دریا کے رُخ کو پھیر دیتی ہے بلکہ تمہارا یہ کام ہے کہ تم وہ چینل (Channal) بن جاؤ جو پانی کو آسانی سے گزارتی ہے۔ تم ایک ٹنل ہو جس کا یہ کام ہے کہ وہ فیضان الٰہی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے تم اسے آگے چلاتے چلے جاؤ۔ اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم ایک ایسی قوم بن جاؤ گے جو کبھی نہیں مرے گی۔ اور اگر تم اس فیضانِ الٰہی کے رستہ میں روک بن گئے، اس کے رستے میں پتھر بن کر کھڑے ہوگئے اور تم نے اپنی ذاتی خواہشات کے ماتحت اسے اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور قریبیوں کے لئے مخصوص کرنا چاہا تو یاد رکھو وہ تمہاری قوم کی تباہی کا وقت ہوگا پھر تمہاری عمر کبھی لمبی نہیں ہوگی اور تم اس طرح مَر جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں مریں۔ لیکن قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ قوم کی ترقی کا رستہ بند

نہیں۔ انسان بے شک دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہتا لیکن قومیں زندہ رہ سکتی ہیں۔ پس جو آگے بڑھے گا وہ انعام لے جائے گا اور جو آگے نہیں بڑھتا وہ اپنی موت آپ مَرتا ہے اور جو شخص خودکشی کرتا ہے اسے کوئی دوسرا بچا نہیں سکتا۔ (الفضل ۲۳ مئی ۱۹۶۱ء)

---

۱ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶۔۱۷، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۹۴ء

۲ الوصیت صفحہ ۷، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵

۳ الرعد: ۱۲ ۴ النور: ۵۶

نوجوانانِ جماعت سے خطاب

خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۲۰ نومبر ۱۹۵۵ء کو نوجوانانِ جماعت سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے فرمایا:۔

''پھر میں ایک اور بات کہنی چاہتا ہوں۔کل میں نے تم کو بھی دیکھا اور انصار کو بھی دیکھا۔شاید کچھ اس بات کا بھی اثر ہوگا کہ فالج کی وجہ سے میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں پوری طرح نہیں دیکھ سکا ہوں گا لیکن بہرحال مجھے نظر یہ آیا کہ جیسے چہرے افسردہ ہیں اور جھلسے جھلسے سے ہیں۔ میں نے سمجھا شاید میری بیماری کے خیال سے ایسا ہے چنانچہ میں نے بعض دوستوں سے ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا طوفان کی وجہ سے لوگوں کی مالی حالت خراب ہوگئی ہے اس وجہ سے ان کے چہرے افسردہ ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اگر میری بیماری اس کی وجہ ہو تو میں تو ایک انسان ہوں۔ آخر انسان کب تک تمہارے اندر رہے گا۔ اس کے بعد آخر خدا ہی سے واسطہ پڑنا ہے...... کیوں نہ خدا ہی سے شروع سے واسطہ رکھو۔حضرت ابوبکرؓ نے کیا سچائی بیان کی تھی کہ **مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ**[1] اگر خدا پر توکل کرو گے تو معلوم نہیں تمہارا اس دنیا کے ساتھ ہزار سال واسطہ پڑنا ہے یا دو ہزار سال پڑنا ہے بہرحال ہزار دو ہزار کا عرصہ خدا کے لئے تو کچھ بھی نہیں مگر اس توکّل کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اس بیماری میں مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ کچھ خیر خواہ دوستوں کی بیوقوفیوں کی بھی سزا مجھے ملی ہے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ''خدا آپ کو عمرِ نوح دے''۔ عمرِ نوح تو ہزار سال کہتے ہیں میں تو ستاسٹھ سال میں اپنے جسم کو ایسا کمزور محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میری روح گویا قید کی ہوئی ہے۔ اگر بجائے عمرِ نوح کی

دعا کرنے کے، وہ یہ دعا کرتے کہ اللہ تو ہمارے خلیفہ کو اِتنی عمر دے جس میں وہ بشاشت کے ساتھ کام کر سکے اور تیری مدد اس کے ساتھ ہو تو مجھے کتنا فائدہ ہوتا۔ اگر وہ مجھے عمر نوح ہی دے تو ہزار سال کی تو قوم نہیں ہوا کرتی۔ قومیں تو دو ہزار سال چلتی ہیں۔ پھر بھی تو ہزار سال کے بعد میں تم سے جدا ہو جاتا۔ تو ایسی غلط دعا مانگنے سے کیا فائدہ تھا۔

دعا یہ مانگنی تھی کہ یا اللہ تو ان کو ایسی عمر دے جس میں اس کا جسم اس کام کا بوجھ اُٹھا سکے اور بشاشت سے تیرے دین کی خدمت کر سکیں اور ہمارے اندر وہ طاقت پیدا کر کہ جو کام تو ان سے لے رہا ہے وہ ہم سے بھی لیتا چلا جا۔ یہ دعا میرے لئے بھی ہوتی اور تمہارے لئے بھی ہوتی اور اسلام کے لئے بھی ہوتی۔ (الفضل ۴ مارچ ۱۹۵۶ء)

---

۱ **بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی ﷺ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً**

خدام الاحمدیہ کراچی کے لئے روح پرور پیغام

(خیبر لاج مری ۲۴ جولائی ۱۹۵۶ء)

خدام الاحمدیہ کراچی

عزیزان ! اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کے افسران نے مجھ سے خدام الاحمدیہ کراچی کے جلسہ کے لئے پیغام مانگا ہے۔ میں اس کے سِوا پیغام کیا دے سکتا ہوں کہ ۱۹۱۴ء میں جب میں خلیفہ ہوا اور جب میری صرف ۲۶ سال عمر تھی خدام الاحمدیہ کی بنیاد ابھی نہیں پڑی تھی مگر ہر احمدی نوجوان اپنے آپ کو خادمِ احمدیت سمجھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن انتخابِ خلافت ہونا تھا مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے ایک ٹریکٹ شائع ہوا کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہیے صدر انجمن احمدیہ ہی حاکم ہونی چاہیے۔ اُس وقت چند نوجوانوں نے مل کر ایک مضمون لکھا اور اُس کی دستی کاپیاں کیں۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم سب احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت فیصلہ کر چکے ہیں کہ جماعت کا ایک خلیفہ ہونا چاہئے اس فیصلہ پر ہم قائم ہیں اور تا زندگی قائم رہیں گے اور خلیفہ کا انتخاب ضرور کرا کے چھوڑیں گے۔ سکول کے درجنوں طالب علم پیدل اور سائیکلوں پر چڑھ کے بٹالہ کی سڑک پر چلے گئے اور ہر نووارد مہمان کو دکھا کر اُس سے درخواست کی کہ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو اس پر دستخط کر دیں۔ جماعت احمدیہ میں خلافت کی بنیاد کا وہ پہلا دن تھا اور اس بنیاد کی اینٹیں رکھنے والے سکول کے لڑکے تھے۔ مولوی صدر الدین صاحب اُس وقت ہیڈ ماسٹر تھے۔ اُن کو پتہ لگا تو وہ بھی بٹالہ کی سڑک پر چلے گئے وہاں اُنہوں نے دیکھا کہ سکول کا ایک لڑکا نووارد مہمانوں کو وہ مضمون پڑھوا کر دستخط کروا رہا ہے۔ انہوں نے وہ کاغذ اُس سے چھین کر پھاڑ دیا اور کہا چلے جاؤ۔ وہ لڑکا

مومن تھا اس نے کہا مولوی صاحب! آپ ہیڈ ماسٹر ہیں اور مجھے مار بھی سکتے ہیں مگر یہ مذہبی سوال ہے میں اپنے عقیدہ کو آپ کی خاطر نہیں چھوڑ سکتا۔ فوراً جھک کر وہ کاغذ اُٹھایا اور اُسی وقت پنسل سے اس کی نقل کرنی شروع کر دی اور مولوی صاحب کے سامنے ہی دوسرے مہمانوں سے اُس پر دستخط کروانے شروع کر دیئے۔ اس پر ۴۲ سال گزر گئے ہیں میں اُس وقت جوان تھا اور اَب ۶۸ سال کی عمر کا ہوں اور فالج کی بیماری کا شکار ہوں۔ اُس وقت آپ لوگوں کی گردنیں پیغامیوں کے ہاتھ میں تھیں اور خزانہ میں صرف ۱۸ آنے کے پیسے تھے میں نے خالی خزانہ کو لے کر احمدیت کی خاطر ان لوگوں سے لڑائی کی جو کہ اُس وقت جماعت کے حاکم تھے اور جن کے پاس روپیہ تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے میری مدد کی اور جماعت کے نوجوانوں کو خدمت کرنے کی توفیق دی۔ ہم کمزور جیت گئے اور طاقتور دشمن ہار گیا۔ آج ہم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن لوگوں کو ایک تفسیر پر ناز تھا ان کے مقابلہ میں اتنی بڑی تفسیر ہمارے پاس ہے کہ ان کی تفسیر اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں۔ جو ایک انگریزی ترجمہ پیش کرتے تھے اس کے مقابلہ میں ہم چھ زبانوں کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں لیکن ناشکری کا بُرا حال ہو کہ وہی شخص جس کو پیغامی ستر ا بہترا قرار دے کر معزول کرنے کا فتویٰ دیتے تھے اور جس کے آگے اور دائیں اور بائیں لڑ کر میں نے اُس کی خلافت کو مضبوط کیا اُس سے تعلق رکھنے والے چند بے دین نوجوان جماعتوں میں آدمی بھجوا رہے ہیں کہ خلیفہ بڈھا ہو گیا ہے اسے معزول کرنا چاہیے۔ اگر واقع میں میں کام کے قابل نہیں ہوں تو آپ لوگ آسانی کے ساتھ ایک دوسرے قابل آدمی کو خلیفہ مقرر کر سکتے ہیں اور اُس سے تفسیر قرآن لکھوا سکتے ہیں۔ میری تقریریں مجھے واپس کر دیجئے اور اپنے روپے لے لیجئے اور مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر یا اور جس تفسیر کو آپ پسند کریں اسے پڑھا کریں اور جو نئی تفسیر میری چھپ رہی ہے اُس کو بھی نہ چھوئیں۔ یہ اوّل درجہ کی بے حیائی ہے کہ ایک شخص کی تفسیروں اور قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کر کے تعریفیں اور شہرت حاصل کرنی اور اُسی کو نکما اور ناکارہ قرار دینا۔ مجھے آج ہی اللہ تعالیٰ نے الہام سے سمجھایا کہ ''آؤ ہم مدینہ والا معاہدہ کریں'' یعنی جماعت سے پھر کہو کہ یا تم مجھے چھوڑ دو اور میری تصنیفات سے فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ نہیں تو میرے ساتھ وفاداری کا ویسا ہی معاہدہ کرو جیسا کہ مدینہ کے لوگوں نے مکہ کی عقبہ جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا اور پھر بدر کی جنگ میں کہا تھا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! یہ نہ سمجھیں کہ خطرہ کے وقت میں ہم موسیٰ کی قوم کی طرح آپؐ سے کہیں گے کہ جا تو اور تیرا خدا لڑتے پھرو ہم یہیں بیٹھے ہیں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن اُس وقت تک آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا آگے نہ آئے [1] سو گو میرا حافظ خدا ہے اور اُس کے دیئے ہوئے علم سے آج بھی میں ساری دنیا پر غالب ہوں لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنی جماعت کا امتحان لے اور اس سے کہہ دے کہ ''آؤ ہم مدینہ والا معاہدہ کریں'' سو تم میں سے جو شخص خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر قسم کھا کر معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اپنے آخری سانس تک وفاداری دکھائے گا وہ آگے بڑھے وہ میرے ساتھ ہے اور میں اور میرا خدا اس کے ساتھ ہے لیکن جو شخص دُنیوی خیالات کی وجہ سے اور منافقوں کے پراپیگنڈا کی وجہ سے بُزدلی دکھانا چاہتا ہے اُس کو میرا آخری سلام۔ میں کمزور اور بوڑھا ہوں لیکن میرا خدا کمزور اور بوڑھا نہیں۔ وہ اپنی قہری تلوار سے ان لوگوں کو تباہ کر دے گا جو کہ اس منافقانہ پراپیگنڈا کا شکار ہوں گے۔ اس پراپیگنڈا کا کچھ ذکر الفضل میں چھاپ دیا گیا ہے چاہیے کہ قائد خدام اُس مضمون کو بھی پڑھ کر سنا دیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کا حافظ و ناصر ہو۔ پہلے بھی اس کی مدد مجھے حاصل تھی اب بھی اس کی مدد مجھے حاصل رہے گی۔ میں یہ پیغام صرف اس لئے آپ کو بھجوا رہا ہوں تا کہ آپ لوگ تباہی سے بچ جائیں ورنہ حقیقتاً میں آپ کی مدد کا محتاج نہیں۔ ایک ایک مرتد کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ ہزاروں آدمی مجھے دے گا اور مجھے توفیق بخشے گا کہ میرے ذریعہ سے پھر سے جماعت جواں سال ہو جائے۔ آپ میں سے ہر مخلص کے لئے دعا اور کمزور کے لئے رُخصتی سلام۔

خاکسار
مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

(الفضل ۴ر اگست ۱۹۵۶ء)

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب قصة غزوة بدر

خلیفہ خدا تعالیٰ بنایا کرتا ہے

ذیل میں ایک اور شہادت ظہور القمر صاحب ولد ہری داس کی جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں شائع کی جاتی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منافق پارٹی پیغامیوں کی ایجنٹ ہے۔ظہور القمر صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں مسمی ظہور القمر ولد ہری داس متعلم جامعۃ المبشرین ربوہ حال مسجد احمدیہ گلڈ نہ مری حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ تقریباً دس روز ہوئے ایک شخص جس نے اپنا نام اللہ رکھا سابق درویش قادیان بتایا مسجد احمدیہ گلڈ نہ میں آیا اور کہا کہ میں مولوی محمد صدیق مربی راولپنڈی کو ملنے آیا ہوں۔میرا سامان راولپنڈی میں اُن کے مکان پر ہے اور میں نے اُن سے مکان کی چابی لینی ہے۔اس کے بعد وہ مولوی محمد صدیق صاحب کو ملا اور اُنہوں نے اسے مسجد احمدیہ گلڈ نہ میں ٹھہرایا اور بستر وغیرہ بھی دیا اور اس کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ مولوی محمد صدیق صاحب اسے اپنے ساتھ کھانا بھی کھلاتے رہے (مولوی محمد صدیق صاحب نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ چونکہ اُس شخص نے اُن سے کہا تھا کہ بڑے بڑے احمدی مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور میاں عبدالوہاب صاحب کا خط دکھایا تھا کہ آپ ہمیں بھائیوں کی طرح عزیز ہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ میاں بشیر احمد صاحب کا خط بھی میرے پاس ہے۔گو اُنہوں نے امرائے جماعت کو لکھا ہے کہ اس شخص کو معافی مل چکی ہے اب جماعت اس کے ساتھ تعاون کرے اور اس کی مدد کرے مگر یہ بھی کہا تھا کہ وہ خط اِس وقت میرے ساتھ نہیں ہے۔پس میں نے اس شخص پر حُسنِ ظنی کی اور اُس کو مخلص احمدی سمجھا اور یقین کیا کہ اس کو معافی مل چکی ہے) پھر ظہور القمر صاحب لکھتے ہیں کہ میں عیدالاضحیٰ سے ایک روز قبل خیبر لاج میں آیا اور منشی فتح دین صاحب سے دریافت کیا کہ عید کی نماز کب ہوگی اور کون پڑھائے گا؟ منشی

صاحب نے بتایا کہ ساڑھے آٹھ بجے ہوگی اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ باہر صحن میں درخت کے ساتھ اعلان بھی لگا ہوا ہے۔ لہٰذا میں نے واپس جا کر سب دوستوں کو جو مسجد میں تھے نماز کے وقت کی اطلاع دی۔ اِس ضمن میں اللہ رکھا مذکور کو بھی بتایا کہ کل نماز ساڑھے آٹھ بجے ہوگی اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نماز پڑھائیں گے تو اس نے جواب دیا کہ ''میں ایسوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا'' دوسرے روز مولوی محمد صدیق صاحب اسے زبردستی خیبر لاج لائے اور اسے اپنے ہمراہ نماز کی ادائیگی کے لئے کہا۔ اللہ رکھا کہتا تھا کہ میں پیغامیوں کی مسجد میں نماز پڑھوں گا۔ نیز وہ جتنے روز یہاں رہا پیغامیوں کا لٹریچر تقسیم کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی خط و کتابت مولوی صدر دین صاحب سے ہے اور ہر روز وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے انہیں آج خط لکھا ہے۔

اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ابتدائی دنوں میں پیغامیوں کی مسجد میں رہتا رہا ہے اور میاں محمد صاحب لائلپوری جو کچھ عرصہ پیغامیوں کے امیر رہے ہیں اور گذشتہ دنوں مری میں تھے ان کے گھر جا کر کھانا کھاتا رہا ہے اور اس نے مجھے کہا کہ انہوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جب چاہو میرے گھر آ جایا کرو۔ میں رات کے گیارہ بجے تک مکان کا دروازہ کھلا رکھا کروں گا۔ جس روز محمد شریف صاحب اشرف سے اللہ رکھا کا جھگڑا ہوا تھا اُس دن رات کو جب وہ مسجد میں آیا تو اس نے کہا یہ میری پیشگوئی ہے کہ جس طرح پہلے خلافت کا جھگڑا ہوا تھا اب پھر ہونے والا ہے آپ ایک ڈیڑھ سال میں دیکھ لیں گے''۔

(دستخط ظہور القمر ۲۵ر جولائی ۱۹۵۶ء)

اس شہادت کو پڑھ کر دوستوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب سازش پیغامیوں کی ہے اور اللہ رکھا انہی کا آدمی ہے وہ مولوی صدر دین غیر مبائع منکر نبوتِ مسیح موعود کے پیچھے نماز جائز سمجھتا ہے لیکن مرزا ناصر احمد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پوتا ہے اور ان کی نبوت کا قائل ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتا اور پیشگوئی کرتا ہے کہ ایک دو سال میں پھر خلافت کا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔

موت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مگر یہ فقرہ بتاتا ہے کہ یہ جماعت ایک دو سال میں

مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تبھی اسے یقین ہے کہ ایک دو سال میں تیسری خلافت کا سوال پیدا ہو جائے گا اور ہم لوگ خلافت کے مٹانے کو کھڑے ہو جائیں گے اور جماعت کو خلافت قائم کرنے سے روک دیں گے۔ خلافت نہ خلیفہ اوّل کی تھی نہ پیغامیوں کی۔ نہ وہ پہلی دفعہ خلافت کے مٹانے میں کامیاب ہو سکے نہ اب کامیاب ہوں گے۔ اُس وقت بھی حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے چند افراد پیغامیوں کے ساتھ مل کر خلافت کے مٹانے کے لئے کوشاں تھے۔ مجھے خود ایک دفعہ میاں عبدالوہاب کی والدہ نے کہا تھا ہمیں قادیان میں رہنے سے کیا فائدہ۔ میرے پاس لاہور سے وفد آیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے عبدالحی کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو ہم اِس کی بیعت کر لیتے مگر یہ مرزا محمود احمد کہاں سے آ گیا ہم اس کی بیعت نہیں کر سکتے۔ وہی جوش پھر پیدا ہوا عبدالحی تو فوت ہو چکا اب شاید کوئی اور لڑکا ذہن میں ہوگا جس کو خلیفہ بنانے کی تجویز ہوگی۔ خلیفہ خدا تعالیٰ بنایا کرتا ہے اگر ساری دنیا مل کر خلافت کو توڑنا چاہے اور کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہے جس پر خدا راضی نہیں تو وہ ہزار خلیفہ اوّل کی اولاد ہو اُس سے نوحؑ کے بیٹوں کا سا سلوک ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُس کو اور اُس کے سارے خاندان کو اِس طرح پیس ڈالے گا جس طرح چکی میں دانے پیس ڈالے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے نوحؑ جیسے نبی کی اولاد کی پرواہ نہیں کی۔ نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ اوّل کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔ آخر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلام تھے اور ان کے طفیل خلیفہ اوّل بنے تھے ان کی عزت قیامت تک محض مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں ہے بے شک وہ بہت بڑے آدمی تھے مگر مسیح موعود علیہ السلام کے غلام ہو کر نہ کہ ان کے مقابل میں کھڑے ہو کر۔ قیامت تک اگر ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا غلام قرار دیا جائے گا تو ان کا نام روشن رہے گا لیکن اگر اس کے خلاف کسی نے کرنے کی جرأت کی تو وہ دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ کا غضب اس پر بھڑکے گا اور اس کو ملیا میٹ کر دیا جائے گا۔ یہ خدا کی بات ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ یہ لوگ تو سال ڈیڑھ سال میں مجھے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آسمانوں کا خدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ فرماتا ہے۔

''سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا جس کا نزول بہت

مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ہم اس میں اپنی روح (یعنی کلام) ڈالیں گے''۔

(میرے الہاموں کا زبردست طور پر پورا ہونا جماعت پچاس سال سے دیکھ رہی ہے۔ اور جس کو شبہ ہو اب بھی اس کے سامنے مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اخباروں میں چھپی ہوئی کشوف اور رؤیا کے ذریعہ سے بھی اور چوہدری ظفر اللہ خان جیسے آدمیوں کی شہادت سے بھی)

پھر خدا نے آپ سے فرمایا:۔

''وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا (یہ شہرت کس نے پائی؟) اور قومیں اس سے برکت پائیں گی'' (قوموں نے برکت کس سے پائی؟) پھر فرمایا:''تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا وَکَانَ اَمْراً مَّقْضِیًّا۔

پس میری موت کو خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور فرماتا ہے کہ جب وہ اپنا کام کر لے گا اور اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا لے گا تب میں اس کو موت دوں گا۔پس اس قسم کے چوہے محض لاف زنی کر رہے ہیں۔

ایک شخص نے مجھ پر چاقو سے حملہ کیا تھا مگر اُس وقت بھی خدا نے مجھے بچایا۔پھر جماعت کی خدمت کرتے کرتے مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور یورپ کے سب ڈاکٹروں نے یک زبان کہا کہ آپ کا اس طرح جلدی سے اچھا ہو جانا معجزہ تھا۔پھر فرمایا ''تیری نسل بہت ہوگی'' (جس پیشگوئی کے مطابق ناصر احمد پیدا ہوا) پھر فرمایا ''اور میں تیری ذُریّت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا''۔مگر عبدالوہاب کے اس پیارے بھائی کے نزدیک اس پیشگوئی کے مصداق ناصر احمد کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے مگر مولوی صدر دین کے پیچھے پڑھنی جائز ہے۔پس خود ہی سمجھ لو کہ اِس فتنہ کے پیچھے کون لوگ ہیں؟ اور آیا یہ فتنہ میرے خلاف ہے یا مسیح موعودؑ کے خلاف۔مسیح موعودؑ فوت ہو چکے ہیں جب وہ زندہ تھے تب بھی ان کو تم پر کوئی اختیار نہیں تھا۔قرآن مجید میں خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی فرماتا ہے کہ تُو داروغہ نہیں۔اب بھی تم آزاد ہو چاہو تو لاکھوں کی تعداد میں مرتد ہو

جاؤ۔ خدا تعالیٰ مٹی کے نیچے دبے ہوئے مسیح موعودؑ کی پھر بھی مدد کرے گا اور ان لوگوں کو جو آپ کے خادموں کی طرف منسوب ہو کر آپ کے مشن کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ذلیل وخوار کرے گا۔ تمہارا اختیار ہے خواہ مسیح موعود علیہ السلام اور ان کی وحی کو قبول کرو یا مرتدوں اور منافقوں کو قبول کرو۔ میں اس اختیار کو تم سے نہیں چھین سکتا مگر خدا کی تلوار کو بھی اُس کے ہاتھ سے نہیں چھین سکتا۔

والسلام
خاکسار
مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی
۲۵۔۷۔۱۹۵۶

(الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء)

ایمان شیشہ سے بھی زیادہ نازک چیز ہے اور اس کی حفاظت کیلئے ایمانی غیرت کی ضرورت ہے

مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۹ تا ۲۱/اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ۱۹/اکتوبر کو حضور نے خطاب کے شروع میں مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ [1]

اس کے بعد فرمایا:۔

قرآن کریم کی یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اِس میں اِس دَور کے متعلق جو آجکل ہم پر گزر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی تعلیم دی ہے جو ہماری جماعت کو ہر وقت مدنظر رکھنی چاہیے۔ بے شک ہماری جماعت کے دوستوں نے موجودہ فتنہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عہدِ وفاداری کو تازہ کیا ہے اور ہر جگہ کی جماعت نے وفاداری کا عہد مجھے بھجوایا ہے مگر قرآن کریم میں اس آیت میں وفاداری کے عہد کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی بیان کی گئی ہیں یا یوں کہو کہ وفاداری کی صحیح تعریف بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خالی منہ سے کہہ دینا کہ میں وفادار ہوں، کافی نہیں بلکہ اس مثبت کے مقابلہ میں ایک منفی کی بھی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ اے مومنو! اگر تمہاری وفاداری کا عہد سچا ہے تو تمہیں جس طرح وفاداری کرنی ہوگی اسی طرح ایک بات نہیں بھی کرنی ہوگی۔ جب تک یہ کرنا اور

نہ کرنا دونوں جمع نہ ہو جائیں، تم مومن نہیں ہو سکتے۔ کرنا تو یہ ہے کہ تم نے وفادار رہنا ہے لیکن اس کی علامت ایک نہ کرنے والا کام ہے۔ خالی منہ سے کہہ دینا کہ میں وفادار ہوں کوئی چیز نہیں۔ اگر تم واقعہ میں وفادار ہو تو تمہیں ایک اور کام بھی کرنا ہوگا یا یوں کہو کہ تمہیں ایک کام سے بچنا پڑے گا اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ تمہارے ہم خیال نہیں، وہ تم سے الگ ہیں، ان سے مخفی تعلق اور دوستی ترک کرنی پڑے گی۔ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا اگر تم ہماری یہ بات نہیں مانو گے تو وہ تمہارے اندر فتنہ اور فساد پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے اور تمہارے وفاداری کے عہد خاک میں مل جائیں گے۔ تمہارا عزم اور تمہارا دعویٰ مٹی میں مل جائے گا اور وہ کچھ بھی نہیں رہے گا جب تک کہ تم ہماری اس ہدایت کو نہیں مانو گے یعنی وہ لوگ جو تم سے الگ ہیں اور تمہارے اندر فساد اور تفرقہ پیدا کرتے ہیں، تم ان سے قطعی طور پر کسی قسم کی دوستی اور تعلق نہ رکھو۔

ایک شخص جو میرا نام نہاد رشتہ دار کہلاتا ہے وہ یہاں آیا اور ایک منافق کو ملنے گیا۔ جب اُس کو ایک افسر سلسلہ نے توجہ دلائی کہ وہ ایک منافق سے ملنے گیا تھا تو اُس نے کہا کہ صدر انجمن احمدیہ نے کب حکم دیا تھا کہ اس شخص سے نہ ملا جائے۔ اس افسر نے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس نے حکم دیا تھا کہ پنڈت لیکھرام کے سلام کا جواب نہ دیا جائے۔ اگر تمہارے لئے کسی حکم کی ضرورت تھی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پنڈت لیکھرام کے سلام کا جواب نہ دینے اور اپنا منہ پرے کر لینے کا کس نے حکم دیا تھا۔ جو محرک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دماغ میں پیدا ہوا تھا وہ تمہارے اندر کیوں نہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس شخص کے اندر منافقت گھسی ہوئی تھی اس لئے اس نے جواب میں کہا کہ یہ کس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ شخص لیکھرام کے مقام تک پہنچ گیا ہے حالانکہ قرآن کریم نے صرف اتنا کہا ہے کہ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ یہ نہیں کہا کہ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ لیکھرام و مثلہ کہ تم لیکھرام اور اس جیسے لوگوں سے نہ ملو بلکہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے عمل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں چاہے وہ لیکھرام کے مقام تک پہنچے ہوں یا نہ پہنچے ہوں تم ان سے بِطَانَہ یعنی دوستی اور مخفی تعلق نہ رکھو۔

وہ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو اس شخص کے ساتھ دوستی نہیں کی مگر بِطَانَہ کے معنی صرف دوستی کے نہیں بلکہ مخفی تعلق کے بھی ہیں اور وہ شخص اس منافق سے چوری چھپے ملا تھا۔ اب اس کے قول کے مطابق اس کی اس منافق سے دوستی ہو یا نہ ہو، یہ بات تو ظاہر ہوگئی کہ اس نے اس سے مخفی تعلق رکھا۔ پھر جب اُسے سمجھایا گیا تو اس نے بہانہ بنایا اور کہا کہ اس منافق کو لیکھرام کا درجہ کس نے دیا ہے۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پنڈت لیکھرام کو سلام کا جواب نہ دیتے وقت جس آیت پر عمل کیا تھا وہ یہی آیت تھی جو میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں لیکھرام یا اس جیسے لوگوں کا ذکر نہیں بلکہ صرف یہ ذکر ہے کہ ایسے لوگ جو تمہارے اندر اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔

پس یا تو اسے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ جس شخص سے وہ ملا تھا وہ جماعت کے اندر اختلاف اور فساد پیدا کرنے والا نہیں اور اگر اس شخص نے واقعہ میں جماعت کے اندر اختلاف اور فساد پیدا کیا ہے تو اس کا یہ کہنا کہ اُسے لیکھرام کا درجہ کس نے دیا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود احمدیت پر ایسا ایمان نہیں رکھتا۔ بہرحال قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے وفاداری کے عہد کی ایک علامت بتائی اور اس علامت کو پورا کئے بغیر وفاداری کے عہد کی کوئی قیمت نہیں۔ تم ان جماعتوں سے آئے ہو جنہوں نے وفاداری کے عہد بھجوائے ہیں لیکن اگر تم اِس عہد کے باوجود کسی منافق سے تعلق رکھتے ہو اور اس سے علیحدگی میں ملتے ہو تو وہ بِطَانَۃ کے نیچے میں آجاتا ہے۔ کیونکہ وہ منافق اور اس کی پارٹی کے لوگ جماعت میں فتنہ اور فساد پیدا کرتے ہیں۔ اگر تم ان سے مخفی طور پر تعلق رکھتے ہو تو تمہارا عہدِ وفاداری اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا جتنی حیثیت گدھے کا پاخانہ رکھتا ہے۔ گدھے کے پاخانہ کی تو کوئی قیمت ہوسکتی ہے کیونکہ وہ رُوڑی کے طور پر کام آسکتا ہے لیکن تمہارا عہد وفاداری خدا تعالیٰ کے نزدیک رُوڑی کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا اور وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔

پس یاد رکھو کہ ایمان شیشہ سے بھی زیادہ نازک چیز ہے اور اس کی حفاظت کے لئے غیرت کی ضرورت ہے۔ جس شخص کے اندر ایمانی غیرت نہیں وہ منہ سے بے شک کہتا رہے کہ میں وفادار ہوں لیکن اس کے اس عہدِ وفاداری کی کوئی قیمت نہیں۔ مثلاً اِس وقت

تمہارے اندر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ہمیں اس کی منافقت کا پتہ نہیں۔ وہ ہمیشہ مجھے لکھا کرتا ہے کہ آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں؟ میں نے تو کوئی قابلِ اعتراض فعل نہیں کیا حالانکہ ہم نے اس کا ایک خط پکڑا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ خلیفہ جماعت کا لاکھوں روپیہ کھا گیا ہے اور لاکھوں روپیہ اس نے اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو کھلایا ہے۔ اس نے سمجھا کہ میرے خط کو کون پہچانے گا۔ اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ آجکل ایسی ایجادیں نکل آئی ہیں کہ بغیر نام کے خطوط بھی پہچانے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک ماہر جو یورپ سے تحریر پہچاننے کی بڑی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر کے آیا ہے ہم نے وہ خط اسے بھیج دیا اور چونکہ ہمیں شُبہ تھا کہ اس تحریر کا لکھنے والا وہی شخص ہے اس لئے ایک تحریر اسے بغیر بتائے اس سے لکھوالی اور وہ بھی اس خط کے ساتھ بھیج دی۔ اس نے علومِ جدیدہ کے مطابق خط پہچاننے کی پینتیس جگہ بتائی ہیں جو ماہرین نے بڑا غور کرنے کے بعد نکالی ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ لکھنے والا خواہ وہ کتنی کوشش کرے کہ اس کا خط بدل جائے، یہ پینتیس جگہیں نہیں بدلتیں چنانچہ اس نے دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھا اور کہا کہ لکھنے والے کی تحریر میں پینتیس کی پینتیس دلیلیں موجود ہیں اس لئے یہ دونوں تحریریں سَو فیصدی ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی ہیں اور وہ شخص بار بار مجھے لکھتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اس بیوقوف کو کیا پتہ ہے کہ اس کی دونوں تحریریں ہم نے ایک ماہرفن کو دکھائی ہیں اور ماہرفن نے بڑے غور کے بعد جن پینتیس جگہوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کبھی نہیں بدلتیں، وہ اس کی تحریر میں نہیں بدلیں۔ وہ شخص غالباً اب بھی یہاں بیٹھا ہوگا اور غالباً کل یا پرسوں مجھے پھر لکھے گا کہ میں تو بڑا وفادار ہوں آپ خواہ مخواہ مجھ پر بدظنی کر رہے ہیں میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا حالانکہ اس نے ایک بے نام خط لکھا اور وہ خط جب ماہرفن کو دکھایا گیا اور اس کی ایک اور تحریر اسے ساتھ بھیجی گئی جو اس سے لکھوائی گئی تھی تو اس ماہرفن نے کہا کہ یہ دونوں تحریریں اسی شخص کی ہیں۔ پس خالی عہد کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اس کے ساتھ انسان ان باتوں کو بھی مدنظر نہ رکھے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ نہ کی جائیں۔

عبدالمنان کو ہی دیکھ لو۔ جب وہ امریکہ سے واپس آیا تو میں نے مری میں خطبہ پڑھا اوراس میں میں نے وضاحت کر دی کہ اتنے امور ہیں، وہ ان کی صفائی کر دے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ یہاں تین ہفتے بیٹھا رہا لیکن اُس کو اپنی صفائی پیش کرنے کی توفیق نہ ملی صرف اتنا لکھ دیا کہ میں تو آپ کا وفادار ہوں۔ ہم نے کہا ہم نے تجھ سے وفاداری کا عہد کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ پیغامی تمہارے باپ کو غاصب کا خطاب دیتے تھے۔ وہ انہیں جماعت کا مال کھانے والا اورحرام خور قرار دیتے تھے تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں ان پیغامیوں کو جانتا ہوں، یہ میرے باپ کو گالیاں دیتے تھے یہ آپ کو غاصب اور منافق کہتے تھے میں ان کو قطعی اور یقینی طور پر باطل پر سمجھتا ہوں مگر اس بات کا اعلان کرنے کی اسے توفیق نہ ملی۔ پھر اس نے لکھا کہ میں تو خلافت حقہ کا قائل ہوں۔ اسے یہ جواب دیا گیا کہ اس کے تو پیغامی بھی قائل ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم خلافت حقہ کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک خلافت حقہ اُس نبی کے بعد ہوتی ہے جو بادشاہ بھی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بادشاہ بھی تھے اس لئے ان کے نزدیک آپ کے بعد خلافت حقہ جاری ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے لیکن مرزا صاحب چونکہ بادشاہ نہیں تھے اس لئے آپ کے بعد وہ خلافت تسلیم نہیں کرتے۔ پس یہ بات تو پیغامی بھی کہتے ہیں کہ وہ خلافت حقہ کے قائل ہیں۔ تم اگر واقعی جماعت احمدیہ میں خلافت حقہ کے قائل ہو تو پھر یہ کیوں نہیں لکھتے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت کو تسلیم کرتا ہوں اور جو آپ کے بعد خلافت کے قائل نہیں، انہیں لعنتی سمجھتا ہوں۔ پھر تم یہ کیوں نہیں لکھتے کہ خلافت حقہ صرف اسی نبی کے بعد نہیں جسے نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی مل جائے بلکہ اگر کوئی نبی غیر بادشاہ ہو تب بھی اس کے بعد خلافت حقہ قائم ہوتی ہے۔ تمہارا صرف یہ لکھنا کہ میں خلافت حقہ کا قائل ہوں، ہمارے مطالبہ کو پورا نہیں کرتا۔ ممکن ہے تمہاری مراد خلافت حقہ سے یہ ہو کہ جب میں خلیفہ بنوں گا تو میری خلافت، خلافت حقہ ہوگی یا خلافت حقہ سے تمہاری یہ مراد ہو کہ میں تو اپنے باپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خلافت کا قائل ہوں یا تمہاری یہ مراد ہو کہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی

خلافت کا قائل ہوں ۔ بہرحال عبدالمنان کوامریکہ سے واپس آنے کے بعد تین ہفتہ تک ان امور کی صفائی پیش کرنے کی توفیق نہ ملی ۔اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر وہ لکھ دیتا کہ پیغامی لوگ میرے باپ کو غاصب، منافق اور جماعت کا مال کھانے والے کہتے رہے ہیں، میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں تو پیغامی اس سے ناراض ہو جاتے اوراُس نے یہ امیدیں لگائی ہوئی تھیں کہ وہ ان کی مدد سے خلیفہ بن جائے گا۔اوراگر وہ لکھ دیتا کہ جن لوگوں نے خلافت ثانیہ کا انکار کیا ہے، میں انہیں لعنتی سمجھتا ہوں تو اس کے وہ دوست جواس کی خلافت کا پروپیگنڈا کرتے رہے ہیں اس سے قطع تعلق کر جاتے اور وہ ان سے قطع تعلقی پسند نہیں کرتا تھا اس لئے اس نے ایسا جواب دیا ہے جسے پیغامِ صلح نے بڑے شوق سے شائع کر دیا۔ اگر وہ بیان خلافت ثانیہ کی تائید میں ہوتا تو پیغامِ صلح اسے کیوں شائع کرتا۔اس نے بھلا گزشتہ بیالیس سال میں کبھی میری تائید کی ہے؟ انہوں نے سمجھا کہ اس نے جو مضمون لکھا ہے وہ ہمارے ہی خیالات کا آئینہ دار ہے اس لئے اسے شائع کرنے میں کیا حرج ہے چنانچہ جماعت کے بڑے لوگ جو سمجھدار ہیں وہ تو الگ رہے، مجھے کالج کے ایک سٹوڈنٹ نے لکھا کہ پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے لیکن ایک دن میں بیت الذکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے پتہ لگا کہ پیغامِ صلح میں میاں عبدالمنان کا کوئی پیغام چھپا ہے تو میں نے ایک دوست سے کہا، میاں! ذرا ایک پرچہ لانا چنانچہ وہ ایک پرچہ لے آیا۔ میں نے وہ بیان پڑھا اوراسے پڑھتے ہی کہا کہ کوئی پیغامی ایسا نہیں جو یہ بات نہ کہہ دے۔ یہ تردید تو نہیں اور نہ ہی میاں عبدالمنان نے یہ بیان شائع کر کے اپنی بریت کی ہے۔اس پر ہرایک پیغامی دستخط کرسکتا ہے کیونکہ اس کا ہرفقرہ پیچ دارطور پرلکھا ہوا ہے اوراسے پڑھ کر ہر پیغامی اور خلافت کا مخالف یہ کہے گا کہ میرا ابھی یہی خیال ہے۔غرض قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا اے مؤمنو! جو لوگ تمہارے اندراختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں،تم ان سے خفیہ میل جول نہ رکھو۔اب دیکھو یہاں دوستی کا ذکر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے،تم ان سے بِطَانَہ نہ رکھواوربِطَانَہ کے معنی محض تعلق ہوتے ہیں۔

اب اگر کوئی ان لوگوں کو گھر میں چھپ کر مل لے اور بعد میں کہہ دے کہ آپ نے یا صدر انجمن احمدیہ نے کب کہا تھا کہ انہیں نہیں ملنا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ ہم کہیں گے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے اندر بھی تو غیرت رکھی ہے پھر ہمارے منع کرنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں خود اپنی غیرت کا اظہار کرنا چاہیے۔ اگر تم ہمارے منع کرنے کا انتظار کرتے ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں خود قرآن کریم پر عمل کرنے کا احساس نہیں۔ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب لیکھرام نے سلام کیا تو آپ نے یہ نہیں کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دینے سے کب منع فرمایا ہے بلکہ آپ نے سمجھا کہ بے شک اس آیت میں لیکھرام کا ذکر نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا تو فرما دیا ہے کہ تم ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھو جو تمہارے اندر فساد اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں پس گو اس آیت میں لیکھرام کا ذکر نہیں لیکن اس کی صفات تو بیان کر دی گئی ہیں۔ انہی صفات سے میں نے اسے پہچان لیا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

کہ اے شخص تو چاہے کس رنگ کا کپڑا پہن کر آ جائے میں کسی دھوکا میں نہیں آؤں گا کیونکہ میں تیرا قد پہچانتا ہوں۔

حضرت مرزا صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ اے لیکھرام! تو چاہے کوئی شکل بنا کر آ جائے قرآن کریم نے تیری صفت بیان کر دی ہے اس لئے میں تجھے تیری صفت سے پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا کہ تمہارے دشمن وہ ہیں جو قوم میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لئے قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق میں نے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔

میں بھی تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نوجوان ہو اور آئندہ سلسلہ کا بوجھ تم پر پڑنے والا ہے۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہر چیز کی بعض علامتیں ہوتی ہیں اس لئے خالی منہ سے ایک لفظ دُہرا دینا کافی نہیں بلکہ ان علامات کو دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے کیا ہی عجیب نکتہ بیان فرما دیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص ساری رات اپنی بیوی سے محبت کا اظہار کرتا ہے مگر دن چڑھے تو اُس سے لڑنے لگ جاتا ہے۔[۲] اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان فرمایا ہے کہ اگر میاں کو اپنی بیوی سے واقعی محبت ہے تو وہ دن کے وقت اُس سے کیوں محبت نہیں کرتا۔ اسی طرح جو شخص کسی جلسہ میں وفاداری کا اعلان کر دیتا ہے اور مخفی طور پر ان لوگوں سے ملتا ہے جو جماعت میں تفرقہ اور فساد پیدا کرنے چاہتے ہیں تو یہ کوئی وفاداری نہیں کیونکہ قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ جو لوگ تمہارے ہم مذہب نہیں، ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ غیر مذہب والوں سے تعلق رکھنا منع نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے متعلق آتا ہے کہ آپ جب بازار سے گزرتے تو یہودیوں کو بھی سلام کرتے اس لئے یہاں مِنْ دُوْنِكُمْ کی تشریح کی گئی ہے کہ تم ان لوگوں سے الگ رہو جو لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا کے مصداق ہیں یعنی وہ تمہارے اندر فساد اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مذہب والا تمہارے اندر فتنہ اور فساد پیدا نہیں کرنا چاہتا تو وہ شخص مِنْ دُوْنِكُمْ میں شامل نہیں۔ اگر تم اس سے مل لیتے ہو یا دوستانہ تعلق رکھتے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسا شخص جو تمہاری جماعت میں فتنہ اور فساد پیدا کرنا چاہتا ہے، اس سے تعلق رکھنا خدا تعالیٰ نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے تم کہہ سکتے ہو کہ اس کی کیا دلیل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کچھ باتیں ان کے منہ سے نکل چکی ہیں وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ان پر قیاس کر کے دیکھ لو کہ جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ کیا ہے۔ کہتے ہیں ایک چاول دیکھ کر ساری دیگ پہچانی جا سکتی ہے اسی طرح یہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک منافق نے بقول اپنے بھائی کے کہا کہ خلیفہ اب بڈھا اور پاگل ہو گیا ہے اب انہیں دو تین معاون دے دینے چاہئیں۔ اور ہمیں جو شہادت ملی ہے اس کے مطابق اس نے کہا کہ اب خلیفہ کو معزول کر دینا چاہئے۔ اِس فقرہ سے ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اس کے پیچھے بغض کا ایک سمندر موجزن تھا۔ جس شخص کا اپنا باپ، جب اس نے بیعت لی تھی اس عمر سے زیادہ تھا جس عمر کو میں

بیالیس سال کی خدمت کے بعد پہنچا ہوں، وہ اگر کہتا ہے کہ خلیفہ بڈھا ہو گیا ہے اسے اب معزول کر دینا چاہیے تو یہ شدید بُغض کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے ورنہ اس کے منہ سے یہ فقرہ نہ نکلتا۔ شدید بُغض انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ سمجھ سکتا تھا کہ میں یہ فقرہ منہ سے نکال کر اپنے باپ کو گالی دے رہا ہوں۔ جیسے انسان بعض اوقات غصہ میں آ کر یا پاگل پن کی وجہ سے اپنے بیٹے کو حرامزادہ کہہ دیتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ یہ لفظ کہہ کر اپنی بیوی کو اور اپنے آپ کو گالی دے رہا ہے اسی طرح اس نوجوان کی عقل ماری گئی اور اس نے وہ بات کہی جس کی وجہ سے اس کے باپ پر حملہ ہوتا تھا۔ دنیا میں کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کو گالی نہیں دیتا۔ ہاں بُغض اور غصہ کی وجہ سے ایسا کر لیتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ اپنے باپ کو گالی دے رہا ہے۔ اس نوجوان کی مجھ سے کوئی لڑائی نہیں تھی اور نہ ہی میں اس کے سامنے موجود تھا کہ وہ غصہ میں آ کر یہ بات کہہ دیتا۔ ہاں اس کے دل میں بُغض اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس کی وجہ سے اس نے وہ بات کہی جس کی وجہ سے اس کے باپ پر بھی حملہ ہوتا تھا۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کہ ان کے منہ سے بُغض کی بعض باتیں نکلی ہیں ان سے تم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ جو کچھ ان کے سینوں میں ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے کیونکہ ہر انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کے دل کے بُغض کا علم کسی اور کو نہ ہو اس لئے جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے جو ظاہر ہو چکا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے اس آیت میں جماعتی نظام کی مضبوطی کے لئے ایک اہم نصیحت بیان فرمائی ہے۔ تمہیں یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے اور اس کے مطابق اپنے طریق کو بدلنا چاہیے ورنہ احمدیت آئندہ تمہارے ہاتھوں میں محفوظ نہیں ہو سکتی۔ تم ایک بہادر سپاہی کی طرح بنو۔ ایسا سپاہی جو اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے خون کا ہر قطرہ احمدیت اور خلافت کی خاطر قربان کر دے اور کبھی بھی خلافت احمدیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دے جو پیغامیوں یا احراریوں وغیرہ کے زیر اثر ہوں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے بائبل میں کہا تھا کہ سانپ کا سر ہمیشہ کچلا جائے گا اس طرح تمہیں بھی اپنی ساری عمر فتنہ وفساد کے سانپ

کے سر پر ایڑی رکھنی ہوگی اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی اسے پنپنے کی اجازت نہیں دینی ہوگی۔ اگر تم ایسا کروگے تو قرآن کریم کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور خدا تعالیٰ سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں۔

دیکھو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جماعت کو کس قدر مدد دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو آخری جلسہ سالانہ ہوا اس میں چھ سات سَو آدمی آئے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے عہدِ خلافت کے آخری جلسہ سالانہ پر گیارہ بارہ سَو احمدی آئے تھے لیکن اب ہمارے معمولی جلسوں پر بھی دو اڑھائی ہزار احمدی آ جاتے ہیں اور جلسہ سالانہ پر تو ساٹھ ستر ہزار لوگ آتے ہیں اس سے تم اندازہ کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی طاقت دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لنگر خانہ پر پندرہ سَو روپیہ ماہوار خرچ آ جاتا تو آپ کو فکر پڑ جاتی اور فرماتے لنگر خانہ کا خرچ اِس قدر بڑھ گیا ہے، اب اتنا روپیہ کہاں سے آئے گا۔ گویا جس شخص نے جماعت کی بنیاد رکھی تھی وہ کسی زمانہ میں پندرہ سَو ماہوار کے اخراجات پر گھبراتا تھا لیکن اب تمہارا صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ بارہ تیرہ لاکھ کا ہوتا ہے اور صرف ضیافت پر پینتیس چھتیس ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہو جاتا ہے۔ پندرہ سَو روپیہ ماہوار خرچ کے معنی یہ ہیں کہ سال میں صرف اٹھارہ ہزار روپیہ خرچ ہوتا تھا لیکن اب صرف جامعۃ المبشرین اور طلباء کے وظائف وغیرہ کے سالانہ اخراجات چھیاسٹھ ہزار روپے ہوتے ہیں گویا ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ماہوار۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں۔ وہ مامور مِنَ اللہ تھے اور اس لئے آئے تھے کہ دنیا کو ہدایت کی طرف لائیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا کے کونہ کونہ میں قائم کریں اور مسلمانوں کی غفلتوں اور سستیوں کو دور کر کے انہیں اسلامی رنگ میں رنگین کریں لیکن ان کی زندگی میں جماعتی اخراجات پندرہ سَو روپیہ پر پہنچتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں اور خیال فرماتے ہیں کہ یہ اخراجات کہاں سے مہیا ہوں گے لیکن اِس وقت ہم جو آپ کی جوتیاں جھاڑنے میں بھی فخر محسوس کرتے ہیں صرف ایک درس گاہ یعنی جامعۃ المبشرین پر ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ماہوار خرچ

کر رہے ہیں ۔اسی طرح مرکزی دفاتر اور بیرونی مشنوں کو ملا لیا جائے تو ماہوار خرچ ستر اسّی ہزار روپیہ بن جاتا ہے گویا آپ کے زمانہ میں جو خرچ پانچ سات سال میں ہوتا تھا وہ ہم ایک سال میں کرتے ہیں اور پھر بڑی آسانی سے کرتے ہیں ۔ اس طرح یہ خلافت کی ہی برکت ہے کہ تبلیغ اسلام کا وہ کام جو اِس وقت دنیا میں اور کوئی جماعت نہیں کر رہی صرف جماعت احمدیہ کر رہی ہے ۔مصر کا ایک اخبار الفتح ہے وہ ہماری جماعت کا سخت مخالف ہے مگر اس نے ایک دفعہ لکھا کہ جماعت احمدیہ کو بے شک ہم اسلام کا دشمن خیال کرتے ہیں لیکن اِس وقت وہ تبلیغ اسلام کا جو کام کر رہی ہے گزشتہ تیرہ سَو سال میں وہ کام بڑے بڑے اسلامی بادشاہوں کو بھی کرنے کی توفیق نہیں ملی ۔ جماعت کا یہ کارنامہ محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور تمہارے ایمانوں کی وجہ سے ہے ۔آپ کی پیشگوئیاں تھیں اور تمہارا ایمان تھا۔ جب یہ دونوں مل گئے تو خدا تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جماعت نے وہ کام کیا جس کی توفیق مخالف ترین اخبار الفتح کے قول کے مطابق کسی بڑے سے بڑے اسلامی بادشاہ کو بھی آج تک نہیں مل سکی ۔ اب تم روزانہ پڑھتے ہو کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم اور بھی ترقی کرو گے اور اُس وقت تمہارا چندہ بیس ، پچیس لاکھ سالانہ نہیں ہوگا بلکہ کروڑ ، دوکروڑ ، دس کروڑ ، بیس کروڑ ، پچاس کروڑ ، ارب ، کھرب ، پدم بلکہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور پھر تم دنیا کے چپہ چپہ میں اپنے مبلغ رکھ سکو گے ۔ انفرادی لحاظ سے تم اُس وقت بھی غریب ہو گے لیکن اپنے فرض کے ادا کرنے کی وجہ سے ، ایک قوم ہونے کے لحاظ سے تم امریکہ سے بھی زیادہ مالدار ہو گے ۔ دنیا میں ہر جگہ تمہارے مبلّغ ہوں گے اور جتنے تمہارے مبلّغ ہوں گے ، اتنے افسر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی قوم کے بھی نہیں ہوں گے ۔ امریکہ کی فوج کے بھی اتنے افسر نہیں ہوں گے جتنے تمہارے مبلّغ ہونگے اور یہ محض تمہارے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ہوگا ۔ اگر تم اپنے ایمان کو قائم رکھو گے تو تم اُس دن کو دیکھ لو گے ۔ تمہارے باپ دادوں نے وہ دن دیکھا جب ۱۹۱۴ء میں پیغامیوں نے ہماری مخالفت کی جب میں خلیفہ ہوا تو خزانہ میں صرف سترہ روپے تھے ۔ انہوں نے خیال کیا کہ اب قادیان تباہ ہو جائے گا لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ

نے ایسی برکت دی کہ اب ہم اپنے کسی طالب علم کو سترہ روپے ماہوار وظیفہ بھی دیتے ہیں تو یہ وظیفہ کم ہونے کی شکایت کرتا ہے۔

پیغامیوں کے خلاف پہلا اشتہار شائع کرنے کے لئے میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ میر ناصر نواب صاحب جو ہمارے نانا تھے، اُنہیں پتہ لگا وہ دارالضعفاء کے لئے چندہ جمع کیا کرتے تھے۔ان کے پاس اُس چندہ کا کچھ روپیہ تھا وہ دواڑھائی سَو روپیہ میرے پاس لے آئے اور کہنے لگے اِس سے اشتہار چھاپ لیں پھر خدا دے گا تو یہ رقم واپس کر دیں۔ پھر خداتعالیٰ نے فضل کیا اور آمد آنی شروع ہوئی اور اب یہ حالت ہے کہ پچھلے بیس سال کی تحریک جدید میں تین لاکھ ستر ہزار روپیہ چندہ میں نے دیا ہے۔ کجا یہ کہ ایک اشتہار شائع کرنے کے لئے میرے پاس دواڑھائی سَو روپیہ بھی نہیں تھا اور کجا یہ کہ خداتعالیٰ نے میری اس قسم کی امداد کی اور زمیندارہ میں اِس قدر برکت دی کہ میں نے لاکھوں روپیہ بطور چندہ جماعت کو دیا۔

پھر مجھے یاد ہے کہ جب ہم نے پہلا پارہ شائع کرنا چاہا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمارے خاندان کے افراد اپنے روپیہ سے اسے شائع کر دیں لیکن روپیہ پاس نہیں تھا۔ اُس وقت تک ہماری زمینداری کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے اپنے مختار کو بُلایا اور کہا ہم قرآن کریم چھپوانا چاہتے ہیں لیکن روپیہ پاس نہیں۔ وہ کہنے لگا آپ کو کس قدر روپے کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا کہتے ہیں کہ پہلی جلد تین ہزار روپے میں چھپے گی۔اس نے کہا میں روپیہ لا دیتا ہوں۔آپ صرف اس قدر اجازت دے دیں کہ میں کچھ زمین مکانوں کے لئے فروخت کر دوں۔ میں نے کہا اجازت ہے۔ظہر کی نماز کے بعد میں نے اُس سے بات کی اور عصر کی اذان ہوئی تو اُس نے ایک پوٹلی میرے سامنے لاکر رکھ دی اور کہا یہ لیں روپیہ۔ میں نے کہا ہیں! قادیان والوں کے ہاں اتنا روپیہ ہے؟ وہ کہنے لگا اگر آپ تیس ہزار روپیہ بھی چاہیں تو میں آپ کو لا دیتا ہوں۔لوگ مکانات بنانا چاہتے ہیں لیکن ان کے پاس زمین نہیں۔اگر انہیں زمین دے دی جائے تو روپیہ حاصل کرنا مشکل نہیں۔ میں نے کہا خیر اِس وقت ہمیں اِسی قدر روپیہ کی ضرورت ہے چنانچہ اُس وقت ہم نے قرآن کریم کا پہلا پارہ

شائع کر دیا۔

پھر میں نے الفضل جاری کیا تو اُس وقت بھی میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ حکیم محمد عمر صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں آپ کو کچھ خریدار بنا کر لا دیتا ہوں اور تھوڑی دیر میں وہ ایک پوٹلی روپوں کی میرے پاس لے آئے۔ غرض ہم نے پیسوں سے کام شروع کیا اور آج ہمارا لاکھوں کا بجٹ ہے اور ہماری انجمن کی جائیداد کروڑوں کی ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ میں خود گزشتہ بیس سال کی تحریک جدید میں تین لاکھ ستر ہزار روپیہ چندہ دے چکا ہوں۔ اسی طرح ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ میں نے صدر انجمن احمدیہ کو دیا ہے اور اتنی ہی جائیداد اسے دی ہے گویا تین لاکھ صدر انجمن احمدیہ کو دیا ہے اور تین لاکھ ستر ہزار روپیہ تحریک جدید کو دیا ہے اس لئے جب کوئی شخص اعتراض کرتا ہے کہ میں نے جماعت کا روپیہ کھا لیا ہے تو مجھے غصہ نہیں آتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حسابی بات ہے۔ جب انجمن کے رجسٹر سامنے آ جائیں گے تو یہ شخص آپ ہی ذلیل ہو جائے گا۔

بہرحال اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں آپ سب کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ان کو یاد رکھو اور اپنی جگہوں پر واپس جا کر اپنے بھائیوں اور دوستوں کو بھی سمجھاؤ کہ زبانی طور پر وفاداری کا عہد کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اگر تم واقعی وفادار ہو تو تمہیں منافقوں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اُنہوں نے لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا والی بات پوری کر دی ہے اور وہ جماعت میں فتنہ اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم کی ہدایت یہی ہے کہ ان سے مخفی طور پر اور الگ ہو کر بات نہ کی جائے اور اس پر تمہیں عمل کرنا چاہیے تاکہ تم شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جاؤ ورنہ تم جانتے ہو کہ شیطان حضرت حوا کی معرفت جنت میں گھس گیا تھا اور جو شیطان حضرت حوا کی معرفت جنت میں گھس گیا تھا وہ جماعت احمدیہ میں کیوں نہیں گھس سکتا۔ ہاں اگر تم کو حضرت آدم والا قصہ یاد رہے تو تم اس سے بچ سکتے ہو۔ بائبل کھول کر پڑھو تمہیں معلوم ہوگا کہ شیطان نے دوست اور خیر خواہ بن کر ہی حضرت آدمؑ اور حوا کو ورغلایا تھا اسی طرح یہ لوگ بھی دوست اور ظاہر میں خیر خواہ بن کر تمہیں خراب کر سکتے ہیں لیکن اگر تم قرآنی ہدایت

پر عمل کرو تو محفوظ ہو جاؤ گے اور شیطان خواہ کسی بھیس میں بھی آئے تم اس کے قبضہ میں نہیں آؤ گے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو ہمیشہ خلافت کا خدمت گزار رکھے اور تمہارے ذریعہ احمدیہ خلافت قیامت تک محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت ہوتی رہے اور تم اور تمہاری نسلیں قیامت تک اس کا جھنڈا اونچا رکھیں اور کبھی بھی وہ وقت نہ آئے کہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت میں تمہارا یا تمہاری نسلوں کا حصہ نہ ہو بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے تمہارا اور تمہاری نسلوں کا اس میں حصہ ہو اور جس طرح پہلے زمانہ میں خلافت کے دشمن ناکام ہوتے چلے آئے ہیں تم بھی جلد ہی سالوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں ان کو ناکام ہوتا دیکھ لو''۔

(اس کے بعد حضور نے عہد دُہرایا اور دعا کروائی۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کہ:۔)

''واپس جانے سے پہلے میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اِس وقت موجودہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے میں نے جماعت کے فتنہ پردازوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس موقع کے زیادہ مناسب حال آج کا خطبہ جمعہ تھا جس میں میں نے خدمت خلق پر زور دیا ہے۔ خدام الاحمدیہ نے پچھلے دنوں ایسا شاندار کام کیا تھا کہ بڑے بڑے مخالفوں نے یہ تسلیم کیا کہ ان کی یہ خدمت بے نظیر ہے۔ تم اِس خدمت کو جاری رکھو اور اپنی نیک شہرت کو مدھم نہ ہونے دو۔ جب بھی ملک اور قوم پر کوئی مصیبت آئے سب سے آگے خدمت کرنے والے خدام الاحمدیہ کو ہونا چاہیے یہاں تک کہ سلسلہ کے شدید سے شدید دشمن بھی یہ مان لیں کہ درحقیقت یہی لوگ ملک کے سچے خادم ہیں۔ یہی لوگ غریبوں کے ہمدرد ہیں۔ یہی لوگ مسکینوں اور بیواؤں کے کام آنے والے ہیں۔ یہی لوگ مصیبت زدوں کی مصیبت کو دور کرنے والے ہیں۔ تم اتنی خدمت کرو کہ شدید سے شدید دشمن بھی تمہارا گہرا دوست بن جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا سلوک کرو کہ تمہارا دشمن بھی دوست بن جائے۔ یہی خدام الاحمدیہ کو کرنا چاہیے۔ اگر تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہارے علاقہ کے لوگ تمہارے بھی اور تمہارے

احمدی بھائیوں کے بھی دوست بن گئے ہیں، تمہارے کاموں کی قدر کرنے لگ گئے ہیں اور تم کو بھی اپنا سچا خادم سمجھتے ہیں اور اپنا مددگار سمجھتے ہیں تو تم سچے خادم ہو۔ اور اگر تم یہ روح پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو تمہیں ہمیشہ استغفار کرنا چاہئے کہ تمہارے کاموں میں کوئی کمی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے تم لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کی مدد کرے''۔ (الفضل ۲۴ر اپریل ۱۹۵۷ء)

---

۱ اٰل عمران: ۱۱۹

۲ سنن ابن ماجه كتاب النكاح باب ضرب النساء
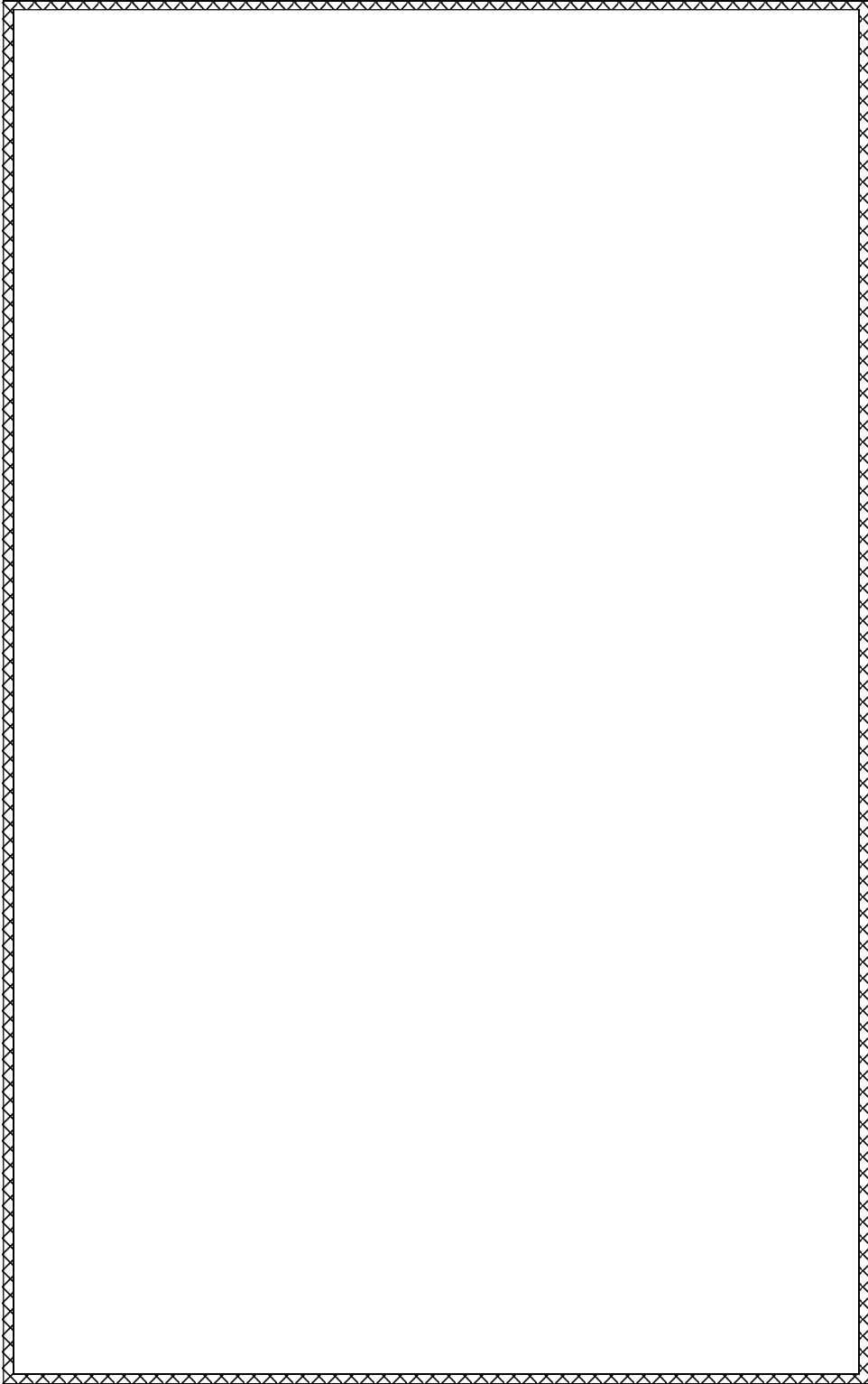
خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں جماعت احمدیہ کو خلافت کی برکات سے نوازا ہے

(خطاب فرمودہ ۲۱/اکتوبر ۱۹۵۶ء بر موقع سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''اس دفعہ مختلف وجوہات کی بناء پر جماعت احمدیہ کی مختلف مرکزی انجمنوں نے قریب قریب عرصہ میں اپنے سالانہ اجتماع منعقد کئے ہیں جس کی وجہ سے مجھ پر زیادہ بوجھ پڑ گیا ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے تین چار سال پہلے جلسہ سالانہ پر میں آپ کی تقاریر سنتا رہا ہوں آپ کی وفات کے وقت میری عمر ۱۹ سال کی تھی۔ اور اس سے چار پانچ سال قبل میری عمر قریباً ۱۴ سال کی تھی اس لئے میں آپ کی مجالس میں جاتا اور تقاریر سنتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر عام طور پر پچاس منٹ یا ایک گھنٹہ کی ہوتی تھی اور وفات سے پانچ سال پہلے آپ کی عمر قریباً اتنی ہی تھی جتنی اِس وقت میری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی مشیت کے ماتحت مجھ پر ایک خطرناک بیماری کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے میں اب لمبی تقاریر نہیں کر سکتا۔ پہلے میں جلسہ سالانہ کے موقع پر پانچ پانچ چھ چھ گھنٹہ کی تقاریر کر لیتا تھا مگر اس بیماری کے اثر کی وجہ سے مجھے جلدی ضعف محسوس ہونے لگتا ہے۔ آج لجنہ اماء اللہ کا اجتماع بھی تھا وہاں بھی میں نے تقریر کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کئی سال سے آپ کی عورتوں میں کوئی تقریر نہیں ہوئی اس لئے آپ اس موقع پر عورتوں میں بھی تقریر کریں۔ چنانچہ میں نے تقریر کرنی منظور کر لی اور صبح وہاں

میری تقریر تھی اِس وقت تمہاری باری آ گئی ہے۔ چار پانچ دن کے بعد انصار اللہ کی باری آ جائے گی پھر جلسہ سالانہ آ جائے گا اُس موقع پر بھی مجھے تقاریر کرنی ہونگی۔ پھر ان کاموں کے علاوہ تفسیر کا اہم کام بھی ہے جو میں کر رہا ہوں۔اس کی وجہ سے نہ صرف مجھے کوفت محسوس ہو رہی ہے بلکہ طبیعت پر بڑا بوجھ محسوس ہو رہا ہے اس لئے اگر چہ میری خواہش تھی کہ اس موقع پر میں لمبی تقریر کروں مگر میں زیادہ لمبی تقریر نہیں کر سکتا۔اب پیشتر اس کے کہ میں اپنی تقریر شروع کروں آپ سب کھڑے ہو جائیں تا کہ عہد دُہرایا جائے''۔

(حضور کے اِس ارشاد پر تمام خدام کھڑے ہوگئے اور حضور نے عہد دُہرایا۔ عہد دُہرانے کے بعد حضور نے فرمایا:۔)

''آج میں قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق کچھ زیادہ تفصیل سے بیان کرنا چاہتا تھا مگر اِس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اس تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا کیونکہ کل میں نے خطبہ جمعہ بھی پڑھا اور پھر آپ کے اجتماع میں بھی تقریر کی۔اسی طرح آج صبح لجنہ اماء اللہ کے اجتماع میں مجھے تقریر کرنی پڑی جس کی وجہ سے مجھے اِس وقت کوفت محسوس ہو رہی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

یعنی ہم تم میں سے مومن اور ایمان بالخلافت رکھنے والوں اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں سے وعدہ کرتے ہیں کہ ان کو ہم ضرور اس طرح خلیفہ بنائیں گے جس طرح کہ پہلی قوموں یعنی یہود اور نصارٰی میں سے بنائے ہیں۔اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ خلافت ایک عہد ہے پیشگوئی نہیں۔اور عہد مشروط ہوتا ہے لیکن پیشگوئی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ مشروط ہو۔ پیشگوئی مشروط ہوتو وہ مشروط رہتی ہے اور اگر مشروط نہ ہو لیکن اس میں کسی انعام کا وعدہ ہوتو وہ ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ یہاں وعدہ کا لفظ بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ شرط بھی

مذکور ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم نے خود اِس وعدہ کی تشریح کر دی ہے کہ ہمارا یہ وعدہ کہ ہم تم میں سے مومنوں اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو اسی طرح خلیفہ بنائیں گے جیسے ہم نے ان سے پہلے یہود و نصاریٰ میں خلیفہ بنائے، ضروری نہیں کہ پورا ہو۔ ہاں اگر تم بعض باتوں پر عمل کرو گے تو ہمارا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ پہلی شرط اس کی یہ بیان فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ تمہیں خلافت پر ایمان رکھنا ہوگا۔ چونکہ آگے خلافت کا ذکر آتا ہے اس لئے یہاں ایمان کا تعلق اس سے سمجھا جائے گا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پھر تمہیں نیک اعمال بجا لانے ہوں گے۔ اب کسی چیز پر ایمان لانے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً کسی شخص کو اس بات پر ایمان ہو کہ میں بادشاہ بننے والا ہوں یا اسے ایمان ہو کہ میں کسی بڑے عہدہ پر پہنچنے والا ہوں تو وہ اس کے لئے مناسب کوشش بھی کرتا ہے۔ اگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ وہ ایم۔ اے کا امتحان پاس کرے تو اس کیلئے موقع ہے کہ وہ سی۔ پی۔ ایس پاس کرے۔ یا پراونشل سروس میں ای۔ اے۔ سی بن جائے یا اسسٹنٹ کمشنر بن جائے تو پھر وہ اس کے مطابق محنت بھی کرتا ہے۔ لیکن اگر اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ان عُہدوں کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو وہ ان کے لئے کوشش اور محنت بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ جن کو اس بات پر یقین ہو کہ وہ خلافت کے ذریعہ ہی ترقی کر سکتے ہیں اور پھر وہ اس کی شان کے مطابق کام بھی کریں تو ہمارا وعدہ ہے کہ ہم انہیں خلیفہ بنائیں گے لیکن اگر انہیں یقین نہ ہو کہ ان کی ترقی خلافت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اس کے مطابق عمل بھی نہ کرتے ہوں تو ہمارا ان سے کوئی وعدہ نہیں۔ چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت ہوئی اور پھر کیسی شاندار ہوئی۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ اُس وقت انصار نے چاہا کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور بعض اور صحابہؓ فوراً اس جگہ تشریف لے گئے جہاں انصار جمع تھے اور آپ نے انہیں بتایا کہ دیکھو دو خلیفوں والی بات غلط ہے تفرقہ سے اسلام ترقی نہیں کرے گا خلیفہ بہرحال ایک ہی ہوگا اگر تم تفرقہ کرو گے تو تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا۔ تمہاری

عزتیں ختم ہو جائیں گی اور عرب تمہاری تکّا بوٹی کر ڈالیں گے تم یہ بات نہ کرو۔ بعض انصار نے آپ کے مقابل پر دلائل پیش کرنے شروع کئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے خیال کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو تو بولنا نہیں آتا میں انصار کے سامنے تقریر کروں گا لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی تو آپ نے وہ سارے دلائل بیان کر دیئے جو میرے ذہن میں تھے اور پھر اس سے بھی زیادہ دلائل بیان کئے۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ آج یہ بڈھا مجھ سے بڑھ گیا ہے آخر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ خود انصار میں سے بعض لوگ کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے کہا حضرت ابوبکرؓ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ ٹھیک ہے مکہ والوں کے سوا عرب کسی اور کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پھر ایک انصاری نے جذباتی طور پر کہا۔ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے اِس مُلک میں اپنا ایک رسول مبعوث فرمایا۔ اس کے اپنے رشتہ داروں نے اُسے شہر سے نکال دیا تو ہم نے اسے اپنے گھروں میں جگہ دی اور خدا تعالیٰ نے اس کے طفیل ہمیں عزت دی۔ ہم مدینہ والے گمنام تھے، ذلیل تھے مگر اس رسول کی وجہ سے ہم معزز اور مشہور ہو گئے اب تم اس چیز کو جس نے ہمیں معزز بنایا کافی سمجھو اور زیادہ لالچ نہ کرو ایسا نہ ہو کہ ہمیں اس کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچے۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ دیکھو خلافت کو قائم کرنا ضروری ہے باقی تم جس کو چاہو خلیفہ بنا لو مجھے خلیفہ بننے کی کوئی خواہش نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ابوعبیدہؓ ہیں ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب عطا فرمایا ہے تم ان کی بیعت کر لو۔ پھر عمرؓ ہیں یہ اسلام کے لئے ایک ننگی تلوار ہیں تم ان کی بیعت کر لو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابوبکر! اب باتیں ختم کیجئے ہاتھ بڑھایئے اور ہماری بیعت لیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ نے جرأت پیدا کر دی اور آپ نے بیعت لے لی۔ بعینہٖ یہی واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد میرے ساتھ پیش آیا۔ جب میں نے کہا میں اِس قابل نہیں کہ خلیفہ بنوں نہ میری تعلیم ایسی ہے اور نہ تجربہ۔ تو اُس وقت بارہ چودہ سَو احمدی جو جمع تھے اُنہوں نے شور مچا دیا کہ ہم آپ کے سوا اور کسی کی بیعت کرنا نہیں چاہتے مجھے اُس وقت بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں تھے۔ میں نے کہا مجھے تو بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں میں بیعت کیسے لوں۔ اِس پر ایک دوست کھڑے ہو گئے اور

انہوں نے کہا کہ مجھے بیعت کے الفاظ یاد ہیں میں بیعت کے الفاظ بولتا جاتا ہوں اور آپ دُہراتے جائیں چنانچہ وہ دوست بیعت کے الفاظ بولتے گئے اور میں انہیں دُہراتا گیا اور اس طرح میں نے بیعت لی۔ گویا پہلے دن کی بیعت دراصل کسی اور کی تھی میں تو صرف بیعت کے الفاظ دُہراتا جاتا تھا۔ بعد میں میں نے بیعت کے الفاظ یاد کئے۔ غرض اُس وقت وہی حال ہوا جو اُس وقت ہوا تھا جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بیعت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا دوستو غور کر لو اور میری ایک بات سن لو۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ لوگوں نے انہیں کیا جواب دیا کیونکہ اُس وقت بہت شور تھا بعد میں پتہ لگا کہ لوگوں نے انہیں کہا ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ چنانچہ وہ مجلس سے اُٹھ کر باہر چلے گئے اس کے بعد لوگ ہجوم کر کے بیعت کے لئے بڑھے اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر جماعت کا شیرازہ قائم ہو گیا۔ اُس وقت جس طرح میرے ذہن میں خلافت کا کوئی خیال نہیں تھا اِسی طرح یہ بھی خیال نہیں تھا کہ خلافت کے ساتھ ساتھ کونسی مشکلات مجھ پر ٹوٹ پڑیں گی۔ بعد میں پتہ لگا کہ پانچ چھ سَو روپے ماہوار تو سکول کے اساتذہ کی تنخواہ ہے اور پھر کئی سَو کا قرضہ ہے لیکن خزانہ میں صرف ۱۷ روپے ہیں گویا اُس مجلس سے نکلنے کے بعد محسوس ہوا کہ ایک بڑی مشکل ہمارے سامنے ہے۔ جماعت کے سارے مالدار تو دوسری پارٹی کے ساتھ چلے گئے ہیں اور جماعت کی کوئی آمدنی نہیں پھر یہ کام کیسے چلیں گے۔ لیکن بعد میں خدا تعالیٰ کے فضلوں کی جو بارش ہوئی تو بگڑی سنور گئی۔ ۱۹۱۴ء میں تو میرا یہ خیال تھا کہ خزانہ میں صرف ۱۷ روپے ہیں اور اساتذہ کی تنخواہوں کے علاوہ کئی سَو روپیہ کا قرضہ ہے جو دینا ہے لیکن ۱۹۲۰ء میں جماعت کی یہ حالت تھی کہ جب میں نے اعلان کیا کہ ہم برلن میں مسجد بنائیں گے اس کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے تو جماعتوں کی عورتوں نے ایک ماہ کے اندر اندر یہ روپیہ اکٹھا کر دیا۔ انہوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے کہ انہیں بیچ کر روپیہ اکٹھا کر لیا جائے۔ آج میں نے عورتوں کے اجتماع میں اِس واقعہ کا ذکر کیا تو میری ایک بیوی نے بتایا کہ مجھے تو اُس وقت پورا ہوش نہیں تھا میں ابھی بچی تھی اور مجھے سلسلہ کی ضرورتوں کا

احساس نہیں تھا لیکن میری اماں کہا کرتی ہیں کہ جب حضور نے چندہ کی تحریک کی تو میری ساس نے (جو سید ولی اللہ شاہ صاحب کی والدہ تھیں اور میری بھی ساس تھیں) اپنی تمام بیٹیوں اور بہوؤں کو اکٹھا کیا اور کہا تم سب اپنے زیور اس جگہ رکھ دو۔ پھر انہوں نے ان زیورات کو بیچ کر مسجد برلن کے لئے چندہ دے دیا۔ اِس قسم کا جماعت میں ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ سینکڑوں گھروں میں ایسا ہوا کہ عورتوں نے اپنی بیٹیوں اور بہوؤں کے زیورات اُتر والئے اور انہیں فروخت کر کے مسجد برلن کے لئے دے دیا۔ غرض ایک ماہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔ اب دو سال ہوئے میں نے ہالینڈ میں مسجد بنانے کی تحریک کی لیکن اب تک اس فنڈ میں صرف ۸۰ ہزار روپے جمع ہوئے ہیں حالانکہ اِس وقت جماعت کی عورتوں کی تعداد اُس وقت کی عورتوں سے بیسیوں گنا زیادہ ہے۔ اُس وقت عورتوں میں اتنا جوش تھا کہ انہوں نے ایک ماہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ جمع کر دیا۔ تو درحقیقت یہ جماعت کا ایمان ہی تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے نمونہ دکھایا اور اس نے بتایا کہ میں سلسلہ کو مدد دینے والا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ الہاماً فرمایا تھا کہ اگر ساری دنیا بھی تجھ سے منہ موڑ لے تو میں آسمان سے اُتار سکتا ہوں اور زمین سے نکال سکتا ہوں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ہم نے خلافت حقہ کی برکات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہیں۔ ہم ایک پیسہ کے بھی مالک نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے جماعت دی۔ جس نے چندے دیئے اور سلسلہ کے کام اب تک چلتے گئے اور چل رہے ہیں اور اب تو جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے دینی ضرورتوں کے لئے خدا تعالیٰ سے کہا کہ اے اللہ! تو مجھے ایک لاکھ روپیہ دے دے تو سلسلہ کے کاموں کو چلاؤں لیکن اب کل ہی میں حساب کر رہا تھا کہ میں نے خود چھ لاکھ ستّر ہزار روپیہ سلسلہ کو بطور چندہ دیا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ میں کتنا بیوقوف تھا کہ خدا تعالیٰ سے سلسلہ کی ضرورتوں کے لئے صرف ایک لاکھ روپیہ مانگا۔ مجھے تو اس سے ایک ارب روپیہ مانگنا چاہیے تھا۔ مانگنے والا خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہو اور جس سے

مانگا جائے وہ خود خدا کی ذات ہو تو پھر ایک لاکھ روپیہ مانگنے کے کیا معنی ہیں۔ مجھے تو یہ دعا کرنی چاہیے تھی کہ اے خدا! تو مجھے ایک ارب روپیہ دے، ایک کھرب روپیہ دے یا ایک پدم روپیہ دے۔ میں نے بتایا ہے کہ اگرچہ میں نے خدا تعالیٰ سے صرف ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اتنا فضل کیا کہ صرف میں نے پچھلے سالوں میں چھ لاکھ ستر ہزار روپیہ سلسلہ کو چندہ کے طور پر دیا ہے۔ بے شک وہ روپیہ سارا نقدی کی صورت میں نہ تھا۔ کچھ زمین تھی جو میں نے سلسلہ کو دی مگر وہ زمین بھی خدا تعالیٰ نے ہی دی تھی۔ میرے پاس تو زمین نہیں تھی۔ ہم تو اپنی ساری زمین قادیان چھوڑ آئے تھے۔ اپنے باغات اور مکانات بھی قادیان چھوڑ آئے تھے۔ قادیان میں میری جائداد کافی تھی مگر اس کے باوجود میں نے سلسلہ کو اتنا روپیہ نہیں دیا تھا جتنا قادیان سے نکلنے کے بعد دیا۔

۱۹۴۷ء میں ہم قادیان سے آئے ہیں اور تحریک جدید ۱۹۳۴ء میں شروع ہوئی تھی۔ گویا اُس وقت تحریک جدید کو جاری ہوئے بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس بارہ سال کے عرصہ میں میرا تحریک جدید کا چندہ قریباً چھ ہزار روپیہ تھا لیکن بعد کے دس سال ملا کر میرا چندہ تحریک جدید دو لاکھ بیس ہزار روپیہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی زمین میں نے تحریک جدید کو دی ہے یہ زمین مجھے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بطور نذرانہ دی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ اتنا بڑا نذرانہ اپنے پاس رکھنا درست نہیں چنانچہ میں نے وہ ساری زمین سلسلہ کو دے دی۔ اس طرح تین لاکھ ستر ہزار روپیہ میں نے صرف تحریک جدید کو ادا کیا۔ اسی طرح خلافت جوبلی کے موقع پر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی تحریک پر جب جماعت نے مجھے روپیہ پیش کیا تو میر محمد اسحٰق صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے متعلق جو دعائیں کی ہیں ان میں یہ دعا بھی ہے کہ

دے اس کو عمر و دولت کر دُور ہر اندھیرا

پس اس روپیہ کے ذریعہ آپ کی یہ دعا پوری ہوگی۔ اس طرح یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگی کہ:۔

’’وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا‘‘۔ اس پر میں نے کہا کہ میں یہ روپیہ تو لے لیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ میں یہ روپیہ سلسلہ کے کاموں پر ہی صرف کروں گا۔ چنانچہ میں نے وہ روپیہ تو لے لیا لیکن میں نے اسے اپنی ذات پر نہیں بلکہ سلسلہ کے کاموں پر خرچ کیا اور صدر انجمن احمدیہ کو دے دیا۔ اب میں نے ہیمبرگ کی مسجد کے لئے تحریک کی ہے کہ جماعت کے دوست اس کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ سَو روپیہ دیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہمیں مال دے تو ہمارے سلسلہ میں تو یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا ایک ایک آدمی ایک ایک مسجد بنا دے۔ خود مجھے خیال آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کشائش عطا فرمائے تو میں بھی اپنی طرف سے ایک مسجد بنا دوں اور کوئی تعجب نہیں کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی زندگی میں ہی اس بات کی توفیق دے دے اور میں کسی نہ کسی یورپین مُلک میں اپنی طرف سے ایک مسجد بنا دوں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دینے پر منحصر ہے۔ انسان کی اپنی کوشش سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ہم لوگ زمیندار ہیں اور ہمارے مُلک میں زمیندارہ کی بہت ناقدری ہے یعنی یہاں لائلپور اور سرگودھا کے اضلاع کی زمینوں میں بڑی سے بڑی آمدن ایک سَو روپیہ فی ایکڑ ہے حالانکہ یورپین ممالک میں فی ایکڑ آمد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں جب یورپ گیا تو میں نے وہاں زمینوں کی آمدنیں پوچھنی شروع کیں مجھے معلوم ہوا کہ اٹلی میں فی ایکڑ آمد چار سَو روپیہ ہے اور ہالینڈ میں فی ایکڑ آمد تین ہزار روپیہ ہے۔ پھر میں نے میاں محمد ممتاز صاحب دولتانہ کا بیان پڑھا وہ جاپان گئے تھے اور وہاں اُنہوں نے زمین کی آمدنوں کا جائزہ لیا تھا۔ انہوں نے بیان کیا تھا کہ جاپان میں فی ایکڑ آمد چھ ہزار روپے ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر میری ایک سَو ایکڑ زمین بھی ہو حالانکہ وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور اس سے ہالینڈ والی آمد ہو تو تین لاکھ روپیہ سالانہ کی آمد ہو جاتی ہے اور اگر جاپان والی آمد ہو تو بڑی آسانی کے ساتھ ایک نہیں کئی مساجد میں اکیلا تعمیر کرا سکتا ہوں۔ میرا یہ طریق ہے کہ میں اپنی ذات پر زیادہ روپیہ خرچ نہیں کرتا اور نہ اپنے خاندان پر خرچ کرتا ہوں بلکہ جو کچھ میرے پاس آتا ہے اس میں سے کچھ رقم اپنے معمولی اخراجات کے لئے رکھنے کے بعد سلسلہ کے لئے دے دیتا ہوں۔ خرچ کرنے کو تو لوگ دس دس کروڑ روپیہ بھی کر لیتے ہیں لیکن مجھے جب بھی خدا تعالیٰ

نے دیا ہے میں نے وہ خدا تعالیٰ کے راستے میں ہی دے دیا ہے۔ بیشک میرے بیوی بچے مانگتے رہیں میں انہیں نہیں دیتا میں انہیں کہتا ہوں کہ تمہیں وہی گزارے دوں گا جن سے تمہارے معمولی اخراجات چل سکیں۔

زمانہ کے حالات کے مطابق میں بعض اوقات انہیں زیادہ بھی دے دیتا ہوں۔ مثلاً اگر وہ ثابت کر دیں کہ اِس وقت گھی مہنگا ہو گیا ہے، ایندھن کی قیمت چڑھ گئی ہے یا دھوبی وغیرہ کا خرچ بڑھ گیا ہے تو میں اس کے لحاظ سے زیادہ بھی دے دیتا ہوں لیکن اس طرح نہیں کہ ساری کی ساری آمدن ان کے حوالہ کر دوں کہ جہاں جی چاہیں خرچ کر لیں۔ غرض میں گھر کے معمولی گزارہ کے لئے اخراجات رکھنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ سلسلہ کو دے دیتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ فضل کرے اور کسی وقت وہ ہمارے مُلک والوں کو عقل اور سمجھ دے دے اور ہماری آمدنیں بڑھ جائیں تو سال میں ایک مسجد چھوڑ دو دو مساجد بھی ہم بنوا سکتے ہیں اور یہ سب خلافت ہی کی برکت ہے۔ میں جب نیا نیا خلیفہ ہوا تو مجھے الہام ہوا کہ ''مبارک ہو قادیان کی غریب جماعت۔ تم پر خلافت کی رحمتیں یا برکتیں نازل ہوتی ہیں''۔ اس دفعہ میں نے یہ الہام لکھ کر قادیان والوں کو بھجوا دیا اور ان کو توجہ دلائی کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرو اور دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ وہ برکتیں تم پر ہمیشہ نازل کرتا رہے۔ اب خلافت کی برکات سے اس علاقہ والوں کو بھی حصہ ملنا شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس علاقہ میں کسی زمانہ میں صرف چند احمدی تھے مگر اب ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور ہمیں امید ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہ ایک دو سال میں پندرہ بیس ہزار ہو جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک دفعہ میں نے خدا تعالیٰ سے ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا لیکن اب میں خدا تعالیٰ سے اربوں مانگا کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اُس وقت ایک لاکھ روپیہ مانگ کر غلطی کی۔ اِس وقت یورپین اور دوسرے اہم ممالک کا شمار کیا جائے اور ان مقامات کا جائزہ لیا جائے جہاں مسجدوں کی ضرورت ہے تو ان کی تعداد ڈیڑھ سَو کے قریب بن جاتی ہے۔ اور اگر ان ڈیڑھ سَو مقامات پر ایک ایک مسجد بھی بنائی جائے اور ہر ایک مسجد پر ایک ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے تو ان پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ خرچ ہو جائے گا اور پھر بھی صرف

مشہور ممالک میں ایک ایک مسجد بنے گی۔ پھر ایک ایک لاکھ روپیہ سے ہمارا کیا بنتا ہے۔ ہمارا صرف مبلّغوں کا سالانہ خرچ سوا لاکھ روپیہ کے قریب بنتا ہے اور اگر اس خرچ کو بھی شامل کیا جائے جو بیرونی جماعتیں کرتی ہیں تو یہ خرچ ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ سالانہ بن جاتا ہے۔غرض میں نے اُس سے صرف ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا مگر اُس نے مجھے اس سے بہت زیادہ دیا۔ اب ہماری صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ بجٹ تیرہ لاکھ روپیہ کا ہے اور اگر تحریک جدید کا سالانہ بجٹ بھی ملا لیا جائے تو ہمارا سارا بجٹ ۲۲،۲۳ لاکھ روپیہ سالانہ بن جاتا ہے پس اگر خدا تعالیٰ میری اس بیوقوفی کی دعا کو قبول کر لیتا تو ہمارا سارا کام ختم ہو جاتا۔مگر اللہ تعالیٰ نے کہا ہم تیری اس دعا کو قبول نہیں کرتے جس میں تو نے ایک لاکھ روپیہ مانگا ہے ہم تجھے اس سے بہت زیادہ دیں گے تا کہ سلسلہ کے کام چل سکیں۔اب اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھ کر کہ میں نے ایک لاکھ مانگا تھا مگر اُس نے ۲۲ لاکھ سالانہ دیا میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایک کروڑ مانگتا تو ۲۲ کروڑ سالانہ ملتا۔ایک ارب مانگتا تو ۲۲ ارب سالانہ ملتا۔ ایک کھرب مانگتا تو ۲۲ کھرب سالانہ ملتا اور اگر ایک پدم مانگتا تو ۲۲ پدم سالانہ ملتا اور اس طرح ہماری جماعت کی آمد امریکہ اور انگلینڈ دونوں کی مجموعی آمد سے بھی بڑھ جاتی۔

پس خلافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سی برکات وابستہ کی ہوئی ہیں تم ابھی بچے ہو تم اپنے باپ دادوں سے پوچھو کہ قادیان کی حیثیت جو شروع زمانہ خلافت میں تھی وہ کیا تھی اور پھر قادیان کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر ترقی بخشی تھی ۔ جب میں خلیفہ ہوا تو پیغامیوں نے اس خیال سے کہ جماعت کے لوگ خلافت کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتے یہ تجویز کی کہ کوئی اور خلیفہ بنا لیا جائے۔ اُن دنوں ضلع سیالکوٹ کے ایک دوست میر عابد علی صاحب تھے۔ وہ صوفی منش آدمی تھے لیکن بعد میں پاگل ہو گئے تھے ایک دفعہ انہیں خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خدا تعالیٰ نے وعدے کئے تھے وہ میرے ساتھ بھی ہیں اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ قادیان میں طاعون نہیں آئے گی اس لئے میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر ہوں تو خدا تعالیٰ کا یہی وعدہ میرے ساتھ بھی ہے میرے گاؤں میں بھی طاعون نہیں آئے گی۔ چنانچہ جب طاعون کی وبا

پھوٹی تو انہوں نے اپنے اس خیال کے مطابق اپنے مریدوں سے جو تعداد میں پانچ سات سے زیادہ نہیں تھے کہا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر ان کے پاس آ جائیں ۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آ گئے لیکن بعد میں انہیں خود طاعون ہوگئی ۔ ان کے مریدوں نے کہا کہ چلو اب جنگل میں چلیں لیکن انہوں نے کہا جنگل میں جانے کی ضرورت نہیں طاعون مجھ پر اثر نہیں کرے گی آخر جب مریدوں نے دیکھا کہ وہ پاگل ہوگئے ہیں تو وہ انہیں ہسپتال میں لے گئے اور وہ اسی جگہ طاعون سے فوت ہوگئے ۔ بہرحال جب بیعت خلافت ہوئی تو پیغامیوں نے سمجھا میر عابد علی صاحب چونکہ صوفی منش آدمی ہیں اور عبادت گزار ہیں اس لئے الوصیت کے مطابق چالیس آدمیوں کا ان کی بیعت میں آ جانا کوئی مشکل امر نہیں چنانچہ مولوی صدرد ین صاحب اور بعض دوسرے لوگ رات کو ان کے پاس گئے اور کہا آپ اس بات کے لئے تیار ہو جائیں ۔ چنانچہ وہ اِس بات پر آمادہ ہوگئے ۔ اُس وقت مولوی محمد علی صاحب نے دیانتداری سے کام لیا وہ جب اس مجلس سے واپس آ گئے جس میں جماعت نے مجھے خلیفہ منتخب کیا تھا تو ان لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے بڑی بیوقوفی کی ۔ آپ اگر مجلس میں اعلان کر دیتے کہ میری بیعت کر لو تو چونکہ مرزا محمود احمد صاحب یہ کہہ چکے تھے کہ میں خلیفہ بننا نہیں چاہتا لوگوں نے آپ کی بیعت کر لینی تھی اور ان کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی آپ کی بیعت کر لیتے انہوں نے کہا میں یہ کام کیسے کر سکتا تھا میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ خلافت کی کوئی ضرورت نہیں ۔ بہرحال جب ان لوگوں نے دیکھا کہ مولوی محمد علی صاحب خلیفہ بننے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے جیسا کہ میں نے بتایا ہے میر عابد علی صاحب کو بیعت لینے کے لئے آمادہ کیا اور اس کے بعد وہ ہری کین لے کر ساری رات قادیان میں دو ہزار احمدیوں کے ڈیروں پر پھرتے رہے لیکن انہیں چالیس آدمی بھی سید عابد علی شاہ صاحب کی بیعت کرنے والے نہ ملے ۔ اُس وقت کے احمدیوں کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ غریب سے غریب احمدی بھی کروڑوں روپیہ پر تھوکنے کے لئے تیار نہیں تھا ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جماعت میں فتنہ اور تفرقہ پھیلے ۔ جب انہیں میر عابد علی صاحب کی بیعت کے لئے چالیس آدمی بھی نہ ملے تو وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے ۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلافت حقہ کی وجہ سے کئی معجزات دکھائے ہیں۔تم دیکھ لو ۱۹۳۴ء میں مجلس احرار نے جماعت پر کس طرح حملہ کیا تھا لیکن وہ اس حملہ میں کس طرح ناکام ہوئے۔انہوں نے منہ کی کھائی۔پھر ۱۹۴۷ء میں قادیان میں کیسا خطرناک وقت آیا لیکن ہم نہ صرف احمدیوں کو بحفاظت نکال لائے بلکہ انہیں لاریوں میں سوار کر کے پاکستان لے آئے۔دوسرے لوگ جو پیدل آئے تھے ان میں سے اکثر مارے گئے لیکن قادیان کے رہنے والوں کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔اب بھی کچھ دن ہوئے مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھے بتایا کہ آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی شخص قادیان سے نہ نکلے۔چنانچہ ہم نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی اور وہاں ٹھہرے رہے لیکن میرے ایک رشتہ دار گھبرا کر ایک قافلہ کے ساتھ پیدل آ گئے اور راستہ میں ہی مارے گئے۔ہم جو وہاں بیٹھے رہے لاریوں میں سوار ہو کر حفاظت سے پاکستان آ گئے۔اُس وقت اکثر ایسا ہوا کہ پیدل قافلے پاکستان کی طرف آئے اور جب وہ بارڈر کراس کرنے لگے تو سکھوں نے انہیں آ لیا اور وہ مارے گئے۔بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ پیدل قافلہ قادیان سے نکلتے ہی سکھوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اگر وہاں سے محفوظ نکل آیا تو بٹالہ آ کر یا فتح گڑھ چوڑیاں کے پاس مارا گیا لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق قادیان میں بیٹھے رہے اور میری اجازت کا انتظار کرتے رہے۔وہ سلامتی کے ساتھ لاریوں میں سوار ہو کر لاہور آئے۔غرض ہر میدان میں خدا تعالیٰ نے جماعت کو خلافت کی برکات سے نوازا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت انہیں یاد رکھے۔مگر بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ انہیں یاد نہیں رکھتے۔

پچھلے مہینہ میں ہی میں نے ایک رؤیا دیکھا تھا کہ کوئی غیر مرئی وجود مجھے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو وقفہ وقفہ کے بعد جماعت میں فتنہ پیدا ہونے دیتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ وہ ظاہر کرے کہ جماعت کس طرح آپ کے پیچھے پیچھے چلتی ہے یا جب آپ کسی خاص طرف مڑیں تو کس سرعت کے ساتھ آپ کے ساتھ مُڑتی ہے یا جب آپ اپنی منزل مقصود کی طرف جائیں تو وہ کس طرح اسی منزلِ مقصود کو اختیار کر لیتی ہے۔

اب دیکھو یہ فتنہ بھی جماعت کے لئے ایک آزمائش تھی لیکن بعض لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے

کہ اس میں حصہ لینے والے حضرت خلیفہ اوّل کے لڑکے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بھی آپ کا انکار کیا تھا اور اس انکار کی وجہ سے وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کے اس فتنہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے ہمیں کس بات کا خوف ہے اگر وہ فتنہ میں ملوث ہیں تو خدا تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ شروع شروع میں جب فتنہ اُٹھا تو چند دنوں تک بعض دوستوں کے گھبراہٹ کے خطوط آئے اور انہوں نے لکھا کہ ایک چھوٹی سی بات کو بڑا بنا دیا گیا ہے۔ اللہ رکھا کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ساری جماعت اپنے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ان لوگوں سے نفرت کرنے لگ گئی اور مجھے خطوط آنے شروع ہوئے کہ آپ کے اور بھی بہت سے کارنامے ہیں مگر اس بڑھاپے کی عمر میں اور ضعف کی حالت میں جو یہ کارنامہ آپ نے سرانجام دیا ہے یہ اپنی شان میں دوسرے کارناموں سے بڑھ گیا ہے۔ آپ نے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ ان لوگوں کو ننگا کر دیا ہے جو بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور سلسلہ کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ اس طرح آپ نے جماعت کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا ہے۔

مری میں مجھے ایک غیر احمدی کرنل ملے انہوں نے کہا کہ جو واقعات ۱۹۵۳ء میں احمدیوں پر گزرے تھے وہ اب پھر ان پر گذرنے والے ہیں اس لئے آپ ابھی سے تیاری کرلیں اور میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ۱۹۵۳ء میں تو پولیس اور ملٹری نے آپ کی حفاظت کی تھی لیکن اب وہ آپ کی حفاظت نہیں کرے گی کیونکہ اُس وقت جو واقعات پیش آئے تھے ان کی وجہ سے وہ ڈر گئی ہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا کرنل صاحب! پچھلی دفعہ میں نے کون سا تیر مارا تھا جو اب ماروں گا۔ پچھلی دفعہ بھی خدا تعالیٰ نے ہی جماعت کی حفاظت کے سامان کئے تھے اور اب بھی وہی اس کی حفاظت کرے گا جب میرا خدا زندہ ہے تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری اس بات کا کرنل صاحب پر گہرا اثر ہوا چنانچہ جب میں ان کے پاس سے اُٹھا اور دہلیز سے باہر نکلنے لگا تو وہ کہنے لگے فیتھ از بلائنڈ (Faith is Blind) یعنی یقین اور ایمان اندھا ہوتا ہے وہ خطرات کی پرواہ نہیں کرتا جب

کسی شخص میں ایمان پایا جاتا ہو تو اسے آنے والے مصائب کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔
جب منافقین کا فتنہ اُٹھا تو انہی کرنل صاحب نے ایک احمدی افسر کو جو ان کے قریب ہی رہتے تھے بُلایا اور کہا کہ میری طرف سے مرزا صاحب کو کہہ دینا کہ آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ اللہ رکھا کی بھلا حیثیت ہی کیا تھی۔ اس مضمون سے اُسے بلا ضرورت شہرت مل جائے گی۔ میں نے اس احمدی دوست کو لکھا کہ میری طرف سے کرنل صاحب کو کہہ دینا کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ جماعت پر ۱۹۵۳ء والے واقعات دوبارہ آنے والے ہیں آپ ابھی سے تیاری کرلیں۔ اب جب کہ میں نے اس بارہ میں کارروائی کی ہے تو آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ آپ خواہ مخواہ فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں۔ جب میں دوبارہ مری گیا تو میں نے اس احمدی دوست سے پوچھا کہ کیا میرا خط آپ کو مل گیا تھا اور آپ نے کرنل صاحب کو میرا پیغام پہنچا دیا تھا انہوں نے کہا ہاں میں نے پیغام دے دیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ اب میری تسلی ہوگئی ہے شروع میں میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ معمولی بات ہے لیکن اب جب کہ پیغامی اور غیر احمدی دونوں فتنہ پردازوں کے ساتھ مل گئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ عقلمندی اور کوئی نہیں تھی کہ آپ نے وقت پر اس فتنہ کو بھانپ لیا اور شرارت کو بے نقاب کر دیا۔

غرض خدا تعالیٰ ہر فتنہ اور مصیبت کے وقت جماعت کی خود حفاظت فرماتا ہے چنانچہ فتنہ تو اب کھڑا کیا گیا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ۱۹۵۰ء میں ہی کوئٹہ کے مقام پر مجھے بتا دیا تھا کہ بعض ایسے لوگوں کی طرف سے فتنہ اُٹھایا جانے والا ہے جن کی رشتہ داری میری بیویوں کی طرف سے ہے۔ چنانچہ دیکھ لو عبدالوہاب میری ایک بیوی کی طرف سے رشتہ دار ہے۔ میری اس سے جدی رشتہ داری نہیں۔

پھر میری ایک خواب جنوری ۱۹۳۵ء میں الفضل میں شائع ہو چکی ہے اس میں بتایا گیا تھا کہ میں کسی پہاڑ پر ہوں کہ خلافت کے خلاف جماعت میں ایک فتنہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ جب موجودہ فتنہ ظاہر ہوا اُس وقت میں مری میں ہی تھا۔ پھر اس خواب میں میں نے سیالکوٹ کے لوگوں کو دیکھا جو موقع کی نزاکت سمجھ کر جمع ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ کچھ ان

لوگوں کو بھی دیکھا جو باغی تھے۔ یہ خواب بھی بڑے شاندار طور پر پوری ہوئی۔ چنانچہ اللہ رکھا سیالکوٹ کا ہی رہنے والا ہے جب میں نے اس کے متعلق الفضل میں مضمون لکھا تو خود اس کے حقیقی بھائیوں نے مجھے لکھا کہ پہلے تو ہمارا یہ خیال تھا کہ شاید اِس پر ظلم ہو رہا ہے لیکن اب ہمیں پتہ لگ گیا ہے کہ وہ پیغامی ہے۔ اس نے ہمیں جو خطوط لکھے ہیں وہ پیغامیوں کے پتہ سے لکھے ہیں پس ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم خلافت سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔

اب دیکھو ۱۹۳۴ء میں مجھے اس فتنہ کا خیال کیسے آ سکتا تھا۔ پھر ۱۹۵۰ء والی خواب بھی مجھے یاد نہیں تھی۔ ۱۹۵۰ء میں میں جب سندھ سے کوئٹہ گیا تو اپنی ایک لڑکی کو جو بیمار تھی ساتھ لے گیا۔ اس نے اب مجھے یاد کرایا کہ ۱۹۵۰ء میں آپ نے ایک خواب دیکھی تھی جس میں یہ ذکر تھا کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے خلافت کے خلاف فتنہ اُٹھایا ہے میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب کو وہ خواب تلاش کرنے پر مقرر کیا چنانچہ وہ الفضل سے خواب تلاش کر کے لے آئے۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے کتنی دیر پہلے مجھے اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا اور پھر کس طرح یہ خواب حیرت انگیز رنگ میں پورا ہوا۔

ہماری جماعت کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ منافقت کی جڑ کو کاٹنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس کی جڑ کو نہ کاٹا جائے تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے پورا ہونے میں شیطان کئی قسم کی رُکاوٹیں حائل کر سکتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ کا یہ کتنا شاندار وعدہ تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت صرف اڑھائی سال کی تھی لیکن اس عرصہ میں خدا تعالیٰ نے جو تائید و نصرت کے نظارے دکھائے وہ کتنے ایمان افزا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام تھے لیکن انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں رومی فوجوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر اڑھائی سال کے عرصہ میں لاکھوں مسلمان تو نہیں ہو گئے تھے۔ اُس وقت قریباً قریباً وہی مسلمان تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے لیکن خلافت کی برکات

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں وہ شان اور اُمنگ اور جرأت پیدا کی کہ انہوں نے اپنے مقابل پر بعض اوقات دو دو ہزار گنا زیادہ تعداد کے لشکر کو بُری طرح شکست کھانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے ایک طرف رومی سلطنت کو شکست دی تو دوسری طرف ایران کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دَور آیا اِس دور میں اسلامی فوج نے آذر بائیجان تک کا علاقہ فتح کر لیا اور پھر بعض مسلمان افغانستان اور ہندوستان آئے اور بعض افریقہ چلے گئے اور ان ممالک میں انہوں نے اسلام کی اشاعت کی، یہ سب خلافت کی ہی برکات تھیں۔ یہ برکات کیسے ختم ہوئیں؟ یہ اسی لئے ختم ہوئیں کہ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ خلافت میں مسلمانوں کا ایمانِ بالخلافت کمزور ہو گیا اور اُنہوں نے خلافت کو قائم رکھنے کے لئے صحیح کوشش اور جدوجہد کو ترک کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا وعدہ واپس لے لیا لیکن عیسائیوں میں دیکھ لو ۱۹۰۰ سال سے برابر خلافت چلی آ رہی ہے اور آئندہ بھی اِس کے ختم ہونے کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ آخر یہ تفاوت کیوں ہے اور کیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ۳۰ سال کے عرصہ میں ختم ہو گئی؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں نے خلافت کی قدر نہ کی اور اس کی خاطر قربانی کرنے سے انہوں نے دریغ کیا۔ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! میں وہی کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے میں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ لیکن تم فتنہ پرداز لوگوں کو اپنے گھروں میں آنے دیتے ہو اور ان سے باتیں کرتے ہو اس سے یہ لوگ دلیر ہو گئے ہیں لیکن تمہاری اس غفلت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خلافت کی برکات ختم ہو جائیں گی اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ اب دیکھ لو وہی ہوا جو حضرت عثمانؓ نے فرمایا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا شہید ہونا تھا کہ مسلمان بکھر گئے اور آج تک وہ جمع نہیں ہوئے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب روم کے بادشاہ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں اختلاف دیکھا تو اُس نے چاہا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجے۔ اُس

وقت رومی سلطنت کی ایسی ہی طاقت تھی جیسی اِس وقت امریکہ کی ہے۔ اُس کی لشکر کشی کا ارادہ دیکھ کر ایک پادری نے جو بڑا ہوشیار تھا کہا بادشاہ سلامت! آپ میری بات سن لیں اور لشکر کشی کرنے سے اجتناب کریں یہ لوگ اگرچہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن آپ کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں گے اور باہمی اختلافات کو بھول جائیں گے۔ پھر اس نے کہا آپ دو کتے منگوائیں اور انہیں ایک عرصہ تک بھوکا رکھیں پھر ان کے آگے گوشت ڈال دیں۔ وہ آپس میں لڑنے لگ جائیں گے۔ اگر آپ انہی کتوں پر شیر چھوڑ دیں تو وہ دونوں اپنے اختلافات کو بھول کر شیر پر جھپٹ پڑیں گے۔ اِس مثال سے اس نے یہ بتایا کہ تو چاہتا ہے کہ اِس وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف سے فائدہ اُٹھالے لیکن میں یہ بتا دیتا ہوں کہ جب بھی کسی بیرونی دشمن سے لڑنے کا سوال پیدا ہوگا یہ دونوں اپنے باہمی اختلافات کو بھول جائیں گے اور دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں گے اور ہوا بھی یہی۔ جب حضرت معاویہؓ کو روم کے بادشاہ کے ارادہ کا علم ہوا تو آپ نے اُسے پیغام بھیجا کہ تو چاہتا ہے کہ ہمارے اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں پر حملہ کرے لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری حضرت علیؓ کے ساتھ بے شک لڑائی ہے لیکن اگر تمہارا لشکر حملہ آور ہوا تو حضرت علیؓ کی طرف سے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے جو سب سے پہلا جرنیل نکلے گا وہ میں ہونگا۔ اب دیکھ لو حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے اختلاف رکھتے تھے لیکن اس اختلاف کے باوجود انہوں نے رومی بادشاہ کو ایسا جواب دیا جو اس کی امیدوں پر پانی پھیرنے والا تھا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کا یہ حال ہے کہ انہیں اتنی بھی توفیق نہ ملی کہ پیغامیوں سے کہتے کہ تم تو ساری عمر ہمارے باپ کو گالیاں دیتے رہے ہو پھر ہمارا تم سے کیا تعلق ہے۔ انہیں وہ گالیاں بھول گئیں جو ان کے باپ کو دی گئی تھیں اور چپ کر کے بیٹھے رہے۔ انہوں نے ان کی تردید نہ کی اور تردید بھی انہوں نے اِس لئے نہ کی کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو شاید پیغامی ہماری تائید نہ کریں حالانکہ اگر ان کے اندر ایمان ہوتا تو یہ لوگ کہتے ہمارا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وہ تقاریر موجود ہیں جن میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ مجھے خلافت سے دستبردار کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ کون ہیں مجھے

دستبردار کرنے والے مجھے خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے اس لئے وہی خلافت کی حفاظت کرے گا۔ اگر یہ لوگ میری بات نہیں سنتے تو اپنے باپ کی بات تو سن لیتے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے اب کسی شخص یا جماعت کی طاقت نہیں کہ وہ مجھے معزول کر سکے۔ اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے پھر یہ لوگ مجھے معزول کیسے کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک جماعت کو پکڑ کر میرے ہاتھ پر جمع کر دیا تھا اور اُس وقت جمع کر دیا تھا جب تمام بڑے بڑے احمدی میرے مخالف ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ اب خلافت ایک بچے کے ہاتھ میں آ گئی ہے اس لئے جماعت آج نہیں تو کل تباہ ہو جائے گی لیکن اس بچہ نے ۴۲ سال تک پیغامیوں کا مقابلہ کر کے جماعت کو جس مقام تک پہنچایا وہ تمہارے سامنے ہے۔ شروع میں ان لوگوں نے کہا تھا کہ ۹۸ فیصدی احمدی ہمارے ساتھ ہیں لیکن اب وہ دکھائیں کہ جماعت کا ۹۸ فیصدی جو اُن کے ساتھ تھا کہاں ہے۔ کیا وہ ۹۸ فیصدی احمدی ملتان میں ہیں، لاہور میں ہیں، پشاور میں ہیں، کراچی میں ہیں؟ آخر وہ کہاں ہیں؟ کہیں بھی دیکھ لیا جائے ان کے ساتھ جماعت کے دو فیصدی بھی نہیں نکلیں گے۔ مولوی نورالحق صاحب انور مبلّغ امریکہ کی الفضل میں چٹھی چھپی ہے کہ عبدالمنان نے ان سے ذکر کیا کہ پشاور سے بہت سے پیغامی انہیں لینے کے لئے آئے ہیں اور وہ ان کا بہت ادب اور احترام کرتے ہیں لیکن کچھ دن ہوئے امیر جماعت احمدیہ پشاور یہاں آئے میں نے انہیں کہا کہ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کا جواب چھپا ہے آپ وہ کیوں نہیں خریدتے تو انہوں نے کہا پشاور میں دو سے زیادہ پیغامی نہیں ہیں لیکن ان کے مقابل پر وہاں ہماری دو مساجد بن چکی ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت وہاں کثرت سے پھیل رہی ہے پیغامیوں کا وہاں یہ حال ہے کہ شروع شروع میں وہاں احمدیت کے لیڈر پیغامی ہی تھے لیکن اب بقول امیر صاحب جماعت احمدیہ پشاور وہاں دو پیغامی ہیں۔

پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کس لالچ میں آ گئی ہے۔ کیا صرف ایک مضمون کا پیغامِ صلح میں چھپ جانا ان کیلئے لالچ کا موجب ہو گیا؟ اگر یہی ہوا ہے تو یہ کتنی ذلیل بات ہے۔ اگر پاکستان کی حکومت یہ کہہ دیتی کہ ہم حضرت خلیفہ اوّل کی

اولاد کومشرقی پاکستان کا صوبہ دے دیتے ہیں یا وہ کہتے کہ انہیں مغربی پاکستان دے دیتے ہیں تب تو ہم سمجھ لیتے کہ انہوں نے اس لالچ کی وجہ سے جماعت میں تفرقہ اور فساد پیدا کرنا منظور کرلیا ہے لیکن یہاں تو یہ لالچ بھی نہیں۔

حضرت خلیفہ اوّل ایک مولوی کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ اس نے ایک شادی شدہ لڑکی کا نکاح کسی دوسرے مرد سے پڑھ دیا۔لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس آئے اور کہنے لگے فلاں مولوی جو آپ سے ملنے آیا کرتا ہے اس نے فلاں شادی شدہ لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے پڑھ دیا ہے۔ مجھے اس سے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے کہا کہ اگر وہ مولوی صاحب مجھے ملنے آئے تو میں ان سے ضرور دریافت کروں گا کہ کیا بات ہے؟ چنانچہ جب وہ مولوی صاحب مجھے ملنے کے لئے آئے تو میں نے ان سے ذکر کیا کہ آپ کے متعلق میں نے فلاں بات سنی ہے میرا دل تو نہیں مانتا لیکن چونکہ یہ بات ایک معتبر شخص نے بیان کی ہے اس لئے میں اس کا ذکر آپ سے کررہا ہوں کیا یہ بات درست ہے کہ آپ نے ایک شادی شدہ عورت کا ایک اور مرد سے نکاح کر دیا ہے؟ وہ کہنے لگا مولوی صاحب تحقیقات سے پہلے بات کرنی درست نہیں ہوتی۔آپ پہلے مجھ سے پوچھ تو لیں کہ کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا اسی لئے تو میں نے اس بات کا آپ سے ذکر کیا ہے۔اس پر وہ کہنے لگا بے شک یہ درست ہے کہ میں نے ایک شادی شدہ عورت کا دوسری جگہ نکاح پڑھ دیا ہے لیکن مولوی صاحب! جب اُنہوں نے میرے ہاتھ پر چڑیا جتنا روپیہ رکھ دیا تو پھر میں کیا کرتا۔ پس اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کو حکومت پاکستان یہ لالچ دے دیتی کہ مشرقی پاکستان یا مغربی پاکستان تمہیں دے دیا جائے گا تو ہم سمجھ لیتے کہ یہ مثال ان پر صادق آجاتی ہے جس طرح اُس مولوی نے روپیہ دیکھ کر خلاف شریعت نکاح پر نکاح پڑھ دیا تھا انہوں نے بھی لالچ کی وجہ سے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہاں تو چڑیا چھوڑ اِنہیں کسی نے مردہ مچھر بھی نہیں دیا۔ حالانکہ یہ اولاد اس عظیم الشان باپ کی ہے جو اِس قدر حوصلہ کا مالک تھا کہ ایک دفعہ جب آپ قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا مجھے آپ کے متعلق الہام ہوا ہے کہ اگر آپ اپنے وطن گئے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔اس پر آپ نے وطن واپس جانے کا

نام تک نہ لیا۔ اُس وقت آپ اپنے وطن بھیرہ میں ایک شاندار مکان بنا رہے تھے جب میں بھیرہ گیا تو میں نے بھی یہ مکان دیکھا تھا۔ اُس میں آپ ایک شاندار ہال بنوا رہے تھے تاکہ اس میں بیٹھ کر درس دیں اور مطب بھی کیا کریں۔ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے تو وہ مکان زیادہ حیثیت کا نہ تھا لیکن جس زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے یہ قربانی کی تھی اُس وقت جماعت کے پاس زیادہ مال نہیں تھا۔ اُس وقت اِس جیسا مکان بنانا بھی ہر شخص کا کام نہیں تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے بعد آپ نے واپس جا کر اس مکان کو دیکھا تک نہیں۔ بعض دوستوں نے کہا بھی کہ آپ ایک دفعہ جا کر مکان تو دیکھ آئیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے اب اسے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسے عظیم الشان باپ کی اولاد ایک مردہ مچھر سے بھی حقیر چیز پر آ گری۔

پھر دیکھو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تو اس شان کے انسان تھے کہ وہ اپنا عظیم الشان مکان چھوڑ کر قادیان آ گئے لیکن آپ کے پوتے کہتے ہیں کہ قادیان میں ہمارے دادا کی بڑی جائداد تھی جو ساری کی ساری مرزا صاحب کی اولاد نے سنبھال لی ہے۔ حالانکہ جماعت کے لاکھوں آدمی قادیان میں جاتے رہے ہیں اور ہزاروں وہاں رہے ہیں اب بھی کئی لوگ قادیان گئے ہیں انہیں پتہ ہے کہ وہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا صرف ایک کچا مکان تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بڑی جائداد تھی مگر وہ جائداد مادی نہیں بلکہ روحانی تھی جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور ہر احمدی کے دل میں آپ کا ادب واحترام پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ کی اولاد خلافت کے مقابلہ میں کھڑی ہوگی تو ہر مخلص احمدی انہیں نفرت سے پرے پھینک دے گا اور ان کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہیں کرے گا۔

آخر میں خدام کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ خلافت کی برکات کو یاد رکھیں۔ اور کسی چیز کو یاد رکھنے کے لئے پُرانی قوموں کا یہ دستور ہے کہ وہ سال میں اس کے لئے خاص طور پر ایک دن مناتی ہیں۔ مثلاً شیعوں کو دیکھ لو وہ سال میں ایک دفعہ تعزیہ نکالتے ہیں تا قوم کو

شہادت حسینؓ کا واقعہ یاد رہے۔ اسی طرح میں بھی خدام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سال میں ایک دن **خلافت ڈے** کے طور پر منایا کریں۔ اس میں وہ خلافت کے قیام پر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کریں اور اپنی پُرانی تاریخ کو دُہرایا کریں۔ پُرانے اخبارات کا ملنا تو مشکل ہے لیکن الفضل نے پچھلے دنوں ساری تاریخ کو از سرنو بیان کر دیا ہے۔ اِس میں وہ گالیاں بھی آ گئی ہیں جو پیغامی لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو دیا کرتے تھے اور خلافت کی تائید میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جو دعوے کئے ہیں وہ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں تم اِس موقع پر اخبارات سے یہ حوالے پڑھ کر سناؤ۔ اگر سال میں ایک دفعہ **خلافت ڈے** منا لیا جایا کرے تو ہر سال چھوٹی عمر کے بچوں کو پُرانے واقعات یاد ہو جایا کریں گے۔ پھر تم یہ جلسے قیامت تک کرتے چلے جاؤ تا جماعت میں خلافت کا ادب اور اس کی اہمیت قائم رہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی خلافت ۱۹۰۰ سال سے برابر قائم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو درجہ میں ان سے بڑے ہیں خدا کرے ان کی خلافت دس ہزار سال تک قائم رہے مگر یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ تم سال میں ایک دن اس غرض کے لئے خاص طور پر منانے کی کوشش کرو۔ میں مرکز کو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ بھی ہر سال سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کی طرح خلافت ڈے منایا کرے اور ہر سال یہ بتایا کرے کہ جلسہ میں ان مضامین پر تقاریر کی جائیں۔ الفضل سے مضامین پڑھ کر نوجوانوں کو بتایا جائے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے خلافتِ احمدیہ کی تائید میں کیا کچھ فرمایا ہے اور پیغامیوں نے اس کے ردّ میں کیا کچھ لکھا ہے۔ اسی طرح وہ رؤیا وکشوف بیان کئے جایا کریں جو وقت سے پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے دکھائے اور جن کو پورا کر کے خدا تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ اس کی برکات اب بھی خلافت سے وابستہ ہیں۔ (الفضل ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء، الفضل ۲۸ راپریل اور یکم مئی ۱۹۵۷ء)

---

۱ النور: ۵۶
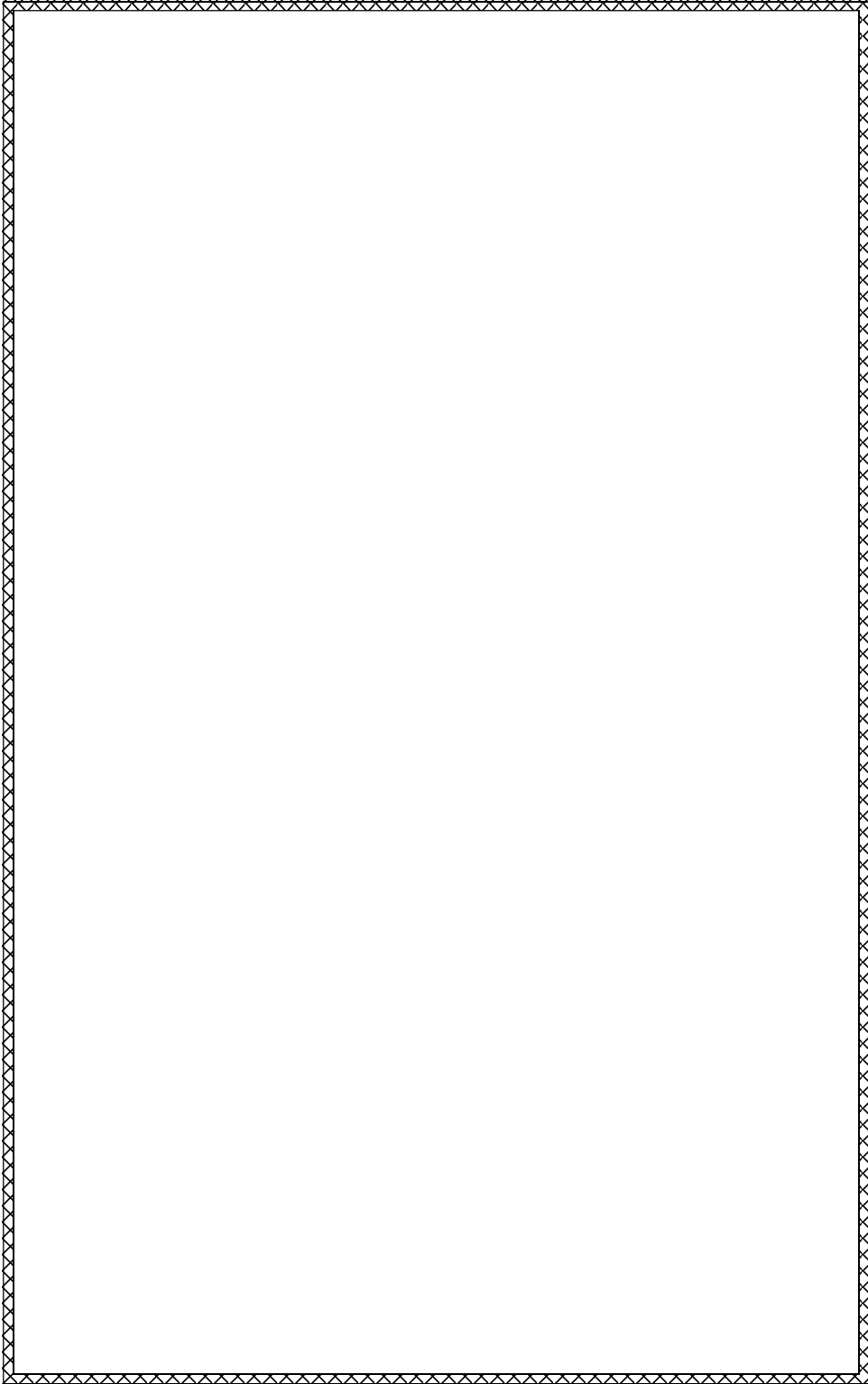
صحابہ کرام کی فدائیت اور اُن کا اخلاص و ایثار

۲۶؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع منعقدہ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حسب ذیل افتتاحی تقریر فرمائی۔

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ [1]

اس کے بعد فرمایا:۔

’’آپ لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے یہ نام قرآنی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے اور احمدیت کی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے۔قرآنی تاریخ میں ایک دفعہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں چنانچہ جب آپ نے فرمایا مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ تو آپ کے حواریوں نے کہا نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور ایک گروہ انصار کا تھا[2] گویا یہ نام قرآنی تاریخ میں دو دفعہ آیا ہے۔ایک جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق آیا ہے اور ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ایک حصہ کو انصار کہا گیا ہے۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی انصار اللہ کا دو جگہ ذکر آتا ہے۔ایک دفعہ جب حضرت خلیفہ اوّل کی پیغامیوں نے مخالفت کی تو میں نے انصار اللہ کی ایک جماعت قائم کی۔اور دوسری دفعہ جب جماعت کے بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کی تنظیم کی گئی تو

چالیس سال سے اوپر کے مردوں کی جماعت کا نام انصار اللہ رکھا گیا گویا جس طرح قرآن کریم میں دوگروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے اسی طرح جماعت احمدیہ میں بھی دو زمانوں میں دو جماعتوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ پہلے جن لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ان میں سے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ تھے۔ کیونکہ یہ جماعت ۱۴۔۱۹۱۳ء میں بنائی گئی تھی اور اُس وقت اکثر صحابہ زندہ تھے اور اس جماعت میں بھی اکثر وہی شامل تھے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی جن انصار کا ذکر آتا ہے ان میں زیادہ تر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ شامل تھے۔ دوسری دفعہ جماعت احمدیہ میں آپ لوگوں کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا ہے جس طرح قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ادنیٰ نبی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ آپ لوگوں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کم ہیں اور زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے میری بیعت کی ہے اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام والی بات بھی پوری ہوگئی یعنی جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا اسی طرح مثیلِ مسیح موعود کے ساتھیوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے گویا قرآنی تاریخ میں بھی دو زمانوں میں دوگروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا اور جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی دوگروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ اب بھی زندہ ہیں مگر اب ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

صحابی اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو نبی کی زندگی میں اس کے سامنے آ گیا ہو۔ گویا زیادہ تر یہ لفظ انہی لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جنہوں نے نبی کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا ہو اور اُس کی باتیں سُنی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے ہیں اس لئے وہ شخص بھی آپ کا صحابی کہلا سکتا ہے جس نے خواہ آپ کی صحبت سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو لیکن آپ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہو اور اُس کا باپ اُسے اُٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے سامنے لے گیا ہو لیکن یہ ادنیٰ درجہ کا صحابی ہوگا۔ اعلیٰ درجہ کا صحابی وہی ہے جس نے آپ کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں۔ اور جن لوگوں نے آپ کی صحبت سے فائدہ

اُٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں ان کی تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے اب صرف تین چار آدمی ہی ایسے رہ گئے ہیں جن کے متعلق مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور آپ کی باتیں سنی ہیں۔ ممکن ہے اگر زیادہ تلاش کیا جائے تو ان کی تعداد تیس چالیس تک پہنچ جائے۔ اب ہماری جماعت لاکھوں کی ہے اور لاکھوں کی جماعت میں اگر ایسے تیس چالیس صحابہ بھی ہوں تب بھی یہ تعداد بہت کم ہے اِس وقت جماعت میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسے شخص کی بیعت کی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا متبع تھا اور ان کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔[۳] کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو وہ میرے متبع ہوتے۔ غرض اِس وقت جماعت کے انصار اللہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک متبع اور مثیل کے ذریعہ اسلام کی خدمت کا موقع ملا اور وہ آپ لوگ ہیں۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ جس طرح ان کے حواریوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا اسی طرح مثیلِ مسیح موعود کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ پھر آپ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے انصار کی بات بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی جس طرح انصار اللہ میں وہی لوگ شامل تھے جو آپ کے صحابہؓ تھے اسی طرح آپ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ شامل ہیں۔ گویا آپ لوگوں میں دونوں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ آپ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے صحابہ بھی ہیں جنہیں انصار اللہ کہا جاتا ہے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو انصار کہا گیا۔ پھر جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا متبع قرار دیا ہے اور ان کے صحابہ کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک متبع کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔ شاید بعض لوگ یہ سمجھیں کہ یہ درجہ کم ہے لیکن چالیس سال اور گزر گئے

تو اس زمانہ کے لوگ تمہارے زمانہ کے لوگوں کو بھی تلاش کریں گے۔ اور اگر چالیس سال اور گزر گئے تو اس زمانہ کے لوگ تمہارے ملنے والوں کو تلاش کریں گے اسلامی تاریخ میں صحابہؓ کے ملنے والوں کو تابعی کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ صحابہؓ کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہو گئے تھے۔ اور ایک تبع تابعی کا درجہ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو تابعین کے ذریعہ صحابہؓ کے قریب ہوئے اور آگے صحابہؓ کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔ اس طرح تین درجے بن گئے۔ ایک صحابی دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی۔ صحابی وہ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور آپؐ کی باتیں سنیں۔ تابعی وہ جنہوں نے آپ سے باتیں سننے والوں کو دیکھا اور تبع تابعی وہ جنہوں نے آپ سے باتیں سننے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ دُنیوی عاشق تو بہت کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیردو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر مسلمانوں کی محبت رسولؐ دیکھو جب محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے صحابہ فوت ہوئے تو انہوں نے آپؐ سے قریب ہونے کے لئے تابعی کا درجہ نکال لیا۔ اور جب تابعی ختم ہو گئے تو انہوں نے تبع تابعین کا درجہ نکال لیا۔ اس شاعر نے تو کہا تھا

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیردو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر یہاں یہ صورت ہوگئی کہ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں اور پھر ان کے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ اور پھر تیرہ سَو سال تک برابر چاہتا چلا جاؤں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ

مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

بلکہ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم آپ کے چاہنے والوں کو چاہتے ہیں چاہے وہ صحابی ہوں، تابعی ہوں، تبع تابعی ہوں یا تبع تبع تابعی ہوں اور ان کے بعد یہ سلسلہ خواہ کہاں

تک چلا جائے ہم کو وہ سب لوگ پیارے لگتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ہم کسی نہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو جاتے ہیں۔

محدثین کو اس بات پر بڑا فخر ہوتا تھا کہ وہ تھوڑی سی سندات سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ میں گیارہ بارہ راویوں کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہوں۔ آپ کو بعض ایسے اساتذہ مل گئے تھے جو آپ کو گیارہ بارہ راویوں کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے تھے۔ اور آپ اس بات پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع نے آپ کی صحابیت کو بارہ تیرہ درجوں تک پہنچا دیا ہے اور اس پر فخر کیا ہے تو آپ لوگ یا صحابی ہیں یا تابعی ہیں ابھی تبع تابعین کا وقت نہیں آیا۔ ان دونوں درجوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی ہے۔ اس عزت میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انصار کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی قربانیاں بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھیں۔ چنانچہ جب ہم انصار کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں کہ اگر آپ لوگ جو انصار اللہ ہیں ان کے نقشِ قدم پر چلیں تو یقیناً اسلام اور احمدیت دور دور تک پھیل جائے۔ اور اتنی طاقت پکڑ لے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابل پر نہ ٹھہر سکے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو شہر کی تمام عورتیں اور بچے باہر نکل آئے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے جاتے ہوئے خوشی سے گاتے چلے جاتے تھے کہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ [۴]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس جہت سے مدینہ میں داخل ہوئے وہی جہت تھی جہاں سے قافلے اپنے رشتہ داروں سے رخصت ہوا کرتے تھے اسی لئے انہوں نے اس موڑ کا نام ثنیۃ الوداع رکھا ہوا تھا یعنی وہ موڑ جہاں سے قافلے رخصت ہوتے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موڑ سے مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کی عورتوں اور بچوں نے یہ گاتے

ہوئے آپؐ کا استقبال کیا

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّةِ الْوِدَاعِ

یعنی ہم لوگ کتنے خوش قسمت ہیں کہ جس موڑ سے مدینہ کے رہنے والے اپنے رشتہ داروں کو رخصت کیا کرتے تھے اس موڑ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بدر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کر دیا ہے پس ہمیں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ وہ تو اس جگہ جا کر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو رخصت کرتے ہیں لیکن ہم نے وہاں جا کر سب سے زیادہ محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصول کیا ہے۔

پھر ان لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور ان میں سے ہر شخص کی خواہش تھی کہ آپؐ اس کے گھر میں ٹھہریں۔ جس جس گلی میں سے آپؐ کی اونٹنی گزرتی تھی اس گلی کے مختلف خاندان اپنے گھروں کے آگے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتے تھے اور کہتے تھے یَا رَسُوْلَ اللہ! یہ ہمارا گھر ہے جو آپؐ کی خدمت کیلئے حاضر ہے۔ یَا رَسُوْلَ! آپ ہمارے پاس ہی ٹھہریں۔ بعض لوگ جوش میں آگے بڑھتے اور آپؐ کی اونٹنی کی باگ پکڑ لیتے تا کہ آپؐ کو اپنے گھر میں اُتروالیں۔ مگر آپؐ ہر شخص کو یہی جواب دیتے تھے کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ آج خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے یہ وہیں کھڑی ہوگی جہاں خدا تعالیٰ کا منشاء ہوگا۔ آخر وہ ایک جگہ پر کھڑی ہوگئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے قریب گھر کس کا ہے؟ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا گھر سب سے قریب ہے اور آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہے۔ حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اوپر کی منزل تجویز کی مگر آپؐ نے اس خیال سے کہ ملنے والوں کو تکلیف ہوگی نچلی منزل کو پسند فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِصرار پر مان تو گئے کہ آپؐ نچلی منزل میں ٹھہریں لیکن ساری رات میاں بیوی اِس خیال سے جاگتے رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نیچے سو رہے ہیں پھر وہ کس طرح اس بے ادبی کے مرتکب ہو سکتے ہیں کہ وہ چھت کے اوپر سوئیں۔ اتفاقاً اُسی رات ان سے پانی کا ایک برتن گر گیا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے دَوڑکر اپنا لحاف اُس پانی پر ڈال کر پانی کی رطوبت کو خشک کیا تا کہ چھت کے نیچے پانی نہ ٹپک پڑے۔صبح کے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات عرض کئے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کی منزل پر رہنے پر راضی ہوگئے۔اب دیکھو یہ اُس عشق کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو صحابہؓ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

پھر یہ واقعہ کتنا شاندار ہے کہ جب جنگ اُحد ختم ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اس بات پر مأمور فرمایا کہ وہ میدانِ جنگ میں جائیں اور زخمیوں کی خبر لیں۔ایک صحابیؓ میدان میں تلاش کرتے کرتے ایک زخمی انصاری کے پاس پہنچے۔دیکھا کہ اُن کی حالت نازک ہے اور وہ جان توڑ رہے ہیں۔اِس نے زخمی انصاریؓ سے ہمدردی کا اظہار کرنا شروع کیا۔انہوں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ مصافحہ کیلئے آگے بڑھایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا میں انتظار کر رہا تھا کہ کوئی بھائی مجھے مل جائے۔انہوں نے اس صحابیؓ سے پوچھا کہ آپ کی حالت خطرناک معلوم ہوتی ہے اور بچنے کی امید نہیں کیا کوئی پیغام ہے جو آپ اپنے رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہوں؟ اس مرنے والے صحابیؓ نے کہا ہاں ہاں میری طرف سے میرے رشتہ داروں کو سلام کہنا اور انہیں کہنا کہ میں تو مر رہا ہوں مگر میں اپنے پیچھے خدا تعالیٰ کی ایک مقدس امانت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑے جارہا ہوں میں جب تک زندہ رہا اِس نعمت کی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی حفاظت کرتا رہا لیکن اب اے میرے بھائیو اور رشتہ دارو! میں اب مر رہا ہوں اور خدا تعالیٰ کی یہ مقدس امانت تم میں چھوڑ رہا ہوں میں آپ سب کو اس کی حفاظت کی نصیحت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اگر آپ سب کو اس کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی جانیں بھی دینی پڑیں تو آپ اس سے دریغ نہیں کریں گے اور میری اس آخری وصیت کو یاد رکھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کے اندر ایمان موجود ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ سب کو محبت ہے اس لئے تم ضرور آپؐ کے وجود کی حفاظت کیلئے ہر ممکن قربانی کرو گے اور اس کیلئے اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہیں کرو گے۔[۵]

اب دیکھو ایک شخص مر رہا ہے اسے اپنی زندگی کے متعلق یقین نہیں وہ مرتے وقت اپنے بیوی بچوں کو سلام نہیں بھیجتا، انہیں کوئی نصیحت نہیں کرتا بلکہ وہ اگر کوئی پیغام بھیجتا ہے تو یہی کہ اے میری قوم کے لوگو! تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔ ہم جب تک زندہ رہے اس فرض کو نبھاتے رہے اب آپؐ کی حفاظت آپ لوگوں کے ذمہ ہے آپ کو اس کے رستہ میں اپنی جانوں کی قربانی بھی پیش کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں۔ میری تم سے یہی آخری خواہش ہے اور مرتے وقت میں تمہیں اِس کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ تھا وہ عشق و محبت جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

پھر جب آپؐ بدر کی جنگ کیلئے مدینہ سے صحابہؓ سمیت باہر نکلے تو آپؐ نے نہ چاہا کہ کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف جنگ پر مجبور کیا جائے چنانچہ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ وہ اس بارہ میں آپؐ کو مشورہ دیں کہ فوج کا مقابلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ایک کے بعد دوسرا مہاجر کھڑا ہوا اور اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اگر دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آیا ہے تو ہم اس سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آپؐ ہر ایک کا جواب سن کر یہی فرماتے چلے جاتے کہ مجھے اور مشورہ دو مجھے اور مشورہ دو۔ مدینہ کے لوگ اُس وقت تک خاموش تھے اس لئے کہ حملہ آور فوج مہاجرین کی رشتہ دار تھی وہ ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی بات سے مہاجرین کا دل دُکھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ مجھے مشورہ دو تو ایک انصاریؓ سردار کھڑے ہوئے اور عرض کیا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** مشورہ تو آپؐ کو مل رہا ہے مگر پھر بھی جو آپؐ بار بار مشورہ طلب فرما رہے ہیں تو شاید آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس سردار نے جواب میں کہا۔ **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** شاید آپ اس لئے ہمارا مشورہ طلب فرما رہے ہیں کہ آپؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر مدینہ میں آپؐ پر اور مہاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اِس وقت آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے۔ اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** جس وقت وہ

معاہدہ ہوا تھا اُس وقت تک ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہیں ہوئی تھی لیکن اب ہم پر آپ کا مرتبہ اور آپؐ کی شان پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہے۔اس لئے **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اب اس معاہدہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح آپؐ کو یہ نہیں کہیں گے کہ **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ** ۔[۶] کہ تو اور تیرا رب جاؤ اور دشمن سے جنگ کرتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔اور **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** دشمن جو آپؐ کو نقصان پہنچانے کیلئے آیا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے۔[۷] پھر اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** جنگ تو ایک معمولی بات ہے یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر سمندر ہے (بدر سے چند منزلوں کے فاصلہ پر سمندر تھا اور عرب تیرنا نہیں جانتے تھے اس لئے پانی سے بہت ڈرتے تھے) آپؐ ہمیں سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دینے کا حکم دیجئے ہم بلا چون و چرا اس میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے [۸]
یہ وہ فدائیت اور اخلاص کا نمونہ تھا جس کی مثال کسی سابق نبی کے ماننے والوں میں نہیں ملتی۔اس مشورہ کے بعد آپؐ نے دشمن سے لڑائی کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپؐ کو نمایاں فتح عطا فرمائی۔حضرت مسیح ناصریؑ کے انصار کی وہ شان نہیں تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی تھی لیکن پھر بھی وہ اِس وقت تک آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور یہ ان کی ایک بہت بڑی خوبی ہے مگر تم میں سے بعض لوگ پیغامیوں کی مدد کے لالچ میں آ گئے اور انہوں نے خلافت کو مٹانے کی کوششیں شروع کر دیں اور زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں میں اس عظیم الشان باپ کی اولاد بھی شامل ہے جس کو ہم بڑی قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر ۴۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر میں ہر قربانی کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔تحریک جدید ۱۹۳۴ء سے شروع ہے اور اب ۱۹۵۶ء ہے گویا اس پر ۲۲ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔شاید حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد خود بھی اس میں حصہ نہ لیتی ہو لیکن میں ہر سال آپ کی طرف سے اس میں چندہ دیتا ہوں تا کہ آپ کی روح کو بھی اس کا ثواب پہنچے۔

پھر جب میں حج پر گیا تو اُس وقت بھی میں نے آپ کی طرف سے قربانی کی تھی اور اب تک ہر عید کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا چلا آیا ہوں۔غرض ہمارے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بڑی قدر اور عظمت ہے لیکن آپ کی اولاد نے جونمونہ دکھایا وہ تمہارے سامنے ہے۔اس کے مقابلہ میں تم حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کو دیکھو کہ وہ آج تک آپ کی خلافت کو سنبھالے چلے آتے ہیں ہم تو اس مسیح کے صحابہ اور انصار ہیں جس کو مسیح ناصریؑ پر فضیلت دی گئی ہے مگر ہم جو افضل باپ کے روحانی بیٹے ہیں ہم میں سے بعض لوگ چند روپوں کی لالچ میں آ گئے ۔شاید اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ مماثلت بھی پوری ہونی تھی کہ جیسے آپ کے ایک حواری یہوداا سکریوطی نے رومیوں سے تیس روپے لے کر آپ کو بیچ دیا تھا اور اس طرح اِس مسیحؑ کی جماعت میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہونے تھے جنہوں نے پیغامیوں سے مدد لے کر جماعت میں فتنہ کھڑا کرنا تھا۔لیکن ہمیں عیسائیوں کے صرف عیب ہی نہیں دیکھنے چاہئیں بلکہ ان کی خوبیاں بھی دیکھنی چاہئیں ۔ جہاں ان میں ہمیں یہ عیب نظر آتا ہے کہ ان میں سے ایک نے تیس روپے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا وہاں ان میں یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ آج تک جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام پر دو ہزار سال کے قریب عرصہ گزر چکا ہے وہ آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ آج جب میں نے اس بات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس چیز کا وعدہ بھی حواریوں نے کیا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب کہا۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کہ خدا تعالیٰ کے رستہ میں میری کون مدد کرے گا۔تو حواریوں نے کہا۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔ہم خدا تعالیٰ کے رستہ میں آپ کی مدد کریں گے۔انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ پس اس کے معنی ہیں کہ ہم وہ انصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت دی گئی ہے اس لئے جب تک خدا تعالیٰ زندہ ہے اُس وقت تک ہم بھی اس کی مدد کرتے رہیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر تقریباً دو ہزار سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن عیسائی لوگ برابر عیسائیت کی تبلیغ کرتے چلے جارہے ہیں اور اب تک ان میں خلافت قائم چلی آتی ہے۔

اب بھی ہماری زیادہ تر ٹکر عیسائیوں سے ہی ہو رہی ہے جو مسیح علیہ السلام کے متبع اور ان کے ماننے والے ہیں اور جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال رکھتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سارے نبی اس فتنہ کی خبر دیتے چلے آئے ہیں۔غرض وہ مسیح ناصری جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ان پر فضیلت عطا فرمائی ہے ان کے انصار نے اتنا جذبۂ اخلاص دکھایا کہ انہوں نے دو ہزار سال تک آپ کی خلافت کو مٹنے نہیں دیا کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مسیح علیہ السلام کی خلافت مٹی تو مسیح علیہ السلام کا خود اپنا نام بھی دنیا سے مٹ جائے گا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شروع عیسائیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک حواری نے آپ کو تیس روپے کے بدلہ میں دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا لیکن اب عیسائیت میں وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو مسیحیت کی اشاعت اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا منوانے کے لئے کروڑوں کروڑ روپیہ دیتے ہیں۔اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ نے اپنے زمانہ میں بڑی قربانی کی ہے لیکن آپ کی وفات پر ابھی صرف ۴۸ سال ہی ہوئے ہیں کہ جماعت میں سے بعض ڈانواڈول ہونے لگے ہیں اور پیغامیوں سے چند روپے لے کر ایمان کو بیچنے لگے ہیں۔حالانکہ ان میں سے بعض پر سلسلہ نے ہزارہا روپے خرچ کئے ہیں۔میں پچھلے حسابات نکلوا رہا ہوں اور میں نے دفتر والوں سے کہا ہے کہ وہ بتائیں کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فوت ہوئے ۴۸ سال ہو چکے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر ۴۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فاصلہ زیادہ ہے اور پھر آپ کی اولاد بھی زیادہ ہے۔لیکن اس کے باوجود میں نے حسابات نکلوائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے خاندان کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان پر کم خرچ کیا ہے لیکن پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد میں یہ لالچ پیدا ہوئی کہ خلافت بھی سنبھالو یہ ہمارے باپ کا حق تھا جو ہمیں ملنا چاہیے

تھا۔ چنانچہ سندھ سے ایک آدمی نے مجھے لکھا کہ یہاں میاں عبدالمنان کے بھانجے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا ایک پروردہ شخص بشیر احمد آیا اور اس نے کہا کہ خلافت تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا مال تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو ملنا چاہیے تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی اولاد نے اسے غصب کر لیا۔ اب ہم سب نے مل کر یہ کوشش کرنی ہے کہ اس حق کو دوبارہ حاصل کریں۔

پھر میں نے میاں عبدالسلام صاحب کی پہلی بیوی کے سوتیلے بھائی کا ایک خط پڑھا جس میں اس نے اپنے سوتیلے ماموں کو لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ مشرقی بنگال کی جماعت نے ایک ریزولیشن پاس کر کے اس فتنہ سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ ہمیں تو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے تھا ہمارے لئے تو موقع تھا کہ ہم کوشش کر کے اپنے خاندان کی وجاہت کو دوبارہ قائم کرتے۔ یہ ویسی ہی نامعقول حرکت ہے جیسی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر لاہور کے بعض مخالفین نے کی تھی۔ انہوں نے آپ کے نقلی جنازے نکالے اور آپ کی وفات پر خوشی کے شادیانے بجائے۔ وہ تو دشمن تھے لیکن یہ لوگ احمدی کہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنے خاندان کی وجاہت کو قائم کرنا چاہیے حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو جو عزت اور درجہ ملا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملا ہے جو چیز آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملی تھی وہ ان لوگوں کے نزدیک ان کے خاندان کی جائداد بن گئی۔ یہ وہی فقرہ ہے جو پرانے زمانہ میں ان لڑکوں کی والدہ نے مجھے کہا کہ پیغامی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی تھی۔ اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے کسی بیٹے کو خلیفہ بنا لیا جاتا تو ہم اس کی بیعت کر لیتے مگر مرزا صاحب کا خلافت سے کیا تعلق تھا کہ آپکے بیٹے کو خلیفہ بنا لیا گیا۔ اُس وقت میری بھی جوانی تھی میں نے انہیں کہا کہ آپ کیلئے رستہ کھلا ہے تانگے چلتے ہیں (اُن دنوں قادیان میں ریل نہیں آئی تھی) آپ چاہیں تو لاہور چلی جائیں۔ میں آپ کو نہیں روکتا۔ وہاں جا کر آپ کو پتہ لگ جائیگا کہ وہ آپ کی کیا امداد کرتے ہیں وہاں تو مولوی محمد علی صاحب کو بھی خلافت نہیں ملی انہیں صرف امارت ملی تھی اور امارت بھی ایسی کہ

اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہیں وصیت کرنی پڑی کہ فلاں فلاں شخص ان کے جنازے پر نہ آئے۔ ان کی اپنی تحریر موجود ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولوی صدرالدین صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب میرے خلاف پراپیگنڈہ میں اپنی پوری قوت خرچ کررہے ہیں۔ اور انہوں نے تنکے کو پہاڑ بنا کر جماعت میں فتنہ پیدا کرنا شروع کیا ہوا ہے اور ان لوگوں نے مولوی محمد علی صاحب پر طرح طرح کے الزامات لگائے یہاں تک کیا کہ آپ نے احمدیت سے انکار کر دیا ہے اور انجمن کا مال غصب کرلیا ہے۔ اب بتاؤ جب وہ شخص جو اِس جماعت کا بانی تھا اسے یہ کہنا پڑا کہ جماعت کے بڑے بڑے آدمی مجھ پر الزام لگاتے ہیں اور مجھے مرتد اور جماعت کا مال غصب کرنے والا قرار دیتے ہیں تو اگر وہاں دودھ پینے والے چھوکرے چلے جاتے تو انہیں کیا ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا کہ انہیں پانچ پانچ روپے کے وظیفے دے کر کسی سکول میں داخل کر دیا جاتا مگر ہم نے تو ان کی تعلیم پر بڑا روپیہ خرچ کیا اور اس قابل بنایا کہ یہ بڑے آدمی کہلاسکیں لیکن انہوں نے یہ کیا کہ جس جماعت نے انہیں پڑھایا تھا اُسی کو تباہ کرنے کیلئے حملہ کر دیا۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا قساوتِ قلبی ہوگی کہ جن غریبوں نے انہیں پیسے دے کر اِس مقام پر پہنچایا یہ لوگ اُنہی کو تباہ کرنیکی کوشش میں لگ جائیں۔

جماعت میں ایسے ایسے غریب ہیں کہ جن کی غربت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا مگر وہ لوگ چندہ دیتے ہیں۔ ایک دفعہ قادیان میں ایک غریب احمدی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ امراء کے ہاں دعوتیں کھاتے ہیں ایک دفعہ آپ میرے گھر بھی تشریف لائیں اور میری دعوت کو قبول فرمائیں۔ میں نے کہا تم بہت غریب ہو میں نہیں چاہتا کہ دعوت کی وجہ سے تم پر کوئی بوجھ پڑے۔ اس نے کہا میں غریب ہوں تو کیا ہوا آپ میری دعوت ضرور قبول کریں۔ میں نے پھر بھی انکار کیا مگر وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔ چنانچہ ایک دن میں اس کے گھر گیا تاکہ اُس کی دلجوئی ہوجائے۔ مجھے یاد نہیں اس نے چائے کی دعوت کی تھی یا کھانا کھلایا تھا مگر جب میں اس کے گھر سے نکلا تو گلی میں ایک احمدی دوست عبدالعزیز صاحب کھڑے تھے وہ پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور مخلص احمدی تھے لیکن انہیں

اعتراض کرنیکی عادت تھی۔ میں نے انہیں دیکھا تو میرا دل بیٹھ گیا اور میں نے خیال کیا کہ اب یہ دوست مجھ پرضرور اعتراض کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا حضور! آپ ایسے غریبوں کی دعوت بھی قبول کر لیتے ہیں؟ میں نے کہا عبدالعزیز صاحب میرے لئے دونوں طرح مصیبت ہے اگر میں انکار کروں تو غریب کہتا ہے میں غریب ہوں اسلئے میری دعوت نہیں کھاتے اور اگر میں اس کی دعوت منظور کرلوں تو آپ لوگ کہتے ہیں کہ غریب کی دعوت کیوں مان لی۔ اب دیکھو اس شخص نے مجھے خود دعوت پر بلایا تھا میں نے بارہا انکار کیا لیکن وہ میرے پیچھے اس طرح پڑا کہ میں مجبور ہو گیا کہ اس کی دعوت مان لوں لیکن دوسرے دوست کو اس پر اعتراض پیدا ہوا۔ غرض جماعت میں ایسے ایسے غریب بھی ہیں کہ ان کے ہاں کھانا کھانے پر بھی دوسروں کو اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ ایسی غریب جماعت نے ان لڑکوں کی خدمت کرنے اور انہیں پڑھانے پر ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ کیا۔ میاں عبدالسلام کو وکیل بنایا۔ عبدالمنان کو ایم اے کروایا۔ عبدالوہاب کو بھی تعلیم دلائی اسے وظیفہ دیا۔ لاہور بھیجا اور ہوسٹل میں داخل کروایا مگر اسے خود تعلیم کا شوق نہیں تھا اس لئے وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کرسکا۔ لیکن پھر بھی جماعت نے اسے پڑھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ بعد میں میں نے معقول گزارہ دے کر اسے دہلی بھجوایا اور کہا کہ تمہارے باپ کا پیشہ طب تھا تم بھی طب پڑھ لو۔ چنانچہ اسے حکیم اجمل خان صاحب کے کالج میں طب پڑھائی گئی گو اس نے وہاں بھی وہی حرکت کی کہ پڑھائی کی طرف توجہ نہ کی اور فیل ہوا لیکن اس نے اتنی عقلمندی کی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے گیا۔ چنانچہ بیوی پاس ہوگئی اور امتحان میں اوّل آئی۔ اب سلسلہ کے اس روپیہ کی وجہ سے جو اِس پر خرچ کیا گیا وہ اپنا گزارہ کر رہا ہے اور اس نے اپنے دواخانہ کا نام دواخانہ نورالدین رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ دراصل وہ دواخانہ سلسلہ احمدیہ ہے کیونکہ سلسلہ احمدیہ کے روپیہ سے ہی وہ اِس حد تک پہنچا ہے کہ دواخانہ کو جاری رکھ سکے۔ اب وہ لکھتا ہے کہ میری بیوی جو گولڈ میڈلسٹ ہے وہ علاج کرتی ہے۔ وہ یہ کیوں نہیں لکھتا کہ میری بیوی جس کو سلسلہ احمدیہ نے خرچ دے کر پڑھایا ہے علاج کرتی ہے۔ غرض چاہے تعلیم کو لیا جائے، طب کو لیا جائے یا کسی اور پیشہ کو لیا

جائے یہ لوگ سلسلہ کی مدد کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑے ہی نہیں ہو سکتے تھے مگر اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ لوگ سلسہ احمدیہ کو ہی تباہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جسے کوئی تباہ نہیں کرسکتا۔ یہ سلسلہ ایک چٹان ہے جو اس پر گرے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مٹ جائے گا اور کوئی شخص بھی خواہ اُس کی پشت پناہ احراری ہوں یا پیغامی ہوں اِس کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنے والے ذلیل اور خوار ہوں گے اور قیامت تک ذلت و رسوائی میں مبتلا رہیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو عزت اور رفعت دیتا چلا جائے گا اور تمام دنیا میں آپ کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ پھیلتا چلا جائیگا۔ اور جب آپ کے ذریعہ ہی اسلام بڑھے گا تو لازمی طور پر جو لوگ آپ کے ذریعہ اسلام قبول کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے وہ آپ پر بھی ایمان لائیں گے لیکن اس سلسلہ کی تباہی کا ارادہ کرنے والے ابھی زندہ ہی ہونگے کہ اِن کی عزتیں ان کی آنکھوں کے سامنے خاک میں مل جائیں گی۔ اور پیغامیوں نے جو ان سے مدد کا وعدہ کیا ہے وہ وعدہ بھی خاک میں مل جائے گا۔ مولوی محمد علی صاحب سے ان لوگوں نے جو وعدہ کیا تھا کیا وہ پورا ہوا؟ ان کا انجام آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ اب ان لوگوں کا انجام مولوی محمد علی صاحب سے بھی بدتر ہوگا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے سلسلہ سے علیحدگی اختیار کی تھی اور انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی تھی تو انہوں نے سلسلہ احمدیہ کی ایک عرصہ کی خدمت کے بعد ایسا کیا تھا۔ انہیں دنیا کی خدمت کا موقع ملا تھا رسالہ ریویو آف ریلیجنز دنیا میں بہت مقبول ہوا اور وہ اس کے ایڈیٹر تھے۔ پھر انہوں نے اپنے خرچ سے پڑھائی کی تھی لیکن اِن لوگوں نے اپنے یا اپنے باپ کے پیسے سے پڑھائی نہیں کی بلکہ غریب لوگوں کے پیسے سے کی جو بعض دفعہ رات کو فاقہ سے سوتے ہیں اور اس سارے احسان کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کو تباہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔''

''یادرکھوتمہارا نام انصار اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار گویا تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اس لئے تم کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ابدیت کے مظہر ہو جاؤ۔تم اپنے انصار ہونے کی علامت لئے خلافت کو ہمیشہ ہمیش کیلئے قائم رکھتے چلے جاؤ اور کوشش کرو کہ یہ کام نسلاً بَعْدَ نسلٍ چلتا چلا جاوے اور اس کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی جائے اور اس میں خلافت کی محبت قائم کی جائے اس لئے میں نے اطفال الاحمدیہ کی تنظیم قائم کی تھی اور خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا یہ اطفال اور خدام آپ لوگوں کے ہی بچے ہیں۔اگر اطفال الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہوگی تو خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہوگی اور اگر خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہوگی تو اگلی نسل انصار اللہ کی اعلیٰ ہوگی۔میں نے سیڑھیاں بنا دی ہیں آگے کام کرنا تمہارا کام ہے۔پہلی سیڑھی اطفال الاحمدیہ ہے دوسری سیڑھی خدام الاحمدیہ ہے تیسری سیڑھی انصار اللہ ہے اور چوتھی سیڑھی خدا تعالیٰ ہے۔تم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرو اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو تو یہ چاروں سیڑھیاں مکمل ہو جائیں گی۔اگر تمہارے اطفال اور خدام ٹھیک ہو جائیں اور پھر تم بھی دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرلو تو پھر تمہارے لئے عرش سے نیچے کوئی جگہ نہیں۔اور جو عرش پر چلا جائے وہ بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔دنیا حملہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ زیادہ سے زیادہ سَو دوسَو فٹ پر حملہ کرسکتی ہے وہ عرش پر حملہ نہیں کرسکتی۔پس اگر تم اپنی اصلاح کرلو گے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے گا۔اور اگر تم حقیقی انصار اللہ بن جاؤ اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرلو تو تمہارے اندر خلافت بھی دائمی طور پر رہے گی اور وہ عیسائیت کی خلافت سے بھی لمبی چلے گی۔عیسائیوں کی تعداد تو تمام کوششوں کے بعد مسلمانوں سے قریباً دُگنی ہوئی ہے مگر تمہارے متعلق تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کو اتنا بڑھا دے گا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دوسرے تمام مذاہب ہندوازم، بدھ مت، عیسائیت اور شنٹوازم وغیرہ کے پیرو تمہارے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ اقوام کی طرح رہ جائیں گے۔یعنی ان کی تعداد تمہارے مقابلہ میں ویسی ہی بے حقیقت

ہوگی جیسے آجکل ادنیٰ اقوام کی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ہے۔ وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے یقیناً آئے گا لیکن جب آئے گا تو اس ذریعہ سے آئے گا کہ خلافت کو قائم رکھا جائے، تبلیغِ اسلام کو قائم رکھا جائے، تحریک جدید کو مضبوط کیا جائے، اشاعت اسلام کیلئے جماعت میں شغف زیادہ ہو اور دنیا کے کسی کونہ کو بھی بغیر مبلغ کے نہ چھوڑا جائے۔ مجھے بیرونی ممالک سے کثرت سے چٹھیاں آرہی ہیں کہ مبلغ بھیجے جائیں اس لئے ہمیں تبلیغ کے کام کو بہرحال وسیع کرنا پڑے گا اور اتنا وسیع کرنا پڑے گا کہ موجودہ کام اس کے مقابلہ میں لاکھواں حصہ بھی نہ رہے۔

میں نے بتایا کہ خلافت کی وجہ سے رومن کیتھولک اس قدر مضبوط ہو گئے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے پڑھا کہ ان کے ۵۴ لاکھ مبلغ ہیں۔ ان سے اپنا مقابلہ کرو اور خیال کرو کہ تم سَو ڈیڑھ سَو مبلغوں کے اخراجات پر ہی گھبرانے لگ جاتے ہو اگر تم ان سے تین چار گنے زیادہ طاقت ور بننا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ تمہارا دو کروڑ مبلغ ہو۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہمارے سب مبلّغ ملا لئے جائیں تو ان کی تعداد دوسَو کے قریب بنتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کو مسلمان کرلیں، بدھوں کو مسلمان کرلیں، شنٹو ازم والوں کو مسلمان کرلیں، کنفیوشس ازم کے پیرووٴں کو مسلمان کرلیں تو اس کیلئے دو کروڑ مبلغوں کی ضرورت ہے اور ان مبلغوں کو پیدا کرنا اور پھر ان سے کام لینا بغیر خلافت کے نہیں ہوسکتا۔

ہمارے ملک میں ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک بادشاہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے تمام بیٹوں کو بلایا اور انہیں کہا ایک جھاڑو لاؤ وہ ایک جھاڑو لے آئے۔ اس نے اس کا ایک ایک تنکا انہیں دیا اور کہا اسے توڑو اور انہوں نے اسے فوراً توڑ دیا۔ پھر اس نے سارا جھاڑو انہیں دیا کہ اب اسے توڑو۔ انہوں نے باری باری پورا زور لگایا مگر وہ جھاڑو ان سے نہ ٹوٹا۔ اس پر اس نے کہا میرے بیٹو! دیکھو میں نے تمہیں ایک ایک تنکا دیا تو تم نے اسے بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ لیکن جب سارا جھاڑو تمہیں دیا تو باوجود اس کے کہ تم نے پورا زور لگایا وہ تم سے نہ ٹوٹا۔ اسی طرح اگر تم میرے مرنے کے بعد بکھر گئے تو ہر شخص تمہیں تباہ کر سکے گا لیکن اگر تم متحد رہے تو تم ایک مضبوط سوٹے کی طرح بن جاؤ گے جسے دنیا کی کوئی طاقت توڑ

نہیں سکے گی اسی طرح اگر تم نے خلافت کے نظام کو توڑ دیا تو تمہاری کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی اور تمہیں دشمن کھا جائے گا لیکن اگر تم نے خلافت کو قائم رکھا تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں تباہ نہیں کر سکے گی۔ تم دیکھ لو ہماری جماعت کتنی غریب ہے لیکن خلافت کی وجہ سے اسے بڑی حیثیت حاصل ہے اور اس نے وہ کام کیا ہے جو دنیا کے دوسرے مسلمان نہیں کر سکے۔ مصر کا ایک اخبار الفتح ہے جو سلسلہ کا شدید مخالف ہے اس میں ایک دفعہ کسی نے مضمون لکھا کہ گزشتہ ۱۳۰۰ سال میں مسلمانوں میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں مگر انہوں نے اسلام کی وہ خدمت نہیں کی جو اس غریب جماعت نے کی ہے اور یہ چیز ہر جگہ نظر آتی ہے۔

یورپ والے بھی اسے مانتے ہیں اور ہمارے مبلغوں کا بڑا اعزاز کرتے ہیں اور انہیں اپنی دعوتوں اور دوسری تقریبوں میں بلاتے ہیں۔ اسرائیلیوں کو ہم سے شدید مخالفت ہے مگر پچھلے دنوں جب ہمارا مبلغ واپس آیا تو اسے وہاں کے صدر کی چٹھی ملی کہ جب آپ واپس جائیں تو مجھے مل کر جائیں۔ اور جب وہ اسے ملنے کیلئے گئے تو ان کا بڑا اعزاز کیا گیا اور اس موقع پر ان کے فوٹو لئے گئے اور پھر ان فوٹوؤں کو حکومت اسرائیل نے تمام مسلمان ممالک میں چھپوایا۔ انہوں نے ان فوٹوؤں کو مصر میں بھی چھپوایا، عرب ممالک میں بھی چھپوایا، افریقہ میں بھی چھپوایا اور ہندوستان میں بھی ان کی اشاعت کی۔ جب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب شام گئے تو وہاں کے صدر نے انہیں کہا کہ کیا آپ کی اسرائیل سے صلح ہوگئی ہے؟ انہوں نے اسے بتایا کہ ہماری اسرائیل سے کوئی صلح نہیں ہوئی بلکہ ہم اس کے شدید مخالف ہیں۔ غرض وہ اسرائیل جو عرب ممالک سے صلح نہیں کرتا اُس نے دیکھا کہ احمدیوں کی طاقت ہے اس لئے ان سے صلح رکھنی ہمارے لئے مفید ہوگی۔ وہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں سے خواہ مخواہ ٹکر نہیں لینی چاہیے گو اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی کیونکہ احمدی اسرائیل کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ میں خنجر سمجھتے ہیں کیونکہ اسرائیل مدینہ کے بہت قریب ہے۔ وہ اگر ہمارے مبلغ کو اپنے ملک کا بادشاہ بھی بنا لیں تب بھی ہماری دلی خواہش یہی ہوگی کہ ہمارا بس چلے تو اسرائیل کو سمندر میں ڈبو دیں اور فلسطین کو ان سے پاک کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیں۔ بہر حال ان کی یہ خواہش تو کبھی پوری نہیں ہوگی لیکن وہ سمجھتے ہیں

کہ یہ جماعت اگرچہ چھوٹی ہے لیکن متحد ہونے کی وجہ سے اسے ایک طاقت حاصل ہے۔ اس طاقت سے ہمیں خواہ مخواہ ٹکر نہیں لینی چاہیے۔ چنانچہ وہ ہم سے ڈرتے ہیں۔ پاکستان میں ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی کوئی طاقت نہیں انہیں اقلیت قرار دے دینا چاہیے۔ حالانکہ یہاں ہماری تعداد لاکھوں کی ہے۔ لیکن اسرائیل میں ہماری تعداد چندسَو کی ہے پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ہماری دِلجوئی کی جائے اور یہ محض خلافت کی ہی برکت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ چاہے ہمارے ملک میں چندسَو احمدی ہیں مگر وہ ایک ہاتھ پر جمع ہیں اگر انہوں نے آواز اُٹھائی تو ان کی آواز صرف فلسطین میں ہی نہیں رہے گی بلکہ ان کی آواز شام میں بھی اُٹھے گی، عراق میں بھی اُٹھے گی، مصر میں بھی اُٹھے گی، ہالینڈ میں بھی اُٹھے گی، فرانس میں بھی اُٹھے گی، سپین میں بھی اُٹھے گی، انگلستان میں بھی اُٹھے گی، سکنڈے نیویا میں بھی اُٹھے گی، سوئٹزرلینڈ میں بھی اُٹھے گی، امریکہ میں بھی اُٹھے گی، انڈونیشیا میں بھی اُٹھے گی۔ یہ لوگ تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اگر ان سے بُرا سلوک کیا گیا تو تمام ممالک میں اسرائیل بدنام ہو جائے گا اس لئے ان سے بگاڑ مفید نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ ہمارے مبلغ کا اعزاز کرتے ہیں۔

اسی طرح جب تقسیم ملک ہوئی تو ہمارے مبلغوں نے تمام ممالک میں ہندوستان کے خلاف پراپیگنڈہ کیا۔ اُس وقت لنڈن میں چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام تھے اُنہیں پنڈت نہرو نے لکھا کہ آپ لوگوں نے تمام دنیا میں ہمیں اِس قدر بدنام کر دیا ہے کہ ہم کسی ملک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ اب دیکھ لو پنڈت نہرو باقی تمام مسلمانوں سے نہیں ڈرے۔ انہیں ڈر محسوس ہوا تو صرف احمدیوں سے۔ اور اس کی وجہ محض ایک مقصد پر جمع ہونا تھی اور یہ طاقت اور قوت جماعت کو کس طرح نصیب ہوئی؟ یہ صرف خلافت ہی کی برکت تھی جس نے احمدیوں کو ایک نظام میں پرو دیا اور اس کے نتیجہ میں انہیں طاقت حاصل ہوگئی۔ میرے سامنے اِس وقت چوہدری غلام حسین صاحب بیٹھے ہیں جو مخلص احمدی ہیں اور صحابی ہیں اور یہ اپنی آواز کو امریکہ کس طرح پہنچا سکتے ہیں؟ یہ اپنی آواز کو انگلینڈ کیسے پہنچا سکتے ہیں؟ یہ اپنی آواز کو فرانس، جرمنی اور سپین کیسے پہنچا سکتے ہیں؟ یہ بے شک جوشیلے احمدی ہیں مگر یہ

اپنی آواز دوسرے ممالک میں اپنے دوسرے احمدی بھائیوں کے ساتھ مل کر پہنچا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اسی مل کر کام کرنے سے اسرائیل کو ڈر پیدا ہوا اور اسی مل کر کام کرنے سے ہی پاکستان کے مولوی ڈرے اور انہوں نے ملک کے ہر کونہ میں یہ جھوٹا پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے ملک کے سب کلیدی عُہدے سنبھال لئے ہیں۔ انہیں اقلیت قرار دیا جائے اور ان عُہدوں سے انہیں ہٹا دیا جائے۔ حالانکہ کلیدی عُہدے انہی کے پاس ہیں ہمارے پاس نہیں۔ یہ سب طاقت خلافت کی وجہ سے ہے خلافت کی وجہ سے ہم اکٹھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔

اب اس فتنہ کو دیکھو جو ۱۹۵۳ء کے بعد جماعت میں اُٹھا۔ اس میں سارے احراری فتنہ پردازوں کے ساتھ ہیں۔ تمہیں یاد ہے کہ ۱۹۳۴ء میں بھی احراری اپنا سارا زور لگا چکے ہیں اور بُری طرح ناکام ہوئے ہیں اور اس دفعہ بھی وہ ضرور ناکام ہوں گے۔ اس دفعہ اگر انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد ان کے ساتھ ہے اس لئے وہ جیت جائیں گے تو انہیں جان لینا چاہیے کہ جماعت کے اندر اتنا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کے مقابلہ میں خواہ کوئی اُٹھے جماعت احمدیہ اس کا کبھی ساتھ نہیں دے گی۔ کیونکہ انہوں نے دلائل اور معجزات کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانا ہے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے طور پر تحقیقات کی ہے۔ کوئی گوجرانوالہ میں تھا، کوئی گجرات میں تھا، کوئی شیخوپورہ میں تھا وہاں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں پہنچیں اور آپؑ کے دلائل نقل کر کے بھجوائے گئے تو وہ لوگ ایمان لے آئے۔ پھر ایک دھاگہ میں پروئے جانے کی وجہ سے انہیں طاقت حاصل ہوگئی۔ اب دیکھ لو یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی طاقت تھی کہ آپ نے اعلان فرما دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کی موت سے ساری عیسائیت مر گئی۔ اب یہ کتنا صاف مسئلہ تھا مگر کسی اور مولوی کو نظر نہ آیا۔ سارے علماء کتابیں پڑھتے رہے لیکن ان میں سے کسی کو یہ مسئلہ نہ سُوجھا اور وہ حیران تھے کہ عیسائیت کا مقابلہ کیسے کریں۔ حضرت مرزا صاحب نے آ کر عیسائیت کے زور کو توڑ دیا اور وفاتِ مسیح کا ایسا مسئلہ

بیان کیا کہ ایک طرف مولویوں کا زور ٹوٹ گیا تو دوسری طرف عیسائی ختم ہو گئے۔

بھیرہ میں ایک غیر احمدی حکیم اللہ دین صاحب ہوتے تھے وہ اپنے آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے بھی بڑا حکیم سمجھتے تھے۔ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حکیم فضل دین صاحب اُنہیں ملنے کیلئے گئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ انہیں احمدیت کی تبلیغ کریں۔حکیم اللہ دین صاحب بڑے رُعب والے شخص تھے وہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے۔تو کل کا بچہ ہے اور مجھے تبلیغ کرنے آیا ہے تو احمدیت کو کیا سمجھتا ہے میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔حضرت مرزا صاحب نے اپنی مشہور کتاب براہین احمدیہ لکھی جس سے اسلام تمام مذاہب پر غالب ثابت ہوتا تھا مگر مولویوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔حضرت مرزا صاحب کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا اچھا! تم بڑے عالم بنے پھرتے ہو میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کریم سے فوت شُدہ ثابت کر دیتا ہوں تم اسے زندہ ثابت کر کے دکھاؤ۔ گویا آپ نے یہ مسئلہ اِن مولویوں کو ذلیل کرنے کیلئے بیان کیا تھا ورنہ درحقیقت آپ کا یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ پھر حکیم صاحب نے ایک گندی گالی دے کر کہا کہ مولوی لوگ پورا زور لگا چکے ہیں مگر حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں ناکام رہے ہیں اس کا اب ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ سب مل کر حضرت مرزا صاحب کے پاس جائیں اور کہیں ہم آپ کو سب سے بڑا عالم تسلیم کرتے ہیں ہم ہارے اور آپ جیتے اور اپنی پگڑیاں انکے پاؤں پر رکھ دیں اور درخواست کریں کہ اب آپ ہی قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ثابت کر دیں ہم تو پھنس گئے ہیں اب معافی چاہتے ہیں اور آپ کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔اگر مولوی لوگ ایسا کریں تو دیکھ لینا حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم میں سے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ ثابت کر دینا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ عظمت دی ہے کہ آپؑ کے مقابلہ میں اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو کیونکہ اگر وہ جماعت میں بڑا ہے تو آپ کی غلامی کی وجہ سے بڑا ہے آپ کی غلامی سے باہر نکل کر اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب چشمہ معرفت لکھی تو کسی

مسئلہ کے متعلق آپ کو خیال پیدا ہوا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بھی کوئی کتاب پڑھ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے اس کے متعلق کیا لکھا ہے۔ آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا۔ محمود! ذرا مولوی صاحب کی کتاب تصدیق براہین احمدیہ لاؤ اور مجھے سناؤ۔ چنانچہ میں وہ کتاب لایا اور آپ نے نصف گھنٹہ تک کتاب سنی۔ اس کے بعد فرمایا اس کو واپس رکھ آؤ اس کی ضرورت نہیں۔

اب تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب چشمہ معرفت کو بھی پڑھو اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی کتاب تصدیق براہین احمدیہ کو بھی دیکھو اور پھر سوچو کہ کیا ان دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے اور کیا آپ نے کوئی نکتہ بھی اس کتاب سے اخذ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی اس کتاب میں پیدائش عالم اور حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسے مسائل بیان فرمائے ہیں کہ ساری دنیا سر دھنتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ یہ لَایَنْحَلُ عُقدے تھے۔ جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حل کر دیا ہے۔ یہ سب برکت جو ہمیں ملی ہے محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملی ہے۔ اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ اپنی ساری زندگی آپ کے لائے ہوئے پیغام کی خدمت میں لگا دیں اور کوشش کریں کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد اور پھر اس کی اولاد، اور پھر اس کی اولاد بلکہ آپ کی آئندہ ہزاروں سال تک کی نسلیں اس کی خدمت میں لگی رہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی خلافت کو قائم رکھیں۔

مجھ پر یہ بہتان لگایا گیا ہے کہ گویا میں اپنے بعد اپنے کسی بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے اگر میرا کوئی بیٹا ایسا خیال بھی دل میں لائے گا تو وہ اُسی وقت احمدیت سے نکل جائے گا بلکہ میں جماعت سے کہتا ہوں کہ وہ دعائیں کرے کہ خدا تعالیٰ میری اولاد کو اِس قسم کے وسوسوں سے پاک رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس پراپیگنڈا کی وجہ سے میرے کسی کمزور بچے کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آقا تھے اگر ان کی اولاد میں بھی کسی وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ خلافت کو حاصل کریں تو وہ

بھی تباہ ہو جائے گی کیونکہ یہ چیز خدا تعالیٰ نے اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہے اور جو خدا تعالیٰ کے مال کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا ہے وہ چاہے کسی نبی کی اولاد ہو یا کسی خلیفہ کی وہ تباہ و برباد ہو جائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے گھر میں چوری نہیں ہوسکتی چوری ادنیٰ لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہے اور قرآن کریم کہتا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [9] کہ مومنوں سے خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ گویا خلافت خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس نے خود دینی ہے۔ جو اسے لینا چاہتا ہے چاہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ہو یا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا وہ یقیناً سزا پائے گا۔ پس یہ مت سمجھو کہ یہ فتنہ جماعت کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن پھر بھی تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اس کا مقابلہ کرو اور اس سلسلہ احمدیہ کو اس سے بچاؤ۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [10] وہ آپ کو لوگوں کے حملوں سے بچائے گا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ سچا اور کس کا وعدہ ہو سکتا ہے مگر کیا صحابہؓ نے کبھی آپؐ کی حفاظت کا خیال چھوڑا؟ بلکہ صحابہؓ نے ہر موقع پر آپؐ کی حفاظت کی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپؐ باہر نکلے اور دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ہم انصار ہیں۔ چونکہ اردگرد دشمن جمع ہے اس لئے ہم ہتھیار لگا کر آپؐ کا پہرہ دینے آئے ہیں۔ اسی طرح جنگ احزاب میں جب دشمن حملہ کرتا تھا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتا تھا۔ آپؐ کے ساتھ اُس وقت صرف سات سَو صحابہ تھے کیونکہ پانچ سَو صحابہؓ کو آپؐ نے عورتوں کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا اور دشمن کی تعداد اُس وقت سولہ ہزار سے زیادہ تھی۔ لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور دشمن ناکام و نامراد رہا۔ میور جیسا دشمن اسلام لکھتا ہے کہ اِس جنگ میں مسلمانوں کو فتح اور کفار کے شکست کھانے کی یہ وجہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں کی اس محبت کا جو اُنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے

تھی غلط اندازہ لگایا تھا وہ خندق سے گزر کر سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا رُخ کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمان مرد عورتیں اور بچے سب ملکر ان پر حملہ کرتے اور ایسا دیوانہ وار مقابلہ کرتے کہ کفار کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کفار یہ غلطی نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی بجائے کسی اور جہت میں حملہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے۔ لیکن وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا رُخ کرتے تھے اور مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن آپؐ کی ذات پر حملہ آور ہو اس لئے وہ بے جگری سے حملہ کرتے اور کفار کا منہ توڑ دیتے۔ ان کے اندر شیر کی سی طاقت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ سچی محبت تھی جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ آپ لوگ بھی ان جیسی محبت اپنے اندر پیدا کریں۔ جب آپ نے انصار کا نام قبول کیا ہے تو ان جیسی محبت بھی پیدا کریں۔ آپ کے نام کی نسبت خدا تعالیٰ سے ہے اور خدا تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے اس لئے تمہیں بھی چاہیے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ انصار کے نام کو ہمیشہ کیلئے قائم رکھو اور ہمیشہ دین کی خدمت میں لگے رہو کیونکہ اگر خلافت قائم رہے گی تو اس کو انصار کی بھی ضرورت ہوگی۔ خدام کی بھی ضرورت ہوگی اور اطفال کی بھی ضرورت ہوگی ورنہ اکیلا آدمی کوئی کام نہیں کرسکتا۔ اکیلا نبی بھی کوئی کام نہیں کرسکتا۔

دیکھو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حواری دئے ہوئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی جماعت دی۔ اسی طرح اگر خلافت قائم رہے گی تو ضروری ہے کہ اطفال الاحمدیہ، خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ بھی قائم رہیں۔ اور جب یہ ساری تنظیمیں قائم رہیں گی تو خلافت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم رہے گی کیونکہ جب دنیا دیکھے گی کہ جماعت کے لاکھوں لاکھ آدمی خلافت کیلئے جان دینے پر تیار رہیں تو جیسا کہ میور کے قول کے مطابق جنگ احزاب کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے حملہ آور بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے تھے اِسی طرح دشمن ادھر رُخ کرنے کی جرأت نہیں کریگا۔ وہ سمجھے گا کہ اس کیلئے لاکھوں اطفال، خدام اور انصار جانیں

دینے کیلئے تیار ہیں اس لئے اگر اس نے حملہ کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔غرض دشمن کسی رنگ میں بھی آئے جماعت اس سے دھوکا نہیں کھائے گی کسی شاعر نے کہا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

کہ تو کسی رنگ کا کپڑا پہن کر آ جائے ،تو کوئی بھیس بدل لے، میں تیرے دھوکا میں نہیں آ سکتا کیونکہ میں تیرا قد پہچانتا ہوں۔اسی طرح چاہے خلافت کا دشمن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کی شکل میں آئے اور چاہے وہ کسی بڑے اور مقرب صحابی کی اولاد کی شکل میں آئے ایک مخلص اسے دیکھ کر یہی کہے گا کہ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

یعنی تو کسی رنگ میں بھی آ اور کسی بھیس میں بھی آ۔ میں تیرے دھوکا میں نہیں آ سکتا کیونکہ میں تیری چال اور قد کو پہچانتا ہوں۔تو چاہے مولوی محمد علی صاحب کا جُبّہ پہن لے، چاہے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا جُبّہ پہن لے یا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کا جُبّہ پہن لے میں تمہیں پہچان لوں گا اور تیرے دھوکا میں نہیں آؤں گا۔

مجھے راولپنڈی کے ایک خادم نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ شروع شروع میں اللہ رکھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مری کے امیر کے نام مجھے ایک تعارفی خط لکھ دو۔ میں نے کہا میں کیوں لکھوں۔مری جا کر پوچھ لو کہ وہاں کی جماعت کا کون امیر ہے۔ مجھے اُس وقت فوراً خیال آیا کہ یہ کوئی منافق ہے چنانچہ میں نے **لاحول** پڑھنا شروع کر دیا اور آدھ گھنٹے تک پڑھتا رہا اور سمجھا کہ شاید مجھ میں بھی کوئی نقص ہے جس کی وجہ سے یہ منافق میرے پاس آیا ہے۔تو احمدی عقلمند ہوتے ہیں وہ منافقوں کے فریب میں نہیں آتے کوئی کمزور احمدی ان کے فریب میں آ جائے تو اور بات ہے ورنہ اکثر احمدی انہیں خوب جانتے ہیں۔

اب انہوں نے لاہور میں اشتہارات چھاپنے شروع کئے ہیں۔ جب مجھے بعض لوگوں نے یہ اطلاع دی تو میں نے کہا گھبراؤ نہیں، پیسے ختم ہو جائیں گے تو خود بخود اشتہارات بند

ہو جائیں گے۔ مجھے لاہور سے ایک دوست نے لکھا کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ وہ اخباروں میں شور مچائیں اور اشتہارات شائع کریں وہ دوست نہایت مخلص ہیں اور منافقین کا بڑے جوش سے مقابلہ کر رہے ہیں۔مگر منافق اسے کذاب کا خطاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص یوں ہی ہمارے متعلق خبریں اُڑاتا رہتا ہے لیکن ہم اسے جھوٹا کیونکر کہیں۔ اِدھر ہمارے پاس یہ خبر پہنچی کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ اشتہارات شائع کئے جائیں اور اُدھر لاہور کی جماعت نے ہمیں ایک اشتہار بھیج دیا جو ان منافقین نے شائع کیا تھا اور جب بات پوری ہوگئی تو ہم نے سمجھ لیا کہ اس دوست نے جو خبر بھیجی تھی وہ سچی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو حقیقی انصار بنائے چونکہ تمہاری نسبت اس کے نام سے ہے اس لئے جس طرح وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اسی طرح وہ آپ لوگوں کی تنظیم کو بھی تا قیامت زندہ رکھے اور جماعت میں خلافت بھی قائم رہے اور خلافت کی سپاہ بھی قائم رہے لیکن ہماری فوج تلواروں والی نہیں۔ اِن انصار میں سے تو بعض ایسے ضعیف ہیں کہ ان سے ایک ڈنڈا بھی نہیں اُٹھایا جا سکتا لیکن پھر بھی یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوج ہیں اور ان کی وجہ سے احمدیت پھیلی ہے اور امید ہے کہ آئندہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ اور زیادہ پھیلے گی اور اگر جماعت زیادہ مضبوط ہو جائے تو اس کا بوجھ بھی اِنْشَاءَ اللّٰہ ہلکا ہو جائے گا ورنہ انفرادی طور پر کچھ دیر کے بعد آدمی تھک جاتا ہے پس تم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں احمدیت کی اشاعت کی کوشش کرو اور انہیں تبلیغ کرو تا کہ اگلے سال ہماری جماعت موجودہ تعداد سے دُگنی ہو جائے اور تحریک جدید میں حصہ لینے والے دُگنا چندہ دیں اور پھر اپنی دعاؤں اور نیکی اور تقویٰ کے ساتھ نوجوانوں پر اثر ڈالو تا کہ وہ بھی دعائیں کرنے لگ جائیں اور صاحبِ کشوف و رؤیا ہو جائیں جس جماعت میں صاحبِ کشوف و رؤیا زیادہ ہو جاتے ہیں وہ جماعت مضبوط ہو جاتی ہے۔کیونکہ انسان کی دلیل سے اتنی تسلی نہیں ہوتی جتنی تسلی کشف اور رؤیا سے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو''۔

(الفضل ۲۱،۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء)

۱؎ الصف: ۱۵

۲؎ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبة:۱۱۷)
وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ (التوبة:۱۰۰)

۳؎ اليواقيت والجواهر الجزء الثانی صفحہ۳۴۲مطبوعہ بیروت۱۹۹۷ء

۴؎ شرح مواهب اللدنية جلد۱صفحہ۳۵۹مطبوعہ مصر۱۳۲۵ھ

۵؎ سیرت ابن هشام جلد۳صفحہ۱۰۰۔۱۰۱۔مطبوعہ مصر۱۹۸۷ء

۶؎ المائدہ: ۲۵

۷،۸؎سیرت ابن هشام جلد۲صفحہ۲۶۶۔۲۶۷مطبوعہ مصر۱۹۳۶ء

۹؎ النور: ۵۶ ۱۰؎ المائدة: ۶۸

اپنی اولاد دراولاد کوخلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے چلے جائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع بمقام ربوہ مؤرخہ ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۶ء کو درج ذیل خطاب فرمایا اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور نظامِ خلافت کیلئے انصار کو اپنا عہد ہمیشہ یادرکھنے سے متعلق نصائح فرمائیں۔

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں تقریر شروع کرنے سے پہلے انصار اللہ کا عہد دُہراتا ہوں۔سب دوست کھڑے ہو جائیں اور میرے ساتھ ساتھ عہد دُہراتے جائیں۔

(حضور کے اس ارشاد پر سب دوست کھڑے ہو گئے۔اور آپ نے مندرجہ ذیل عہد دُہرایا۔)

''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کیلئے اِنْشَاءَ اللّٰہُ آخر دم تک جدو جہد کرتا رہوں گا اور اس کیلئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہوں گا نیز میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا''۔

(اس کے بعد حضور نے فرمایا۔)

کل کی تقریر کے بعد کھانے میں کچھ بد پرہیزی ہوگئی جس کی وجہ سے اسہال آنے شروع ہوگئے اور پھر رات بھر اسہال آتے رہے جس کی وجہ سے میں اِس وقت بہت زیادہ

کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔لیکن چونکہ احباب باہر سے تشریف لائے ہوئے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ یہاں آ کر جو کچھ بھی کہہ سکوں بیان کر دوں۔

میں نے کل اپنی تقریر میں کہا تھا کہ آپ کا نام انصار اللہ ہے یعنی نہ صرف آپ انصار ہیں بلکہ آپ انصار اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار۔اللہ تعالیٰ کو تو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں لیکن اس کی نسبت کی وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ہمیشہ اِس عہد پر قائم رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس پر موت نہیں آتی اس لئے آپ کے عہد پر کبھی موت نہیں آنی چاہیے۔چونکہ موت سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا اس لئے انصار اللہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تک آپ زندہ رہیں گے اس عہد پر قائم رہیں گے اور اگر آپ مر گئے تو آپ کی اولاد اس عہد کو قائم رکھے گی۔یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ ''میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا'' اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کو اس بات کی توفیق دے دے تو پھر کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں یہ توفیق مل جائے کہ ہم عیسائیوں سے بھی زیادہ عرصہ تک خلافت کو قائم رکھ سکیں۔خلافت کو زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تنظیم سلسلہ ایسی مضبوط رہے کہ تبلیغ احمدیت اور تبلیغ اسلام دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہوتی رہے جو بغیر خلافت کے نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی ایک آدمی اس بات کی توفیق نہیں رکھتا کہ وہ ہالینڈ، انگلینڈ، جرمنی، سپین، فرانس، سکنڈے نیویا، سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ممالک میں مشنری بھیج سکے۔یہ کام تبھی ہوسکتا ہے جب ایک تنظیم ہو اور کوئی ایسا شخص ہو جس کے ہاتھ پر ساری جماعت جمع ہو اور وہ آنہ آنہ، دو دو آنہ، چار آنہ، روپیہ دو روپیہ جماعت کے ہر فرد سے وصول کرتا رہے اور اس دو دو آنہ، چار چار آنہ اور روپیہ دو روپیہ سے اتنی رقم جمع ہو جائے کہ ساری دنیا میں تبلیغ ہو سکے۔

دیکھو عیسائیوں کی تعداد ہم سے زیادہ ہے۔وہ اِس وقت ۶۰ کروڑ کے قریب ہیں۔پوپ جو عیسائی خلیفہ ہے اُس نے اِس وقت یہ انتظام کیا ہوا ہے کہ ہر عیسائی سال میں ایک ایک آنہ بطور چندہ دیتا ہے اور اس کو عیسائی پوپ کا آنہ (Pope's Penny) کہتے ہیں

اوراس طرح وہ پونے چار کروڑ روپیہ جمع کر لیتے ہیں۔لیکن آپ لوگ باوجود اس کے کہ اتنا بوجھ اُٹھاتے ہیں کہ کوئی اپنی ماہوار تنخواہ کا ۶ فیصدی چندہ دیتا ہے اور کوئی دس فیصد چندہ دیتا ہے اور پھر بارہ ماہ متواتر دیتا ہے آپ کا چندہ پندرہ بیس لاکھ بنتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری تعداد عیسائیوں سے بہت تھوڑی ہے۔اگر ہمارے پاس پونے چار کروڑ روپیہ ہو جائے تو شائد ہم دو سال میں عیسائیت کی دھجیاں بکھیر دیں۔اس تھوڑے سے چندہ سے بھی ہم وہ کام کرتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ گئی ہے۔چنانچہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے جن کے اقتباسات الفضل میں بھی چھپتے رہے ہیں کہ احمدیوں نے ہمارا ناطقہ بند کر دیا ہے جہاں بھی ہم جاتے ہیں احمدیت کی تعلیم کی وجہ سے لوگ ہماری طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ صرف نئے لوگ عیسائیت میں داخل نہیں ہوتے بلکہ ہم سے نکل نکل کر لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔نائیجیریا اور گولڈکوسٹ کے متعلق تو یہ رپورٹ آئی ہے کہ وہاں جو لوگ احمدی ہوئے ہیں۔ان میں سے زیادہ تر تعداد عیسائیوں سے آئی ہے سیرالیون اور لائبیریا سے بھی رپورٹ آئی ہے کہ عیسائی لوگ کثرت سے احمدیت کی طرف متوجہ ہورہے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہورہے ہیں۔پاکستان اور ہندوستان میں لوگ زیادہ تر مسلمانوں سے آئے ہیں کیونکہ یہاں مسلمان زیادہ ہیں اور عیسائی کم ہیں لیکن وہاں چونکہ عیسائی زیادہ ہیں اس لئے زیادہ تر احمدی عیسائیوں سے ہی ہوئے ہیں۔چنانچہ مغربی افریقہ میں احمدیت کی ترقی کے متعلق گولڈکوسٹ یونیورسٹی کالج کے پروفیسر جے سی ولیم سن نے اپنی ایک کتاب ''مسیحؑ یا محمدؐ'' میں لکھا ہے کہ ''اشانٹی گولڈکوسٹ کے جنوبی حصوں میں عیسائیت آجکل ترقی کر رہی ہے لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خصوصاً ساحل کے ساتھ ساتھ احمدیہ جماعت کو عظیم فتوحات حاصل ہورہی ہیں یہ خوشکن توقع کہ گولڈکوسٹ جلد ہی عیسائی بن جائیگا اب معرضِ خطر میں ہے اور یہ خطرہ ہمارے خیال کی وسعتوں سے کہیں زیادہ عظیم ہے کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی خاصی تعداد احمدیت کی طرف کھنچی چلی جارہی ہے اور یقیناً (یہ صورت) عیسائیت کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے۔''

''پھر جو لوگ احمدیت میں داخل ہوئے ہیں ان کے اخلاص کی یہ حالت ہے کہ

سیرالیون کے مشن نے لکھا کہ یہاں ایک عیسائی سردار تھا جس کو یہاں چیف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ درحقیقت ان کی حیثیت ہمارے ملک کے ذیلداروں کی سی ہوتی ہے مگر وہاں کی گورنمنٹ نے ان چیفس کو بہت زیادہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ان کے پاس مقدمات جاتے ہیں اور گورنمنٹ نے ایک خاص حد تک ان کو سزا دینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ وہاں مُلک کے رواج کے مطابق چیف کو خدا تعالیٰ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اس لئے ان کے ہاں ہماری طرح خدا تعالیٰ کی قسم کھانے کا رواج نہیں بلکہ وہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی سے قسم لینی ہوتو چیف کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سٹول جس پر وہ بیٹھتا ہے سامنے رکھ دیتا ہے اور مدعی یا اس کا نمائندہ اُس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے چیف کے اِس سٹول کی قسم کہ میں نے فلاں کی بات کی ہے یا نہیں کی اور اسکی بات مان لی جاتی ہے۔ ہمارے احمدیوں نے چیف کے سٹول پر ہاتھ رکھ کر اس کی قسم کھانے سے انکار کرنا شروع کر دیا اور کہا یہ شرک ہے ہم تو خدا تعالیٰ کی قسم کھائیں گے لیکن چیف نے کہا میں تو خدا تعالیٰ کی قسم نہیں مانتا ہمارے باپ دادا سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ اِس سٹول کی قسم کھائی جاتی ہے اس لئے میں اس سٹول کی قسم لوں گا لیکن احمدیوں نے ایسی قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہاں ایک کے بعد دوسرے احمدی کو سزا ملنی شروع ہوئی لیکن احمدی سٹول کی قسم کھانے سے برابر انکار کرتے گئے۔ آخر گورنمنٹ ڈر گئی اور اُس نے کہا آخر تم کتنے احمدیوں کو جیل بند کرو گے احمدیت تو اس علاقہ میں پھیل رہی ہے اور اس کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ چنانچہ تنگ آ کر گورنمنٹ نے چیفس کو حکم دے دیا کہ اگر کسی مقدمہ میں کسی احمدی سے قسم لینے کی ضرورت پڑے تو اُسے چیف کے سٹول کی قسم نہ دی جائے بلکہ اسے خدا تعالیٰ کی قسم دی جائے کیونکہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتے تو دیکھو وہاں احمدیت نے کایا پلٹ دی ہے۔

سیرالیون میں ہمارا ایک اخبار چھپتا ہے۔اس کے متعلق ہمارے مبلغ نے لکھا کہ چونکہ ہمارے پاس کوئی پریس نہیں تھا اس لئے عیسائیوں کے پریس سے وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔ دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو

پادریوں کا ایک وفد اُس پریس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو جس نے عیسائیوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے غیرت آئی اور اُس نے کہہ دیا کہ آئندہ میں تمہارا اخبار اپنے پریس پر نہیں چھاپوں گا کیونکہ پادری بُرا مناتے ہیں۔ چنانچہ اخبار چھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے اخبار میں بھی ایک نوٹ لکھا کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا ان کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔ یعنی پہلے ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے اور ان کے پاس اپنا کوئی پریس نہیں اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیح کے مقابلہ میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کیلئے خود سامان پیدا کرے۔ وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی جماعت کو تحریک کی کہ وہ چندہ کر کے اتنی رقم جمع کر دیں کہ ہم اپنا پریس خرید سکیں۔ اس سلسلہ میں میں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سَو میل پر ایک احمدی کے پاس گیا تا کہ اُسے تحریک کروں کہ وہ اِس کام میں حصہ لے۔ میں اُس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اُتر پڑا اور کہنے لگا آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا اِس اِس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اگر مسیح کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے۔ وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں میں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس نے پانچ سَو پونڈ لا کر مجھے دے دیئے۔ پانچ سَو پونڈ وہ اس سے پہلے دے چکا تھا گویا تیرہ ہزار روپیہ کے قریب اس نے رقم دے دی اور کہا میری خواہش ہے کہ آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تا کہ ہم عیسائیوں کو جواب دے سکیں کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے سے انکار کر دیا تھا تو اب ہمارے خدا نے بھی ہمیں اپنا پریس دے دیا ہے۔

جماعت کے دوسرے دوستوں نے بھی اِس تحریک میں حصہ لیا ہے اور اِس وقت تک ۱۸۰۰ پونڈ سے زیادہ رقم جمع ہو چکی ہے اور انگلینڈ میں ایک احمدی دوست کے ذریعہ پریس کیلئے آرڈر دے دیا گیا ہے۔

یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا۔ اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اس کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ اُس احمدی نے اُسے تبلیغ شروع کر دی۔ وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو! یہ دریا اِدھر سے اُدھر بہہ رہا ہے اگر یہ دریا یک دَم اپنا رُخ بدل لے اور نیچے سے اوپر کی طرف اُلٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقین احمدی اُس سے ملا اور چند دن اُس سے باتیں کیں تو وہ احمدی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کی مدد کی اور اُس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی۔ اب دیکھ لو اِن لوگوں کے اندر جو اسلام اور احمدیت کیلئے غیرت پیدا ہوئی ہے وہ محض احمدیت کی برکت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام لگاتی تھی کہ آپ عیسائیت کے ایجنٹ ہیں مگر خدا تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ آپ عیسائیت کے ایجنٹ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ایجنٹ ہیں۔ اگر آپ مخالفوں کے قول کے مطابق عیسائیت کے ایجنٹ تھے تو عیسائیوں کو مسلمان بنانے کے کیا معنی۔ اگر آپ عیسائیوں کے ایجنٹ ہوتے تو آپ مسلمانوں کو عیسائی بناتے نہ کہ عیسائیوں کو مسلمان۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے دشمن کی تائید کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ جو شخص عیسائیت کی جڑوں پر تبر رکھتا ہے عیسائی لوگ اس کی مدد کیوں کریں گے۔

حضرت مسیح ناصریؑ سے بھی بالکل اس طرح کا واقعہ ہوا تھا آپ پر یہودیوں نے الزام لگایا کہ انہیں بعل بُت سکھا تا ہے۔ اس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں بعل بُت کے خلاف تعلیم دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایک خدا کی پرستش کرو۔ پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ بعل مجھے سکھاتا ہے اور میری تائید کرتا ہے۔ اب دیکھو یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کتنا بڑا نشان ہے کہ آپؑ کی زندگی میں تو مخالف کہتے رہے کہ آپؑ عیسائیت کے ایجنٹ ہیں

لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے ماننے والی غریب جماعت کو اس نے یہ توفیق دی کہ وہ عیسائیت کو شکست دے۔ اس نے چندے دیئے اور تبلیغ کا جال پھیلا دیا۔ اگر وہ چندے نہ دیتے اور ہمارے مبلغ دنیا کے مختلف ممالک میں نہ جاتے تو یہ لوگ جو احمدیت میں داخل ہیں کہاں سے آتے اور عیسائیت کا کام کیسے بند ہوتا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ انہی چندوں کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی کہ عیسائیوں کو ایک ملک کے متعلق یہ کہنا پڑا کہ یہ خوشکن امید کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے گا پوری نہیں ہوسکتی۔ اب غالباً اسلام عیسائیت کی جگہ اس ملک میں ترقی کر رہا ہے۔ احمدی جماعت کی طرف سے سکول جاری ہو رہے ہیں۔ کالج قائم کئے جا رہے ہیں۔ مساجد تعمیر ہو رہی ہیں چنانچہ گولڈ کوسٹ کے علاقہ میں کماسی مقام پر ہمارا سیکنڈری سکول قائم ہے۔ کہتے تو اسے کالج ہیں وہاں صرف ایف اے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ کئی کئی میل سے لوگ اپنے بچے یہاں بھیجتے ہیں۔ ان لوگوں کو دین پڑھنے کا شوق ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکا یہاں تعلیم حاصل کرنے کیلئے آیا۔ اس کے متعلق وہاں کے مبلغ نے لکھا کہ اس کی والدہ میرے پاس آئی اور کہا میرے اس بچے کو ربوہ میں رکھنے کا انتظام کریں تا کہ یہ وہاں تعلیم حاصل کر سکے۔ مبلغ نے کہا بی بی! تو بیوہ عورت ہے اتنا بوجھ کیوں اُٹھاتی ہے یہ رقم تیرے کام آئے گی۔ شاید تو خیال کرتی ہو کہ ربوہ میں تیرا لڑکا بی اے یا ایم اے ہو جائے گا وہاں تو وہ لوگ دینیات پڑھاتے ہیں۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی میں تو اپنے لڑکے کو ربوہ بھیجتی ہی اس لئے ہوں کہ وہ وہاں جا کر دین کی تعلیم حاصل کرے آپ اسے وہاں بھیجئے خرچ میں دوں گی۔ چنانچہ وہ لڑکا یہاں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد واپس اپنے ملک جائیگا تو وہاں کا مبلغ بن جائے گا۔ اسی طرح ایسٹ افریقہ سے امری عبیدی آئے تھے۔ وہ عیسائیوں میں سے احمدی ہوئے ہیں۔ حبشیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کم عقل ہوتے ہیں لیکن وہ شخص اتنا ذہین ہے کہ اس نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ کراچی میں پچھلے دنوں نوجوانوں کی ایک انجمن کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے ہمیں نہیں بلایا تھا لیکن ہم نے خود بعض لڑکے وہاں بھیج دیئے تھے ان میں سے ایک امری عبیدی بھی تھے بعد میں وہاں سے رپورٹ آئی کہ وہ ہر بات میں امری عبیدی سے

مشورہ لیتے تھے اور اس کو آگے کرتے تھے گویا وہ تو ہمیں بلاتے بھی نہیں تھے لیکن جب ہمارے نوجوان وہاں گئے تو وہ ہر بات میں ہمارے اس نوجوان سے مشورہ کرتے تھے اور اسے آگے کرتے تھے اب وہ واپس پہنچ گئے ہیں اور ان کی طرف سے چٹھی آئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ وہ دن جلد لائے کہ جب یہ ساری قوم احمدیت کو قبول کر لے۔ تو یہ جو کچھ ہو رہا ہے محض نظام کی برکت کی وجہ سے ہو رہا ہے اور اس نظام کا ہی دوسرا نام خلافت ہے۔ خلافت کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ خلافت نام ہے نظام کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب الوصیت میں فرماتے ہیں کہ :۔

''اے عزیزو جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا''۔[1]

اب دیکھو قدرتِ ثانیہ کسی انجمن کا نام نہیں قدرتِ ثانیہ خلافت اور نظام کا نام ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام فرماتے ہیں کہ میں تو کچھ مدت تک تمہارے اندر رہ سکتا ہوں مگر یہ قدرتِ ثانیہ دائمی ہوگی اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور قیامت تک نہ کوئی نبی رہ سکتا ہے اور نہ کوئی خلیفہ رہ سکتا ہے ہاں خلافت قیامت تک رہ سکتی ہے، نظام قیامت تک رہ سکتا ہے۔ پس یہاں قدرتِ ثانیہ سے خلافت ہی مراد ہے کیونکہ خلیفہ تو فوت ہو جاتا ہے لیکن خلافت قیامت تک جا سکتی ہے۔ اگر جماعت ایک خلیفہ کے بعد دوسرا خلیفہ مانتی چلی جائے اور قیامت تک مانتی چلی جائے تو ایک عیسائیت کیا ہزاروں عیسائیتیں

بھی احمدیوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں کیونکہ ہمارے پاس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیا ہوا دلائل و براہین کا وہ ذخیرہ ہے جو کسی اور قوم کے پاس نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ آپ اسلام کو ساری دنیا پر غالب کر دیں۔ اب وہ زمانہ جب اسلام تمام دنیا پر غالب ہوگا کسی ایک آدمی کی کوشش سے نہیں آ سکتا بلکہ اس کے لئے ایک لمبے زمانہ تک لاکھوں آدمیوں کی جدوجہد کی ضرورت ہے پس یہ کام صرف خلافت کے ذریعہ ہی پورا ہو سکتا ہے لیکن اس کا سارا کریڈٹ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملے گا جن کے دیئے ہوئے ہتھیار ہم استعمال کرتے ہیں۔ باقی باتیں محض خوشہ چینی ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی باغ میں چلا جائے اور اس کے پھل کھالے تو وہ پھلوں کا مزہ تو اُٹھالے گا لیکن اصل مزہ اُٹھانا اُس کا ہے جس نے وہ باغ لگایا۔ لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی شخص سل کے عارضہ سے بیمار ہو گیا اُس نے بہتیرا علاج کرایا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب ڈاکٹروں نے اسے لاعِلاج قرار دے دیا تو وہ اپنے وطن واپس آ گیا۔ وہ شخص وزیرآباد کے قریب سڑک پر جا رہا تھا کہ اسے ایک پہلوان ملا جو کہ متکبرانہ طور پر سڑک پر چل رہا تھا اُس نے اُس عام دستور کے مطابق کہ پہلوان اپنا سر منڈوا لیتے ہیں تا کہ کشتی میں ان کا مدِمقابل ان کے بال نہ پکڑے اپنے بال منڈائے ہوتے تھے۔ اس بیمار شخص کی حالت بہت کمزور تھی لیکن اُس پہلوان کو دیکھ کر اسے شرارت سوجھی اور اس نے آہستہ سے جا کر اس کے سر پر ٹھینگا مارا۔ اِس پر اُس پہلوان کو غصہ آ گیا اور اُس نے سمجھا کہ اس شخص نے میری ہتک کی ہے۔ چنانچہ اس نے اُسے ٹھڈوں سے خوب مارا۔ جب وہ اسے ٹھڈے مار رہا تھا تو وہ کہتا جاتا تھا کہ تو جتنے ٹھڈے چاہے مار لے جتنا مزہ مجھے اس ٹھینگا مارنے میں آیا ہے تجھے ٹھڈوں سے نہیں آ سکتا۔ اسی طرح جو مزہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل میں آیا ہے وہ عیسائیت کو اپنی طاقت کے زمانہ میں بھی نہیں آیا۔

دیکھ لو عیسائی ہم پر حاکم تھے اور ہم کمزور اور ماتحت رعایا تھے۔ ہمارے پاس نہ تلوار تھی اور نہ کوئی مادی طاقت لیکن خدا تعالیٰ کا ایک پہلوان آیا اور اُس نے ہمیں وہ دلائل دیئے کہ جن سے اب ہم امریکہ انگلینڈ اور دوسرے سب ممالک کو شکست دے رہے ہیں یہ

جو ٹھینگے کا مزہ ہے وہ ان کے ٹھڈوں میں نہیں تو یہ برکت جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دی ہے محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل دی ہے اور جوں جوں ہمارے مبلغ کام کریں گے اور احمدیت ترقی کرے گی ہمیں اور زیادہ برکت ملے گی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تیرے ذریعہ اسلام کو دنیا پر غالب کروں گا اب جو شخص بھی اسلام کی تبلیغ کیلئے باہر نکلتا ہے اور جو شخص بھی تبلیغ کیلئے ایک پیسہ بھی دیتا ہے درحقیقت اپنے دائرہ میں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے۔اور جو وعدے خدا تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے وہ اپنے درجہ اور مقام کے لحاظ سے اس کے ساتھ بھی ہونگے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فوت ہو گئے اور قرآن کریم ایک کتاب ہے جو بولتی نہیں اب جو مبلغ ہیں وہی بولیں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک رنگ میں آپ کے نائب ہونگے پس جوں جوں وہ امریکہ، انگلستان اور دوسرے ممالک میں تبلیغ کریں گے اور اسلام بڑھے گا خلافت محمدیہ ظلی طور پر خدا تعالیٰ اِنہیں دیتا چلا جائے گا لیکن ان کی وہاں خلافت قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ یہاں مرکز میں بھی خلافت قائم ہو جو تمام احمدیوں کو اکٹھا رکھے اور اِنہیں خرچ بھجوائے تا کہ وہ اپنی اپنی جگہ کام کرسکیں۔پھر جوں جوں چندے بڑھتے جائیں تبلیغ کے نظام کو وسیع کرتے چلے جائیں۔

میں نے کل بتایا تھا عیسائی خلافت نے ۵۲ لاکھ مبلغ تبلیغ کیلئے تیار کیا ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں ہماری طرف سے صرف سَو ڈیڑھ سَو مبلغ ہے۔جس دن مسیح محمدی کو ۵۲ لاکھ مبلغ مل گئے اُس دن بھاگتے ہوئے عیسائیت کو رستہ نہیں ملے گا۔

(الفضل ۲۶، ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء)

---

۱ الوصیت صفحہ ۷ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵

نظامِ آسمانی کی مخالفت اوراس کا پس منظر

(تقریر فرمودہ ۲۷/دسمبر ۱۹۵۶ء برموقع جلسہ سالانہ ربوہ)

تشہّد ،تعوّذ اورسورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج کی تقریر عام طور پر عام مسائل پر ہوا کرتی تھی لیکن اِس دفعہ فتنہ کی وجہ سے مجھے اس تقریر کیلئے بھی ایک ایسا موضوع چننا پڑا جو اِس زمانہ میں جماعت احمدیہ کیلئے اس وجہ سے کہ اس کا تعلق خلافت احمدیہ سے ہے اور جماعت احمدیہ میں جولوگ شامل نہیں ان کے لئے اس لئے کہ اس میں ایک اسلامی موضوع بیان ہوا ہے نہایت اہمیت رکھنے والا ہے۔اور دوسرے اس لئے بھی میں نے اسے چنا ہے کہ اگر وہ ہمارے اندر فتنہ پیدا ہونے سے خوش ہوتے ہیں تو اور بھی خوش ہو جائیں اور ساری تفصیل ان کو معلوم ہو جائے۔لیکن اس کی تفصیلات اتنی ہوگئی ہیں کہ میں حیران ہوں کہ اس مضمون کو کس طرح بیان کروں۔بعض دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ اس کے بعض حصوں میں مَیں صرف نوٹ پڑھ کر سنا دوں۔ پہلے میری عادت تھی کہ باریک نوٹ چھوٹے کاغذ پر آٹھ یا بارہ صفحے کے لکھے ہوئے ہوتے تھے، حد سے حد سولہ صفحے کے۔بعض بہت لمبی لمبی پانچ پانچ چھ چھ گھنٹہ کی تقریریں ہوئیں تو ان میں چوبیس صفحہ کے بھی نوٹ ہوتے تھے لیکن وہ ایسے صفحے ہوتے ہیں کہ ایک فل سکیپ سائز کے کاغذ کے آٹھ صفحے بنتے ہیں مگر اِس دفعہ یہ نوٹ بہت لمبے ہوگئے ہیں۔ دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ میں وہ نوٹ ہی پڑھ کر سنا دوں۔ گو بعض دوسروں نے کہا ہے کہ آپ پڑھ کر سنا ہی نہیں سکتے جب پڑھ کے سنانے لگیں گے تو کچھ نہ کچھ اپنی باتیں شروع کر دیں گے اس طرح تقریر لمبی ہو جائے گی۔گو یہ ہوسکتا ہے کہ بعض حصے جو رہ جائیں اُن کو بعد میں شائع کر دیا جائے مگر

مناسب یہی ہے کہ احباب جو جمع ہوئے ہیں اُن تک مضمون میری زبان سے پہنچ جائے اس لئے جہاں بھی ایسا موقع آیا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مضمون لمبا ہو رہا ہے تو میں صرف نوٹ پڑھ کے سنا دوں گا تاکہ اِس جلسہ میں یہ تقریر ختم ہو جائے۔

نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر

سورۃ اعلیٰ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى [1] یعنی جو شخص پاک ہوتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اور نمازیں پڑھتا ہے وہ بھی کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اے قرآن کریم کے مخاطب! تم لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو یعنی دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہو حالانکہ دین دُنیا پر مقدم ہے اور قائم رہنے والا ہے۔ یہی بات پہلی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ ابراہیمؑ کی کتاب میں بھی لکھی ہے اور موسیٰؑ کی کتاب میں بھی یہی بات لکھی ہے۔

ان آیات سے جو میں نے پڑھی ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوئی تھی ان دونوں میں یہ کہا گیا تھا کہ اے لوگو! آخرت یعنی دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ دنیا کو دین یعنی آخرت پر مقدم نہ کرو ورنہ تمہارا الٰہی نظام سے ٹکراؤ ہو جائیگا اور تم حق کو نہیں پا سکو گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو بھی یہی پُرانی تعلیم سکھائی گئی اور آپ نے اپنی بیعت میں یہ الفاظ رکھے کہ:

''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا''

درحقیقت یہی تعلیم ہے جس کے نہ ماننے کی وجہ سے نظامِ آسمانی کی مخالفت کی جاتی ہے یعنی رقابت یا لالچ یا بغض کی وجہ سے۔

آدم کے زمانہ میں شیطان کی مخالفت

چنانچہ آدم کو دیکھ لو شیطان نے اس کے لائے ہوئے نظام کی مخالفت کی۔

اس مخالفت کی وجہ کیا تھی؟ قرآن کریم اسے یوں بیان فرماتا ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ [۲]

یعنی اے شیطان! جب میں نے کہا تھا کہ اس آدم کی خاطر اس کی پیدائش کی خوشی میں میرے آگے سجدہ کرو تو تم نے کیوں سجدہ نہیں کیا؟ یا میں نے کہا تھا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو تم نے کیوں فرمانبرداری نہیں کی؟ تو اُس نے جواب دیا میں نے اس لئے ایسا نہیں کیا کہ میں اِس سے اچھا ہوں (قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ) یعنی میری نافرمانی کی وجہ رقابت تھی مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے گیلی مٹی سے پید کیا ہے (خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو آدم سے یہی بغض تھا کہ میں تو اِس سے اعلیٰ ہوں پھر اِس کو مجھ پر فضیلت کیوں دی گئی۔ یہی بغض ابلیس کے ساتھیوں کو آدم کے ساتھیوں سے تھا یعنی دُنیا کو دین پر مقدم کرنا ساری مخالفت کا باعث تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بڑھایا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ ہم پر اس کو فضیلت دے دی گئی ہے۔ چنانچہ اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے شیطان! میرے نظام سے باہر نکل جا (قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا) کیونکہ تیرا کوئی حق نہیں تھا کہ میری جماعت میں شامل ہوتے ہوئے تکبر کرتا اور میرے مقرر کردہ خلیفہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا (فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا) پس نکل جا کیونکہ ذلّت تیرے نصیب میں ہے (فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ) اُس نے کہا! الٰہی! جب تک یہ قوم ترقی کرے اور دنیا پر غالب آجائے مجھے ڈھیل دے اور موقع دے کہ میں ان کو خراب کروں (قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہاں ان کی ترقی کے زمانہ تک میں تجھے ڈھیل دوں گا (قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ) اس پر شیطان نے کہا کہ مجھے بھی تیری ہی ذات کی قسم ! کہ چونکہ تو نے اپنے نظام کو تباہی سے بچانے کیلئے مجھے ہلاکت میں ڈالا ہے اِس لئے میں بھی تیرے نظام پر چلنے والوں کی تباہی کیلئے تیرے سیدھے راستہ پر ڈاکوؤں کی طرح بیٹھوں گا (قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ) پھر میں اُن کے پاس کبھی تو اُن کے لیڈروں کے ذریعہ سے آؤں گا (ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ) اور کبھی اُن کے چھوٹے لوگوں کے ذریعہ سے آؤں گا (وَمِنْ خَلْفِهِمْ) اور کبھی دینی دلیلیں دے دے کر ورغلاؤں گا (وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ) اور کبھی دُنیوی طور پر اُن کو ورغلاؤں گا کہ اگر تم نے ان تعلیموں پر عمل کیا تو حکومت مخالف ہوجائے گی۔ (وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیگا (وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَ هُمْ شٰكِرِيْنَ) یعنی تو دیکھ لے گا کہ ان میں سے اکثر تیری نعمتِ خلافت پر شکر گزار نہیں ہیں بلکہ اکثر ان میں سے شبہات میں پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تیری ان لافوں کی پرواہ نہیں کرتا تو میرے نظامِ جماعت سے نکل جا تجھے ہمیشہ گنہگار قرار دیا جائے گا اور تجھے حقیر سمجھا جائے گا اور تجھے جماعت حقہ اسلامیہ سے دھتکارا جائے گا۔ (قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا) اور جو اِن لوگوں میں سے تیری اِتباع کریں گے ان سب کو میں جہنم میں جھونک دوں گا یعنی ناکام اور حسرتوں کا شکار بنا دوں گا (لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ)

اِس ارشاد پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے پورا عمل کیا جو ہمیشہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہتے آئے ہیں۔ باقی جماعتوں میں سے کچھ لوگوں نے اس پر عمل تو کیا ہے لیکن اس کو اہم اصل قرار دے کر اسے یاد نہیں رکھا۔ ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مخالفین نظامِ الٰہی کو اپنے آپ سے جدا کر دینا خدائی حکم ہے اور یہ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ناکام و نامراد رہیں گے چنانچہ جس وقت یہ فتنہ☆ شروع ہوا ہے بہت سے جماعت کے مخلصین نے مجھے لکھا کہ آپ خواہ مخواہ ان کو موقع کیوں دیتے ہیں کیوں نہیں انہیں

☆ یعنی تازہ فتنہ منافقین

جماعت سے خارج کر دیتے۔ بعض کمزور ایسے بھی تھے جنہوں نے یہ لکھنا شروع کیا کہ آخر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہے۔ اس پر مجھے مولوی رحیم بخش صاحب کا واقعہ یاد آ گیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب مولوی محمد احسن صاحب نے لاہوریوں کے لالچ دلانے پر اشتہار شائع کیا کہ میں نے ہی میاں محمود کو خلیفہ بنایا تھا اور میں ہی ان کو خلافت سے اُتارتا ہوں تو جماعت نے اُس وقت یہ ریزولیوشن پیش کیا کہ ان کو جماعت سے نکالا جائے۔ مولوی رحیم بخش صاحب سیالکوٹ کے ایک بڈھے صحابی تھے وہ کھڑے ہو گئے اور بڑے زور سے کہنے لگے کہ ایسا ریزولیوشن پاس نہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو فرشتہ قرار دیا ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ مولوی صاحب! آپ کا کیا منشاء ہے کہ جو کہتا ہے کہ خلافت توڑ دو اُس کو جماعت سے نہ نکالیں؟ تو کہنے لگے اگر ایسا ہے تو پھر اس کو جماعت سے نکال دو۔

تو وہ لوگ جو آج بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہے ان سے میں کہتا ہوں کہ یہ تو حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہے اور مولوی محمد احسن کے متعلق حضرت صاحب نے کسی خط میں لکھا ہے کہ یہ جو حدیث میں آیا تھا کہ مسیح موعودؑ دو فرشتوں پر اُترے گا ان میں سے ایک مولوی محمد احسن بھی ہیں۔ اُس وقت تو جماعت نے اتنی ہمت کی کہ مولوی محمد احسن کو جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرشتہ قرار دیا تھا انہوں نے کہا کہ خلیفہ کے سامنے اگر فرشتہ بھی کھڑا ہوتا ہے تو نکالو اُسے۔ حضرت خلیفہ اوّل بھی یہی کہا کرتے تھے کہ اگر تم فرشتے بھی بن جاؤ تو خلیفہ پر اعتراض کرنے پر تم پکڑے جاؤ گے لیکن آج بعض کمزور دل کہتے ہیں کہ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہیں ان کو کچھ نہ کہو۔ جماعت کو تباہ ہونے دو۔ مرزا صاحب کے سلسلہ کو تباہ ہونے دو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مشن کو نقصان پہنچنے دو۔ قرآن کریم کی تعلیم کو غلط ہونے دو۔ اسلام کو کمزور ہونے دو، پر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کو کچھ نہ کہو۔ گویا حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ قرآن سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ اسلام سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ مسیح موعودؑ سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ مسیح موعودؑ کے خاندان سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ مسیح موعودؑ کے الہامات سے بھی زیادہ معزز ہے ان کو کچھ نہ کہو سلسلہ کو تباہ ہونے دو۔ قرآن کریم کی تعلیم کو غلط ہونے دو،

خلافت کو مٹنے دو، خدا کے کلام کو غلط ثابت ہونے دو مگر یہ کام نہ کرو۔ تو کچھ لوگوں نے تو یہ کہا چنانچہ مری میں جب ایک صاحب کو پتہ لگا کہ میں ایک اشتہار لکھ رہا ہوں تو کہنے لگے نہ۔نہ۔نہ۔نہ آپ نے ۲۵ سال ان کو معاف کیا ہے اب بھی معاف کر دیجئے۔ میں نے کہا مجھے ۲۵ سال معاف کرنے کی سزا ہی تو مل رہی ہے اگر میں اِن کو ۲۵ سال معاف نہ کرتا اور ۱۹۲۶ء میں ہی ان کو کیڑے کی طرح باہر نکال کے پھینک دیتا تو آج ان کو یہ کہاں ہمت ہوتی۔ یہ ''مولانا'' بنے ہمارے وظیفے کھا کھا کے۔ یہ طبیب بنے سلسلہ سے وظیفے لے لے کر۔ اور اب اِن کو یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ کہہ دیا کہ ''حضرت مولانا'' نے مسند احمد بن حنبلؒ کی تبویب کی ہے۔ حالانکہ مسند احمد بن حنبلؒ کی تبویب کا کچھ حصہ حضرت خلیفہ اوّل نے کیا ہوا تھا وہ فہرست لائبریری سے مولوی عبدالمنان نے عاریتہً لی اور واپس نہ کی اور اس کے اوپر کتاب لکھی اور وہ بھی جامعہ احمدیہ کے پروفیسروں اور طالبعلموں کی مدد سے اور پھر اس کے بعد کہہ دیا کہ یہ عظیم الشان کام میں نے کیا ہے۔ جب یہ ہوا تو ہمارے مولویوں کو غیرت پیدا ہوئی اور انہوں نے مجھے کہا کہ اس کتاب کو چھوڑیں ہم لکھ دیں گے۔ میں نے کہا بشرطیکہ جلسہ سے پہلے لکھ دو۔ چنانچہ بارہ دن ہوئے وہ مجھے اطلاع دے چکے ہیں کہ مسند احمد بن حنبلؒ کی تبویب اس سے زیادہ مکمل جس کا دعویٰ مولوی عبدالمنان کرتے ہیں ہم تیار کر چکے ہیں اور اس لئے گو اس کی چھپوائی پر بڑی رقم خرچ ہوگی مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کو جزو جزو کر کے شائع کر دیا جائے تاکہ پہلے اجزاء کی قیمت سے اس کے آخری اجزاء چھاپے جاسکیں اور حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش پوری ہو جائے۔ خود میں نے بھی اس کے متعلق ۱۹۴۴ء میں ایک تقریر کی ہوئی ہے اور تبویب کے متعلق بعض باتیں بیان کی ہوئی ہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ ان کو بھی تبویب میں مدنظر رکھا جائے تاکہ وہ بہت زیادہ مفید ہو سکے۔ اس بیماری کے بعد کئی باتیں مجھے اب تک پرانے زمانہ کی بھی یاد ہیں مگر کئی باتیں قریب کی بھولی ہوئی ہیں مجھے بالکل یاد نہیں تھا کہ ۱۹۴۴ء میں مَیں نے مسند احمد بن حنبلؒ پڑھ کر اس کے متعلق تقریر کی ہوئی ہے کہ اس میں اِن اِن اصلاحوں کی ضرورت ہے۔ اب ایک مبلغ آیا اور کہنے لگا کہ آپ کی تو اس پر بڑی اعلیٰ درجہ کی ایک تقریر ہے جو ''الفضل'' میں چھپ چکی ہے۔ چنانچہ

اس نے وہ تقریر سنائی پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کتاب کو خوب اچھی طرح غور سے پڑھا ہوا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں شیطان کا حملہ

حضرت آدمؑ کے بعد پھر نئے دورِ روحانی کے آدم

حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جن سے آگے اسحاقی اور اسماعیلی دَور چلنا تھا۔ اسحاقؑ کی نسل سے موسوی سلسلہ کی بنیاد پڑنی تھی اور اسماعیلؑ کی نسل سے محمدی سلسلہ کی بنیاد پڑنی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پھر وہی آدمؑ والی حکایت دُہرائی گئی چنانچہ شیطان نے پھر ایک نئے حملہ کی تجویز کی۔ یہودی کتب میں لکھا ہے اور اشارۃً قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد فوت ہوگئے اور ان کے چچا جو ایک بت خانہ کے مجاور تھے ان کے متولی بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بچپن سے ہی توحید پر قائم کر دیا تھا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے ہی توحید پر قائم کر دیا تھا۔ جب انہوں نے بتوں کی مخالفت شروع کی تو چچا کے بیٹوں نے اپنے باپ کے پاس ان کی شکایت کر دی اور لوگوں کو بھی یہ بتایا کہ یہ لڑکا بتوں کی حقارت کرتا ہے۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بحث کے لئے آنے شروع ہوئے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو شرمندہ کرنے کیلئے ان کے بعض بتوں کو توڑ دیا تو انہوں نے اس حسد کی بناء پر جس کی وجہ سے ابلیس نے آدمؑ کا مقابلہ کیا تھا پبلک میں شور مچا دیا کہ ابراہیمؑ کو لاؤ اور اس کو آگ میں جلا دو۔ جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے یہ ہجرت ان کو مہنگی نہیں پڑی بلکہ مفید پڑی۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اُن کو مہنگی نہیں پڑی بلکہ مفید پڑی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کے بعد کنعان اور حجاز کا ملک بخشا گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالے جانے کے بعد پہلے مدینہ اور پھر ساری دُنیا ملی۔ پس ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کیوجہ بھی وہی رقابت کی

روح تھی جو کہ آدمؑ کی مخالفت کی وجہ تھی اور جو رقابت کہ خلافت احمدیہ کی مخالفت کی وجہ بنی۔ بظاہر اسے دینی سوال بنا دیا گیا ہے لیکن اس کا باعث درحقیقت رقابت اور بغض تھا۔ اور یہ واقعہ اسی طرح کا ہے جس طرح ابلیس نے حوا سے کہا تھا کہ اگر تم شجرہ ممنوعہ کو چکھو گے تو تمہارے تقویٰ کی روح بڑی بلند ہو جائے گی اور ''تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے''۔[۳] لیکن حقیقتاً اس کی غرض یہ تھی کہ آدم اور حوا کو جنت سے نکالا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اس رقابت نے دوسری دفعہ جو صورت اختیار کی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آخری عمر میں جب ان کا پلوٹھا بیٹا اسماعیل ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوا اور اس کے بعد ان کی پہلی بیوی سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوا تو سارہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماموں کی بیٹی تھیں انکو خیال تھا کہ میں خاندانی ہوں اور ہاجرہ باہر کی ہے اس لئے وہ اپنا درجہ بڑا سمجھتی تھیں۔ اتفاقاً حضرت اسماعیلؑ جو بچے تھے حضرت اسحاقؑ کی کسی حرکت یا کسی اور وجہ سے قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ سارہ نے سمجھا کہ اس نے میری اور میرے بچہ کی حقارت کی ہے اور قہقہہ مارا ہے۔ شاید یہ بھی خیال کیا کہ یہ اس بات پر خوش ہے کہ یہ بڑا بیٹا ہے اور یہ وارث ہوگا اور اسحاق وارث نہیں ہوگا۔ تب انہوں نے غصہ میں آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ یہ لڑکا مجھ پر قہقہے مارتا ہے اس کو اور اس کی ماں کو گھر سے نکال دو کیونکہ میں برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے بیٹے کے ساتھ یہ تیرا وارث ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو اس بات کو بُرا منایا اور اس کام سے رُکے مگر خدا تعالیٰ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ظاہر کرنا چاہتا تھا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی کہ جو کچھ تیری بیوی سارہ کہتی ہے وہی کر[۴] چنانچہ خدا کے حکم کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کو وادی حرم میں چھوڑ گئے اور سارہ اور اسحاقؑ کے سپرد کنعان کا علاقہ کر دیا گیا اور اسماعیلؑ کی نسل نے مکہ میں بڑھنا شروع کیا اور وہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھرانے میں پیدا ہوگئے مگر یہ رقابت یہیں ختم نہیں ہوگئی بلکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش پر ان کی ماں سے

کہا تھا اسی طرح ہوا کہ:۔

''اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہونگے''[۵] یعنی ایک زمانہ تک اسماعیلی نسل تھوڑی ہوگی اور اسحاق کی نسل زیادہ ہوگی اور وہ سب کے سب مل کر اسماعیلی سلسلہ کی مخالفت کرینگے اور کوشش کریں گے کہ وہ کامیاب نہ ہوں۔قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں آتا ہے۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ [۶] یعنی اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسماعیلی نسل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اسے چھوڑ کر پھر کافر ہو جائیں اور یہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے کسی قصور کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اپنے دلوں سے پیدا شدہ بغض کی وجہ سے ہے اور رقابت کی وجہ سے ہے وہ سارہ اور ہاجرہ کی لڑائی کو دو ہزار سال تک لمبا لے جانا چاہتے ہیں۔

پھر علاوہ اِس آیت کے بعض اور آیتیں بھی ہیں جو اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً سورۃ آل عمران رکوع ۸ آیت ۷۳، ۷۴ میں فرماتا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ [۷] یعنی اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں یعنی مسلمان ہوئے ہیں ان پر جو کچھ نازل ہوا ہے اے یہودیو! اُس پر صبح کے وقت ایمان لے آیا کرو اور شام کے وقت پھر مرتد ہو جایا کرو۔ تا کہ تم کو دیکھ کر اور لوگ بھی مرتد ہو جائیں (جیسے آجکل پیغام صلح شائع کر رہا ہے کہ دیکھو! منان وہاب باہر آ گئے ہیں۔اے ربوہ سے آزاد ہونے والو! بڑھو۔ بڑھو ہمارا نظام تمہارے ساتھ ہے یہی یہودی کہا کرتے تھے کہ) تم حقیقی طور پر امن اس کو دو جو تمہارے دین کا پیرو ہو۔تو کہہ کہ حقیقی ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور وہ یہ ہے کہ کسی کو وہی

کچھ دیا جائے جیسا کہ اے بنی اسرائیل تم کو دیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تم سے تمہارے ربّ کے حضور میں بحث کریں گے۔ پھر تو اُن سے کہہ دے کہ فضل کامل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فضل کامل دے دیا اُس کو مل گیا۔ جب تمہارے نبیوں کو دے رہا تھا تو اُن کو مل گیا۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور بہت جاننے والا ہے۔

اسی طرح سورۃ نساء رکوع ۸ آیت ۵۵ میں آتا ہے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا [8] یعنی کیا یہ یہودی اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو اپنے فضل سے کچھ حصہ دے دیا ہے اگر ایسا ہوگیا ہے تو بگڑا کیا۔ پھر بھی تو آل ابراہیم کو یعنی اسماعیل کی اولاد ہی کو کتاب اور حکمت بخشی گئی اور ان کو بہت بڑا مُلک عطا فرمایا گیا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آل ابراہیم میں سے ہیں اور موسوی سلسلہ بھی آلِ ابراہیم میں سے ہے پس موسوی سلسلہ کو جو کتاب ملی وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب اور حکمت ملی وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملی اور جو مُلک موسیٰ کی قوم کو ملا وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملا اور جو مُلک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملے گا۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ شیطان نے جو نظامِ الٰہی کے خلاف رقابت کا مادہ بنو اسحاق کے دل میں پیدا کیا تھا وہ حضرت اسماعیلؑ کی زندگی تک ختم نہیں ہوا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک لمبا ہوتا گیا اور جس طرح پہلے اس نے حضرت اسماعیل کو ان کی وراثت سے محروم کرنا چاہا تھا اسی طرح دو ہزار سال بعد اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وراثت سے محروم کرنا چاہا لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قریب آیا اور شیطان نے دیکھا کہ اب پُرانا حسد ختم ہو جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل کے دشمنوں کو کچل ڈالیں گے اور ان پر غالب آ جائیں گے تو اُس نے ایک نئے بغض کی بنیاد ڈالی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد بھی فتنہ پیدا کرتا چلا جائے۔ چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑدادا عبد مناف کے ایک بیٹے عبدالشّمس تھے عبد مناف کے ایک اور چھوٹے بیٹے ہاشم تھے اور عبدالشّمس کا بیٹا امیہ تھا۔ عبد مناف کے مرنے کے بعد قرعہ ڈالا گیا اور باوجود چھوٹا ہونے کے ہاشم کو وارث قرار دیا گیا اور مسافروں کو چاہِ زمزم سے پانی پلانا اور حاجیوں کی خدمت کرنا جو سب سے بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا وہ اسے دیا گیا۔ اسی طرح غیر حکومتوں کے پاس وفد بھجوانے کا جو کام تھا اور ان کی سرداری کرنے کا عہدہ بھی ان کے سپرد ہوا۔ عبدالشّمس کے بیٹے اُمیہ کو یہ بات بُری لگی۔ شیطان نے اس کے دل میں ڈالا کہ یہ عہدہ ہاشم کے پاس کیوں جائے اور اس نے قوم میں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے ہاشم کے کاموں کی نقل شروع کر دی۔ یعنی مسافروں کو زَم زَم سے پانی بھی پلاتا تھا اور بہت کچھ داد و دہش بھی کرتا تھا تا کہ عوام میں مقبول ہو جائے۔ قریش نے جب یہ بات دیکھی تو انہوں نے سمجھا کہ یہ خاندان آپس کے مقابلہ میں تباہ ہو جائیگا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اُمیہ ضدی ہے انہوں نے ہاشم سے اصرار کیا کہ کوئی ثالث مقرر کر کے فیصلہ کروا لو۔ مگر اوّل تو ہاشم چونکہ اُمیہ سے عمر میں بڑے تھے اور ریاست کا حق ان کو مل چکا تھا انہوں نے انکار کر دیا کہ میں فیصلہ ثالثی نہیں کراتا مگر آخر ساری قوم نے خاندان کو تباہی سے بچانے کیلئے اُمیہ اور ہاشم پر ثالثی کیلئے زور دیا۔ آخر ہاشم بھی مان گئے اور اُمیہ بھی مان گئے اور اُمیہ نے خزاعہ قبیلہ کے ایک کاہن کو ثالث تجویز کیا۔ ہاشم نے بھی اسے مان لیا۔ اس کاہن کے پاس جب فیصلہ گیا تو اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا اور فیصلہ کے مطابق اُمیہ کو مکہ سے دس سال کی جلاوطنی قبول کرنی پڑی اور وہ شام چلے گئے۔ اس تاریخ سے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں حاسدانہ لڑائی شروع ہو گئی[9] محاضرات میں شیخ محمد خضریؒ بھی اس رقابت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ہاشم اور اس کے بھتیجے اُمیہ کے درمیان مفاخرت اور مقابلہ شروع ہو گیا کیونکہ ہاشم مال کی وجہ سے اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کی وجہ سے قوم کا سردار تھا اور اُمیہ مال اور اولاد والا تھا چنانچہ وہ اپنے چچا سے مفاخرت اور مقابلہ کرتا تھا اور اس وجہ سے دونوں خاندانوں اور انکی اولادوں میں رقابت رہی یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہو گیا۔[10]

دائرۃ المعارف یعنی عربی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ بنواُمیہ اور بنوقریش پہلے ایک ہی قبیلہ کے افراد تھے اور سب اپنے آپ کو عبدمناف کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن بنواُمیہ کا خاندان بڑا تھا اور ان کے پاس مال زیادہ تھا اس لئے باوجود اس کے کہ بنو ہاشم کے پاس سرداری تھی وہ ان سے ہر بات میں بڑھنے کی کوشش کرتا اور مقابلہ کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح اُن کی اولاد میں بھی رقابت چلتی گئی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائیوں میں بھی اس لئے کہ آپ ہاشم کی اولاد تھے عام طور پر ابوسفیان جو عبدالشمس کی اولاد میں سے تھا سردار ہوکر آیا کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو بنوامیہ شکست کھا گئے لیکن آپ کی وفات کے بعد اس فتنہ نے سر اُٹھانا شروع کیا اور شیطان نے اپنا ہتھیار اَور لوگوں کو چن لیا چنانچہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو معاویہ بن ابوسفیان نے جو بنواُمیہ میں سے تھے آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کیا۔[۱۱]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شیطان کا حربہ

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی شیطان نے وہی حربہ نظامِ حقہ کے خلاف استعمال کیا جو اوّل دن سے وہ نظامِ حقہ کے خلاف استعمال کرتا رہا ہے یعنی حسد اور بغض اور لالچ کا۔ درمیان میں رسول کریم صل اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے یہ حربہ زیادہ کامیاب نہ ہوا مگر حضرت علیؓ کے زمانہ میں یہ حربہ پھر زور پکڑ گیا اور آج تک شیعہ سنی کی شکل میں یہ جھگڑا چل رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانی حربہ کی صورت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پھر شیطان نے ایک اور رنگ میں اس کی بنیاد رکھی۔ آپ کی خلافت میں پہلا جھگڑا جو زیادہ شدت سے ظاہر نہیں ہوا حضرت خلیفہ اوّل کے خلیفہ بننے کے وقت ہوا۔ یہ جھگڑا بھی درحقیقت وہی ابلیس والے جھگڑے کی طرز پر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک انجمن مقبرہ بہشتی کی بنائی تھی اور اس میں حضرت خلیفہ اوّل کو صدر بنایا تھا اور مولوی

محمد علی صاحب اس کے سیکرٹری تھے دوسرے ممبروں میں سے خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ تھے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں اختلاف ہوتا تو حضرت خلیفہ اوّل کی رائے ایک طرف ہوتی اور مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی کی رائے دوسری طرف ہوتی اس لئے مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی میں حضرت خلیفہ اوّل کے خلاف بغض پیدا ہوجاتا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے تو اس وقت کے حالات کی وجہ سے خواجہ کمال الدین صاحب بہت ڈر گئے اور لاہور میں جہاں وفات ہوئی تھی مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کا اعلان کردیا اور خواجہ صاحب نے ڈر کر مان لیا۔ جب قادیان پہنچے تو خواجہ صاحب نے سوچا کہ حضرت خلیفہ اوّل ضرور خلیفہ بنیں گے اور اپنی ہوشیاری کی وجہ سے خیال کیا کہ اگر ان کی خلافت کا مسئلہ ہماری طرف سے پیش ہوتو اِن پر ہمارا اثر رہے گا اور وہ ہماری بات مانتے رہیں گے چنانچہ انہوں نے آپ کی خلافت کے متعلق ایک اعلان شائع کیا اور اس میں لکھا کہ الوصیۃ کے مطابق ایک خلیفہ ہونا چاہیے اور ہمارے نزدیک سب سے زیادہ مستحق اس کے حضرت مولوی نورالدین صاحب ہیں اس اعلان کے الفاظ یہ ہیں۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیۃ کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان واقرباء حضرت مسیح موعود باجازت حضرت (اماں جان) کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سَو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا''۔[۱۲]

(میں نے بھی اسی قانون کے مطابق نیا نظام بنایا ہے صرف تحریک کے وکلاء کو زائد کردیا ہے کیونکہ اب جماعت احمدیہ کے باہر پھیل جانے کی وجہ سے اس کا مرکزی نظام دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے)

اس اشتہار سے پہلے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کے وقت مولوی محمد علی صاحب نے اختلاف کا اظہار کیا جیسا کہ وہ خود اپنی کتاب ''حقیقت اختلاف'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نعش مبارک جب قادیان پہنچی تو باغ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے جانشین حضرت مولوی نورالدین صاحب ہوں۔ میں نے کہا بالکل صحیح ہے اور حضرت مولوی صاحب ہی ہر طرح سے اس بات کے اہل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ میں نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے جو لوگ نئے سلسلہ میں داخل ہونگے انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیۃ کا منشاء ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ چونکہ وقت بڑا نازک ہے ایسا نہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے اور احمدیوں کے حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے کوئی حرج بھی نہیں۔ تب میں نے بھی اسے تسلیم کر لیا'' [۱۳]

غرض خواجہ صاحب کے سمجھانے سے مولوی محمد علی صاحب حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت پر راضی ہو گئے اور اس طرح خلافت اولیٰ کا قیام بغیر مخالفت کے ہو گیا۔ گو اس کے بعد اس فتنہ نے کئی اور صورتوں میں سر اُٹھایا مگر خلافت اولیٰ قائم ہو گئی اور ساری جماعت حضرت خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر جمع ہو گئی۔ اب شیطان نے دیکھا کہ جو نئے جھگڑے کی بنیاد میں نے ڈالی تھی وہ بھی ختم ہو رہی ہے تو اس نے ایک نئی طرح ڈالی یعنی مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی اور حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے بغض پیدا کر دیا تا کہ یہ سلسلہ ابھی اور لمبا چلتا چلا جائے اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والا گروہ پھر دُنیا کو دین پر مقدم کرنے والے گروہ کے ظلموں کا شکار ہو جائے۔

یہ بنیاد اِس طرح پڑی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاں پہلی بیوی کے بطن سے کوئی نرینہ اولاد نہیں لدھیانہ کے ایک بزرگ صوفی احمد جان صاحب کی ایک لڑکی سے جو ان کی موجودہ زندہ اولاد کی والدہ تھیں نکاح کروایا۔ اس واقعہ کی وجہ سے چاہیے تو یہ تھا کہ یہ دوسری بیوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خاندان سے زیادہ تعلق رکھتیں جس طرح ان کے بھائی پیر افتخار احمد صاحب

مرحوم اور پیر منظور محمد صاحب مرحوم قاعدہ یسرنا القرآن کے موجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اوران کے خاندان سے والہانہ عشق رکھتے تھے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس بغض کی بھی کچھ دُنیوی وجوہات تھیں۔اوّل یہ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاں اس بیوی سے بھی دیر تک کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن کو شوق تھا کہ حضرت مولوی صاحب کے ہاں نرینہ اولاد ہو جائے ۱۸۹۶ء میں جب کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کو آپ نے نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کو قرآن پڑھانے کے لئے مالیر کوٹلہ بھجوایا تھا مولوی صاحب کے متعلق نواب صاحب مرحوم کو ایک خط لکھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی مالیر کوٹلہ کی ایک سید خاندان کی لڑکی سے شادی کا انتظام کریں۔گو یہ انتظام تو بعد میں رُک گیا مگر ایک خار دل میں بیٹھ گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی دوسری بیوی پر ایک اور سوکن لانے کی کوشش کی ہے۔ دوسری وجہ اس بغض کو بڑھانے کی ایک اور پیدا ہوگئی اور وہ یہ تھی کہ میاں عبدالسلام ،عبدالوہاب اور عبدالمنان کی والدہ نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی فاخرہ نام کی پالی ہوئی تھی ادھر حضرت (اماں جان) نے اپنے وطن سے دُوری کی وجہ سے اپنی خالہ کے ایک بیٹے سید کبیر احمد کو تعلیم کیلئے قادیان بلایا ہوا تھا۔ جب حضرت خلیفہ اوّل مالیر کوٹلہ گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ اس بچے کو طب کی تعلیم دلوائی جائے اور اس کو بھی ان کے ساتھ ہی تعلیم کے سلسلہ میں مالیر کوٹلہ بھیج دیا گیا۔ کبیر احمد کا بیان تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل کی دوسری بیوی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فاخرہ کا اس سے بیاہ کر دیں گی لیکن بعض ایسے حالات کی وجہ سے جن کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے سید کبیر احمد نے جو ہمارے خالہ زاد ماموں تھے زہر کھا کر خودکشی کر لی اور سارے کوٹلہ اور دہلی میں یہ مشہور ہوگیا کہ اس خودکشی کی وجہ حضرت خلیفہ اوّل کی دوسری بیوی تھیں ۔ چنانچہ آج تک بھی کچھ لوگ جو نواب لوہارو کے خاندان کے یا ہمارے ننھیال کے زندہ ہیں یہی الزام لگاتے چلے آتے ہیں کہ کبیر احمد کو **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ** اپنے خاندان کی بدنامی کے ڈر سے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے زہر دے کر مروا دیا تھا۔ حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ چونکہ وہ آپ سے طب پڑھتا تھا اور دوائیں اس کے قبضہ میں تھیں

اُس نے خود زہر نکال کر کھا لیا تھا مگر غلط فہمی ان لوگوں کے دماغ میں ایسی جاگزین ہوگئی تھی کہ میرے رشتہ کے ایک ماموں حافظ عبدالمجید صاحب سب انسپکٹر پولیس جن کو محمد امین بھی کہتے تھے ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں مجھے ملنے کیلئے قادیان آئے اور باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ ہمارے ایک بھائی کو حضرت مولوی نورالدین صاحب نے زہر دے کر مروا دیا تھا۔ میں نے غصہ سے اُن کو کہا کہ میں حضرت خلیفہ اوّل کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں سن سکتا۔ اس پر وہ بھی غصہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں بھی اپنے بھائی کے واقعہ کو بھول نہیں سکتا اور چلے گئے۔

اس واقعہ کو اور اہمیت اس طرح مل گئی کہ ہمارے ننھیال کا رشتہ نواب صاحب لوہارو سے تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت نواب صاحب مالیر کوٹلہ کم سن تھے اور گورنمنٹ نے اُن کا نگران نواب صاحب لوہارو کو مقرر کر کے بھیجا ہوا تھا جس وقت یہ کبیر کا واقعہ ہوا اُس وقت نواب صاحب لوہارو کوٹلہ میں تھے پہلے تو کسی کو پتہ نہیں تھا کہ یہ بھی ان کے رشتہ دار ہیں جس طرح نواب صاحب لوہارو مسمی بہ فرخ مرزا میرے ماموں تھے۔ وہ کبیر کے بھی ماموں تھے مگر وہ چونکہ معمولی کمپونڈر اور طالب علم کی حیثیت میں گیا تھا پہلے تو پتہ نہ لگا۔ اس کے مرنے پر جب ان کو پتہ لگا کہ ایک لڑکے نے خودکشی کی ہے اور وہ دلی کا ہے تو انہوں نے کرید کی اور پتہ لگا کہ یہ تو میرا بھانجا ہے وہ چونکہ حاکم تھے انہوں نے فوراً کارروائی کی کہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے اور زہر نکالا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ زہر اتفاقی استعمال ہوا ہے یا جان بوجھ کر دیا گیا ہے۔ نواب محمد علی خان صاحب جو نواب مالیر کوٹلہ کے (جو اُس وقت بچہ تھے) ماموں تھے اور بعد میں میرے بہنوئی ہوئے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی بیٹی ان سے بیاہی گئیں) ان کو چونکہ قرآن پڑھانے کیلئے حضرت خلیفہ اوّل گئے تھے اور ان کا ریاست میں رسوخ تھا اُنہوں نے فوراً کوشش کر کے راتوں رات کبیر کو دفن کرا دیا اور اس طرح اس فتنہ کو دفع کیا۔ بیٹے کا مر جانا ماں کیلئے بڑے صدمہ کا موجب ہوتا ہے مگر یہ بغض اتنا لمبا ہو گیا کہ حضرت (اماں جان) کی خالہ جو اکثر قادیان آتی رہتی

تھیں اور قادیان میں بڑا لمبا عرصہ والدہ کے پاس رہتی تھیں انہوں نے ہم سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۱ء میں ہم ایک دفعہ دلی گئے تو حضرت (اماں جان) بھی ساتھ تھیں چونکہ انہیں اپنی خالہ سے بڑی محبت تھی وہ اپنی اماں کی بھاوج کے ہاں ٹھہریں۔ اُن کو سارے ''بھابی جان'' ''بھابی جان'' کہتے تھے۔ اب ان کے بچے کراچی میں ہیں ان کے گھر میں ہی ہم جا کر ٹھہرتے تھے۔ اُس وقت بھی ان کے گھر میں ہی ٹھہرے بلکہ ان کا ایک لطیفہ بھی مشہور ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۹۱ء میں دلی گئے تو آپ کے خلاف بڑا جلسہ ہوا اور شور پڑا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو۔ مولویوں نے وعظ کیا کہ جو اس کو قتل کر دے گا وہ جنتی ہوگا۔ ہماری وہ بھابی بڑی مخالف تھیں مگر آخر رشتہ دار تھیں۔ ایک دن ان کی نوکر آئی اور آکر کہنے لگی کہ بی بی دعا کرو میرا بچہ بچ جائے وہ صبح چھری تیز کر رہا تھا۔ کوئی قادیان سے آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہے۔ اُس کو مارنے گیا ہے وہ کہنے لگیں کمبخت! چپ کر وہ تو میری بھانجی کا خاوند ہے۔ مگر بہر حال ان کے گھر میں خالہ بھی ٹھہری ہوئی تھیں۔ اماں جان نے پُرانی محبت کی وجہ سے ان سے خواہش کی کہ مجھے ملا دو۔ بھابی جان نے انکار کر دیا کہ وہ تو کہتی ہیں میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ پھر ہماری ایک اور بہن تھی انکی بیٹی بعد میں حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کے بھائی سے بیاہی گئی تھیں۔ حضرت (اماں جان) نے ان سے کہا کہ وہ چھوٹی بچی تھیں ان کو تو ان باتوں کا پتہ نہیں تھا انہوں نے پردہ اٹھا کے کہا کہ وہ مصلّے پر بیٹھی دعا کر رہی ہیں دیکھ لو۔ اماں جان نے جا کر جھانکا تو اُسی وقت انہوں نے کھڑکی کھولی اور ہمسایہ میں چلی گئیں اور وہاں سے ڈولی منگا کر کسی اور رشتہ دار کے پاس چلی گئیں۔ غرض اتنا ان کے اندر بغض تھا کہ انہوں نے ہم سے ملنا بالکل چھوڑ دیا اُن کے رشتہ دار اب بھی کراچی میں ہیں۔ لاہور میں بھی لوہارو خاندان کے افراد ہیں۔ نوابزادہ اعتزاز الدین جو پاکستان میں انسپکٹر جنرل پولیس تھے وہ بھی نواب لوہارو کے بیٹے تھے اَور بیٹے بھی ہیں بعض ان کی اولاد میں سے فوج میں کرنیل ہیں۔ ان کے ایک بھائی صمصام مرزا لاہور میں ہیں۔ اِن لوگوں سے جب بھی بات کرو وہ ہم پر ہنستے ہیں

کہ تم بیوقوف ہو مولوی صاحب نے اسے مروا دیا تھا تم بے وقوفی میں یونہی اپنے مذہبی عقیدہ کے ماتحت سمجھتے ہو کہ نہیں مروایا تھا آپ مر گیا تھا۔ اس نے خودکشی کوئی نہیں کی اُس کو مروا دیا گیا تھا غرض یہ واقعہ حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے دلوں میں بغض کو بڑھانے کا ایک دوسرا سبب بن گیا۔

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر اختلاف کی وجہ

اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر خلافت ثانیہ کے انتخاب کا وقت آیا تو مولوی محمد علی صاحب کے اختلاف کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اقتدار ان کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ اُن کی پہلی بیوی مرحومہ جو نہایت ہی نیک عورت تھیں (میرا یہ مطلب نہیں کہ ان کی موجودہ بیوی نیک نہیں ہے مگر وہ پہلی بیوی میری بہن بنی ہوئی تھیں اور اُن کو میں ذاتی طور پر جانتا تھا اس لئے میں نے ان کے متعلق اپنی رائے بیان کردی ہے وہ مجھ سے بہت ہی محبت کرتی تھیں۔ فاطمہ بیگم ان کا نام تھا۔ مولوی محمد علی صاحب کی جب شادی ہوئی میں بہت چھوٹا سا تھا۔ دس سال کا ہونگا کہ وہ آتے ہی میری بہن بن گئیں ہمیشہ میرا سر دیکھنا جوئیں نکالنی بہت ہی محبت کرتی تھیں اور کہتیں یہ میرا بھائی ہے اور میں انہیں بہن کہا کرتا تھا) وہ نومبر ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئیں۔ مجھے اس وقت کسی کام کیلئے حضرت خلیفہ اوّل نے باہر بھیجا ہوا تھا میں جب واپس آیا تو مجھے مرحومہ کی وفات کا علم ہوا میں نے اُسی وقت ایک ہمدردی سے پُر خط مولوی محمد علی صاحب کو لکھا مولوی محمد علی صاحب نے اس کے جواب میں مجھے لکھا کہ آپ کے خط کا تو میں ممنون ہوں مگر مجھے افسوس ہے کہ حضرت (اماں جان) میری بیوی کی لاش دیکھنے نہیں آئیں (حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش دیکھنے کیلئے عورتوں کو باہر جانے سے منع کیا ہوا ہے) یہ صدمہ ایسا ہے کہ میں زندگی بھر اسے نہیں بھول سکتا۔ یہ گویا دوسری بنیاد مولوی محمد علی صاحب کے دل میں شیطان نے رکھ دی کہ اب زندگی بھر مخالفت کرتے رہو بلکہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر مولوی محمد علی صاحب نے خود ریویو آف ریلیجنز میں بھی کیا ہے اور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:-

''اگر کسی نے میرا محسن ہونے کے باوجود بجائے اظہارِ غم و ہمدردی کے کسی گذشتہ رنج کا اظہار

اس وفات کے وقت کیا تو یہ شاید میرے لئے سبق تھا کہ دنیا کے کسی گھر کو اپنا گھر سمجھنا غلطی ہے‘‘۔[۱۴]
گویا خود ان کی اپنی تحریر بھی اس بارہ میں موجود ہے۔
غرض مولوی محمد علی صاحب نے اس صدمہ کے نتیجہ میں بغض کو انتہا تک پہنچا دیا اور جیسے انہوں نے کہا تھا کہ میں مرنے تک یہ صدمہ نہیں بھول سکتا مرنے تک اِس واقعہ کو یاد رکھا اور خاندانِ مسیح موعود کا بغض اپنے دل سے نہیں نکالا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر خلافت ثانیہ کے انتخاب پر بھی انہوں نے بغاوت کی اور اس طرح بغض وحسد کے لمبا کرنے کا سلسلہ انہوں نے جاری کر دیا تا کہ آدمؑ کے زمانہ کا بغض جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک آیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا بغض جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک آیا تھا اور آپ کے دادا ہاشم بن عبد مناف کے زمانہ کا بغض جو پہلے ابوسفیان اموی کے زمانہ تک آیا تھا اور پھر یزید بن معاویہ اور امام حسینؓ کے زمانہ تک آیا تھا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ تک بھی ممتد ہو جائے۔غضب یہ ہوا کہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی مشہور مؤرخ جو پہلے مبائعین میں تھے اور پھر بھاگ کر لاہور آ گئے تھے انہوں نے مضمون لکھا کہ ارائیں قوم جس میں سے مولوی محمد علی صاحب تھے بنوامیہ میں سے ہے۔[۱۵] گویا انہوں نے کہا کہ وہ بنواُمیہ کا بغض پھر بنومحمدؐ سے جاری ہونا چاہیے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے خاندان کے متعلق فرمایا ہے کہ ’’سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ‘‘[۱۶] کہ سلمان فارسیؓ جن کے خاندان سے بلحاظ فارسی الاصل ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان ملتا ہے ہمارے خاندان میں سے ہیں گویا مسیح موعودؑ نہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ السلام کے روحانی فرزند تھے بلکہ اس حدیث کے ماتحت ایک رنگ میں آپ کے جسمانی فرزند بھی تھے تو پیغامِ صلح میں اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے مضمون شائع کیا کہ مولوی محمد علی صاحب بنوامیہ میں سے ہیں گویا بنواُمیہ اور حضرت علیؓ کا جو بغض تھا وہ اور لمبا ہو جائے گا ختم نہیں ہو گا۔
غرض انہوں نے ثابت کر دیا کہ بنوعبد مناف یعنی اولادِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

بنواُمیہ کی لڑائی کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور وہ احمدیوں میں بھی جاری رہے گا۔

اختلاف کو قائم رکھنے کیلئے غیر مبائعین کی ایک تدبیر

غیر مبائعین نے اس لڑائی کو نئی روح بخشنے کیلئے یہ تدبیر کی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیوی اور ان کے بچوں کو یہ کہنا شروع کیا کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل کا بیٹا عبدالحی مرحوم خلیفہ ہو جاتا تو ہم بیعت کر لیتے چنانچہ ہم اس کے ثبوت میں مولوی عبدالوہاب صاحب کا ہی ایک مضمون پیش کرتے ہیں۔ اب وہ جتنا چاہیں جھوٹ بول لیں مگر یہ ان کا مضمون چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں غیر مبائعین کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے الفضل میں لکھا کہ:۔

''مولوی عبدالباقی صاحب بہاری ایم اے نے بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کے زمانہ میں خلافت کے چند دشمن حضرت مولوی عبدالحی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ خلیفہ بن جاتے تو ہم آپ کی اطاعت کرتے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے باوجود بچپن کے اُن کو جو جواب دیا وہ اس قابل ہے کہ سلسلہ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے انہوں نے فرمایا کہ یا تو آپ کو آپ کے نفس دھوکا دے رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اگر میں خلیفہ بنتا تب بھی آپ میری اطاعت نہ کرتے اطاعت کرنا آسان کام نہیں میں اب بھی تمہیں حکم دوں تو تم ہرگز نہ مانو۔ اِس پر اُن میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں حکم دیں پھر دیکھیں کہ ہم آپ کی فرمانبرداری کرتے ہیں یا نہیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے کہا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کر لو۔ یہ بات سن کر وہ لوگ بغلیں جھانکنے لگے اور کہنے لگے یہ تو نہیں ہو سکتا''۔ [۱۷]

اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبدالحی مرحوم کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی سے پیدا ہوا تھا اس فتنہ سے بچا لیا لیکن ان کی والدہ اور ان کے چھوٹے بھائیوں کے دل میں یہ خار کھٹکتا رہا چنانچہ جب میں نے امۃ الحی مرحومہ سے اس لئے شادی کی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی روح خوش ہو جائے کیونکہ ایک دفعہ انہوں نے بڑے صدمہ سے ذکر کیا تھا کہ

میری بڑی خواہش تھی کہ میرا جسمانی رشتہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہو جائے مگر وہ پوری نہیں ہوئی جس پر میں نے آپ کی وفات کے بعد اور خلیفہ بننے کے بعد امۃ الحی مرحومہ سے شادی کی تو پیغامیوں نے والدہ عبدالوہاب اور والدہ عبدالمنان کو یہ کہنا شروع کیا کہ یہ رشتہ مرزا محمود احمد نے اپنی خلافت کو مضبوط کرنے کیلئے کیا تھا حالانکہ اگر میں پہلے کرتا تب تو یہ اعتراض ہوتا کہ خلافت لینے کیلئے کیا ہے لیکن اوّل تو یہ سوال ہے کہ خلافت حضرت مولوی نورالدین صاحب کی تو نہیں تھی خلافت حضرت مسیح موعودؑ کی تھی اگر باپ سے بیٹے کو حق پہنچتا ہے تو میں مسیح موعودؑ کا بیٹا تھا پھر تو مولوی صاحب بھی خلیفہ نہیں رہتے، پھر تو خلیفہ مجھے ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے خلیفہ میں پہلے ہو چکا تھا رشتہ بعد میں ہوا۔ بہرحال عبدالحی مرحوم تو اس فتنہ میں نہ آیا جیسا کہ اس کی وفات کے موقع کے حالات سے ظاہر ہے جو میں نے ایک خط میں چوہدری فتح محمد صاحب کو لکھے تھے جو اُس وقت انگلینڈ میں مبلغ تھے اور جو خط انہوں نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو محفوظ رکھنے کیلئے دے دیا تھا اور ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے لطف الرحمٰن نے مجھے ان کے کاغذات میں سے نکال کر بھیج دیا۔

وہ خط یہ ہے۔

برادرم مکرم چوہدری صاحب! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

پہلے خط کے بعد پھر قریباً تین ہفتہ سے خط نہ لکھ سکا جس کا باعث ترجمۂ قرآن کا کام ہے۔مولوی شیر علی صاحب کو کہا ہوا ہے کہ ہر ہفتہ خط جانا چاہیے نہ معلوم جاتا ہے یا نہیں۔ پچھلے ہفتہ ایک سخت حادثہ ہو گیا اور وہ بھی خط لکھنے میں روک رہا۔عزیز میاں عبدالحیٔ کو دو ہفتہ بخار رہا اور گو سخت تھا لیکن حالت مایوسی کی نہ تھی مگر پچھلی جمعرات کو یکلخت حالت بگڑ گئی اور ایک رات اور کچھ حصہ دن کا بے ہوش رہ کر عصر کے قریب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (اُس وقت ایک ڈاکٹر ہیرا لال صاحب کو میں نے لاہور سے بلایا تھا اُس کا خیال تھا کہ ان کو ٹائیفائیڈ تھا مگر بیماری کی وقت پر تشخیص نہیں کی گئی اور اب مرض آخری مرحلہ پر پہنچ چکا ہے) قریباً اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور اب کے ففتھ ہائی کا امتحان دینا تھا سال ڈیڑھ سال سے شبانہ روز جسم و علم میں ترقی تھی اور اب خاصا جوان

آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ذہن نہایت تیز اور رسا تھا مگر منشاء الٰہی کے مقابلہ میں انسان کا کچھ بس نہیں چل سکتا اور اُس کے ہر ایک فعل میں حکمت ہوتی ہے اور جیسا کہ مجھے اُن کی وفات کے بعد معلوم ہوا یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہی حکمتوں کے ماتحت تھا ورنہ کئی فتنوں کا اندیشہ تھا۔ مرحوم بوجہ کم سن ہونے کے بہت سے فتنہ پردازوں کے دھوکے میں آجاتا تھا۔ میں آخری دنوں میں اپنے گھر میں ہی انہیں لے آیا تھا (ان کی بہن امۃ الحی مرحومہ کی خواہش سے) اور حیران تھا کہ وہ ہر وقت والدہ صاحبہ اور میرے پاس بیٹھے رہنے پر مصر تھا (یہ نظارہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ امۃ الحئی مرحومہ کے دالان میں ہی رہتے تھے میں آخر کام کرنے والا آدمی تھا ہر وقت قرآنِ کریم کی تفسیر کا کام اور دوسرا کام ہوتا تھا جب میں نیچے جاتا تو آدمی آتا کہ عبدالحئی بلاتا ہے اور کہتا آپ بیٹھیں، حضرت (اماں جان) بیٹھیں، میری اماں کو یہاں سے اُٹھا دیں میری جان نہیں نکلے گی۔ میری جان تکلیف سے نکلے گی میری ماں کو یہاں سے ہٹا دیں۔ غرض وہ ہر وقت والدہ صاحبہ اور میرے پاس بیٹھے رہنے پر مصر تھا) اور بار بار کہتا تھا کہ آپ میرے پاس بیٹھے رہیں مجھے اس سے تسلی ہوتی ہے اور اس کے برخلاف اگر اپنی والدہ پاس آتیں تو اُن کو ہٹا دیتا تھا اور اصرار کرتا تھا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے پہلے اس کے دل کے دروازے اللہ تعالیٰ نے کھول دیئے تھے اور ایک پاک دل کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے جاملا۔ مجھے اس سے ایسی محبت تھی جیسے ایک سگے بھائی سے ہونی چاہیے اور اس کا باعث نہ صرف حضرت مولوی صاحب کا اُس سے محبت رکھنا تھا بلکہ یہ بھی وجہ تھی کہ اُسے خود بھی مجھ سے محبت تھی بوجہ ناتجربہ کاری کے بعض منتفنی لوگوں کے فریب میں آجانا بالکل اور بات ہے اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کے باقی بچوں کو نیک اور پاک عمر عطا فرمائے اور جس طرح آپ کا وجود نافع الناس تھا آپ کی اولاد بھی دعائم الملّۃ ہو۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ (لیکن میری اس دعا کو انہوں نے ضائع کر دیا ہے اور خود اپنے لئے تباہی کا بیج بویا ہے)

خاکسار

مرزا محمود احمد

غرض عبدالحئی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچالیا مگر حضرت خلیفہ اوّل کے باقی لڑکوں کے دلوں میں یہ خیال کھٹکتا چلا گیا کہ خلافت ہمارا حق تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اس کو چھین لیا ہے اور یہ حق پھر ہم کو واپس لینا چاہیے۔ چنانچہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی جو قریباً اتنے ہی پرانے احمدی ہیں جتنے پُرانے حضرت خلیفہ اوّل تھے۔ غالباً ان کے دو تین سال بعد آئے اور پھر انہوں نے سلسلہ کی خدمت میں بڑا روپیہ خرچ کیا ہے ان کی شہادت ہے کہ:۔

''۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد پیغامیوں نے قادیان میں ریشہ دوانیوں کا مرکز حضرت خلیفہ اوّل کے گھر کو بنایا۔ مختلف اوقات میں لاہور سے جاسوس آتے رہے اور اکابر بھی۔ اور سازش یہ کی گئی کہ اس خاندان میں ایک برائے نام خلیفہ کا انتظام کیا جائے جسے کچھ عرصہ بعد ٹرکی خلافت کی طرح معزول کر دیا جائے کیونکہ ان کا تجربہ بتاتا تھا کہ اس خاندان کے افراد اس قسم کے سنہری خواب دیکھ رہے ہیں''۔

خود مجھے بھی یاد ہے کہ ایک دفعہ اپنے بچوں کو لے کر حضرت خلیفہ اوّل کی بیوی جو میری ساس تھیں میرے پاس آئیں اور بیٹھ کر کہنے لگیں کہ ہماری یہاں کوئی قدر نہیں پیغامی میرے پاس آتے ہیں بڑے روپے دیتے ہیں تحفے لاتے ہیں اور کہتے ہیں لاہور آجاؤ ہم بڑی قدر کریں گے۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے جایئے۔ آپ کو یہ خیال ہوگا کہ شاید آپ کی وجہ سے مجھے خلافت ملی ہے مجھے پرواہ نہیں آپ چلے جایئے اور اپنی بھڑاس نکالیے پھر جا کر آپ کو تھوڑے دنوں میں ہی پتہ لگ جائے گا کہ جو کچھ سلسلہ آپ کی مدد کرتا ہے وہ اس کا دسواں حصہ بھی مدد نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ پھر نہ گئیں گو درمیان میں جماعت کی وفاداری کی وجہ سے ان کا یہ خیال دَبتا رہا مگر پھر بھی یہ چنگاری سُلگتی رہی۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء۔ ۱۹۱۸ء میں دارِ حضرت خلیفہ اوّل میں مجھے زہر دینے کا منصوبہ کیا گیا اس کے متعلق برکت علی صاحب لائق لدھیانوی جو خود ان کے ہم وطن ہیں اور جن کے شاگرد اس وقت پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور اب بھی مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد بڑے نیک تھے ان کا پتہ بتائیں ان کی شہادت ہے کہ ۱۹۱۸ء میں ''لاہور کے بعض معاندین نے حضرت اقدس کو زہر دینے کی

سازش کی اس طریق پر کہ اماں جی مرحومہ کے گھر میں حضور کی دعوت کی جائے اور دعوت کا اہتمام لاہوری معاندین کے ہاتھ میں ہو۔مگر ایک بچے نے جو اُن کی سرگوشیاں سن رہا تھا ساری سکیم فاش کردی۔''

گواہی فضل محمد خان صاحب شملوی

۱۹۱۹ء۔۱۹۱۸ء میں جیسا کہ میاں فضل محمد خان صاحب شملوی کی گواہی سے ظاہر ہے میاں عبدالسلام صاحب مولوی محمد علی صاحب سے شملہ میں ملے اور اُن سے نذرانہ وصول کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''۱۹۱۵ء کے قریب یا دوتین سال بعد میاں عبدالسلام صاحب عمر جبکہ وہ صرف ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے حضرت مولوی غلام نبی صاحب کے ساتھ جبکہ وہ گرمی کی چھٹیوں میں تفریح کیلئے ٹوٹی کنڈی میں آکر ٹھہرے۔ اس دوران میں مولوی عبدالسلام صاحب غیر مبائعین سے بھی بِلا تکلف مل لیتے تھے۔ مجھے یہ بہت بُرا معلوم ہوتا تھا میرے دل میں صاحبزادہ ہونے کے سبب سے جو احترام تھا کم ہوگیا۔ پھر اسی عید کے موقع پر مجھے یاد نہیں کہ بڑی تھی یا چھوٹی میاں عبدالسلام صاحب مولوی محمد علی صاحب سے عید کا نذرانہ لے آئے اور ان کی گود میں بیٹھ آئے۔ جب اس روئیداد کا علم ہوا تو خان صاحب برکت علی صاحب نے جو اُس وقت جماعت کے سیکرٹری تھے اُن کو تنبیہہ کی کہ وہ مخالفین کے پاس کیوں گئے ایسا نہ چاہیے تھا تو مولوی عبدالسلام صاحب بجائے نصیحت حاصل کرنے کے بہت بگڑے اور کہا کہ آپ کو ہمارے کسی قسم کے تعلقات پر گرفت کرنے کا حق نہیں (یعنی ہم چاہے احراریوں سے ملیں چاہے پیغامیوں سے ملیں تم کون ہوتے ہو جو ہمیں روکو) مولوی عمرالدین صاحب بڑی تجسس کے انسان تھے۔مولوی صاحب مولوی عبدالسلام صاحب کی بہت دلجوئی کرتے۔اسی دوران میں مولوی عبدالسلام صاحب عمر نے مولوی عمرالدین سے کسی گفتگو کے دوران میں یہ کہا کہ میں نے خلیفۃ المسیح الثانی کے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) قابلِ اعتراض دستی خطوط اُڑائے ہوئے ہیں جو میرے پاس محفوظ ہیں (اب اگر اس خاندان میں تخم دیانت باقی ہے تو وہ میرے خط شائع کرے ورنہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس خاندان کے افراد نے یہ بات کہی ہے

تو لَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ) مولوی عمرالدین نے یہ بات ٹوٹی کنڈی کے دوستوں کو بتائی ۔ میں اس بناء پر سخت رنجیدہ اور متنفر ہوا۔ عمر بھر اگرچہ مولوی عبدالسلام صاحب بڑے تپاک سے ملتے تھے اور معانقے سے ملتے تھے مگر میرے دل میں بڑی قبض محسوس ہوتی تھی ۔ بعد میں یہ بھی افواہاً سنتا رہا کہ لاہوری جماعت حضرت خلیفہ اوّل کے گھر والوں کو اپنے ساتھ ملانے کی جدوجہد کرتی رہتی ہے اور لاہوری لوگ مالی مدد سے تالیف کرتے رہتے ہیں میری ساری ہی عمران سے متنفر گذری ہے ۔'' [۱۸]

۱۹۲۶ء میں میاں عبدالوہاب کی طرف سے مجھ پر عبدالحیٔ مرحوم کو زہر دینے اور عیش پرستی کرنے کا الزام لگایا گیا اس بارہ میں ملک عزیز احمد صاحب رضاعی رشتہ دار حضرت خلیفہ اوّل و اتالیق میاں عبدالوہاب صاحب (جن کو ان کی ماں نے اتالیق مقرر کیا تھا) کی گواہی ہے کہ:۔

۱۹۲۶ء میں میاں عبدالوہاب نے حضور پر مندرجہ ذیل الزام لگائے ۔

۱۔ میاں عبدالحیٔ کو زہر دے دی۔

۲۔ آپا امۃ الحیٔ صاحبہ کی شادی سیاسی نوعیت سے کی گئی (یعنی خلیفہ بننے کے لئے ۔ گویا خلیفہ پہلے بن گئے شادی بعد میں ہوئی ۔)

۳۔ آپ معاذ اللہ عیش پرست ہیں اور کہا آپ قادیان سے باہر رہتے ہیں آپ کو حالات کا کیا پتہ ہو''۔

اس کے علاوہ میری اپنی شہادت ہے کہ ۱۹۲۷ء۔ ۱۹۲۶ء میں مباہلہ والے جب گند اُچھال رہے تھے تو علی محمد اجمیری اور عبدالوہاب مل کر وہاں گئے اور ان کو ایک خط لکھ کر بھجوایا کہ آپ خلیفہ ثانی کے متعلق جو چاہیں لکھیں ہمارے خلاف کچھ نہ لکھیں ۔ انہوں نے خط لکھ کر ایک لڑکے کو دے دیا کہ آپ تسلی رکھیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ۔ اس لڑکے نے جو مدرسہ احمدیہ میں پڑھتا تھا وہ خط مع جواب لا کر مجھے دے دیا۔ مولوی علی محمد اجمیری نے مجھے لکھا ہے کہ وہ تو بے شک گئے تھے مگر میاں عبدالوہاب اس میں شامل نہ تھے مگر میرا حافظہ اس کی تردید کرتا ہے ۔ مدرسہ احمدیہ کے لڑکوں نے جو اس وقت ہوشیاری سے مباہلہ والوں کے مکان کی نگرانی

کرتے تھے مجھے بتایا کہ انہوں نے ان دونوں کو ان کے مکان کے سامنے کھڑا دیکھا تھا اور انہوں نے ایک خط زاہد کی طرف ایک لڑکے کے ہاتھ بھجوایا (زاہد مولوی عبدالکریم مباہلہ والے کا چھوٹا بھائی تھا) اور اس لڑکے نے مجھے لا کر دے دیا اسی طرح اس کی تردید مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت سابق صوبہ پنجاب کے ایک لڑکے مرزا محمد طاہر کے خط سے بھی ہوتی ہے جو زاہد کے بھانجے ہیں اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''میاں عبدالوہاب اور زاہد کے آپس میں ''فتنہ مستریاں'' سے پہلے بڑے گہرے تعلقات تھے (میں بھی اس کا ذاتی گواہ ہوں۔ زاہد چونکہ چھوٹا ہوتا تھا ہمارے گھر میں آیا کرتا تھا میری بیویاں اُس سے پردہ نہیں کرتیں تھیں اُس کی بہن بھی ہمارے گھر میں رہتی تھی اس لئے مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ زاہد سے میاں عبدالوہاب کے بڑے گہرے تعلقات تھے اور میاں عبدالوہاب اس سے اکثر ملتا رہتا تھا)

پھر مرزا محمد طاہر لکھتے ہیں کہ:۔

''زاہد سے میاں عبدالوہاب نے حضور کے خلاف باتیں کی تھیں جس پر زاہد بھی حضور کے خلاف ہو گیا۔ زاہد کو اب شکایت یہ تھی کہ جس آدمی نے پہلے حضور کے خلاف باتیں کی تھیں اور فتنہ کی اصل جڑھ تھی وہ تو حضرت خلیفہ اوّل کا لڑکا ہونے کی وجہ سے بچ گیا اور وہ پھنس گیا''۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد منیر صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ امرتسر کی شہادت سے بھی ظاہر ہے کہ ۱۹۲۸ء۔۱۹۲۷ء میں میاں عبدالمنان اور مولوی علی محمد اجمیری ان سازشوں میں شریک تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر صاحب کی شہادت

''غالباً ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں جب مباہلہ والوں کا فتنہ زور پر تھا ایک دن اس سلسلہ میں مباہلہ والوں نے ایک اشتہار حضرت خلیفة المسیح الثانی ایدہ اللہ کی ہجو میں بڑی موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا جس میں حضور کے اخلاق پر ذاتی حملے کئے ہوئے تھے۔ اس دن مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور میاں عبدالمنان صاحب عمر اور میں (راقم) اکٹھے جا رہے

تھے کہ بازار میں اُس قسم کا ایک اشتہار ہمیں بھی ملا۔ میں تو اسے پڑھ کر دم بخود ہو کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ سے یہ اشتہار مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے لے لیا اور میاں عبدالمنان صاحب اور مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے اس کو اکٹھا دیکھنا شروع کیا لیکن جوں جوں وہ اشتہار کو پڑھتے جاتے تھے وہ ساتھ ساتھ عبارت پڑھتے اور ہنستے جاتے تھے مجھے اُن کا یہ فعل طبعًا بُرا معلوم ہوا کیونکہ اپنے کسی بھی عزیز اور قابل عزت اور احترام بزرگ کے متعلق ایسے گندے الفاظ پڑھ کر کوئی بھی شریف آدمی ہنسنے کی بجائے نفرت اور غصہ کے جذبات کا اظہار کرتا۔ مجھ سے ان کی یہ حرکت گوارا نہ ہوئی اور میں نے ان سے یہ اشتہار چھین لیا اور کہا کہ یہ ہنسی کا کونسا موقع ہے۔ اشتہار پڑھ کر ہمارے دل رنجیدہ ہیں اور آپ کو ہنسی آتی ہے جس پر وہ خاموش ہو گئے ممکن ہے ان کی ہنسی اس اشتہار کے لکھنے والے کے متعلق حقارت کی ہنسی ہو لیکن جو اثر اُس وقت مجھ پر ہوا وہ یہی تھا کہ میں نے ان کی ہنسی کو اِس قدر بُرا منایا کہ اس کا اثر اب تک میری طبیعت پر رہا اور محو نہیں ہوا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ اب جبکہ موجودہ فتنہ منافقین کا اُٹھا ہے تو میرے اس تأثر کی تصدیق ہو گئی ہے کہ اُس وقت کی مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور میاں عبدالمنان صاحب کی ہنسی ایک نفرت، بدگمانی اور حقارت کا بیج تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق جو آج ایک مکروہ اور بدنما درخت کی شکل بن کر جماعت کے سامنے ظاہر ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

خاکسار ڈاکٹر محمد منیر امرتسری

غرض جو بات مجھے یاد تھی اُس کی تصدیق ڈاکٹر محمد منیر صاحب کی شہادت سے بھی ہو گئی اور مرزا محمد طاہر صاحب ابن عبدالحق صاحب کی شہادت سے بھی ہو گئی جو کہ زاہد کا بھانجا ہے۔

۱۹۲۹ء میں مولوی محمد اسماعیل غزنوی نبیرہ [18A] حضرت خلیفہ اوّل اور بھانجا میاں عبدالوہاب و عبدالمنان نے (جس کی خط و کتابت عبدالمنان کے کاغذوں میں جنہیں وہ اورینٹل (ORIENTAL) کمپنی میں جس کا وہ پریذیڈنٹ بنایا گیا تھا چھوڑ کر چلا گیا تھا مل گئی ہے) میاں عبدالسلام و عبدالوہاب سے مل کر ایک میٹنگ کی اور اس میں بقول ایک معتبر شاہد کے خلافت ثانیہ کے خلاف جھوٹے الزام لگانے کی سکیم بنائی۔ مجھے وقت پر یہ خبر مل گئی اور

میں نے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور درد صاحب مرحوم کو مقرر کیا کہ وہ مخبر کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر ان کی سکیم سنیں۔ چنانچہ عرفانی صاحب کی شہادت ہے کہ ان لوگوں نے آپس میں باتیں کیں کہ جتنے مالی الزام خلیفہ ثانی پر لگائے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی کارگر ثابت نہیں ہوا اور نہ ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے اس لئے اب ان پر اخلاقی الزام لگانے چاہئیں۔

مخبر کا بیان ہے کہ اخلاقی الزام کی تشریح بھی انہوں نے کی تھی کہ مولوی عبد السلام صاحب کی ایک بیوی جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی لڑکی تھیں اور اپنے والد کی طرف سے کئی دفعہ دعا کے خط لے کر میرے پاس آیا کرتی تھیں ان کو بھیجا جائے جب ان کے لئے خلیفہ ثانی دروازہ کھول دیں تو باقی پارٹی کمرہ میں گھس جائے اور شور مچا دے کہ ہم نے ان کو ایک غیر محرم عورت کے ساتھ دیکھا ہے اور تمام لوگوں کو کمرہ میں اکٹھا کر لیں۔ ہم اس مخبر کی روایت کی قطعی تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایک راوی ہے ہاں صرف شیخ یعقوب علی صاحب کی گواہی کی تصدیق کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے ایک وہ بھی راوی ہیں اور دوسرا راوی مخبر بھی ہے اس پارٹی کے ممبر جن کی سازش شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے سنی۔ شیخ صاحب کے بیان کے مطابق میاں عبد السلام صاحب، میاں عبد الوہاب صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی تھے۔

۱۹۳۰ء میں میر محمد اسحٰق صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ میاں منان کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان کو گرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہماری جائیداد کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔

ابھی وہ ہزاروں آدمی زندہ ہے جو قادیان میں جانے والا ہے انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کا کچا مکان دیکھا ہوا ہے اس کے مقابلہ میں حضرت صاحب نے ہم کو ورثہ میں پانچ گاؤں اور قادیان کا شہر دیا تھا گویا حضرت خلیفہ اوّل کی جائیداد ہماری جائیداد کا بیس ہزارواں حصہ بھی نہ تھی اب کیا وہ بیس ہزارواں حصہ جائیداد بھی ہم نے کھانی تھی۔

۱۹۳۰ء میں چوہدری ابوالہاشم صاحب نے مجھے اپنی مرحومہ بیٹی کا جو مولوی عبد السلام صاحب کی بیوی تھیں ایک خط بھجوایا جو بنگالی میں تھا اور اس میں لکھا تھا کہ خاندان حضرت خلیفہ اوّل میں ہر وقت خلافت ثانیہ سے بغاوت کی باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ

خط میرے پاس محفوظ نہیں رہا۔شاید قادیان میں ہی رہ گیا ہے۔

ستمبر ۱۹۳۰ء میں پیغامیوں کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا کہ ناصر احمد کو ولی عہد مقرر کرنے کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔[19]

۱۹۵۶ء کی مجلس مشاورت کے وقت بھی یہی بات میاں عبدالمنان نے کہی ۔ چنانچہ چوہدری انور حسین صاحب ایڈووکیٹ وامیر جماعت احمدیہ شیخو پورہ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

''گزشتہ مشاورت کے موقع پر مجھے میاں عبدالرحیم احمد کے مکان پر رہنے کا اتفاق ہوا۔شیخ بشیر احمد صاحب، ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب بھی وہیں مقیم تھے۔میاں عبدالمنان اکثر اس مکان پر رہتے تھے اور ناشتہ اور کھانے کے وقت بھی وہیں ہوتے تھے۔ میں مشاورت کی مالی سب کمیٹی کا ممبر تھا اور میاں عبدالمنان بھی اس سب کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوتے تھے اس اجلاس میں میں اور مولوی عبدالمنان اکٹھے ہی گئے رستہ میں میاں عبدالمنان نے کہا کہ لاکھوں کا بجٹ مالی سب کمیٹی کے سامنے رکھا ہی نہیں جاتا اس کا حساب کتاب جماعت کے سامنے لایا ہی نہیں جاتا۔میری دریافت پر میاں عبدالمنان نے کہا کہ یہ جماعتی کاروبار یا تجارت کے متعلق ہے میں اس پر چوکس ہوا۔ مالی سب کمیٹی کا اجلاس آدھی رات کے قریب ختم ہوا اور واپس ہوئے غالباً دوسرے دن دوپہر کے وقت میاں عبدالمنان نے پھر ایسی ہی گفتگو شروع کی اور کہا کہ باہر سے آنے والے لوگوں کو کیا معلوم کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں سخت پارٹی بازی ہے۔ پھر مکرم میاں ناصر احمد صاحب کے متعلق ولی عہد کے لفظ کہے اور پھر کہا کہ وہ کوکین [19A] استعمال کرتے ہیں میں نے کہا کہ قطعاً غلط ہے اور وہ بضد رہا۔میری طبیعت پر اس گفتگو کا یہ اثر تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ یہاں قیام کرنے میں میں نے غلطی کی ہے اور میرا یہ احساس تھا کہ اگر کوئی دوست مجھے یہاں ملنے کیلئے بھی آئے اور تھوڑا وقت بھی ٹھہرے تو وہ بھی بُرا اثر قبول کریں گے''۔(خاکسار محمد انور حسین ۱۹۵۶ء۔۹۔۱۴)

پھر محمد یوسف صاحب بی ایس سی سابق افسر کویت کی گواہی ہے کہ ۱۹۳۱ء میں مولوی عبدالوہاب عمر خلیفہ ثانی پر گندے الزامات لگاتے رہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''میں نے ۱۹۲۹ء میں بیعت کی تھی۔ اس کے ایک دو سال بعد یا اسی دوران میں

میرے والد صاحب مجھے مولوی ظفر اقبال صاحب (سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور) کے پاس لے گئے (جن کے والد احمدی تھے اور جو ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب جو لاہور کے مشہور سرجن ہیں ان کے بڑے بھائی ہیں) اور انہیں کہا کہ میرا بیٹا احمدی ہوگیا ہے اسے سمجھایا کریں میں بہرحال والد صاحب کے کہنے پر مولوی ظفر اقبال صاحب سے ملتا رہا۔ انہوں نے سلسلہ کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کی البتہ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے کہ بڑے مرزا صاحب تو یقیناً بڑے اچھے آدمی تھے لیکن آپ کے موجودہ امام پر کئی گندے الزامات ہیں اور یہ کہ میں آپ کو اس کے ثبوت میں عینی شاہد دے سکتا ہوں میں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کو وہ بات کہنے کا اسلام مجاز نہیں بناتا جس کے آپ عینی شاہد نہیں۔ جب آپ کی بات ہی اصول کے خلاف ہے تو عینی شاہد مہیا کرنے کیلئے مطالبہ کرنا غلط ہے یہ بات یہیں ختم ہوگئی۔

میرا ہمیشہ سے یہی تأثر رہا ہے کہ وہ عینی شاہد جس کا مولوی صاحب ذکر کرتے تھے میاں عبدالوہاب عمر تھے میں حتمی طور پر یہ بات نہیں کہہ سکتا لیکن کئی باتوں اور حالات کی وجہ سے میرا تأثر یہی رہا ہے۔'' (خاکسار محمد یوسف ۱۹۵۲ء۔۱۱۔۱۱)

اسی کی تصدیق شیخ محمد اقبال صاحب مالک بوٹ ہاؤس کوئٹہ کی شہادت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ شیخ صاحب لکھتے ہیں۔

شیخ محمد اقبال صاحب تاجر کوئٹہ کی شہادت

''چوہدری برکت علی مرحوم جو مکتبہ اُردو اور ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور کے مالک تھے گرمیاں گزارنے اکثر کوئٹہ آتے رہتے تھے ان کے ہمراہ ایک اور غیر احمدی دوست ہوا کرتے تھے جو محکمہ تعلیم پنجاب سے تعلق رکھتے تھے یہ ہر دو احباب میرے ایک غیر احمدی نوجوان کے گھر اکثر آتے رہتے تھے جو محکمہ ریلوے میں آفیسر ہیں۔ وہیں میری ان سے کبھی کبھار ملاقات ہوتی۔ چوہدری صاحب مرحوم سے مذہبی گفتگو کا سلسلہ اکثر چلا کرتا تھا وہ مجلس احرار کے سرگرم رکن تھے اور اُن کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ احراریوں کی سرگرمیوں میں باقاعدگی سے حصہ لیتے اور انکی بڑی مالی امداد بھی کرتے تھے۔ احمدیت کے خلاف گوناگوں تعصب رکھتے۔ اُن کے لہجہ میں طنز کا پہلو نمایاں ہوتا اور بار

بار کہتے کہ ہمیں کیا بتاتے ہو ہم تو آپ کی جماعت کے اندرون سے اچھی طرح واقف ہیں۔

غالباً ۱۹۴۳ء کی گرمیوں کا ذکر ہے کہ دورانِ گفتگو میں حسب معمول چوہدری برکت علی نے متذکرہ بالا ہر دو غیر احمدی احباب کی موجودگی میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے طنزاً کہا کہ تم ابھی بچے ہو تمہیں ابھی اپنی جماعت کے اندرون کا علم نہیں ہوا۔ تمہاری جماعت کے سرکردہ لوگ ہم سے پوشیدہ ملتے رہتے ہیں اور اہل قادیان کے اندرونی حالات ہم کو بتاتے رہتے ہیں جس سے ''مرزائیت کی سچائی'' ہم پر خوب واضح ہو چکی ہے۔ میں نے اُن سے کہا اگر آپ جھوٹ بول کر اپنا ایمان ضائع نہیں کر رہے ہیں تو مجھے ان سرکردہ احمدیوں کے نام بتائیں جو آپ کو پوشیدہ ملتے ہیں اور اگر بہت سی راز کی باتوں سے آپ پر سچائی آشکار ہو چکی ہے تو چند ایک ہمیں بھی بتائیں تا کہ ہم اس سچائی سے محروم نہ رہ جائیں لیکن وہ اس سوال سے کتراتے اور نام نہ بتاتے صرف اتنا کہتے کہ وہ لوگ تمہاری جماعت میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان سے بہت بے انصافی کا برتاؤ ہوا ہے وہ قادیان میں بہت تنگ ہیں۔ ان کے حقوق کو پامال کیا گیا ہے اور اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی ہم سے شکایت کرتے ہیں اور ہم سے مالی امداد بھی طلب کرتے رہتے ہیں پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگے کہ وہی لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ قادیان بھر میں دو شخص بھی ایسے نہیں ملیں گے جو دل سے موجودہ خلیفہ سے خوش ہوں۔ ڈر کے مارے گو ظاہر طور پر اب تک مخالفت نہیں ہوئی لیکن جہاں بھی موقع ملتا ہے لوگ خفیہ مجالس کر کے موجودہ خلیفہ کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتے رہتے ہیں''۔

(آجکل بھی وہ ''نوائے پاکستان'' میں اعلان کر رہے ہیں کہ جماعت کا اکثر حصہ خلیفہ ثانی سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ کذاب اور جھوٹا یہاں آکر دیکھے اور جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہیں ان کا دسواں حصہ ہی اپنی طرف دکھا دے۔ دسواں نہیں ہزارواں حصہ ہی دکھا دے۔ ہمارے اندازہ کے مطابق اِس وقت جلسہ میں عورتوں اور مردوں کی تعداد ساٹھ ہزار ہے وہ ساٹھ آدمی ہی مبائعین میں سے اپنے ساتھ دکھا دے)

پھر کہا ''اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حال میں قادیان میں ایک جلسہ عام

ہوا ہے جس میں اہل قادیان نے متفقہ طور پر خلیفہ صاحب کی اقتداء کے خلاف نکتہ چینی کی ہے اور صدائے احتجاج بلند کی ہے (لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ)

میں خاموشی سے سنتا رہا اس کے بعد چوہدری صاحب کہنے لگے کہ تمہاری جماعت کے بزرگوں کے ذاتی کیریکٹر کے متعلق بھی ہمیں اطلاعات ملتی رہتی ہیں اور کچھ بزرگوں کے خلاف الزام بھی لگائے۔ اس پر میری غیرت نے اور کچھ سننا گوارانہیں کیا اور میں نے نہایت جوش میں دوسرے ہر دو غیر احمدی احباب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دوستو! ہمارا اپنا مکان قادیان میں ہے اور میں اور میرا خاندان ایک لمبے عرصہ تک وہاں مقیم رہے ہیں ہم بھی وہاں کے تمام حالات سے واقف ہیں لیکن میں عینی شاہد ہونے کی حیثیت سے چوہدری صاحب کے تمام الزامات اور غلط واقعات کی تردید کرتا ہوں اور اس کے جواب میں یہی کہتا ہوں کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ اور اب میں یہ کہتا ہوں کہ اگر چوہدری صاحب ان نام نہاد سرکردہ احمدیوں کے نام نہیں بتائیں گے جو نہ صرف منافق ہیں اور خفیہ طور پر احرار سے ملتے ہیں بلکہ اپنے کذب اور جھوٹ کو ''راز کی باتیں'' بتا کر ان کے عوض جماعت کے شدید دشمنوں کے سامنے کاسئہ گدائی لئے پھرتے ہیں تو میں یہ کہنے پر مجبور ہونگا کہ یہ سب کذب اور افتراء چوہدری صاحب جیسے اور ان جیسے دیگر دشمنانِ احمدیت کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں اور خواہ مخواہ احمدیوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ اس پر یکلخت چوہدری برکت علی صاحب نے کہا کہ ''وہ آپ کے خلیفہ اوّل کے لڑکے مولوی عبدالوہاب ہیں''۔

حضور مجھے اُس وقت ہرگز یقین نہیں آیا تھا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب کے متعلق جو باتیں چوہدری برکت علی نے کی ہیں وہ سچ ہیں بلکہ یہی سمجھتا رہا کہ ان پر افتراء کیا جارہا ہے اور چونکہ تحقیق کے بغیر کسی پر عائد شدہ الزام کو پھیلانا اسلام میں ممنوع ہے میں آج تک خاموش رہا ہوں آج تیرہ سال کے بعد اس واقعہ کو حلفیہ طور پر بیان کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں''۔[۲۰]

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۳۲ء۔۱۹۳۱ء میں احمدیہ ہوسٹل کی رہائش کے زمانہ میں میاں عبدالوہاب احمدیہ بلڈنگس میں جاتے اور مولوی محمد علی صاحب سے ملا کرتے تھے اور

ان سے امداد بھی لیتے تھے جیسا کہ ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم کی گواہی سے ظاہر ہے جو ہمارے پاس محفوظ ہے اور جسمیں انہوں نے لکھا ہے کہ :۔

''اگرچہ ۱۹۲۶ء سے لے کر آج تک مولوی عبد الوہاب صاحب کو ایک مرتبہ بھی منافقانہ خیالات کے میرے سامنے اظہار کی جرأت نہیں ہوئی لیکن میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ان کی یہ بیماری نئی نہیں بلکہ جس زمانہ میں ہم کالج میں پڑھتے اور احمدیہ ہوسٹل لاہور میں رہتے تھے تو وہ اُن دنوں بھی احمدیہ بلڈنگ میں جاتے اور مولوی محمد علی صاحب سے ملا کرتے تھے اور ان سے مالی امداد بھی لیا کرتے تھے حالانکہ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے ان کو بہت کافی مالی امداد باقاعدہ ملتی تھی یہ ۱۹۳۲ء۔۱۹۳۱ء کی بات ہے''۔

اسی کی تائید شیخ محمد اقبال صاحب تاجر کوئٹہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جس کو ابھی بیان کیا گیا ہے اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مکتبہ اُردو اور ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور کے مالک چوہدری برکت علی مرحوم نے اُن سے کہا کہ تمہاری جماعت کے سرکردہ لوگ ہم سے پوشیدہ ملتے رہتے ہیں اور اہل قادیان کے اندرونی حالات ہم کو بتاتے رہتے ہیں۔ جب میں نے اصرار کیا کہ بتائیں وہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ تمہاری جماعت میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے جاتے ہیں مگر وہ قادیان میں بہت تنگ ہیں، ان کے حقوق کو پامال کیا گیا ہے اور اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی ہم سے شکایت کرتے ہیں اور ہم سے مالی امداد بھی طلب کرتے رہتے ہیں''۔ اور آخر میں مولوی عبدالوہاب کا نام لیا۔[21]

ان گواہیوں سے ظاہر ہے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی غیروں سے شکایت کرتے رہے اور یہ پروپیگنڈا کرتے رہے کہ ان کی کوئی مالی امداد نہیں کی جاتی حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تھے اور حضرت خلیفہ اوّل ۱۹۱۴ء میں فوت ہوئے گویا حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر بیالیس سال اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اڑتالیس سال گذر چکے ہیں جو حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے عرصہ سے یقیناً زیادہ ہے۔ اس عرصہ میں سلسلہ کی طرف سے جو دونوں خاندانوں کو امداد

دی گئی ہے اس کا میں نے حساب نکلوایا ہے جو پچیس سال گزشتہ کا مل چکا ہے کیونکہ کچھ ریکارڈ قادیان رہ گیا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے خاندان کو ۲۵ سال کے عرصہ میں نوے ہزار ایک سَو بیس روپیہ دیا گیا اور حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کو جو بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادم تھے اس عرصہ میں نوے ہزار دوسَو نوے روپیہ ملا ہے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے جن کے افراد زیادہ تھے حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کو ایک سَو ستر روپیہ زیادہ ملا اور ابھی وہ رقمیں الگ ہیں جو میں دیتا رہا۔مگر باوجود اس کے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کو گرایا جا رہا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جارہی۔ جب اس کے ساتھ یہ بات بھی ملائی جائے کہ اس پچیس سال میں میں نے چندے کے طور پر ۴۵ ہزار کی رقم دی ہے اور پچھلے سال قریباً ڈیڑھ لاکھ کی زمین انجمن کو دی ہے تو اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کو ایک کوڑی بھی نہیں ملی بلکہ انہوں نے بغیر کوئی پیسہ لئے صدر انجمن احمدیہ کی خدمت کی ہے اور اس کو ایک بڑی بھاری رقم دی ہے اور اس کے علاوہ تحریک جدید کو میں نے تین لاکھ روپیہ دیا ہے۔

۱۹۳۶ء میں کیپٹن نواب دین صاحب دارالفضل ربوہ کی گواہی کے مطابق شیخ محمد سعید صاحب نے جو آجکل صوبیدار میجر کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوکر لاہور میں مقیم ہیں ان کے پاس بیان کیا کہ ڈلہوزی میں میاں عبدالوہاب، شیخ مولا بخش صاحب لائلپوری اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی اُن مجالس میں موجود ہوتے تھے جن میں وہ خلیفہ ثانی پر گندے الزامات لگاتے تھے اور اُن لوگوں کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے۔

۱۹۴۰ء میں شیخ عبدالرحیم صاحب پراچہ کی گواہی کے مطابق مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے والد مولوی محمد زکریا صاحب نے یہ انکشاف کیا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب ان کے ایجنٹ اور مخبر ہیں چنانچہ پراچہ صاحب لکھتے ہیں:۔

مکرم شیخ عبدالرحیم صاحب پراچہ کی شہادت

''بہت عرصہ ہوا احمدیہ ہوسٹل لاہور مزنگ کے علاقہ میں

نواب صاحب بہاولپور کی کوٹھی میں جس کا نام مجھے یقینی طور پر یاد نہیں رہا (غالباً الفیض تھا) میرے بڑے بھائی میاں فضل کریم صاحب پراچہ بی اے ایل ایل بی سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل تھے حضور لاہور تشریف لائے تو ہوسٹل میں ہی قیام فرمایا۔ میں بھی لاہور میں تھا ایک دن حضور باہر تشریف لے گئے اور حضور کے کمرہ میں کوئی نہ تھا تو مولوی عبدالوہاب اُس کمرہ میں گئے اور حضور کے کاغذات دیکھنے لگ گئے۔ بھائی فضل کریم صاحب نے دیکھ لیا اور انہوں نے اُن سے بہت سختی کی اور حضور کی خدمت میں بھی بعد میں عرض کر دیا۔ اَب مجھے یاد نہیں اُس وقت میں ہوسٹل میں تھا یا بعد میں بھائی صاحب نے بتایا وہ بہت غصے میں تھے اور کہتے تھے ان کا پیغامیوں سے تعلق ہے اور اس ضمن میں تلاشی لے رہے تھے۔ انہوں نے مولوی عبدالوہاب کی سخت بے عزتی کی جو مجھے ناگوار گزری کیونکہ بھائی صاحب نے حضور سے عرض کر دیا تھا اور حضور نے ستاری سے کام لیا۔ مجھے محض حضرت خلیفہ اوّل کے مقام اور بھیروی اور ہمارے بزرگوں کے محسن ہونے اور اکثر بھیرہ کے لوگوں کے ان کے ذریعہ جماعت میں داخل ہونے کی وجہ سے بھائی صاحب پر افسوس ہوا کہ حضور نے تو ستاری کی اور وہ ان کو ننگا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جنگ سے پہلے اور جنگ شروع ہونے کے زمانہ میں جو غالباً ۱۹۳۷ء۔ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء تھا میں کاروبار کے سلسلہ میں شملہ جاتا رہا۔ پہلی دفعہ وہاں میں مسلم یا دہلی مسلم ہوٹل میں (صحیح نام یاد نہیں) ٹھہرا اور پھر دوسری مختلف جگہوں پر ٹھہرا۔ میرا قالین کا کاروبار تھا اور قالین کے ایرانی بیوپاری مال لے کر اس ہوٹل میں ٹھہرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر اس ہوٹل میں جانا پڑتا تھا۔ ہوٹل کے مالک دہلی میں ریلوے اسٹیشن پر مسلم ریفریشمنٹ روم کے کنٹریکٹر بھی تھے اور ان کا مینیجر منظور حسین یا احمد ہوتا تھا مجھے سنہ صحیح یاد نہیں مگر مندرجہ بالا اوقات کے دوران میں ایک دن اس ہوٹل کے کھانے کے کمرے میں چائے یا کھانا کھا رہا تھا تو وہاں ایک سفید ریش معمر مولوی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے اب یاد نہیں کہ مولوی عبدالوہاب صاحب وہاں مجھ سے پہلے بیٹھے ہوئے تھے یا بعد میں آئے اُن سے وہاں ملاقات ہوئی۔ میں اپنے ساتھی کے ساتھ مصروف رہا مولوی عبدالوہاب صاحب فارغ ہو کر چلے گئے اور میں وہاں بیٹھا رہا۔ مینیجر ہوٹل منظور صاحب جن

سے میری بے تکلفی تھی آ کر پاس ہی بیٹھ گئے اُن سفید ریش مولوی صاحب نے جونہیں جانتے تھے کہ میں احمدی ہوں۔(مگر منظور صاحب کو میرا اچھی طرح علم تھا) مولوی عبدالوہاب صاحب کا ان کے چلے جانے کے بعد ذکر شروع کر دیا کہ یہ فلاں آدمی ہیں اور یہ ہمیں خبریں دیتے ہیں اور ہمیں انہی لوگوں سے مرزائیوں کے راز معلوم ہوتے ہیں اور کہا کہ (مجھے صحیح یاد نہیں آج یا کل) یہ چوہدری افضل حق کے پاس بھی آئے تھے۔(اُن دنوں چوہدری افضل حق صاحب شملہ میں تھے) اور بھی گفتگو ہوئی۔مگر اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد یاد نہیں مگر وہ الفاظ یا مفہوم جن سے مولوی صاحب کا احراریوں سے تعلق ظاہر ہوتا تھا اور پھر خلیفہ اوّل کی اولاد کس طرح بھول سکتے ہیں سخت صدمہ ہوا۔ میں نے کسی رنگ میں بعد میں مولوی صاحب سے خود چوہدری افضل حق صاحب سے ملاقات کی تصدیق بھی کروالی۔ پیغامیوں سے ان کے تعلقات کا کئی دفعہ سن چکا تھا مگر یہ الفاظ رنج دہ تھے۔منظور صاحب نے میرے ساتھ تعلقات کی وجہ سے ان سفید ریش مولوی صاحب کو یہ نہ بتایا کہ یہ احمدی ہیں بلکہ مسکراتے رہے اور انہیں نہ ٹوکا۔ جب وہ مولوی صاحب چلے گئے تو مجھے بتایا کہ یہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی احراری لیڈر کے والد ہیں۔ بعد میں دوسروں سے بھی تصدیق ہوگئی کہ یہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے والد ہیں کیونکہ پھر کئی دفعہ ملنے کا موقع ملا۔

میں ان الفاظ پر جو مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے والد نے کہے تھے حرف بحرف حلف نہیں اُٹھا سکتا مگر میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے والد صاحب نے جن کا نام مجھے یاد نہیں اس مفہوم کے الفاظ کہے تھے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب احراریوں کے مخبر ہیں اور آج یا کل بھی (شملہ میں) چوہدری افضل حق صاحب کے پاس آئے تھے۔[۲۲]

پراچہ صاحب نے جلسہ سالانہ پر شہادت دیتے ہوئے بتایا کہ جب الفضل میں میرا یہ خط شائع ہوا تو اُس وقت مجھے اُن سفید ریش معمر مولوی صاحب کا جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے نام یاد نہیں تھا اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا نام مولوی محمد ذکریا تھا اور میں خود بھی قسم کھا کے

کہتا ہوں کہ مجھے یاد آ گیا اور میرے حافظہ نے کام دیا کہ اُن کا نام مولوی محمد ذکریا تھا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب احراری لیڈر کے والد ہیں۔

۱۹۴۶ء میں محمد عبد اللہ صاحب ظفر وال ضلع سیالکوٹ کی گواہی کے مطابق میاں عبدالمنان صاحب نے مجھ پر اپنی جائیداد غصب کرنے کا الزام لگایا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''ہمارے ایک معزز غیر احمدی دوست نے (جو علاقہ مجسٹریٹ کے ریڈر ہیں) مجھے بتایا کہ مولوی منان میرے واقف ہیں۔ پارٹیشن سے پہلے جب کبھی میں ان کے ہاں جایا کرتا وہ حضور کے خلاف سخت غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ دیکھو جی! کمائی ہمارے باپ کی اور کھا یہ رہے ہیں (گویا مسیح موعود کی کمائی ہی نہیں۔کمائی حضرت خلیفہ اوّل کی تھی۔ اگر جسمانی لو تب بھی حضرت خلیفہ اوّل کی کمائی ہم سے ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ورثہ میں پانچ گاؤں اور ایک شہر قادیان کا ملا تھا اور خلیفہ اوّل کو ان کے باپ کی طرف سے ایک کچا کوٹھا بھی نہیں ملا تھا) ہمیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ان کے محل بن رہے ہیں۔''

۱۹۵۰ء میں میاں عبدالسلام نے یہ کہا کہ عبدالباسط انکے بڑے بیٹے کو زہر دیا گیا ہے وہ لائلپور میں پڑھتا تھا اور میں نے جماعت لائل پور سے گواہی منگوائی ہے وہ کہتے ہیں کہ میونسپل کمیٹی میں ان کا ریکارڈ موجود ہے اور میونسپل کمیٹی کی سند موجود ہے کہ اس نے خودکشی کی تھی بلکہ وہ کہتے ہیں کہ بعد میں جب ہم نے جنازہ نہ پڑھا کیونکہ خودکشی کرنے والے کا جنازہ جائز نہیں ہوتا تو میاں عبدالمنان نے آ کر کہا کہ عبدالباسط نے خودکشی نہیں کی بلکہ کسی نے اس کو زہر دے دیا ہے اور اس کی موت میں مختلف لوگوں کا ہاتھ ہے اور اس کے بعد میاں عبدالسلام اور عبدالمنان دونوں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس نے خودکشی نہیں کی بلکہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ چنانچہ چوہدری رشید احمد صاحب بٹ جو سکھر میں ہیں اور مولوی عبدالسلام صاحب کی زمینوں کے قریب رہتے ہیں اُن کی بھی یہی گواہی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''میری مولوی عبدالسلام مرحوم سے پہلی ملاقات جنوری ۱۹۵۰ء میں بمقام کنڈیارو

ہوئی جبکہ ہمارا تعارف چوہدری ہدایت اللہ صاحب پریذیڈنٹ جماعت کنڈیارو نے کرایا۔ اس سے پہلے حضرت خلیفہ المسیح الاوّل کے لڑکوں کے نام تو جانتا تھا مگر ان میں سے میرا کوئی واقف نہ تھا۔ اس دوران میں مولوی صاحب موصوف اس قسم کی باتیں کرتے رہے جس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے موجودہ نظام سے دلچسپی نہیں ہے (یہ تو ظاہر ہی ہے۔ مگر میاں بشیر احمد صاحب کو مولوی عبدالسلام صاحب کا بیٹا خود کہہ گیا ہے کہ میں خلافت سے بدظن ہوں اور کہہ گیا ہے کہ آپ تو بڈھے ہوگئے ہیں آپ کے ساتھ تو مستقبل کوئی نہیں میں جوان آدمی ہوں میرے سامنے بڑا مستقبل ہے میں نے اس کی فکر کرنی ہے گویا وہ بھی خلافت کا خواب دیکھ رہا ہے۔)

سیّدی! ...... غالباً سب سے پہلے ایسی بات جو مولوی صاحب موصوف نے مجھ سے کی وہ یہ تھی کہ میرا بڑا لڑکا جو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا وہ دراصل مرزا خلیل احمد کی وجہ سے ہوا تھا کیونکہ وہ دونوں کمیونسٹ ہو چکے تھے۔ حضرت صاحب نے اپنے لڑکے کو بچالیا اور مجھے یہ کہہ کر کہ اب اگر تم کیس کرو گے تو مسیح موعودؑ کے خاندان کی بے عزتی ہوگی حالانکہ میر محمد اسماعیل صاحب مرحوم نے مجھے بہت کہا تھا کہ کیس کرو مگر میں نے اس واسطے نہیں کیا کہ مجھے حضرت صاحب نے بُلا کر منع کیا تھا (جھوٹ ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ) بہرحال میرا لڑکا (یعنی عبدالسلام کا حضرت خلیفہ اوّل کا پوتا) مسیح موعودؑ کے پوتے کیلئے قربان ہوگیا۔ اس دوران میں مولوی صاحب نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس وقت یہ کیس ہوا اُس وقت خلیل کی الماری اشتراکی لٹریچر سے بھری ہوئی تھی جس کو خود حضرت صاحب نے جلایا (یہ بھی جھوٹ ہے البتہ یہ ٹھیک ہے کہ بعض کمیونسٹ جو ہمارے دشمن تھے انہوں نے خلیل کے نام کمیونسٹ لٹریچر بھیجنا شروع کردیا تھا۔)

میں نے مولوی صاحب سے جواباً کہا ''مجھے یہ علم نہیں نہ حضور کے علم میں یہ باتیں ہیں''۔

عبدالباسط نے درحقیقت خودکشی کی تھی جس کی تائید میں جماعت احمدیہ لائکپور نے مولوی عبیداللہ صاحب قریشی، شیخ محمد یوسف صاحب، ڈاکٹر محمد طفیل صاحب، شیخ نذر محمد صاحب، میاں محمد شفیع صاحب، کمانڈر عبداللطیف صاحب، چوہدری عبدالرحمٰن

صاحب، ڈاکٹر چوہدری عبدالاحد صاحب اور شیخ عبدالقادر صاحب مربی لاہور کی گواہیاں میرے پاس بھجوادی ہیں جن میں انہوں نے کہا ہے کہ تحقیقات ہوئی اور پولیس بھی آئی اور پھر سارا واقعہ لکھا کہ اس طرح وہ کمیونسٹ دوستوں کے پاس سے آیا اور کہنے لگا میں ذرا غسل خانہ میں جانا چاہتا ہوں وہاں گیا تو تھوڑی دیر کے بعد ہم کو آواز آئی ہم نے جب جھانکا تو دیکھا کہ زمین پر گرا پڑا تھا اور قے کی ہوئی تھی۔ پھر ہم نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے رُقعہ نکلا کہ میں نے خود زہر کھایا ہے کسی پر الزام نہ لگایا جائے۔ چنانچہ وہ رُقعہ پولیس میں دیا گیا۔اس نے تحقیقات کی اور میونسپل کمیٹی نے سرٹیفکیٹ دے دیا کہ ''سُوسائڈ (SUICIDE) ہے دفن کر دیا جائے'' اس وجہ سے پولیس نے کوئی مزید کارروائی نہ کی۔

خلیل کا واقعہ ستمبر ۱۹۴۱ء کا ہے۔۱۹۴۱ء میں بعض احراریوں نے کمیونسٹوں سے مل کر خلیل احمد کو کمیونسٹ لٹریچر بھیجنا شروع کیا اور دوسری طرف گورنمنٹ کو اطلاع دی کہ اس کے پاس کمیونسٹ لٹریچر آتا ہے اور یہ کمیونسٹ ہے۔ مجھے اس سازش کا پتہ لگ گیا اور میں نے فوراً ڈاکخانہ کو لکھ دیا کہ خلیل کی ڈاک مجھے دی جایا کرے خلیل کو نہ دی جایا کرے۔ میری غرض یہ تھی کہ یہ الزام نہ لگائیں کہ ڈاک کے ذریعہ اس کے پاس لٹریچر آتا ہے جب وہ لٹریچر میرے پاس آئے گا تو میں اسے تلف کر دوں گا اور گورنمنٹ کو کوئی بہانہ نہیں ملے گا۔ پولیس نے پھر بھی شرارت کی اور اس کے بعد جب میں ڈلہوزی گیا تو وہاں ڈاکیہ کو ساتھ ملا کر ایک بیرنگ پیکٹ خلیل کو دلوا دیا چونکہ میں نے اُسے منع کیا تھا وہ فوراً میرے پاس لے آیا اور میں نے وہ درد صاحب کے سپرد کیا اور درد صاحب کے ہاتھ سے پولیس سب انسپکٹر چھین کر لے گیا۔ میں نے فوراً گورنر کو تار دلا دیا کہ اس طرح پولیس آئی ہے اور درد صاحب کے ہاتھ سے ایک پیکٹ چھین کر لے گئی ہے ہمیں نہیں پتہ اس میں کیا ہے مگر اس کا منشاء یہ ہے کہ خلیل کو زیر الزام لائے کیونکہ وہ خلیل کے نام آیا تھا۔اس پر گورنمنٹ نے تحقیقات کی اور پولیس کی شرارت اس پر ظاہر ہوگئی اور وہ ہیڈ کانسٹیبل جو اُس وقت بطور سب انسپکٹر کام کر رہا تھا اُس کو ڈی گریڈ کیا گیا اور ڈلہوزی سے بدل کر شکر گڑھ کے ایک چھوٹے سے تھانہ میں بھیج دیا

گیا۔ اُس وقت نہ ہمیں معلوم تھا کہ عبدالباسط بھی کمیونسٹ اثر کے نیچے ہے اور نہ ہم اس کے لئے کوئی کوشش کر سکتے تھے کیونکہ وہ لائلپور میں پڑھتا تھا اور لائلپور کالج کے کمیونسٹ لڑکوں سے مِلا کرتا تھا اور ہماری حفاظت سے باہر تھا۔

پھر یہ مخالفت اتنی لمبی کی گئی کہ ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۱ء کی گواہیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں عبدالمنان کی خلافت کا پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ عزیزہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سیرالیون جو محبوب علی صاحب مرحوم آف مالیر کوٹلہ کی دختر ہیں لکھتی ہیں کہ:۔

''۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے کہ میرا خالہ زاد بھائی منور شاہ ولد فضل شاہ (ساکن نواں پنڈ احمد آباد مضافات قادیان کا ہے اور اس وقت گوٹھ لالہ چرنجی لال نمبر ۳۸۵ تحصیل میر پور خاص تھر پارکر سندھ میں رہائش رکھتا ہے) اُنہی دنوں میں یعنی ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۱ء میں جب کہ مرزا شریف احمد صاحب کی دکان بندوقوں والی میں ملازم تھا ربوہ میں میرے پاس ملنے کو آیا۔ اتفاقاً ایک دن باتوں باتوں میں یہ ذکر کیا کہ ایک گروہ نوجوانوں کا ایسا ہے جو کہتا ہے کہ موجودہ خلیفہ کے بعد اگر خلافت پر مرزا ناصر احمد صاحب کو جماعت نے بٹھایا تو ہماری پارٹی میں سے کوئی بھی اُسے نہیں مانے گا۔ ہم تو میاں عبدالمنان صاحب عمر کو خلیفہ مانیں گے۔ میں نے اِسے بُرا منایا اور جھڑک کر کہا کہ وہ خبیث کون کون ہیں۔ اس پر غصے میں آ کر کہنے لگا کہ دیکھنا اُس وقت تم لوگوں کا ایمان بھی قائم نہیں رہے گا۔ یہ کہہ کر اُسی وقت وہ میرے گھر سے باہر چلا گیا میں اس کی وجہ سے دل میں کڑھتی رہی مگر سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس کا ذکر حضور سے کیونکر کروں۔ اب حضور کا ارشاد پڑھ کر میں نے یہ بیان مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری کو لکھوا دیا میں خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ کہتی ہوں کہ یہ بیان صحیح ہے الفاظ میں کمی بیشی ہو تو الگ امر ہے مگر مفہوم یہی تھا۔'' [۲۳]

اسی طرح چوہدری بشارت احمد صاحب لاہور کی گواہی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ غلام رسول ۳۵ نے بھی یہی کہا کہ ہم تو میاں عبدالمنان صاحب عمر کی بیعت کریں گے۔ [۲۴] اور مولوی محمد صدیق صاحب شاہد مربی سلسلہ راولپنڈی کی بھی یہی گواہی ہے کہ اللہ رکھا نے

کہا کہ اب تو لاہوریوں کی نظر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد پر زیادہ پڑتی ہے اور وہ میاں عبدالمنان صاحب کی زیادہ تعریف کر رہے ہیں اور ان کے نزدیک وہ زیادہ قابل ہیں۔ [۲۵]

چنانچہ ''پیغام صلح'' کی تائید سے بھی ظاہر ہوگیا ہے کہ بات سچ ہے اسی طرح عنایت اللہ صاحب انسپکٹر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ لکھتے ہیں

''ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نثار پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ طالب آباد نے بتایا کہ آج سے دوسال قبل گوٹھ رحمت علی تھل برانچ پر مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی (یہ حضرت خلیفہ اوّل کے نواسے اور عبدالوہاب اور عبدالمنان کے بھانجے ہیں) کے ایک پروردہ شخص بشیر احمد نے کہا کہ جماعت احمدیہ کی خلافت کا حق مولوی نورالدین صاحب کے بعد ان کی اولاد کا تھا لیکن میاں محمود احمد صاحب نے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ظلم سے ان کا حق غصب کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب ہم لوگ (یعنی خاندان حضرت خلیفہ اوّل اور ان کے غیر احمدی رشتہ دار) اس کوشش میں ہیں کہ خلافت کی گدی مولوی صاحب کی اولاد کو ملے اور اب ''حق بحقدار رسید'' کے مطابق جلد ہی یہ معاملہ طے ہو کر رہے گا۔'' [۲۶]

یعنی حق حضرت خلیفہ اوّل کا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد نے خواہ مخواہ بیچ میں دخل دے دیا۔ چنانچہ ہمارے پاس بعض ٹریکٹ ایسے پہنچے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے غیر احمدی رشتہ داروں نے مختلف کارٹونوں کے ذریعہ سے اس کے لئے پروپیگنڈا ابھی شروع کر دیا ہے اور یہ اشتہارات کثرت کے ساتھ جماعت میں شائع کئے جائیں گے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اِس وقت ایک ٹریکٹ چالیس ہزار چھپا ہے اور کثرت سے ایسے ٹریکٹ جماعت میں شائع کئے جائیں گے''۔

مہاشہ محمد عمر صاحب کی شہادت

مہاشہ محمد عمر صاحب کی رپورٹ بھی اسی کی تائید کر رہی ہے کہ اب تک مخالفت بڑھائی جارہی ہے وہ کہتے ہیں۔

''میں بتاریخ ۱۹۵۶ء-۱۲-۲۴ کو جلسہ سالانہ کے لئے ڈھاکہ سے ربوہ آرہا تھا جب میں امرتسر ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترا تو ایک نوجوان مجھے ملا۔ اُس نے کہا کیا آپ

ربوہ جا رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر آپ کو ہماری خدمات کی ضرورت ہوتو ہم حاضر ہیں کیونکہ ہماری ڈیوٹی لگی ہے کہ جلسہ پر آنے والے احمدیوں کو سہولت کے ساتھ پہنچا دیں۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بازار چلا گیا۔ جب ہم بس میں سوار ہوئے تو وہ بھی ہمارے پاس آ کر لاہور کیلئے اس بس میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام حضرت مولوی عبدالمنان صاحب نے رتن باغ میں کیا ہے اور وہ بڑے متقی ہیں آپ وہاں تشریف لے چلیں۔

میں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام ارشد ہے (ممکن ہے اس نے اپنا نام غلط بتایا ہو ہمارے علم میں اس کا نام خالد ہے) اور میں حضرت مولوی عبدالمنان صاحب کا بھانجا ہوں اور مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا لڑکا ہوں۔ میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ یہ میں درست کہہ رہا ہوں۔'' (مہاشہ محمد عمر)

گویا جیسے شیطان نے کہا تھا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کہ میں آدم سے بہتر ہوں اسی طرح اسماعیل غزنوی کے بیٹے نے ہمارے بنگالی مہمانوں کو ورغلانے کیلئے کہا کہ منان صاحب کی دعوت کھاؤ جو جماعت میں تقویٰ میں سب سے افضل ہے۔

پھر ۱۹۵۳ء میں مولوی عبدالمنان صاحب نے سلسلہ کے مخالف وہابیوں سے ایک خفیہ سازباز کی۔ چنانچہ ہمیں ایک فائل اورینٹل کمپنی کے دفتر سے ملا ہے جس کے چیئرمین مولوی عبدالمنان صاحب تھے خدا تعالیٰ نے ان کی عقل ایسی ماری کہ وہ اپنے کئی خطوط وہاں چھوڑ کر بھاگ گئے چنانچہ ایک خط اُن میں مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا ملا ہے جو ان کے سوتیلے بھانجے ہیں اور غزنوی خاندان میں سے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شدید دشمن رہا ہے اور جس کی مخالفت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی کتابیں لکھی ہیں اس میں وہ لکھتے ہیں:۔

''جو امانت آپ کے پاس پڑی ہے ضرورت ہے کہ وہ محفوظ ترین طریق سے میرے پاس پہنچ جائے یا تو ان سَو جیپوں میں سے کسی ایک پر جو لاہور آ رہی ہوں اشیاء بھجوا دیں (معلوم ہوتا ہے سازشی طور پر یہاں سے لاہور تک ایک جال تنا ہوا تھا) یا کسی معتبر آدمی کے

ہاتھ جسے میں کرایہ بھی ادا کر دوں گا یا اگر آپ صالحہ بیگم زوجہ میر محمد اسحاق صاحب مرحوم کی خبر لینے کے لئے آئیں (وہ ۱۹۵۲ء میں لاہور علاج کیلئے گئی تھیں) تو آپ اپنے ساتھ لیتے آئیں مگر کسی کے ہاتھ بھجوائیں تو بے خطا بھجوائیں ضائع نہ ہو‘‘۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۳ء سے مولوی عبدالمنان اور سلسلہ کے مخالف وہابیوں میں خفیہ ساز باز جاری تھی۔ایک خط اس فائل میں اللہ رکھا کا مولوی عبدالمنان کے نام ملا ہے اس میں اس نے خواہش کی ہے کہ آپ اپنے لنگر خانہ میں مجھے ملازمت دِلوا دیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

’’آپ اپنے لنگر خانہ میں مجھے ملازمت دلوا دیں (گویا سلسلہ کا لنگر خانہ جلسہ کے کام پر مقرر کرنے کی وجہ سے اب میاں عبدالمنان کا ہو گیا) مگر جلسہ سالانہ سے پہلے کسی اچھی جگہ پر لگا دیں‘‘۔

اب اللہ رکھا کا تازہ خط پکڑے جانے پر اس خاندان نے شور مچایا ہے کہ اللہ رکھا کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ خط تو اماں جی کی وفات پر محض ہمدردی کے خط کے جواب میں تھا حالانکہ یہ خط بتاتا ہے کہ اللہ رکھا سے پرانے تعلقات چل رہے تھے بلکہ قادیان سے ایک درویش نے جو کہ لنگر خانہ کا افسر تھا لکھا ہے کہ میں لنگر خانہ کے سٹور میں سویا ہوا تھا کہ رات کو میں نے دیکھا کہ اللہ رکھا آیا اس کی آنکھیں کمزور ہیں اور اُسے اندھراتا کی شکایت ہے جس کی وجہ سے اسے رات کو ٹھیک طور پر نظر نہیں آتا اس نے آکر اِدھر اُدھر دیکھا مگر اندھیرے کی وجہ سے مجھے دیکھ نہ سکا۔اس کے بعد وہ وہاں سے سامان اُٹھا کر بازار میں بیچنے کیلئے لے گیا۔میں نے اُس کو راستہ میں پکڑ لیا پھر اور لوگ بھی جمع ہو گئے اور اس کو ملامت کی جب تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ وہ سامان بیچ کر میاں عبدالوہاب کی ایجنٹی کرتا ہے اور ان کو روپیہ لا کر دیتا ہے **وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**۔

چونکہ راوی ایک ہی ہے اس لئے ہم اس کی شہادت کی قطعی طور پر تصدیق نہیں کر سکتے جب تک کہ کئی راوی نہ مل جائیں۔

اِسی طرح اللہ رکھا کا ایک خط مولوی عبدالمنان صاحب کے نام ملا ہے اس میں

لکھا ہے۔

''جناب مولوی اسماعیل کے ساتھ جس آدمی کے متعلق آپ کے سامنے ذکر فرمایا تھا (اپنے آپ کو فرمایا لکھتا ہے) اس کو جناب مولوی صاحب سے ملا دیا۔ بعد میں کوشش کی کہ آپ کی بھی ملاقات ہووے مگر آپ کو موقع نہ ملا اگر موقع ملتا تو آپ ضرور اس کے خیال کا پتہ کرتے اور جو مال اس کے پاس تھا دیکھتے اگر اس قابل ہوتا کہ موجودہ وقت کے مطابق شائع کرنا مناسب حال ہوتا تو آپ بات کر لیتے''۔

گویا اُس وقت بھی بقول اللہ رکھا ہمارے خلاف ٹریکٹ لکھوائے جارہے تھے اور مولوی عبدالمنان مولوی اسماعیل صاحب غزنوی سے مل کر مشورے کرتا تھا۔ اس خط سے بالکل واضح ہو گیا ہے کہ اللہ رکھا مولوی اسماعیل غزنوی اور مولوی عبدالمنان میں سالہا سال سے ایک سازش جاری تھی اور یہ محض غلط بیانی ہے کہ اماں جی کی وفات پر کسی ہمدردی کے خط پر اس سے تعلق پیدا ہوا۔ یہ سازش عام نہیں تھی بلکہ سلسلہ کے خلاف لٹریچر شائع کرنے کی سازش تھی جس میں غیر احمدی بھی شامل تھے۔

ہماری جماعت کے لوگ چونکہ عموماً باہر کے لوگوں سے واقف نہیں ہوتے اس لئے وہ سمجھتے نہیں کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کون ہیں؟ مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی حضرت خلیفہ اوّل کی پہلی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ جب آپ وہابی تھے تو آپ نے وہابی تعلق کی وجہ سے مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ جو نہایت بزرگ اور ولی اللہ تھے اور افغانستان سے ہجرت کر کے آئے تھے ان کے بیٹے مولوی عبدالواحد سے اپنی لڑکی امامہ کا بیاہ کر دیا۔ امامہ کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے۔ ایک آمنہ بڑی لڑکی پیدا ہوئی اور دوسرے محمد ابراہیم بیٹا پیدا ہوا اور تیسرے محمد اسماعیل پیدا ہوا جو اَب مولوی اسماعیل غزنوی کہلاتا ہے۔ ابراہیم غزنوی بچپن میں میرے ساتھ کھیلا ہوا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس جو اس کے نانا تھے آیا کرتا تھا بہت نیک اور شریف لڑکا تھا یعنی وہ اپنے چھوٹے بھائی کی بالکل ضد تھا۔ گو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بڑا ہوتا تو احمدی ہوتا یا باپ کے اثر کے نیچے نہ ہوتا۔ مگر بہر حال وہ ایک نیک لڑکا تھا۔ اس خاندان کی سلسلہ سے عداوت بہت پُرانی ہے مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جو

ملہم تھے انہوں نے ایک خواب دیکھی تھی جو حافظ محمد یوسف صاحب نے جو امرتسر کے ایک عالم تھے اور مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے مریدوں میں سے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہنچا دی۔ وہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں چھپی ہوئی ہے وہ خواب یہ تھی کہ قادیان میں خدا تعالیٰ کا نور اُترا مگر میری اولاد اس سے محروم رہی ۲۷ جب یہ خواب شائع ہوئی تو مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی اولاد کو غصہ لگا اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بڑے بڑے فتوے دیئے۔

اِس وقت اِس خاندان کے لیڈر مولوی داؤد غزنوی ہیں جو ۱۹۵۳ء کے ایجی ٹیشن میں جس میں سینکڑوں احمدی مارے گئے تھے، لیڈر تھے۔ یہ مولوی داؤد غزنوی مولوی عبدالجبار کے بیٹے ہیں جو مولوی عبدالواحد کے بڑے بھائی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی عبدالجبار کے ایک بھائی احمد بن عبداللہ غزنوی کا فتویٰ اپنے متعلق کتابوں میں نقل کیا ہے کہ وہ کیسا بدگو آدمی تھا۔ اُس نے جو فتویٰ دیا تھا وہ کتاب البریہ صفحہ ۱۳۰ پر درج ہے اس میں لکھا ہے کہ ''قادیانی کے حق میں میرا وہ قول ہے جو ابن تیمیہ کا قول ہے جیسے تمام لوگوں سے بہتر انبیاء علیہم السلام ہیں ویسے ہی تمام لوگوں سے بدتر وہ لوگ ہیں جو نبی نہ ہوں اور نبیوں سے مشابہہ بن کر نبی ہونے کا دعویٰ کریں ...... یہ (یعنی مسیح موعود) بدترین خلائق ہے (یعنی چوہڑوں چماروں سے بھی بدتر ہے) تمام لوگوں سے ذلیل تر۔ آگ میں جھونکا جائے گا (یعنی جہنم میں پڑے گا)'' ۲۸

یہ تو ایک بھائی کا فتویٰ تھا اب مولوی اسماعیل غزنوی کے باپ (مولوی عبدالواحد غزنوی) کا فتویٰ سن لو جس کے ساتھ مل کر منان کوششیں کر رہا ہے اور جس کا بیٹا بنگال کے وفد کو لینے کیلئے بارڈر پر گیا تھا۔

مولوی عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی کا فتویٰ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ میں صفحہ ۲۰۲ پر شائع کیا ہے یہ دو بھائیوں نے مل کر فتویٰ دیا تھا ایک مولوی عبدالواحد نے جو مولوی اسماعیل غزنوی کے باپ ہیں اور ایک ان کے دوسرے بھائی مولوی عبدالحق نے اس میں لکھا ہے کہ:۔

''یہ مسئول عنہ شخص (یعنی حضرت مسیح موعود) اپنی ابتدائی حالت میں اچھا معلوم ہوتا تھا دین کی نصرت میں ساعی تھا اللہ تعالیٰ اس کا مددگار تھا دن بدن **فَیُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ** کا مصداق بنتا جاتا تھا لیکن اس سے اس نعمت کی قدردانی نہ ہوئی۔ نفس پروری و زمانہ سازی شروع کی۔ زمانہ کے رنگ کو دیکھ کر اس کے موافق کتاب وسنت میں تحریف والحاد و یہودیت اختیار کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا **فَیُوْضَعُ لَهُ الْبُغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ** کا مصداق بن گیا''۔ [۲۹] یعنی اب دنیا میں لوگ اس سے بغض کریں گے اب تم دیکھ لو کہ مولوی عبدالواحد کا قول سچا نکلا کہ لوگ اس سے بغض کر رہے ہیں یا لوگ بیٹھے ہوئے اس پر درود وسلام بھیج رہے اور اس کیلئے دعائیں کر رہے ہیں۔

پھر اس کا ایک اور بھائی مولوی عبدالحق غزنوی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھتا ہے:۔

''دجال، ملحد، کاذب، روسیاہ، بدکار، شیطان، لعنتی، بے ایمان، ذلیل، خوار، خستہ خراب، کافر، شقی سرمدی ہے (یعنی قیامت تک شقی ہے) لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے لعن طعن کا جوت اس کے سر پر پڑا۔ بے جا تاویل کرنے والا ...... مارے شرمندگی کے زہر کھا کر مر جاوے گا ...... بکواس کرتا ہے ...... رُسوا، ذلیل، شرمندہ ہوا، اللہ کی لعنت ہو۔ جھوٹے اشتہارات شائع کرنے والا، اس کی سب باتیں بکواس ہیں''۔ [۳۰] اور اس کا ہیڈنگ بھی کیسا پاکیزہ رکھا ہے اشتہار کا نام ہے ''**ضَرْبُ النِّعَالِ عَلٰی وَجْهِ الدَّجَّالِ** '' یعنی حضرت مسیح موعود دجال ہیں اور میں ان کے منہ پر جوتیاں مارتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے حجۃ اللہ کتاب کے صفحہ ۷ پر اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عبدالحق غزنوی نے مجھے ایک خط میں گالیاں دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

''دس ہزار تیرے پر لعنت'' پھر لعنت لعنت کئی دفعہ لکھا ہے اور آخر میں لکھا ہے ''**عشرۃ الف مائۃ**'' یعنی دس لاکھ دفعہ لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر یہی مولوی عبدالحق غزنوی (مولوی اسماعیل غزنوی کا چچا) حضرت صاحب کے متعلق لکھتا ہے:۔

''کافراَکْفَر ہے مرزا، دجال ہے مرزا، شیطان ہے مرزا، فرعون ہے مرزا، قارون ہے مرزا، ہامان ہے مرزا، ارڑپوپو ہے مرزا، وادی کا وحشی ہے مرزا، کتا ہے جو ہانپ رہا ہے، یہ جنگلی کتا ہے''۔[۳۱]

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف ''کتاب البریہ'' میں اس کے خاندان کی گالیاں لکھی ہیں اور لکھا ہے کہ انہوں نے میری نسبت لکھا ہے کہ:۔

''ان امور کا مدعی رسولِ خدا کا مخالف ہے......ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کذاب پیدا ہونگے......ان سے اپنے آپ کو بچاؤ تم کو گمراہ نہ کردیں اور بہکا نہ دیں۔ اس (قادیانی) کے چوزے (یعنی آپ لوگ بشمولیت حضرت مولوی نورالدین صاحب جو منان کے باپ اور مولوی اسماعیل غزنوی کے نانا اور اس گالیاں دینے والے کے بھائی کے خسر تھے) ہنود اور نصاریٰ کے مخنث ہیں''۔[۳۲]

گویا جب مولوی عبدالواحد غزنوی کا پوتا بارڈر پر آپ لوگوں کو یہ کہنے گیا تھا کہ منان تقویٰ میں سب سے زیادہ ہے تو اس کے معنے یہ تھے کہ ہندو اور نصاریٰ کا مخنث سب سے زیادہ ہے کیونکہ جب احمدی ہنود اور نصاریٰ کے مخنث ہیں تو اگر منان احمدی ہے اور وہ احمدیوں میں سب سے بڑا ہے تو پھر وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کا سب سے بڑا مخنث ہے۔

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کہتے ہیں کہ مولوی عبدالواحد کا ایک الگ فتویٰ بھی ہے جو اُس نے عدالت میں لکھوایا تھا کہ مرزا قادیانی کافر ہے اور اس کے مرید سب کافر ہیں اور جو کوئی ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اب مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی اور مولوی داؤد صاحب غزنوی اور خالد صاحب (ابن مولوی محمد اسماعیل صاحب) جنہوں نے بارڈر پر جاکر بنگالی وفد کے سامنے کہا تھا کہ مولوی منان سب سے بڑے متقی ہیں بتائیں کہ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں اور آیا ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ان کے دادا نے کہا تھا؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مولوی اسماعیل غزنوی کی ماں یعنی حضرت خلیفہ اوّل کی بڑی بیٹی کی وفات بھی میرے مباہلہ کے نتیجہ میں ہوئی مولوی

عبدالحق غزنوی نے جومولوی عبدالواحد غزنوی کا چھوٹا بھائی تھا پیشگوئی کی تھی کہ میرے گھر بیٹا پیدا ہوگا اور مرزا صاحب ابتر مریں گے۔ حضرت صاحب کہتے ہیں تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے گھر بیٹے پیدا ہوں گے اور ہمارے ہاں کوئی نہیں ہوگا لیکن خدا نے میرے گھر میں دو اور بیٹے دے دیئے۔

''اور وہ دونوں پیشگوئیاں جوصد ہا انسانوں کو سنائی گئی تھیں پوری ہوگئیں اب بتلاؤ کہ تمہاری وہ پیشگوئیاں کہاں گئیں۔ ذرا جواب دو کہ اس فضول گوئی کے بعد کس قدر لڑکے پیدا ہوئے۔ ذراانصاف سے کہو کہ جب کہ تم منہ سے دعویٰ کر کے اوراشتہار کے ذریعہ لڑکے کی شہرت دے کر پھر صاف نامراداور خائب وخاسر رہے کیا یہ ذلت تھی یا عزت تھی؟ اوراسمیں کچھ شک نہیں کہ مباہلہ کے بعد جو کچھ قبولیت مجھ کوعطا ہوئی وہ سب تمہاری ذلت کا موجب تھی۔'' ۳۳؎

پھر فرماتے ہیں:۔

اس نے میرے خلاف دعائیں کیں اُس کی دعاؤں کا کیا انجام ہوااور میری دعاؤں کا کیاانجام ہوا:۔

''اب وہ کس حالت میں ہے اور ہم کس حالت میں ہیں۔ دیکھواس مباہلہ کے بعد ہر ایک بات میں خدا نے ہماری ترقی کی اور بڑے بڑے نشان ظاہر کئے آسمان سے بھی اور زمین سے بھی اور ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا۔ اور جب مباہلہ ہوا تو شاید چالیس آدمی میرے دوست تھے اور آج ستر ہزار کے قریب ان کی تعداد ہے (اوراب خدا کے فضل سے وہ دس لاکھ کے قریب ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں دس کروڑ سے بھی زیادہ ہوجائے گی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ'') ۳۴؎

پھر فرماتے ہیں:۔

''لطف تب ہو کہ اول قادیان میں آؤ اور دیکھو کہ ارادتمندوں کا لشکر کس قدر اس جگہ خیمہ زن ہے اور پھر امرتسر میں عبدالحق غزنوی کو کسی دکان پر یا بازار میں چلتا ہوا دیکھو کہ کس حالت میں چل رہا ہے۔'' ۳۵؎

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

’’تمہارے مباہلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمہارے بھائی کا بھی خانہ ویران ہوگیا‘‘۔ [۳۶]
تمہارے بھائی مولوی عبدالواحد کا بھی خانہ برباد ہوگیا یعنی مولوی اسماعیل غزنوی کے باپ کا جس کی بیوی حضرت خلیفہ اوّل کی بڑی بیٹی تھی اور فرماتے ہیں یہ میرے مباہلہ کا نتیجہ تھا۔

غرض یہ خاندان سلسلہ کا پرانا دشمن ہے ان کے دادا نے پیشگوئی کی ہوئی ہے کہ ان کو نورِ قادیان یعنی صداقت احمدیت نصیب نہیں ہوگی اور ہمیشہ اس کے دشمن رہیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اب منان اور عبدالوہاب سے انہوں نے اس فتنہ کے موقع پر خاص یارانہ گانٹھا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ مرحوم کی پیشگوئی کے مطابق مولوی عبدالمنان اور مولوی عبدالوہاب بھی احمدی نہیں رہے۔ کیونکہ اگر ان میں احمدیت رہتی تو مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ کی پیشگوئی کے مطابق ان کے پوتے اور ان کے پڑپوتے ان کی دوستی اور ان کی حمایت نہ کرتے مگر چونکہ وہ ان کی حمایت میں ہیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں میں بھی احمدیت باقی نہیں رہی اگر باقی ہے تو پھر مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ کی پیشگوئی جھوٹی جاتی ہے حالانکہ وہ ایک راست باز انسان تھے۔

دسمبر ۱۹۵۴ء میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے لاہور میں کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی اولاد کیلئے صرف دُنیوی ترقیات کیلئے دعا فرمائی ہے مگر حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی اولاد کو خدا کے سپرد کر دیا چنانچہ ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب نواب شاہ سندھ کی شہادت ہے کہ:۔

’’عاجز دسمبر ۱۹۵۴ء کے قافلہ کے ساتھ جو کہ جلسہ سالانہ پر قادیان جانے والا تھا لاہور جودھامل بلڈنگ گیا رات جودہامل بلڈنگ میں گزاری۔ صبح نماز فجر باجماعت پڑھنے کے بعد بیٹھے تھے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب آگئے اور پوچھا کہ جماعت ہوگئی ہے؟ بتانے پر کہ جماعت ہوچکی ہے انہوں نے خود اکیلے ہی نماز پڑھ لی۔ مولوی عبدالوہاب صاحب کہنے لگے (جیسے کہ درس دیا جاتا ہے) کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے دنیاوی ترقیات کے لئے دعا فرمائی ہے جیسے ’’دے ان کو عمر و دولت‘‘ پھر کہا کہ آپ دیکھیں حضور کی اولاد دنیا کے پیچھے لگ کر پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہے کیونکہ دنیا کے پیچھے لگ

کرانسان سکونِ قلب حاصل نہیں کرسکتا۔‘‘

ان کا یہ درس یا تقریر بتاتی ہے کہ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کوئی ایمان نہیں رہا ورنہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ترجیح نہ دیتے پھران کی بات بھی غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے دنیا نہیں مانگی بلکہ دین مانگا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

شیطان سے دُور رکھیو! اپنے حضور رکھیو
جان پُر زنور رکھیو! دل پُر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قربان رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یہ تینوں تیرے بندے رکھیو نہ ان کو گندے
کر دُور اِن سے یاربّ دنیا کے سارے پھندے
چنگے رہیں ہمیشہ کریو نہ ان کو مندے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے میری جاں کے جانی! اے شاہِ دوجہانی
کر ایسی مہربانی ان کا نہ ہووے ثانی
دے بخت جاودانی اور فیض آسمانی
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے واحد یگانہ اے خالق زمانہ
میری دعائیں سن لے اور عرضِ چاکرانہ

تیرے سپرد تینوں! دیں کے قمر بنانا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

مولوی عبدالوہاب کے خیال میں رُشد اور ہدایت اور دین اور فیضِ آسمانی اور دین کا قمر ہونا یہ سب دنیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو دنیا سُوجھی مگر حضرت خلیفہ اوّل کو جوان کے غلام تھے دین سوجھا۔ پھر مولوی عبدالوہاب کا یہ کہنا کہ:۔

''حضور کی اولاد دنیا کے پیچھے لگ کر پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہے کیونکہ دنیا کے پیچھے لگ کر انسان سکونِ قلب حاصل نہیں کر سکتا''۔

یہ بھی ان کے خاندان کے نظریہ کی رُو سے غلط ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ مولوی عبدالمنان آخری وقت میں جاتے ہوئے اِدھر سلسلہ کا روپیہ ناجائز طور پر استعمال کر رہے تھے اور اُدھر دوسرے احمدیوں سے روپیہ منگوا رہے تھے چنانچہ تحریک جدید اور اورینٹل کارپوریشن کے روپیہ میں انہوں نے جو ناجائز تصرف کیا اس کے متعلق چوہدری احمد جان وکیل المال تحریک جدید کی شہادت ہے کہ:۔

''میاں عبدالمنان صاحب عمر جو تحریک جدید میں نائب وکیل التصنیف اور اورینٹل کارپوریشن کے چیئر مین تھے گزشتہ سال مجلس تحریک جدید نے سات رہائشی کوارٹروں اور مسجد کی تعمیر کا کام ان کے سپرد کیا اور ان تعمیرات کے لئے ستائیس ہزار روپے کا بجٹ منظور کیا۔ جس میں سے میاں عبدالمنان صاحب نے ۲۶۹۹۸ روپے خزانہ تحریک جدید سے برآمد کرائے۔ اس میں سے ۲۳۸۴۳ روپے کوارٹروں کی تعمیر پر خرچ ہوئے باقی رقم انہوں نے نہ تحریک جدید کو واپس کی نہ مسجد بنوائی بلکہ کم وبیش ۳۷۰۰ روپے بصورت سامان تعمیر وغیرہ اورینٹل کمپنی کی طرف منتقل کئے اور وہاں سے اپنی ذاتی دُکانوں کی تعمیر پر خرچ کر لئے۔ اورینٹل کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے کمپنی کی دُکانوں اور پریس کی عمارت بنانے کیلئے ساڑھے بارہ ہزار روپے تک خرچ کرنے کی میاں عبدالمنان کو منظوری دی انہوں نے کمپنی کی عمارت کے ساتھ ہی اپنی سات عدد دُکانات بھی تعمیر کیں اور بورڈ کی اجازت کے بغیر اپنی ذاتی اور کمپنی کی تعمیرات کا نہ صرف حساب اکٹھا رکھا بلکہ ۶۲۳ روپے کی

قلیل رقم کے سوا اپنی دُکانوں کا سارا خرچ کمپنی کے فنڈز میں سے کیا۔جس کے نتیجہ میں ان تعمیرات پر اٹھارہ ہزار روپے کے قریب مجموعی خرچ ہوا جس میں تحریک جدید کی منتقل شدہ رقم بھی شامل ہے۔اس میں سے ان کی اپنی دُکانوں کا خرچ ساڑے دس ہزار روپے اور باقی قریباً ساڑھے سات ہزار روپے کمپنی کی عمارت کا خرچ ہے۔اس طرح (اگر وکیل المال صاحب کی رپورٹ صحیح ہے تو) میاں عبدالمنان صاحب تحریک جدید اور کمپنی کا دس ہزار روپیہ ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لائے جو بعد میں ۱۴/۱ کتوبر کو ان سے وصول کرلیا گیا''۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کی شہادت

اسی طرح چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کی شہادت ہے کہ:۔

''میں نے صدر انجمن احمدیہ کے آڈیٹر کی حیثیت سے جب جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء کے حسابات کی پڑتال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ صدر انجمن احمدیہ کے منظور شدہ قواعد کے ماتحت جو رقم یا تو محکمہ کے سیف (SAFE) میں نقد موجود ہونی چاہیے تھی یا صدر انجمن احمدیہ کے صیغہ امانت میں جلسہ سالانہ کی امانت میں جمع موجود ہونی ضروری تھی اس میں سے مبلغ ۱۸۹۹ روپے ۱ آنہ ۳ پائی کم تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولوی عبدالمنان صاحب افسر جلسہ سالانہ تھے۔ جب مولوی عبدالمنان صاحب جلسہ سالانہ کے کام سے تبدیل کئے گئے تو یہ تمام کی تمام رقم کلرک غلام احمد صاحب کے نام پیشگی ظاہر کی گئی جو اُس وقت محرر جلسہ سالانہ تھے۔

میں نے اس معاملہ میں مزید چھان بین کی اور متعلقہ کارکنانِ دفتر کے بیانات لئے اور پُرانا ریکارڈ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ۱۹۴۹ء میں ۵۰۰ روپے کی رقم مولوی عبدالمنان صاحب نے لی تھی اس رقم میں سے مختلف وقتوں میں انہوں نے کچھ رقم واپس کی اور ابھی تک ۱۷۹ روپے ۱۲ آنے ۶ پائی اس پانسو کی رقم میں سے ان کے تصرف میں ہیں اور باوجود بار بار کے مطالبات کے یہ رقم بھی واپس نہیں ہوئی۔اسی طرح اسی زمانہ میں ۵۰ روپے دفتر جلسہ سالانہ کی نقدی میں سے پیشگی کا نام دے کر غلام رسول چک ۳۵ کو دلائے گئے یہ رقم بھی

باوجود مطالبات کے واپس نہیں ملی۔اس کے علاوہ ۸۷ روپے ۸ آنے مولوی علی محمد اجمیری کو دلائے گئے یہ رقم بھی واپس نہیں ہوئی۔

اس تحقیقات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس ۱۸۹۹ روپے ۱ آنہ ۳ پائی کی رقم کا بیشتر حصہ مولوی عبدالمنان صاحب یا ان کے احباب نے لیا ہوا تھا لیکن تمام رقم ایک ماتحت کارکن کے نام پیشگی دکھائی ہوئی تھی۔ خاکسار ظہور احمد آڈیٹر صدر انجمن

پھر علاوہ ان بدعنوانیوں کے جو کہ مالی معاملات کے متعلق اورینٹل کمپنی میں مولوی عبدالمنان صاحب نے کی ہیں یا سلسلہ کے روپیہ سے جلسہ سالانہ کے کام میں کی ہیں انہوں نے یہ بھی کوشش شروع کر دی تھی کہ کچھ روپیہ جمع کر لیں تا کہ وقت ضرورت کام آئے جس سے ان کی نیتوں کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک خط پکڑا گیا ہے جس کا فوٹو ہمارے پاس موجود ہے۔انہوں نے افریقہ میں ایک احمدی دوست کو لکھا کہ میں تمہارے لڑکے کی شادی کرانے لگا ہوں تم پانچ سَو پونڈ (جو آجکل کے لحاظ سے سات ہزار روپیہ بنتا ہے) بھیج دو۔ یہ خط اس دوست نے اپنے ایک دوست کو جو پاکستان میں ہیں بھیج دیا اور اس نے فوٹو لیکر ہمیں بھجوا دیا وہ خط یہ ہے۔

مکرم ومحترم چوہدری صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

آپ کا خط موصول ہوا۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ چوہدری منصور احمد اور ان کی والدہ بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ پرسوں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے منصور احمد صاحب کی ملاقات ہوئی تھی آج ابھی ابھی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی ملاقات کے بعد واپس آئے ہیں۔حضور منصور احمد سے آپ کے اور آپ کے کاروبار کے متعلق دریافت فرماتے رہے۔عزیز کی شادی کے سلسلہ میں ایک جگہ تجویز کی گئی ہے لڑکی بی اے پاس ہے اور اِس وقت بی ٹی میں لاہور کالج میں پڑھ رہی ہے۔لڑکے کے دادا نہایت مخلص اور سلسلہ کے فدائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ والد آجکل قادیان میں مقیم ہیں۔لڑکی تعلیم یافتہ اور مخلص ہے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو یہ رشتہ پسند ہے لڑکی کے ایک چچا یہاں سلسلہ

کے مبلغ ہیں ۔ دوسرے چچا مولوی صالح محمد صاحب پیچھے سلسلہ کی طرف سے انگلستان بھجوائے گئے تھے آجکل مغربی افریقہ گولڈ کوسٹ ان کا تبادلہ ہو گیا ہے ۔

دادا کا نام فضل احمد صاحب ہے اور والد کا عبدالرحیم ۔لڑکی کا ایک بھائی یہاں رہتا ہے ۔ کالج میں زیر تعلیم ہے اور تبلیغ کی ٹریننگ لے رہا ہے ان کی ذات راجکمار یا راجپوت ہے میرے خیال میں رشتہ موزوں ہے ۔منصور احمد اور عزیزہ نسیم کو پسند ہے ۔ شادی کے اخراجات کے سلسلہ میں میرا ذاتی نکتہ نگاہ یہ ہے کہ معمولی سے اخراجات کافی ہوتے ہیں ۔ اسلام میں تکلّفات نہیں اور یہاں بھی عام حالات میں زیادہ اخراجات کی ضرورت نہ تھی لیکن اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ لڑکی نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر ہزاروں میل دُور جانا ہے پھر وہاں کے حالات بھی لڑکی والوں کے سامنے نہیں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابھی باقی عزیزوں کے رشتے بھی کرنے ہیں اور ضرورت ہے کہ پہلی شادی کے بعد راستے کھل جائیں اور کئی لوگوں کی نظریں اس پہلی شادی پر ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کیا خرچ ہوتا ہے اس سے وہ مالی اور دوسرے حالات کا اندازہ کریں گے اور میرے سامنے یہ حقیقت بھی ہے کہ سونا اور کپڑا افریقہ میں یہاں پاکستان کے مقابلہ میں سستا ہے ۔

ان تمام حالات کو دیکھ کر میری رائے یہ ہے کہ شادی کے تمام اخراجات کیلئے پانچ صد پونڈ (یعنی آجکل کے لحاظ سے سات ہزار روپیہ) کافی ہونگے علاوہ حق مہر کے ۔ یہ روپیہ بذریعہ ڈرافٹ بھجوانے کی ضرورت نہیں آپ یہ روپیہ وہاں کی جماعت میں میرے نام پر جمع کرادیں اور رسید مجھے بھجوادیں میں یہ روپیہ یہاں منصور احمد کی والدہ کو ادا کردوں گا تا وہ اپنی نگرانی میں زیور کپڑا وغیرہ پر صرف کریں ۔ پس آپ ڈرافٹ بینک نہ بھجوائیں بلکہ وہاں میرے نام پر رقم جمع کروادیں میں یہاں سے اس کے مطابق رقم ادا کردوں گا ۔

مہر اندازاً لڑکے کی ایک سال کی آمد کے برابر ہونی چاہیے جو میرے خیال میں آٹھ ہزار روپیہ ہوگی ۔ خاکسار عبدالمنان عمر (دستخط)

غرض انہوں نے اِدھر سلسلہ کا کچھ مال اِدھر اُدھر استعمال کیا اور کچھ لوگوں سے منگواتے رہے ۔

یہ جو عبد القدوس صاحب نواب شاہ کی گواہی ہے کہ میاں عبد الوہاب صاحب نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی اولاد کے لئے دُنیا مانگی اور ہمارے باپ نے ہمارے لئے دین مانگا۔ اس کی مزید شہادت لاہور کی مجلس خدام الاحمدیہ نے بھجوائی ہے کہ ایک احمدی سے ایک پیغامی نے آکر کہا کہ میاں منان کہتے ہیں کہ ہم تو چپ کر کے بیٹھے ہیں کیونکہ ہمارے باپ نے ہمیں خدا کے سپرد کیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کو دنیا کے سپرد کیا تھا۔ یہ جوش نکال لیں سال دو سال پانچ سال خوب جوش نکالیں پھر ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ یہ شہادت بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اب تم جو مبائعین کی جماعت ہو اور جنہوں نے لکھا تھا کہ قیامت تک ہم خلافت احمدیہ کو قائم رکھیں گے تم بتاؤ کہ کیا مولوی عبد المنان کے قول کے مطابق دو تین سال میں ٹھنڈے پڑ جاؤ گے یا قیامت تک تمہاری اولادیں خلافت احمدیہ کا جھنڈا کھڑا رکھیں گی؟ (اس پر چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ ہم قیامت تک خلافت احمدیہ کا جھنڈا کھڑا رکھیں گے)

اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب شدید ذیابیطس سے فوت ہوئے تو رشید احمد صاحب بٹ ضلع نواب شاہ سندھ کی گواہی کے مطابق میاں عبد السلام نے کہا کہ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب کا علاج نہیں کروایا گیا اس لئے مر گئے۔ حالانکہ ان کو ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا اور سینکڑوں روپیہ سلسلہ نے ان پر خرچ کیا تھا۔ میاں محمد عبداللہ صاحب سابق انجینئر ایران حال نواب شاہ لکھتے ہیں کہ میاں وہاب نے ایک دفعہ کہا کہ حضرت صاحب کی مجلس عرفان میں رکھا ہی کیا ہے۔

پھر ۱۹۵۵ء کے شروع کے متعلق ملک صاحب خان صاحب نون ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر بیان کرتے ہیں کہ جب میاں عبد المنان صاحب کا مکان دوسری جگہ بننے لگا تو میں نے بھیرہ کے تعلقات کی وجہ سے ان سے کہا کہ میاں صاحب! میں نے تو آپ کی صحبت حاصل کرنے کیلئے آپ کے قریب مکان بنایا تھا مگر آپ اب کہیں اور چلے ہیں تو اس پر میاں عبد المنان صاحب آگے بڑھے اور میرے سینہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر ہلایا اور کہا ملک صاحب! آپ گھبرائیں نہیں ہم جہاں بھی جائیں گے آپ کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس

وقت تو میں اس کا مطلب نہ سمجھا لیکن گھبرا گیا اور بعد میں جب یہ فتنہ پیدا ہوا تو میں باقاعدہ اخبار میں دیکھتا تھا کہ اس میں میاں عبدالمنان کا نام بھی آتا ہے یا نہیں۔ جب میں نے ان کا نام پڑھا تو استغفار پڑھا کہ ان کی یہی غرض تھی کہ مجھے بھی اس فتنہ میں ملوث کریں۔

ملک صاحب سرگودہا کے مشہور خاندان ٹوانہ اور نون میں سے ہیں اور ڈپٹی کمشنر رہ چکے ہیں گوجرانوالہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ملک فیروز خان صاحب نون جو اُس وقت وزیر خارجہ ہیں ان کے بھتیجے ہیں چنانچہ ملک صاحب کا اصل خط اس شہادت کے سلسلہ میں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

مکرم ملک صاحب خان صاحب نون کی شہادت

میرے آقا! سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ اور عمر خضر عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

چونکہ حضور پُرنور امام الوقت اور خلیفۂ وقت ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حضور کی تائید میں ہے اور اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی ہمیشہ رہے گی اور دشمنان خائب وخاسر اور منہ کی کھائیں گے اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی ضرور ضرور۔

میں ایک واقعہ حضور کی خدمت بابرکت میں گوش گزار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں بلکہ عین اصل واقعہ ہے۔ جب میں نے ربوہ والے مکان کی جگہ کے متعلق حضور پُرنور کے پاس شکایت کی اور حضور نے اپنے ساتھ کچے مکانوں میں مجھے اور ناظر متعلقہ (جو اُس وقت غالباً عبدالرشید صاحب تھے) کو بلایا میں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے شکایت نہیں ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بہت زور دیا کہ یہی جگہ لے لوں اور دوسرے یہ کہ پسران حضرت خلیفہ اوّل میرے ہمسایہ تھے یہ بات میرے واسطے بہت ہی خوشی وتسلی کی ہوئی گو میں بذاتِ خود اس جگہ کو پسند نہیں کرتا تھا خیر مکان بنایا بن گیا جب ناظر صاحبان کے مکان مکمل ہوئے تو میاں عبدالمنان صاحب اس نئے مکان میں چلے گئے اور جب میں ربوہ گیا تو مجھے معلوم ہوا۔ اتفاق سے منان صاحب مجھے ملے۔ میں نے کہا واہ مولوی صاحب! آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو اس

نے ذرا آگے آکر ذرا آہستہ آواز میں دایاں ہاتھ اُٹھا کر میرے سینہ کے برابر کر کے کہا ''تسلی رکھو جدے جاواں گے تہانوں نالے لے جاواں گے''۔اُس وقت میں نے بہتیرا زور لگایا مگر مجھے اِس مہمل بات کی سمجھ نہ آئی جو متواتر میرے دل میں چبھتی رہی۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان میں وجہ نہیں بتلا سکتا کہ کیوں میرا اُنس وکشش ومحبت ان سے دن بدن کم ہوتی گئی حتّٰی کہ جب اماں جی کی وفات ہوئی ڈاک خانہ کے پاس کھڑے کھڑے ہی میں نے منان سے اظہارِ افسوس کیا اور ان کے مکان تک بھی نہ گیا۔''نوبت بایں جارسید'' والا معاملہ ہوا کہ جب دو دفعہ منان صاحب میرے سامنے آئے تو میں نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بھی ان سے نہیں کی۔ میں نہیں بتلا سکتا کہ کون سی غیبی طاقت اندر ہی اندر کام کر رہی تھی جب میں نے یہ فتنہ پڑھا تو ہر پرچۂ الفضل کو اوّل سے آخر تک پڑھتا رہا اور خاص توجہ اس طرف تھی کہ منان صاحب کا بھی کہیں ذکر ہے حتّٰی کہ ان کے خیالات کے متعلق اطلاع آمدہ امریکہ سے میرا وہ پرانا معمہ حل ہوا کہ ''جدے جاواں گے تہانوں نال لے جاواں گے'' کا کیا مدعا تھا۔اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر تحریر کرتا ہوں کہ اس میں ذرہ بھر بھی جھوٹ نہیں۔

نوٹ میں نے اس کا ذکر بہت دن ہوئے محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب سے کیا تھا۔

والسلام

خاکسار

حضور کا ادنیٰ خادم

صاحب خان نون

مولوی محمد احمد صاحب کی شہادت

اسی طرح مولوی محمد احمد صاحب جلیل کی شہادت ہے کہ:۔

ا۔ چند سال قبل جب میاں عبدالمنان صاحب جامعہ احمدیہ میں پڑھایا کرتے تھے میں کسی کام کی غرض سے انہیں ملنے کیلئے اُن کے مکان پر گیا دورانِ گفتگو میں انہوں نے اپنے جامعہ میں تقرر پر عدمِ اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس Regime میں ہمارے لئے (یا یہ کہا کہ میرے لئے) کوئی جگہ نہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میری طبیعت پر ان کے متعلق یہ اثر

پیدا ہوا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے قائم کردہ نظام سے شاکی اور سخت غیر مطمئن ہیں۔

۲۔تحریک جدید کے ایک کوارٹر کی تعمیر میں قواعد میونسپل کمیٹی کی خلاف ورزی پر سیکرٹری کمیٹی صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی شکایت پر حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس تحریک جدید کو جرمانہ کیا تھا۔اس کے متعلق مجھ سے بات کرتے ہوئے میاں عبدالمنان صاحب نے کہا کہ نہ کمیٹی کا کوئی ایسا قاعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور نہ قواعد کی رو سے یہ جرمانہ ہوسکتا ہے یہ سب طاقت اور اقتدار کا نتیجہ ہے۔

۳۔ایک دفعہ میرا ایک معاملہ جس کا حضرت میاں شریف احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سے تعلق تھا اس کے متعلق بات کرتے ہوئے ان دونوں حضرات کے متعلق یہ لفظ میاں عبدالمنان صاحب نے کہے کہ دیکھو کس طرح ان لوگوں کا خون سفید ہوگیا ہے۔

۴۔میاں عبدالمنان صاحب جب امریکہ گئے تو امریکہ جانے کی حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے کے متعلق میری بیوی سے ذکر کرتے ہوئے امۃ الرحمٰن صاحبہ اہلیہ میاں عبدالمنان صاحب نے حضور کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے اجازت تو دے دی ہے مگر اس بابل دا کی اعتبار ہے کہ ڈولے پا کے بھی کڈھ لے۔

خاکسار محمد احمد جلیل

اس فتنہ کو مزید ہوا شیطان نے اس طرح دی کہ خدام الاحمدیہ میں جب ناصر احمد افسر تھا تو اس نے حمید ڈاڈھا کو سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا اور اس نے اس کو سزا دینی چاہی اس پر وہ اس کے مخالف ہوگیا چنانچہ حافظ عبداللطیف صاحب اور اخوند فیاض احمد صاحب کی شہادتیں اس بارہ میں ہمارے پاس محفوظ ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ یہ اُسی وقت سے مرزا ناصر احمد صاحب کے خلاف بغض وعناد کا اظہار کرتا رہتا تھا۔

پھر چونکہ جلسہ سالانہ کا کام کئی سال تک میاں عبدالمنان کے سپرد ہوتا رہا ہے اس لئے وہ سلسلہ کے روپیہ میں سے اپنے ان ایجنٹوں کو پیشگیاں بھی دیتے رہے چنانچہ ریکارڈ سے

مولوی علی محمد اجمیری کے نام ۸۷ روپے ۸ آنے، حمید ڈاڈھا کے نام ۳۵ روپے اور غلام رسول چک ۳۵ کے نام ۵۰ روپے پیشگی دیئے جانے ثابت ہیں۔اس طرح نفرت اور لالچ دونوں جذبات اکٹھے ہوگئے اوران لوگوں نے میاں عبدالمنان کی تائید میں پروپیگنڈا شروع کردیا جس طرح بعض منافقوں نے حضرت عمرؓ کی زندگی میں پروپیگنڈا شروع کیا تھا کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہوں گے تو ہم فلاں کی بیعت کریں گے۔لیکن وہ بھی خائب و خاسر رہے اور یہ بھی خائب و خاسر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ خلافت احمدیہ کی خود حفاظت کرے گا اور جماعت کی خود راہنمائی کرے گا اور وہ کبھی ان منافقوں یا پیغامیوں کے چیلوں یا احراریوں کے چیلوں کو قریب بھی نہیں آنے دے گا۔

جب ۱۹۵۵ء میں مجھ پر فالج کا حملہ ہوا تو یہ بغض اور زیادہ زور سے ظاہر ہونے لگا جیسا کہ شیخ نصیر الحق صاحب کی گواہی سے ظاہر ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مکرم شیخ نصیر الحق صاحب کی گواہی

شیخ صاحب لکھتے ہیں:۔

''سیدنا وامامنا حضرت ...... المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز!

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

جب حضور لاہور سے کراچی تشریف لے گئے دوسرے دن شام کو آپ کی خیریت سے کراچی پہنچنے کی اطلاع حاصل کرنے کیلئے سمن آباد سے رتن باغ پہنچا میرے ساتھ میری چھوٹی بیوی بھی تھی انہیں رتن باغ ٹھہرا کر چونکہ یہاں اطلاع کوئی نہیں ملی تھی میں جودھامل بلڈنگ میں گیا۔لوگ مغرب کی نماز ادا کر چکے تھے اور حضور کی خیریت سے کراچی پہنچنے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے میں مزید حالات معلوم کرنے کے لئے سید بہاول شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔انہوں نے تار کا ذکر کیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حضور بخیریت تمام کراچی پہنچ گئے ہیں۔جب میں واپس رتن باغ کو لوٹنے لگا تا اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گھر سمن آباد چلا جاؤں مولوی عبدالوہاب صاحب نے مجھے آواز دی کہ حاجی صاحب ٹھہر جائیں میں بھی چلتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب آپ نے دیکھا کہ قوم کا کتنا روپیہ خرچ ہو رہا

ہے۔ میں نے عرض کیا مولوی صاحب حضرت صاحب تو فرما چکے ہیں کہ میں اپنا خرچ خود برداشت کروں گا پھر اعتراض کیسا؟ فرمانے لگے آگے تو سنو! میں نے کہا فرمائیے۔ کہنے لگے کہ دیکھو اب خلیفہ تو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) اپنا دماغ کھو چکا ہے وہ اس قابل نہیں کہ خلیفہ رکھا جا سکے میں بے خبر خاموش رہا تا سارا ماجرا سن سکوں اور جو گفتگو یہ کرنا چاہتے ہیں وہ رہ نہ جائے۔ میں نے کہا مولوی صاحب بھلا یہ تو بتائیے کہ اب اور کون خلیفہ ہو سکتا ہے؟ کہنے لگے کہ میاں بشیر احمد صاحب اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کیا کم ہیں۔ اب میں نہیں رہ سکا تو میں نے کہا مولوی صاحب! آپ تو ایک بہت بزرگ ہستی کے فرزند ہیں آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو جلد صحت عطا فرمائے۔ مولوی صاحب فرمانے لگے کہ بھئی اب تو یہ ممکن ہی نہیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرا خلیفہ بنانا تو کجا خیال کرنا بھی گناہ ہے چہ جائیکہ آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں اور میرے لئے یہ امر نہایت تکلیف دہ ہو گیا ہے...... پھر فرمانے لگے سنو! سنو! میں نے عرض کیا کہ چونکہ میں نے سمن آباد جانا ہے اور نیلا گنبد سے بس لینی ہے اس لئے کچھ اور کہنا ہے تو چلتے چلتے بات کیجئے۔ کہنے لگے کہ دیکھو یہ جو مضامین آجکل چھپ رہے ہیں انہیں میاں بشیر احمد صاحب درست کر کے پریس کو بھیجتے ہیں وہ خود تو لکھ ہی نہیں سکتے پھر یہ عجیب بات ہے کہ انہی میاں صاحب کو حضرت صاحب اپنے کمرہ میں سلاتے ہیں۔ میں اِس معمہ کو نہیں سمجھ سکا۔ اس کے علاوہ بھی اور کئی ایسی باتیں کہیں جو میں بھول گیا۔ میں نے اگلے دن سارا واقعہ چوہدری اسد اللہ خان صاحب کو ہائیکورٹ میں جا کر سنایا۔ انہوں نے فرمایا لکھ دو۔ میں نے وہیں بیٹھ کر لکھ دیا جو مجھے اُس وقت یاد تھا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ آپ مولوی صاحب کے سامنے بھی یہی بیان دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو لکھ دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ جودھامل بلڈنگ چلیں اور انہیں میری موجودگی میں پڑھا دیں چنانچہ ہم دونوں گئے۔ مولوی صاحب اپنی دکان میں موجود نہ تھے ہم انتظار کرتے رہے کچھ دیر کے بعد مولوی صاحب تشریف لے آئے۔ میرا خط چوہدری صاحب نے مولوی صاحب کو پڑھایا۔ مولوی صاحب کا رنگ زرد ہو گیا کچھ سکتے

کے بعد فرمانے لگے نہیں میں نے نہیں کہا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا لکھ دیجئے کہنے لگے اچھا لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ ان کے دفتر کا کاغذ لے کر مولوی صاحب نے لکھا کہ میں نے ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کی جس کے متعلق حاجی صاحب نے لکھا ہے۔ چوہدری صاحب فرمانے لگے کیا آپ اب بھی مصر ہیں؟ میں نے کہا ہاں اور مجھے یہ کاغذات دیجئے میں اس پر مزید لکھتا ہوں۔ چنانچہ میں نے یہ الفاظ لکھے کہ مجھے سخت صدمہ ہوا کہ مولوی صاحب ایک ایسی بزرگ ہستی کی اولاد ہیں جو ہمارے خلیفہ اوّل رہ چکے ہیں انہوں نے صریح جھوٹ بول کر مجھے ہی نہیں بلکہ حضرت خلیفہ اوّل کی روح کو بھی تکلیف پہنچائی ہے مجھے ان سے یہ توقع نہ تھی کہ انکار کریں گے۔ مجھے معاً خیال ہوا کہ اگر احمدیت کا یہی نمونہ ہے تو غیر از جماعت لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں تحریریں جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب اپنے ساتھ لے گئے''۔ (خط مؤرخہ ۱۹۵۶ء۔۷۔۲۹)

مکرم میاں غلام غوث صاحب ہیڈ کلرک میونسپل کمیٹی ربوہ کی شہادت

اسی طرح میاں غلام غوث صاحب ہیڈ کلرک میونسپل کمیٹی ربوہ کی گواہی قابل ذکر ہے وہ لکھتے ہیں:۔

تقریباً تین چار ماہ کا عرصہ گزرا ہے تاریخ یاد نہیں حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب آنریری سیکرٹری میونسپل کمیٹی ربوہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں مکرم مولوی عبدالمنان صاحب انچارج صیغہ تالیف وتصنیف تحریک جدید ربوہ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت میاں منور احمد صاحب کے دستخطوں کی شناخت کروں جو انہوں نے کسی غلط تعمیر کے سلسلہ میں کمیٹی کے قواعد کے تحت مولوی عبدالمنان صاحب کو دیئے تھے چنانچہ فدوی وہاں گیا اور مولوی عبدالمنان صاحب نے فرمایا کہ دیکھو یہ دونوں نوٹس موجود ہیں اور دستخط میاں منور احمد صاحب کے ہیں ان دونوں میں کتنا تفاوت ہے ان میں سے کون سا صحیح ہے اور کون سا غلط؟ (اُس وقت میرے ساتھ والی کرسی پر چوہدری شبیر احمد صاحب نائب وکیل المال تحریک جدید بھی تشریف فرما تھے اور ہم دونوں مولوی عبدالمنان صاحب کے سامنے بیٹھے تھے) بندہ نے عرض کیا کہ چونکہ میں شروع سے کمیٹی میں حضرت میاں منور احمد صاحب کے ماتحت کام کر

رہا ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ دونوں دستخط حضرت میاں منور احمد صاحب کے ہیں گو ایک چھوٹا ہے اور ایک بڑا لیکن دستخط انہی کے ہیں چونکہ اس کا مضمون ذرا مطابق قواعد مقرر الفاظ میں تھا اور زیادہ تر بحث مولوی عبدالمنان صاحب کے مضمون پر تھی غصہ سے بھرے ہوئے الفاظ میں آپ تقریر فرماتے رہے آخر میں ان کے منہ سے حسب ذیل الفاظ ظاہر ہوئے:۔

''میاں منور احمد وغیرہ اس لئے سختی کرتے ہیں اور ناجائز کرتے ہیں کہ وہ حضرت صاحب کے لڑکے ہیں یعنی خلیفہ صاحب کے۔جس وقت ڈنڈا میرے ہاتھ میں آیا میں سب کو سیدھا کر دوں گا یا دیکھوں گا''

اُس وقت بندہ خاموش ہو کر واپس چلا آیا کیونکہ میاں صاحب بہت غصے میں تھے بندہ نے اسے Serious نہیں لیا البتہ جب دفتر کمیٹی میں پہنچا تو وہاں چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر اور چوہدری عنایت احمد صاحب اکاؤنٹینٹ و محمد الیاس چپڑاسی موجود تھے میں نے ہنسی کے طور پر چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر سے کہا کہ آپ نے میاں عبدالمنان صاحب سے ٹکر لی ہے اب خبردار ہو جاؤ وہ آپ سب کو سیدھا کر دیں گے کیونکہ وہ خلافت کے خواب دیکھ رہے ہیں (میں نے ان کے الفاظ سے یہی مفہوم سمجھا تھا کہ وہ خلافت کے خواب دیکھ رہے ہیں) چنانچہ اُس وقت یہ بات ہنسی مذاق میں آئی گئی ہوگئی اب ہنگامی واقعات کی رونمائی پر چوہدری عنایت احمد اور چوہدری عبداللطیف صاحب نے مجھ سے کہا لو بھائی تمہارا بیان کس قدر حقیقت کا انکشاف کر رہا تھا اب ہم تمہارے بیان کو جو آج سے چار ماہ قبل تم نے ظاہر کیا تھا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے لگے ہیں۔ میں نے کہا بے شک کوئی بات نہیں میں نے سچی بات کہی تھی جو سنی تھی مجھے الہام تو ہوا نہیں تھا کہ چار ماہ بعد کیا واقعہ پیش آنے والا ہے۔''

خاکسار

غلام غوث ۹-۸-۱۹۵۶ء

چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر کی شہادت

چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر بھی گواہی

دیتے ہیں کہ:۔

’’عرصہ قریباً اڑھائی تین ماہ کا ہوا ہے کہ ایک دن خاکسار ملک حفیظ الرحمٰن صاحب واقف زندگی نقشہ نویس (جو حضرت خلیفہ اوّل کے رضاعی رشتہ دار ہیں اس لئے ان کے بھی رشتہ دار ہیں) کے کوارٹر پر ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا میڈیم کوارٹر تحریک جدید جو میاں عبدالمنان صاحب کی زیرنگرانی تعمیر ہورہا تھا کے خلافِ نقشہ تعمیر ہونے پر بات ہوئی۔ حفیظ صاحب نے بتایا کہ میاں صاحب موصوف ان کے پاس جی ٹی پی بائی لاز پر مشورہ کرنے آئے تھے اسی طرح تعمیر کی اور باتیں بھی ہوئیں پھر حفیظ صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ چند روز ہوئے میاں عبدالرحیم احمد صاحب کی کوٹھی پر ایک دعوت تھی اس میں ہمارے خاندان کے حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان سے تعلقات کی بناء پر میں بھی مدعو تھا۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور میاں نعیم احمد صاحب بھی شامل تھے میاں عبدالمنان صاحب مجھے مخاطب کر کے باتیں کرتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے ’’کیا حفیظ صاحب ایسا نہیں، کیا حفیظ صاحب ایسا نہیں؟‘‘ (یعنی خلاف باتیں کرتے تھے)

میاں عبدالرحیم احمد صاحب کبھی آتے اور کبھی جاتے تھے جب آتے تو میاں عبدالمنان صاحب کو مخاطب کر کے کہتے ’’میاں صاحب اس شریف آدمی کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں‘‘ یہ باتیں حفیظ صاحب نے بیان کرنے کے بعد خاکسار کو کہا ’’چوہدری صاحب آپ اپنی نمازوں میں سلسلہ کی ترقی کے لئے خاص طور پر دعائیں کیا کریں آئندہ آنے والے ایام مجھے بہت خطرناک نظر آرہے ہیں۔ میرے پوچھنے پر کہ میاں عبدالمنان صاحب کیا باتیں کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ باتیں بتانے والی نہیں بہت خطرناک ہیں‘‘۔

اس کے بعد چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سفارش سے میاں عبدالمنان صاحب کو امریکہ جانے کا موقع ملا اور اس پر وپیگنڈا نے اور شدت پکڑ لی اور یہ کہا جانے لگا کہ ساری جماعت میں میاں عبدالمنان جیسا کوئی لائق آدمی نہیں انہوں نے مسند احمد کی تبویب جیسا عظیم الشان کام کیا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تبویب کا ایک حصہ خود حضرت خلیفہ اوّل نے کیا ہوا تھا اور اُن کا قلمی نسخہ لائبریری میں موجود تھا۔ ۵ جون ۱۹۵۰ء کو مولوی عبدالمنان صاحب

نے یہ فہرست لائبریری سے مستعار لی اور کچھ لوگوں کی مدد سے اس میں کچھ زیادتی کر کے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ پس کچھ حصہ اس کام کا خود حضرت خلیفہ اوّل کر چکے تھے باقی حصہ مولوی عبدالمنان صاحب نے کیا لیکن وہ حصہ بھی خود نہیں کیا بلکہ جب وہ جامعہ احمدیہ میں پروفیسر تھے تو دوسرے استادوں اور لڑکوں کی مدد سے کیا تھا بلکہ شاہد کلاس کے ایک طالب علم محمود احمد مختار نے مجھے لکھا ہے کہ اس کا دیباچہ انہوں نے اُردو میں لکھا تھا۔ پھر مولوی محمد احمد صاحب ثاقب کے ذریعہ سے مجھے دیا کہ میں اس کا عربی میں ترجمہ کروں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ احمد محمد شاکر مصری جو اخوانُ المسلمین [۳۶۸] کے بانی بنار خاندان میں سے ہیں انہوں نے اس کتاب کا انڈیکس تیار کیا ہوا ہے اور اس کی چودہ جلدیں چھپ چکی ہیں جو میری لائبریری میں موجود ہیں۔ اسی طرح احمد عبدالرحمٰن کی تبویب ''الفتح الربانی'' کی پانچ مجلدات بھی چھپی ہوئی ہیں۔

ہمارے پاس منڈی بہاؤالدین سے مولوی محمد ارشاد صاحب بشیر کی شہادت آئی ہے کہ وہاں پیغامی یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ مولوی منان صاحب نے ساری حدیثیں جمع کی ہیں یعنی وہ جو تبویب تھی اس کا نام ساری حدیثیں جمع کرنا رکھا ہے اس لئے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کام کی کیا حقیقت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حدیثوں کی کتابیں کئی قسم کی ہیں ایک مسند کہلاتی ہیں جن میں راوی کے نام کے لحاظ سے حدیثیں جمع کی جاتی ہیں خواہ وہ کسی مضمون کی ہوں مثلاً حضرت ابوبکرؓ کی حدیثیں ایک جگہ، حضرت عمرؓ کی ایک جگہ، وَھَلُمَّ جَرًّا مسند احمد حنبل بھی اسی بناء پر مسند کہلاتی ہے۔ اور بخاری وغیرہ چونکہ مضمونوں کی بنا پر لکھتے ہیں اس لئے ان کو جامع کہتے ہیں جیسے جامع بخاری، جامع مسلم، جامع ابی داؤد اور جامع ابن ماجہ، سُنن ابن ماجہ بھی اس کا نام مشہور ہے اسی طرح جامع ترمذی۔ اگر وہ بہت اعلیٰ کتابیں ہوں تو انہیں صحیح کہہ دیتے ہیں جیسے صحیح بخاری۔ ایک تیسری قسم کی حدیثوں کی کتابیں وہ ہیں جن میں براہِ راست حدیثیں درج نہیں کی گئیں بلکہ حدیث کی پہلی کتب میں سے ضروری حدیثیں اکٹھی کر لی گئی ہیں ان میں ابن تیمیہ کی مُنتقٰی ہے، سیوطی کی جامع الصغیر ہے، ہمارے ملک میں عام طور پر مشکوٰة

اور بلوغ المرام مشہور ہیں۔مسند احمد حنبل پہلی قسم کی کتابوں میں سے ہے جہاں سے انہوں نے حدیثیں نقل کی ہیں مگر انہوں نے یہ حدیثیں راویوں کے نیچے دی ہیں مضمون وار نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش تھی کہ مضمون وار بھی ان کو جمع کیا جائے تا کہ مضمون نکالنا آسان ہو۔پس یہ تو جھوٹ ہے کہ میاں منان نے حدیثیں جمع کی ہیں مگر یہ صحیح ہے کہ جامعہ احمدیہ کے استادوں اور طالب علموں کی مدد سے اور کچھ حضرت خلیفہ اوّل کے کام کی مدد سے بخاری کے باب لیکر ان کے ماتحت مسند احمد بن حنبل کی حدیثیں انہوں نے مضمون وار جمع کر دی ہیں یہ کام ایسا ہی ہے جس طرح کہ ڈکشنری میں سے لفظ نکالنے۔ ہر ایک محنتی طالب علم یہ کام کر سکتا ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش کے مطابق میں نے علماء کو مقرر کر دیا ہے اور وہ کتاب مکمل ہو چکی ہے اب وہ جامع کی شکل میں زیادہ مکمل صورت میں موجود ہے حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش بعض اور اصلاحات کی بھی تھی جن کو میں نے ۱۹۴۴ء کی مجلس عرفان میں بیان کیا تھا اس کے متعلق بھی میں نے ہدایت دے دی ہے کہ ان کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔وہ احمدی جن سے روپیہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی تھی تا کہ جماعت کے فتنے پر اُسے خرچ کیا جائے وہ مولوی ابراہیم صاحب بقاپوری کے لڑکے ہیں اور اسی طرح افریقہ کا ایک دوست ہے جو بچ گیا۔اس کے بیٹے نے کہہ دیا کہ میں ایسا خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ان سے میں کہتا ہوں کہ تمہاری تو وہی مثل ہے کہ ’’تیری جوتی تیرے ہی سر‘‘ تم سے ہی روپیہ لے کے تمہارے ہی خلاف استعمال کیا جانے والا تھا لیکن خدا نے تمہیں بچا لیا۔ یہ فتنہ اب بیٹوں سے نکل کر پوتوں تک بھی جا پہنچا ہے۔ چنانچہ میاں سلطان علی صاحب ولد فتح محمد صاحب سندھ سے لکھتے ہیں کہ:۔

’’میں خدا کو حاضر ناظر جان کر ایمان سے کہتا ہوں کہ گزشتہ سال شروع سردی میں میرے ساتھ عبدالواسع عمر پسر مولوی عبدالسلام عمر اور دوسرے دو آدمی مولوی عبدالسلام عمر کی بستی نور آباد سے گوٹھ سلطان علی کو شام کے وقت آرہے تھے باتوں باتوں میں میاں عبدالواسع نے کہا کہ اگر انسان نیک ہو تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ بھی مانا جائے تو کوئی حرج نہیں جس پر میں نے جواب دیا کہ اس طرح تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی نہ مانا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر دو تین باتیں تبلیغی طور پر میں نے اور دوسرے ساتھیوں نے کیں پھر میاں صاحب چپ ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان پر کچھ اثر ہوا ہے پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے مولوی عبدالسلام صاحب عمر سے عبدالواسع کے متعلق کہا کہ میں نے ایسی بات سنی ہے اور مجھے افسوس ہوا ہے تو مولوی صاحب نے کہا کہ نئی روشنی کا اثر نوجوانوں میں ہو گیا ہے''۔☆

ایک اور احمدی دوست عبدالرحیم صاحب کی شہادت ہے کہ مولوی عبدالسلام صاحب نے جواب میں کہا کہ وہ ابھی بچہ ہے حالانکہ اُس وقت وہ ایم اے کر چکا تھا۔

اسی طرح امۃ الرحمٰن بنت مولوی شیر علی صاحب زوجہ میاں عبدالمنان صاحب عمر کا خط کسی نے بھیجا ہے جو مولوی عبدالسلام کے لڑکے واسع کے نام ہے اس خط کو کسی نے پکڑ کر بھیج دیا وہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں اس نے لکھا ہے کہ''میری رائے میں تو آپ لوگوں کا جلد ہی آجانا بہتر تھا لیکن دیکھئے آپ کے چچا کی کیا رائے ہے۔'' یعنی میری رائے تو یہ ہے کہ جلدی سے ربوہ آجاؤ مگر منان ابھی امریکہ میں ہے وہ آجائے تو پتہ لگے گا کہ اس کی کیا رائے ہے پھر لکھا ہے۔

''لوگ یکے بعد دیگرے آپ لوگوں کے ماحول میں آویں گے۔'' یعنی ربوہ آجائیں ساری جماعت ٹوٹ کر آپ کے گرد جمع ہو جائے گی۔ پھر لکھا ہے۔

''کہا کچھ جاتا ہے بتایا کچھ جاتا ہے خطبوں کو اگر حسب سابق منشی ہی دیا کریں تو زیادہ بہتر ہے کشتی نوح سے زیادہ اہم ان کے خطبے ہیں''۔

اسی طرح امۃ الرحمٰن زوجہ میاں عبدالمنان صاحب عمر نے ستمبر ۱۹۵۶ء میں اپنے جیٹھ

☆ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اماں جی اور مولوی عبدالسلام صاحب تو وفات پا کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہو چکے ہیں پھر ان کی مغفرت کس طرح ہوگئی۔ بخشش خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور وہ جس کو چاہے معاف کر سکتا ہے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بعض اور نیکیوں کی وجہ سے ان کے بعض مخالفانہ افعال سے توبہ کرنے کی توفیق بخش کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کا موقع عطا فرما دیا اور اس طرح اپنے فضل سے اس نے انہیں اپنی مغفرت کے دامن میں لے لیا۔

کے بچوں کولکھا کہ :۔

''ہمارے بزرگ دادا کو یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے تو کبھی بھی اپنی اولاد کو خدا کے سپرد نہ کیا تھا۔'' (اس خط کا عکس ہمارے پاس محفوظ ہے اور اُن کے بھائی دیکھ سکتے ہیں) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات عبدالوہاب اور عبدالمنان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہی تھی۔ مولوی شیر علی صاحب جیسے مخلص کی اس ناخلف بیٹی کو وہاب اور منان کی تو وہ بات بُری نہ لگی جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کہی تھی لیکن وہ بات بُری لگی جو جواب کے طور پر مبائعین نے حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کے متعلق کہی تھی۔

اب اخبار ''پیغام'' کے ۵ دسمبر کے پرچہ میں سید تصدق حسین صاحب بغداد کا ایک خط چھپا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''پیغام صلح'' میں ''مولوی عبدالمنان صاحب عمر کا مکتوب فتنہ قادیان اور منافقین کو سمجھنے کیلئے اخوان ربوہ کو بصیرت کا کام دے گا۔'' ہم نے ''پیغام صلح'' کے سب پرچے دیکھ مارے ہیں ان میں وہ مضمون نہیں مگر ہم کو ایک ٹریکٹ ملا ہے جس کے نیچے ''حقیقت پسند پارٹی'' لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جتھہ پیغامیوں کے ساتھ ہے اور پیغامی ان ٹریکٹوں کو جو ''حقیقت پسند پارٹی'' چھاپ رہی ہے اپنے آدمیوں کو دنیا میں چاروں طرف یہ کہہ کر بھجوا رہی ہے کہ میاں عبدالمنان نے لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ ان کے یارِ غار ہیں ان کو پتہ ہوگا کہ میاں عبدالمنان نے یہ ٹریکٹ لکھے ہیں ورنہ وہ شخص جو ان کی جماعت کا بغداد میں لیڈر رہے یہ کیوں لکھتا کہ میاں عبدالمنان کا ٹریکٹ مل گیا ہے۔

غرض آدم کے زمانہ سے لے کر اِس وقت تک دین کو دُنیا پر مقدم نہ کرنے کی وجہ سے نظامِ الٰہی کے خلاف بغاوتیں ہوتی چلی آئی ہیں اور آج کا پیغامی جھگڑا یا حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کا فتنہ بھی اسی وجہ سے ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنی جماعت سے یہ عہد لینا کہ ''میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا'' اسی وجہ سے تھا مگر افسوس کہ باوجود حضرت خلیفہ اوّل کے ہوشیار کر دینے کے ان کی اولاد اس فتنہ میں پھنس گئی۔ حالانکہ حضرت خلیفہ اوّل کی شہادت کو خود عبدالمنان نے ۱۹۴۵ء کے رسالہ فرقان میں شائع

کیا تھا اور پھر یہ شہادت الفضل ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۶ء میں بھی چھپ چکی ہے اور اس کے متعلق جلسہ سالانہ پر ایک ٹریکٹ بھی شائع ہوا ہے۔ دوست اسے دیکھ چکے ہوں گے اس میں انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کا ایک نوٹ شائع کیا ہے جو دسمبر ۱۹۱۲ء کا لکھا ہوا ہے کہ مصلح موعود ۳۰ تیس سال کے بعد ظاہر ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء میں خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا دکھائی کہ تم مصلح موعود ہو۔ اس مضمون میں انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

''فرقان کے پچھلے شمارہ میں میں نے بڑے دردمند دل کے ساتھ ابتدائی چند صفحات قلمبند کئے تھے اور میں حد درجہ اس کا آرزومند تھا کہ کسی طرح ہمارے یہ بچھڑے ہوئے بھائی پھر ہم میں آملیں اور اپنی طاقتوں کو باہمی آویزش میں ضائع نہ کریں بلکہ آپس میں مل کر متحدہ رنگ میں اکنافِ عالم میں اسلام کو پھیلانے اور پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے کیلئے خرچ کرسکیں کہ یہی اس دَور میں ہمارا اوّلین فرض اور ہماری زندگیوں کا بہترین مقصد ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی دردمندانہ جذبہ کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس احسان سے نوازا کہ میں آج اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کے سامنے اس آواز کی تائید میں جو گزشتہ پرچہ میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے دامن سے اپنے دامن کو وابستہ کر لینے کے متعلق بلند کی گئی تھی ۔حضرت علامہ حاجی الحرمین سیدنا نورالدین صدیق ثانی کی ایک زبردست شہادت کو پیش کرسکوں۔''

''وہ پیغامیوں کو تو ۱۹۴۵ء میں کہتا ہے کہ بچھڑے ہوئے بھائیو مل جاؤ اور اپنے آپ کو کہتا ہے کہ بھاگ جاؤ مبائعین کے پاس سے، چلے جاؤ ابلیس کی گود میں اور جماعت احمدیہ کے اتحاد کو چاک چاک کردو، پھر آگے لکھتا ہے۔

''اے مُقلِّبُ القلوب خدا! تو اس برادرانہ جنگ کو ختم فرما اور اپنے پیارے مسیح کے ان خادموں کو جو تیرے اس رسول کی تخت گاہ سے کٹ گئے ہیں انہیں اس پر مخلصانہ غور کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ان کے دلوں کو کھول دے اور اس طرح پھر سے انہیں لے آ کہ ہم سب مصلح موعود کی زیر ہدایت پہلو بہ پہلو کندھے سے کندھا جوڑے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [۳۷] کا مصداق بنیں''۔

سوئم تو منان کی تحریک کے مطابق بن گئے مگر وہ خود اس نعمت سے محروم ہو گیا وہی شخص جو حضرت خلیفہ اوّل کی پیشگوئی ظاہر کر رہا تھا کہ انہوں نے پیشگوئی کی تھی کہ تیس سال کے بعد مصلح موعود ظاہر ہو گا سو وہ ظاہر ہو گیا ہے وہی آج اپنے باپ کو جھوٹا کہہ رہا ہے اور اس کے دوست پیغامی کہتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی ہتک ہم کر رہے ہیں۔ ہتک ہم کرتے ہیں جو آپ کے بیان کی تائید کرتے ہیں یا ہتک ان کا بیٹا کرتا ہے اور پیغامی کرتے ہیں جو اپنے باپ کو اور اپنے پہلے خلیفہ کو جس کی انہوں نے بیعت کی تھی جھوٹا کہتے ہیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکائیں گے اور نہ اجمیری اور نہ پیغامی، نہ محمد حسن چیمہ، نہ غلام رسول ۳۵ ان کی مدد کر سکیں گے کیونکہ خدا کی گرفت آدمیوں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ قانونِ قدرت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اور قانونِ قدرت حکومتوں کے ماتحت بھی نہیں وہ محض خدا تعالیٰ کے ماتحت ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے پہلے سے خبر دی ہوئی ہے اور وہ چھپ بھی چکی ہے [۳۸] کہ اب تو پیغامی اور ان کے ساتھی کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن فرشتوں نے آسمان پر چکر کھاتے ہوئے قرآن کی وہ آیتیں پڑھیں جو منافق یہودیوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے خدا تعالیٰ کہتا ہے نہ یہ لڑیں گے نہ نکلیں گے جھوٹے ہیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے فرشتوں کے ذریعہ سے بتایا کہ یہی حال ان کا ہو گا پہلے پیغامی اور احراری کہیں گے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن بعد میں نہ وہ مدد کریں گے نہ ساتھ دیں گے بلکہ سب بھاگ جائیں گے کیونکہ خدا کے غضب کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ جلسہ سالانہ کے بعد ''نوائے پاکستان'' ۱۷ جنوری ۱۹۵۷ء میں ان کے ایک ہمدرد نے ایک مضمون شائع کیا ہے جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو مجھے خبر دی تھی وہ بڑی شان سے پوری ہو گئی ہے۔ اس مضمون میں جو ''حقیقت پسند پارٹی سے چند گزارشات'' کے زیر عنوان شائع ہوا ہے لکھا ہے:۔

(الف) ''حزبِ مخالف نے اگرچہ حقیقت پسند پارٹی کے نام سے اپنی جماعت الگ

بنانے کا اعلان کر دیا ہے مگر ہیں وہ بڑے پریشان کیونکہ قادیانی خلافت نے تو منافق، غدار، ملحد اور دونوں جہان میں خائب و خاسر کا الزام دے کر اپنے سے ان کو عضو فاسد کی طرح کاٹ دیا ہے''۔

(ب) ''لاہوری حضرات ان کو دوسرے قادیانیوں کی طرح ہی سمجھتے ہیں ان میں باہمی عقیدہ وخیال کا کوئی فرق نہیں ہے صرف تھوڑا سا خلافتی اختلاف ہے اس بناء پر وہ ان کو اپنے قریب تک نہیں پھٹکنے دیتے۔''

(ج) مرزائیت کی حالت میں مسلمانوں کا اُن سے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ اسلام کے ایک بنیادی و اساسی عقیدہ کے منکر ہیں مسلمان کافر کی ذمی ہونے کی حیثیت سے حفاظت وصیانت تو کر سکتا ہے مگر مرتد کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے بلکہ مرتد کی سزا اسلام میں نہایت سنگین ہے اس اعتبار سے یہ معاشرہ سے بالکل کٹ چکے ہیں۔''

(د) ''ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ [۳۹] کا سا ان کا حال ہے سرزمین پاکستان باوجود اپنی وسعت و فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی ہے کیا وہ ملک بدر ہو جائیں؟ آخر جائیں تو کہاں جائیں۔ فرض کر لیجئے کہ ان میں سے ایک آدمی کسی مکان پر صرف اکیلا ہی رہتا ہے زندگی میں ہزاروں حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں اگر وہ بھی کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ان سے کون اُنس و مروت کرے گا کیا وہ سسک سسک کر نہیں مر جائے گا۔ بِالفرض وہ فوت بھی ہو جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کون کرے گا، اس کا جنازہ کون پڑھائے گا اور کس کے قبرستان میں وہ دفن کیا جائے گا یا اس کی لاش کو چیلوں اور درندوں کے سپرد کر دیا جائے گا حقیقت پسند پارٹی کو ان بھیانک اور خوفناک نتائج پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے''۔[۴۰]

غرض یہ پس منظر ہے آسمانی نظام کا۔ تم آسمانی نظام کے سپاہی ہو اور شیطان اب نئی شکل میں، نئے جبہ میں آکر احراریوں کی اور غیر مبائعین کی مدد سے منان اور وہاب کا نام لے کر اور عبدالسلام کے بیٹوں کا نام لے کر تمہارے اندر داخل ہونا چاہتا ہے اور تم کو جنت سے نکالنا چاہتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پہلا آدمؑ آیا تھا اور شیطان نے

اس کو جنت سے نکال دیا تھا اب میں دوسرا آدمؑ بن کے آیا ہوں تا کہ لوگوں کو پھر جنت میں داخل کروں۔ [۱۴]

پس تم دوسرے آدم کی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق جنت خلافت سے دشمن تم کو نہیں نکال سکے گا۔ شیطان نا کام رہے گا اور منہ کی کھائے گا اور سانپ کی طرح زمین چاٹتا رہے گا لیکن خدا کی جنت میں تم جاؤ گے جو اس کے سچے پیرو ہو کیونکہ تم نے آدمِ ثانی کو قبول کیا ہے اور آدمِ ثانی کو خدا نے اس لئے بھیجا ہے کہ پھر آدمِ اوّل کے وقت کے نکلے ہوئے لوگوں کو دوبارہ جنت میں داخل کرے۔

میری اس تقریر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ جو فتنہ شیطان نے آدم کے وقت اُٹھایا تھا اور جس آگ کو وہ پہلے ابراہیمؑ کے وقت تک جلاتا چلا گیا تھا اور پھر بنو اسماعیلؑ اور بنو اسحٰقؑ کی لڑائی کی شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمانہ تک بھڑکاتا چلا گیا تھا اور پھر امیہ اور ہاشم کی لڑائی کی شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بھڑکاتا چلا گیا تھا اور پھر حضرت امام حسینؓ اور یزید کی لڑائی کی صورت میں وہ آپؐ کے بعد بھی بھڑکاتا چلا گیا تھا اور پھر آخری زمانہ یعنی دورِ حاضر میں مسیح محمدی اور ابنائے مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ مرحوم کی لڑائی کی صورت میں اس نے بھڑکانا شروع کر دیا تھا اور اب پیغامیوں اور مبائعین اور ابنائے مسیح موعود اور ابنائے مولوی عبداللہؒ صاحب غزنوی کی لڑائی کی شکل میں اس کو جاری رکھے ہوئے ہے وہ بات حرف بہ حرف صحیح ہے اور اس تمام جنگ کی بنیاد لالچ یا بغض پر ہے کوئی دینی روح اس کے پیچھے نہیں ہے۔

---

۱ الاعلیٰ: ۱۵تا۲۰ ۲ الاعراف: ۱۳تا۱۹

۳ پیدائش باب۳ آیت ۵ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۴ پیدائش باب۲۱ آیت۱۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۵ پیدائش باب۱۶ آیت۱۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۶ البقرۃ: ۱۱۰ ۷ اٰل عمران: ۷۴،۷۳ ۸ النساء: ۵۵

۹ تاریخ الکامل جلد۲ صفحہ ۱۶، ۱۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۱۰ محاضرات جلد اوّل صفحہ ۳۷ مصنفہ شیخ محمد خضری

۱۱ دائرۃ المعارف جلد اوّل صفحہ ۶۲۲

۱۲ بدر ۲؍جون ۱۹۰۸ء

۱۳ حقیقت اختلاف مصنفہ مولوی محمد علی صفحہ ۲۹

۱۴ ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۸۰

۱۵ پیغام صلح ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۲

۱۶ جامع الصغیر للسیوطی

۱۷ الفضل ۴؍اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴

۱۸ الفضل ۱۶؍دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۱۸A نبیرہ: پوتا۔نواسہ

۱۹ پیغام صلح ۳۰؍ستمبر ۱۹۳۰ء

۱۹A کوکین: کوکا پودے کا مرکب جو نشہ آور اور بے حس کر دینے والا ہے۔

۲۰ الفضل ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

۲۱ الفضل ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

۲۲ الفضل ۲؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

۲۳ الفضل ۲۲؍اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

۲۴ الفضل ۳۰؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

۲۵ الفضل ۲۹؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

۲۶ الفضل ۴؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۲۷ اشتہار معیار الاخبار مؤرخہ ۱۶ جون ۱۸۹۹ء

۲۸ کتاب البریہ صفحہ ۱۳۰ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۸

۲۹ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۷ صفحہ ۲۰۲

۳۰ کتاب البریہ صفحہ ۱۲۳ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۹

۳۱ حجۃ اللہ صفحہ ۱۷۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۵ مفہوماً

۳۲ کتاب البریہ صفحہ ۱۳۰ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۸

۳۳ تحفہ غزنویہ صفحہ ۱۹۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۴۹

۳۴ نزول المسیح صفحہ ۳۴ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۱۰

۳۵ نزول المسیح صفحہ ۳۲،۳۳ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۱

۳۶ تحفہ غزنویہ صفحہ ۱۹ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۴۹ کے الفاظ ''تمہارا مباہلہ تو تمہاری جماعت کے مولوی عبدالواحد کو بھی لے ڈوبا اور اُس کی بھی بیوی فوت ہونے سے خانہ بربادی ہوئی''۔

(الفضل ۷؍ستمبر ۱۹۵۶ء)

36A اخوان المسلمین: مصر کی سیاسی و دینی جماعت جس کی بنیاد حسن البنا نے رکھی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۹۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۷ الفتح: ۳۰

۳۸ الفضل ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

۳۹ التوبة: ۱۱۸

۴۰ نوائے پاکستان ۱۷؍جنوری ۱۹۵۷ء

۴۱ حاشیہ متعلقہ خطبہ الہامیہ بعنوان **ماالفرق فی اٰدم و المسیح الموعود**
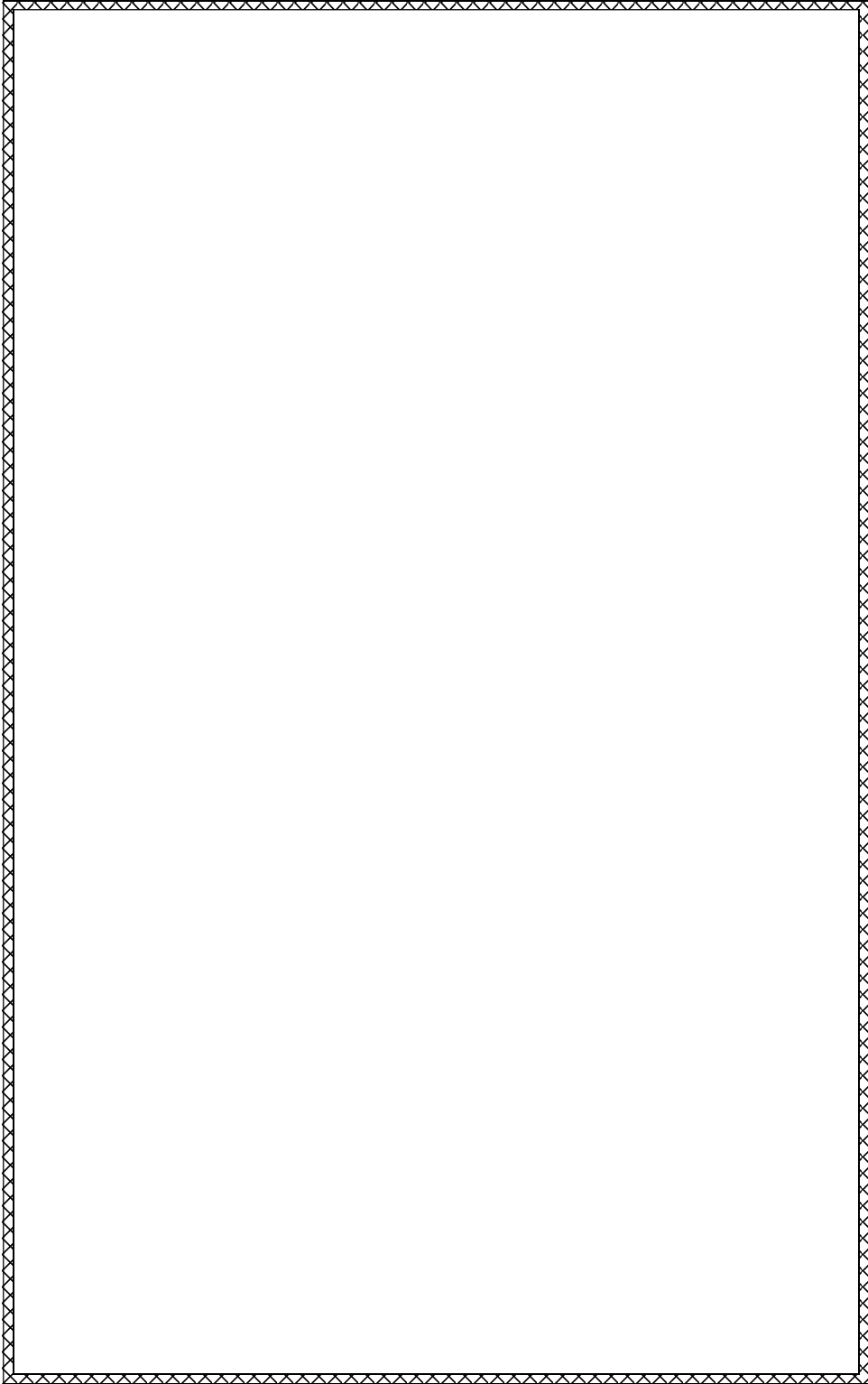
خلافتِ حقّہ اسلامیہ

(تقریر جلسہ سالانہ ۲۸؍دسمبر ۱۹۵۶ء)

تشہد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

اس آیت کے متعلق تمام پچھلے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت خلافتِ اسلامیہ کے متعلق ہے۔ اِسی طرح صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور کئی خلفائے راشدین بھی اس کے متعلق گواہی دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی کتابوں میں اس آیت کو پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آیت خلافتِ اسلامیہ کے متعلق ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اے خلافتِ حقّہ اسلامیہ پر ایمان رکھنے والے مومنو! (چونکہ یہاں خلافت کا ذکر ہے اس لئے اٰمَنُوْا میں ایمان لانے سے مراد ایمان بِالخلافت ہی ہوسکتا ہے۔ پس یہ آیت مبائعین کے متعلق ہے غیر مبائعین کے متعلق نہیں کیونکہ وہ خلافت پر ایمان نہیں رکھتے) اے خلافتِ حقّہ اسلامیہ کو قائم رکھنے اور اس کے حصول کے لئے کوشش کرنے والو! تم سے اللہ ایک وعدہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم تم میں سے زمین میں اسی طرح خلفاء بناتے رہیں گے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو خلفاء بنایا اور ہم اُن کے لئے اِسی دین کو

جاری کریں گے جو ہم نے اُن کے لئے پسند کیا ہے یعنی جو ایمان اور عقیدہ ان کا ہے وہی خدا کو پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اسی عقیدہ اور طریق کو دنیا میں جاری رکھے گا اور اگر اُن پر کوئی خوف آیا تو ہم اس کو تبدیل کر کے امن کی حالت لے آئیں گے۔ لیکن ہم بھی اُن سے امید کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ توحید کو دنیا میں قائم کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔ یعنی مشرک مذاہب کی تردید کرتے رہیں گے اور اسلام کی، توحید حقّہ کی اشاعت کرتے رہیں گے۔

خلافت کے قائم ہونے کے بعد خلافت پر ایمان لانے والے لوگوں نے خلافت کو ضائع کر دیا تو فرماتا ہے مجھ پر الزام نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ میں نے ایک وعدہ کیا ہے اور شرطیہ وعدہ کیا ہے۔ اس خلافت کے ضائع ہونے پر الزام تم پر ہوگا۔ میں اگر پیشگوئی کرتا تو مجھ پر الزام ہوتا کہ میری پیشگوئی جھوٹی نکلی مگر میں نے پیشگوئی نہیں کی بلکہ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور شرطیہ وعدہ کیا ہے کہ اگر تم مومن بالخلافۃ ہو گے اور اس کے مطابق عمل کرو گے تو پھر میں خلافت کو تم میں قائم رکھوں گا۔ پس اگر خلافت تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی تو یاد رکھو کہ تم مومن بالخلافۃ نہیں رہو گے کافر بالخلافۃ ہو جاؤ گے اور نہ صرف خلفاء کی اطاعت سے نکل جاؤ گے بلکہ میری اطاعت سے بھی نکل جاؤ گے اور میرے بھی باغی بن جاؤ گے۔

خلافت حقّہ اسلامیہ کے عنوان کی وجہ

میں نے اس مضمون کا ہیڈنگ خلافتِ حقّہ اسلامیہ اس لئے رکھا ہے کہ جس طرح موسوی زمانہ میں خلافتِ موسویہ یہودیہ دو حصوں میں تقسیم تھی، ایک دَور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تھا اور ایک دَور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے۔ اِسی طرح اسلام میں بھی خلافت کے دو دَور ہیں، ایک دَور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہوا اور اُس کی ظاہری شکل حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی اور دوسرا دَور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل سے شروع ہوا اور اگر آپ لوگوں میں ایمان اور عمل صالح قائم رہا اور خلافت سے وابستگی پختہ رہی تو اِنْشَاءَ اللّٰهُ یہ دَور قیامت تک قائم رہے گا۔

جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں میں ثابت کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ایمان بالخلافة قائم رہا اور خلافت کے قیام کے لئے تمہاری کوشش جاری رہی تو میرا وعدہ ہے کہ تم میں سے (یعنی مومنوں میں سے اور تمہاری جماعت میں سے) میں خلیفہ بناتا رہوں گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے متعلق احادیث میں تصریح فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ[۲] کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے اور میرے بعد بھی خلافت ہوگی اس کے بعد ظالم حکومت ہوگی پھر جابر حکومت ہوگی یعنی غیر قومیں آ کر مسلمانوں پر حکومت کریں گی جو زبردستی مسلمانوں سے حکومت چھین لیں گی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر خلافت عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ہوگی یعنی جیسے نبیوں کے بعد خلافت ہوتی ہے ویسی ہی خلافت پھر جاری کر دی جائے گی۔[۳]

نبیوں کے بعد خلافت کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آتا ہے۔ ایک تو یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خلافت اس طرح دی کہ کچھ ان میں سے موسیٰ علیہ السلام کے تابع نبی بنائے اور کچھ اُن میں سے بادشاہ بنائے۔ اب نبی اور بادشاہ بنانا تو خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ہمارے اختیار میں نہیں لیکن جو تیسرا امر خلافت کا ہے اور اس حیثیت سے کہ خدا تعالیٰ بندوں سے کام لیتا ہے ہمارے اختیار میں ہے چنانچہ عیسائی اس کے لئے انتخاب کرتے ہیں اور اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مذہبی لیڈر بنا لیتے ہیں جس کا نام وہ پوپ رکھتے ہیں۔ گو پوپ اور پوپ کے متبعین اب خراب ہو گئے ہیں مگر اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ پھر اُن سے مشابہت کیوں دی؟ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جس طرح پہلے لوگوں کو میں نے خلیفہ بنایا تھا اسی طرح میں تمہیں خلیفہ بناؤں گا یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں خلافت قائم کی گئی تھی۔ اُسی طرح تمہارے اندر بھی اس حصہ میں جو موسوی سلسلہ کے مشابہہ ہوگا میں خلافت قائم کروں گا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت براہِ راست چلے گی پھر جب مسیح موعود آ جائے گا تو جس طرح مسیح ناصری کے سلسلہ میں

خلافت چلائی گئی تھی اُسی طرح تمہارے اندر بھی چلاؤں گا۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ موسیٰ کے سلسلہ میں مسیح آیا اور محمدی سلسلہ میں بھی مسیح آیا مگر محمدی سلسلہ کا مسیح پہلے مسیح سے افضل ہے۔ اس لئے وہ غلطیاں جو انہوں نے کیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسیح محمدی کی جماعت نہیں کرے گی۔انہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا تعالیٰ کو بھلا کر ایک کمزور انسان کو خدا کا بیٹا بنا کر اُسے پوجنے لگ گئے۔مگر محمدی مسیح نے اپنی جماعت کو شرک کے خلاف بڑی شدت سے تعلیم دی بلکہ خود قرآن کریم نے کہہ دیا کہ اگر تم خلافت حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر شرک کبھی نہ کرنا اور میری خالص عبادت کو ہمیشہ قائم رکھنا جیسا کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا میں اشارہ کیا گیا ہے۔پس اگر جماعت اس کو قائم رکھے گی تبھی وہ انعام پائے گی اور اس کی صورت یہ بن گئی ہے کہ قرآنِ کریم نے بھی شرک کے خلاف اتنی تعلیم دی کہ جس کا ہزارواں حصہ بھی انجیل میں نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی شرک کے خلاف اتنی تعلیم دی ہے جو حضرت مسیح ناصریؑ کی موجود تعلیم میں نہیں پائی جاتی۔پھر آپ کے الہاموں میں بھی یہ تعلیم پائی جاتی ہے۔چنانچہ آپ کا الہام ہے۔خُذُوا التَّوْحِيْدَ اَلتَّوْحِيْدَ يَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ [۴] اے مسیح موعود اور اُس کی ذریّت! توحید کو ہمیشہ قائم رکھو سو اِس سلسلہ میں خدا تعالیٰ نے توحید پر اتنا زور دیا ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اور قرآنی تعلیم پر غور کرتے ہوئے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے توحید کامل احمدیوں میں قائم رکھے گا اور اس کے نتیجہ میں خلافت بھی ان کے اندر قائم رہے گی اور وہ خلافت بھی اسلام کی خدمت گزار ہوگی۔حضرت مسیح ناصریؑ کی خلافت کی طرح وہ خود اس کے اپنے مذہب کو توڑنے والی نہیں ہوگی۔

جماعت احمدیہ میں خلافت قائم رہنے کی بشارت

میں نے بتایا ہے کہ جس طرح قرآن کریم نے کہا ہے کہ خلیفے ہونگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میرے بعد خلیفے ہوں گے۔ پھر مُلْكًا عَاضًا ہوگا۔پھر ملک جبریہ ہوگا اور اس کے بعد خِلَافَةٌ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ہوگی۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کی سنّت میں الوصیّة میں تحریر فرمایا ہے کہ

''سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا وے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا''۔[۵]

یعنی اگر تم سیدھے رستہ پر چلتے رہو گے تو خدا کا مجھ سے وعدہ ہے کہ جو دوسری قدرت یعنی خلافت تمہارے اندر آوے گی وہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگی۔ عیسائیوں کو دیکھو گو جھوٹی خلافت ہی سہی انیس سَو سال سے وہ اس کو لئے چلے آ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کو ابھی اڑتالیس سال ہوئے تو کئی بلیاں چھیچھڑوں کی خوابیں دیکھنے لگیں اور خلافت کو توڑنے کی فکر میں لگ گئیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ

''تم خدا کی قدرتِ ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو''۔[۶]

سو تم کو بھی چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت دعائیں کرتے رہو کہ اے اللہ! ہم کو مؤمن بالخلافت رکھیو اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دیجیو اور ہمیں ہمیشہ اس بات کا مستحق رکھیو کہ ہم میں سے خلیفے بنتے رہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے تا کہ ہم ایک جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر اور ایک صف میں کھڑے ہو کر اسلام کی جنگیں ساری دنیا سے لڑتے رہیں اور پھر ساری دنیا کو فتح کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گرا دیں کیونکہ یہی ہمارے قیام اور مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض ہے۔

قدرتِ ثانیہ سے مراد خلافت ہے

یہ جو میں نے قدرت ثانیہ کے معنی خلافت کے کئے ہیں یہ ہمارے ہی نہیں بلکہ غیر مبائعین نے بھی اس کو تسلیم کیا ہوا ہے چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیۃ کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجود قادیان واقرباء حضرت مسیح موعودؑ بہ اجازت حضرت (اماں جان) کُل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سَو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلّمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ...... یہ خطوط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے''۔ [ے]

یہ خط ہے جو انہوں نے شائع کیا۔ اس میں مولوی محمد علی صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب وغیرہ کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے کہ معتمدین میں سے وہ اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی۔ سو ان لوگوں نے اس زمانہ میں یہ تسلیم کر لیا کہ یہ جو قدرتِ ثانیہ کی پیش گوئی تھی یہ خلافت کے متعلق تھی کیونکہ الوصیۃ میں سوائے اس کے اور کوئی ذکر نہیں کہ تم قدرتِ ثانیہ کے لئے دعائیں کرتے رہو اور خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ مطابق حُکم الوصیۃ ہم نے بیعت کی۔ پس خواجہ صاحب کا اپنا اقرار موجود ہے کہ الوصیۃ میں جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ خلافت کے متعلق تھی اور ''قدرتِ ثانیہ'' سے مراد ''خلافت'' ہی ہے۔ پس حضرت خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں کا بیعت کرنا اور اسی طرح میرا اور تمام خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیعت کرنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ تمام جماعت احمدیہ نے بالاتفاق خلافتِ احمدیہ کا اقرار کر لیا۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کے تمام خاندان اور جماعت احمدیہ کے ننانوے فیصدی افراد کا میرے ہاتھ پر بیعت کر لینا اس بات کا مزید ثبوت ہوا کہ جماعت احمدیہ اس بات پر متفق ہے کہ

''خلافت احمدیہ'' کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

آئندہ انتخابِ خلافت کے متعلق طریق کار

چونکہ اس وقت حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان میں سے بعض نے اور اُن کے دوستوں نے خلافتِ احمدیہ کا سوال پھر اُٹھایا ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس مضمون کے متعلق پھر کچھ روشنی ڈالوں اور جماعت کے سامنے ایسی تجاویز پیش کروں جن سے خلافتِ احمدیہ شرارتوں سے محفوظ ہو جائے۔

میں نے اس سے پہلے جماعت کے دوستوں کے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ خلیفۂ وقت کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ دوسرا خلیفہ چنے۔ مگر موجودہ فتنہ نے بتا دیا ہے کہ یہ طریق درست نہیں کیونکہ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہم خلیفۂ ثانی کے مرنے کے بعد بیعت میاں عبدالمنان کی کریں گے اور کسی کی نہیں کریں گے۔ اس سے پتہ لگا کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ صرف دو تین آدمی ہی اگر کسی کی بیعت کر لیں تو وہ خلیفہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے یہ بھی پتہ لگا کہ جماعت میں خلفشار پیدا ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ خلفشار پیدا کرنے والا غلام رسول نمبر ۳۵ جیسا آدمی ہی ہو اور خواہ وہ ڈاہڑا جیسا گمنام آدمی ہی ہو۔ وہ دعویٰ تو یہی کریں گے کہ خلیفہ چنا گیا ہے۔ سو جماعت احمدیہ میں پریشانی پیدا ہو گی۔ اس لئے وہ پُرانا طریق جو طولِ عمل والا ہے میں اس کو منسوخ کرتا ہوں اور اس کی بجائے میں اس سے زیادہ قریبی طریقہ پیش کرتا ہوں۔

بیشک ہمارا دعویٰ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے مگر اس کے باوجود تاریخ کی اس شہادت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خلیفے شہید بھی ہو سکتے ہیں۔ جس طرح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ شہید ہوئے اور خلافت ختم بھی کی جا سکتی ہے۔ جس طرح حضرت حسنؓ کے بعد خلافت ختم ہو گئی۔ جو آیت میں نے اِس وقت پڑھی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں خلافت قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ مشروط ہے کیونکہ مندرجہ بالا آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت پر ایمان لانے والوں اور اس کے قیام کیلئے مناسب حال عمل کرنے والے لوگوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان میں خلافت کو قائم رکھے گا۔ پس خلافت

کا ہونا ایک انعام ہے پیشگوئی نہیں اگر پیشگوئی ہوتا تو حضرت امام حسنؓ کے بعد خلافت کا ختم ہونا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ قرآن کریم کو جھوٹا قرار دیتا لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کو ایک مشروط انعام قرار دیا ہے۔ اس لئے اب ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسنؓ کے زمانہ میں عام مسلمان کامل مومن نہیں رہے تھے اور خلافت کے قائم رکھنے کے لئے صحیح کوشش انہوں نے چھوڑ دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو واپس لے لیا اور باوجود خلافت کے ختم ہو جانے کے قرآن سچا رہا جھوٹا نہیں ہوا۔ وہی صورت اب بھی ہوگی اگر جماعت احمدیہ خلافت کے ایمان پر قائم رہی اور اس کے قیام کے لئے صحیح جدوجہد کرتی رہی تو اس میں بھی قیامت تک خلافت قائم رہے گی۔ جس طرح عیسائیوں میں پوپ کی شکل میں اب تک قائم ہے گو وہ بگڑ گئی ہے۔ میں نے بتا دیا ہے کہ اس کے بگڑنے کا احمدیت پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ مگر بہرحال اس فساد سے اتنا پتہ لگ جاتا ہے کہ شیطان ابھی مایوس نہیں ہوا۔ پہلے تو شیطان نے پیغامیوں کی جماعت بنائی لیکن بیالیس سال کے انتظار کے بعد اس باسی کڑھی میں پھر اُبال آیا اور وہ بھی لگے مولوی عبدالمنان اور عبدالوہاب کی تائید میں مضمون لکھنے اور ان میں سے ایک شخص محمد حسن چیمہ نے بھی ایک مضمون شائع کیا ہے کہ ہمارا نظام اور ہمارا اسٹیج اور ہماری جماعت تمہاری مدد کے لئے تیار ہے شاباش ہمت کر کے کھڑے رہو۔ مرزا محمود سے دبنا نہیں۔ اس کی خلافت کے پردے چاک کر کے رکھ دو ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ تم نے مولوی محمد علی صاحب کو کیا مدد دے لی تھی۔ آخر مولوی محمد علی صاحب بھی تو تمہارے لیڈر تھے خواجہ کمال الدین صاحب بھی لیڈر تھے اُن کی تم نے کیا مدد کر لی تھی جو آج عبدالمنان اور عبدالوہاب کی کرلو گے۔ پس یہ باتیں محض ڈھکوسلے ہیں ان سے صرف ہم کو ہوشیار کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مطمئن نہ ہو جانا اور یہ نہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ چونکہ خلافت قائم کیا کرتا ہے اس لئے کوئی ڈر کی بات نہیں ہے تمہارے زمانہ میں بھی فتنے کھڑے ہو رہے ہیں اور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی فتنے کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے خلافت کو ایسی طرز پر چلاؤ جو زیادہ آسان ہو اور کوئی ایک دو لفنگے اُٹھ کر اور کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے یہ نہ کہہ دیں کہ چلو خلیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ پس اسلامی طریق پر جو کہ میں آگے

بیان کروں گا آئندہ خلافت کے لئے میں یہ قاعدہ منسوخ کرتا ہوں کہ شوریٰ انتخاب کرے بلکہ میں یہ قاعدہ مقرر کرتا ہوں کہ آئندہ جب کبھی خلافت کے انتخاب کا وقت آئے تو صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اور ممبر اور تحریک جدید کے وکلاء اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے زندہ افراد اور اب نظر ثانی کرتے وقت میں یہ بات بھی بعض دوستوں کے مشورہ سے زائد کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ بھی جن کو فوراً بعد تحقیقات صدر انجمن احمدیہ کو چاہیے کہ صحابیت کا سٹیفکیٹ دے دے اور جامعۃ المبشرین کے پرنسپل اور جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتی سلسلہ احمدیہ اور تمام جماعتہائے پنجاب اور سندھ کے ضلعوں کے امیر اور مغربی پاکستان اور کراچی کا امیر اور مشرقی پاکستان کا امیر مل کر اس کا انتخاب کریں۔

اسی طرح نظر ثانی کرتے وقت میں یہ امر بھی بڑھاتا ہوں کہ ایسے سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہے ہوں گو انتخاب کے وقت بوجہ معذوری کے امیر نہ رہے ہوں وہ بھی اس لسٹ میں شامل کئے جائیں۔ اِسی طرح ایسے تمام مبلّغ جو ایک سال تک غیر مُلک میں کام کر آئے ہیں اور بعد میں سلسلہ کی طرف سے اُن پر کوئی الزام نہ آیا ہو۔ ایسے مبلّغوں کی لسٹ شائع کرنا مجلس تحریک کا کام ہوگا۔ اِسی طرح ایسے مبلّغ جنہوں نے پاکستان کے کسی ضلع یا صوبہ میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم سے کم ایک سال کام کیا ہو۔ ان کی فہرست بنانا صدر انجمن احمدیہ کے ذمہ ہوگا۔

مگر شرط یہ ہوگی کہ اگر وہ موقع پر پہنچ جائیں۔ سیکرٹری شوریٰ تمام مُلک میں اطلاع دے دے کہ فوراً پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد جو نہ پہنچے اس کا اپنا قصور ہوگا اور اس کی غیر حاضری خلافت کے انتخاب پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ نہ یہ عذر سنا جائے گا کہ وقت پر اطلاع شائع نہیں ہوئی۔ یہ ان کا اپنا کام ہے کہ وہ پہنچیں۔ سیکرٹری شوریٰ کا کام اُن کو لانا نہیں ہے اس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ ایک اعلان کر دے اور اگر سیکرٹری شوریٰ کہے کہ میں نے اعلان کر دیا تھا تو وہ انتخاب جائز سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں کا یہ کہہ دینا یا ان میں سے کسی کا یہ کہہ دینا کہ مجھے اطلاع نہیں پہنچ سکی اِس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی نہ قانوناً نہ شرعاً۔ یہ سب لوگ مل کر جو فیصلہ

کریں گے وہ تمام جماعت کے لئے قابل قبول ہوگا اور جماعت میں سے جوشخص اس کی مخالفت کرے گا وہ باغی ہوگا اور جب بھی انتخابِ خلافت کا وقت آئے اور مقررہ طریق کے مطابق جوبھی خلیفہ چنا جائے میں اُس کو ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر اس قانون کے ماتحت وہ چنا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا اور جوبھی اس کے مقابل میں کھڑا ہوگا وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو ذلیل کیا جائے گا اور تباہ کیا جائے گا کیونکہ ایسا خلیفہ صرف اس لئے کھڑا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو پورا کرے کہ خلافت اسلامیہ ہمیشہ قائم رہے۔ پس چونکہ وہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتوں کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہوگا اس لئے اُسے ڈرنا نہیں چاہیے۔

جب مجھے خلیفہ چنا گیا تھا تو سلسلہ کے بڑے بڑے لیڈر سارے مخالف ہو گئے تھے اور خزانہ میں کُل اٹھارہ آنے تھے اب تم بتاؤ اٹھارہ آنے میں ہم تم کو ایک ناشتہ بھی دے سکتے ہیں؟ پھر خدا تعالیٰ تم کو کھینچ کر لے آیا۔ اور یا تو یہ حالت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر صرف بارہ سَو آدمی جمع ہوئے تھے اور یا آج کی رپورٹ یہ ہے کہ ربوہ کے آدمیوں کو ملا کر اس وقت جلسہ مردانہ اور زنانہ میں پچپن ہزار تعداد ہے۔ آج رات کو ۴۳ ہزار مہمانوں کو کھانا کھِلایا گیا ہے۔ بارہ ہزار ربوہ والے ملا لئے جائیں تو پچپن ہزار ہو جاتا ہے۔ پس عورتوں اور مَردوں کو ملا کر اِس وقت ہماری تعداد ۵۵ ہزار ہے۔ اُس وقت بارہ سَو تھی یہ پچپن ہزار کہاں سے آئے؟ خدا ہی لایا۔ پس میں ایسے شخص کو جس کو خدا تعالیٰ خلیفۂ ثالث بنائے ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاکر کھڑا ہو جائے گا تو منان، وہاب اور پیغامی کیا چیز ہیں اگر دنیا کی حکومتیں بھی اُس سے ٹکر لیں گی تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی (نعرہائے تکبیر) جماعت احمدیہ کو حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ جماعت احمدیہ کو خدا کی خلافت سے تعلق ہے اور وہ خدا کی خلافت کے آگے اور پیچھے لڑے گی اور دنیا میں کسی شریر کو جو کہ خلافت کے خلاف ہے خلافت کے قریب بھی نہیں آنے دے گی۔

اب یہ دیکھ لو ابھی تم نے گواہیاں سن لی ہیں کہ عبدالوہاب احراریوں کو مل کر قادیان کی خبریں سنایا کرتا تھا اور پھر تم نے یہ بھی سن لیا ہے کہ کس طرح پیغامیوں کے ساتھ ان لوگوں کے تعلقات ہیں۔ سو اگر خدانخواستہ ان لوگوں کی تدبیر کامیاب ہو جائے تو اس کے معنی یہ تھے کہ بیالیس سال کی لڑائی کے بعد تم لوگ احراریوں اور پیغامیوں کے نیچے آ جاتے۔ تم بظاہر اس کو چھوٹی بات سمجھتے ہو لیکن یہ چھوٹی بات نہیں یہ ایک بہت بڑی بات ہے اگر خدانخواستہ ان کی سکیم کامیاب ہو جاتی تو جماعت احمدیہ مبائعین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کے لیڈر رہوتے مولوی صدرالدین اور عبدالرحمٰن مصری اور ان کے لیڈر رہوتے مولوی داؤد غزنوی اور عطاء اللہ شاہ بخاری۔ اب تم بتاؤ کہ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری اور داؤد غزنوی اگر تمہارے لیڈر ہو جائیں تو تمہارا دنیا میں کوئی ٹھکانہ رہ جائے؟ تمہارا ٹھکانہ تو تبھی رہتا ہے جب مبائعین میں سے خلیفہ ہو اور قرآن مجید نے شرط لگائی ہے مِنْكُمْ کی یعنی وہ مبائعین میں سے ہونا چاہیے۔ اس پر کسی غیر مبائع یا احراری کا اثر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر غیر مبائع کا اور احراری کا اثر ہو تو پھر وہ نہ مِنْكُمْ ہو سکتا ہے نہ خلیفہ ہو سکتا ہے۔

پس ایک تو میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ جب بھی وہ وقت آئے آخر انسان کے لئے کوئی دن آنا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابھی میں نے حوالہ سنایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی موت کی خبر دی اور فرمایا پریشان نہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ دوسری قدرت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ سو دوسری قدرت کا اگر تیسرا مظہر وہ ظاہر کرنا چاہے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ ہر انسان نے آخر مرنا ہے مگر میں نے بتایا ہے کہ شیطان نے بتا دیا ہے کہ ابھی اس کا سَر نہیں کچلا گیا۔ وہ ابھی تمہارے اندر داخل ہونے کی امید رکھتا ہے۔ ''پیغام صلح'' کی تائید اور محمد حسین چیمہ کا مضمون بتاتا ہے کہ ابھی مارے ہوئے سانپ کی دُم ہِل رہی ہے۔ پس اُس کو مایوس کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آئندہ یہ نہ رکھا جائے کہ ملتان اور کراچی اور حیدرآباد اور کوئٹہ اور پشاور سب جگہ کے نمائندے جو پانچ سَو کی تعداد سے زیادہ ہوتے ہیں وہ آئیں تو انتخاب ہو بلکہ صرف ناظروں اور وکیلوں اور مقررہ اشخاص کے مشورہ کے ساتھ اگر وہ حاضر ہوں خلیفہ کا انتخاب ہوگا جس کے بعد جماعت میں اعلان کر دیا

جائے گا اور جماعت اُس شخص کی بیعت کرے گی۔ اس طرح وہ حکم بھی پورا ہو جائے گا کہ خلیفہ خدا بنا تا ہے اور وہ حکم بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ ایسا مومنوں کے ہاتھ سے کرتا ہے۔ درحقیقت خلافت کوئی ڈنڈے کے ساتھ تو ہوتی نہیں، مرضی سے ہوتی ہے اگر تم لوگ ایک شخص کو دیکھو کہ وہ خلافِ قانون خلیفہ بن گیا ہے اور اس کے ساتھ نہ ہو تو آپ ہی اس کو نہ آمدن ہوگی نہ کام کر سکے گا ختم ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ چیز اپنے اختیار میں رکھی ہے لیکن بندوں کے توسط سے رکھی ہے اگر صحیح انتخاب نہیں ہوگا تو تم لوگ کہو گے کہ ہم تو نہیں مانتے۔ جو انتخاب کا طریق مقرر ہوا تھا اس پر عمل نہیں ہوا تو پھر وہ آپ ہی ہٹ جائے گا اور اگر خدا نے اُسے خلیفہ بنایا تو تم فوراً اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ جس طرح ۱۹۱۴ء میں رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے اور جوق در جوق دوڑتے ہوئے اس کے پاس آ ؤ گے اور اس کی بیعتیں کرو گے۔ مجھے صرف اتنا خیال ہے کہ شیطان کے لئے دروازہ نہ کھلا رہے۔ اِس وقت شیطان نے حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں کو چنا ہے، جس طرح آدم کے وقت میں اُس نے درختِ حیات کو چنا تھا۔ اُس وقت بھی شیطان نے کہا تھا کہ آدم! میں تمہاری بھلائی کرنا چاہتا ہوں میں تم کو اس درخت سے کھانے کو کہتا ہوں کہ جس کے بعد تم کو وہ بادشاہت ملے گی جو کبھی خراب نہیں ہوگی اور ایسی زندگی ملے گی جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ سو اب بھی لوگوں کو شیطان نے اسی طرح دھوکا دیا ہے کہ لو جی! حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں کو ہم پیش کرتے ہیں گو آدم کو دھوکا لگنے کی وجہ موجود تھی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں کیونکہ حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں کو تباہ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا دعویٰ یہی ہے کہ یہ اپنے خاندان میں خلافت رکھنا چاہتے ہیں۔ خلافت تو خدا اور جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں ہے اگر خدا اور جماعت احمدیہ خاندانِ بنو فارس میں خلافت رکھنے کا فیصلہ کریں تو یہ حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے کون ہیں جو اِس میں دخل دیں۔ خلافت تو بہر حال خدا تعالیٰ اور جماعت احمدیہ کے اختیار میں ہے اور خدا اگر ساری جماعت کو اس طرف لے آئے گا تو پھر کسی کی طاقت نہیں کہ کھڑا ہو سکے۔ پس میں نے یہ رستہ بتا دیا ہے لیکن میں نے ایک کمیٹی بھی بنائی ہے جو عیسائی طریقۂ انتخاب پر غور

کرے گی کیونکہ قرآن شریف نے فرمایا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جس طرح اس نے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا اسی طرح تم کو بنائے گا سو میں نے کہا عیسائی جس طرح انتخاب کرتے ہیں اس کو بھی معلوم کرو ہم نے اس کو دیکھا ہے گو پوری طرح تحقیق نہیں ہوئی وہ بہت سادہ طریق ہے۔ اس میں جو بڑے بڑے علماء ہیں ان کی ایک چھوٹی سی تعداد پوپ کا انتخاب کرتی ہے اور باقی عیسائی دنیا اُسے قبول کر لیتی ہے لیکن اس کمیٹی کی رپورٹ سے پہلے ہی میں نے چند قواعد تجویز کر دیئے ہیں جو اِس سال کی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کر دئے جائیں گے تاکہ کسی شرارتی کے لئے شرارت کا موقع نہ رہے۔ یہ قواعد چونکہ ایک ریزولیوشن کی صورت میں مجلس شوریٰ کے سامنے علیحدہ پیش ہونگے اس لئے اس ریزولیوشن کے شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پُرانے علماء کی کتابیں پڑھیں تو اُن میں بھی یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ تمام صحابہؓ اور خلفاءؒ اور بڑے بڑے ممتاز فقیہہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خلافت ہوتی تو اِجماع کے ساتھ ہے لیکن یہ وہ اجماع ہوتا ہے کہ يَتَيَسَّرَ اِجْتِمَاعُهُمْ [۸] جن اربابِ حل وعقد کا جمع ہونا آسان ہو۔ یہ مراد نہیں کہ اِتنا بڑا اجتماع ہو جائے کہ جمع ہی نہ ہو سکے اور خلافت ہی ختم ہو جائے بلکہ ایسے لوگوں کا اجتماع ہوگا جن کا جمع ہونا آسان ہو۔ سو میں نے ایسا ہی اجماع بنا دیا ہے جن کا جمع ہونا آسان ہے اور اگر ان میں سے کوئی نہ پہنچے تو میں نے کہا ہے کہ اس کی غلطی سمجھی جائے گی۔ انتخاب بہرحال تسلیم کیا جائے گا اور ہماری جماعت اس انتخاب کے پیچھے چلے گی۔ مگر جماعت کو میں یہ حکم نہیں دیتا بلکہ اسلام کا بتایا ہوا طریقہ بیان کر دیتا ہوں تاکہ وہ گمراہی سے بچ جائیں۔

ہاں جہاں میں نے خلیفہ کی تجویز بتائی ہے وہاں یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ جس شخص کے متعلق کوئی پروپیگنڈہ کیا جائے وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا یا جن لوگوں کے متعلق پروپیگنڈہ کیا جائے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ یا جس کو خود تمنا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو وہ مقام نہ دیا جائے۔ تو حضرت خلیفہ اوّل کی موجودہ اولاد بلکہ بعض پوتوں تک نے چونکہ پروپیگنڈہ میں حصہ لیا ہے اس لئے حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں یا اُن کے پوتوں کا نام ایسے

انتخاب میں ہرگز نہیں آ سکے گا۔ایک تو اس لئے کہ انہوں نے پروپیگنڈہ کیا ہے اور دوسرے اس لئے کہ اس بنا پر اُن کو جماعت سے خارج کیا گیا ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک خواب بھی بتاتی ہے کہ اس خاندان میں صرف ایک ہی پھانک خلافت کی جاتی ہے اور ''پیغام صلح'' نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اس سے مراد خلافت کی پھانک ہے۔پس میں نفی کرتا ہوں حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کی اور ان کے پوتوں تک کی یا تمام ایسے لوگوں کی جن کی تائید میں پیغامی یا احراری ہوں یا جن کو جماعت مبائعین سے خارج کیا گیا ہو۔اور اِثبات کرتا ہوں مِنْكُمْ کے تحت آنے والوں کا یعنی جو خلافت کے قائل ہوں چاہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی ذرّیت ہوں یا روحانی ذرّیت ہوں۔تمام علمائے سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی ذرّیت ہیں اور جسمانی ذرّیت تو ظاہر ہی ہوتی ہے ان کا نام خاص طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔یہ لوگ کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔اب روحانی ذرّیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دس لاکھ ہے اور جسمانی ذرّیت میں سے اِس وقت صرف تین فرزند ہیں ایک داماد کو شامل کیا جائے تو چار بن جاتے ہیں۔اتنی بڑی جماعت کے لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اِن میں سے کوئی خلیفہ ہو۔اس کا نام اگر یہ رکھا جائے کہ میں اپنے فلاں بیٹے کو کرنا چاہتا ہوں تو ایسے قائل سے بڑا گدھا اور کون ہوسکتا ہے۔میں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرّیت جسمانی کے چار افراد اور دس لاکھ اِس وقت تک کی روحانی ذرّیت کو خلافت کا مستحق قرار دیتا ہوں (جو ممکن ہے میرے مرنے تک دس کروڑ ہو جائے) سو جو شخص کہتا ہے کہ اِس دس کروڑ میں سے جو خلافت پر ایمان رکھتے ہوں کسی کو خلیفہ چن لو اُس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اپنے کسی بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے نہایت احمقانہ دعویٰ ہے۔میں صرف یہ شرط کرتا ہوں کہ مِنْكُمْ کے الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی خلیفہ چنا جائے اور چونکہ حضرت خلیفہ اوّل کی نسل نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ پیغامیوں کے ساتھ ہیں اور پیغامی ان کے ساتھ ہیں اور احراری بھی ان کے ساتھ ہیں اور غزنوی خاندان جو کہ سلسلہ کے ابتدائی دشمنوں میں سے ہے اُن کے ساتھ ہے اس لئے وہ مِنْكُمْ نہیں رہے اِن میں

سے کسی کا خلیفہ بننے کے لئے نام نہیں لیا جائے گا۔ اور یہ کہہ دینا کہ ان میں سے خلیفہ نہیں ہو سکتا یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ خلیفہ خدا بناتا ہے سوال یہ ہے کہ جب خلیفہ خدا بناتا ہے تو اِن کے منہ سے وہ باتیں جو خلافت کے خلاف ہیں کہلوائیں کس نے؟ اگر خدا چاہتا کہ وہ خلیفہ بنیں تو ان کے منہ سے یہ باتیں کیوں کہلواتا؟ اگر خدا چاہتا کہ وہ خلیفہ بنیں تو اُن کی یہ باتیں مجھ تک کیوں پہنچا دیتا، جماعت تک کیوں پہنچا دیتا؟ یہ باتیں خدا کے اختیار میں ہیں اس لئے ان کے نہ ہونے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے اور جماعت احمدیہ مبائعین میں سے کسی کا خلیفہ ہونا بھی بتاتا ہے کہ خدا خلیفہ بناتا ہے۔ دونوں باتیں یہی ثابت کرتی ہیں کہ خدا ہی خلیفہ بناتا ہے۔ بہرحال جو بھی خلیفہ ہوگا وہ مِنْكُمْ ہوگا۔ یعنی وہ خلافت احمدیہ کا قائل ہوگا اور جماعت مبائعین میں سے نکالا ہوا نہیں ہوگا۔ اور میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ جو بھی خلیفہ چنا جائے وہ کھڑے ہو کر یہ قسم کھائے کہ میں خلافتِ احمدیہ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں خلافتِ احمدیہ کو قیامت تک جاری رکھنے کے لئے پوری کوشش کروں گا اور اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا رہوں گا اور میں ہر غریب اور امیر احمدی کے حقوق کا خیال رکھوں گا اور اگر میں بدنیتی سے کہہ رہا ہوں یا اگر میں دانستہ ایسا کرنے میں کوتاہی کروں تو خدا کی مجھ پر لعنت ہو۔ جب وہ یہ قسم کھالے گا تو پھر اس کی بیعت کی جائے گی اِس سے پہلے نہیں کی جائے گی۔ اِسی طرح منتخب کرنے والی جماعت میں سے ہر شخص حلفیہ اعلان کرے کہ میں خلافتِ احمدیہ کا قائل ہوں اور کسی ایسے شخص کو ووٹ نہیں دونگا جو جماعت مبائعین میں سے خارج ہو یا اس کا تعلق غیر مبائعین یا غیر احمدیوں سے ثابت ہو۔ غرض پہلے مقررہ اشخاص اس کا انتخاب کریں گے اِس کے بعد وہ یہ قسم کھائے گا کہ میں خلافت احمدیہ حقہ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں ان کو جو خلافت احمدیہ کے خلاف ہیں جیسے پیغامی یا احراری وغیرہ باطل پر سمجھتا ہوں۔

اَب اِن لوگوں کو دیکھ لو۔ اِن کے لئے کس طرح موقع تھا میں نے مری میں خطبہ پڑھا اور اس میں کہا کہ صراطِ مستقیم پر چلنے سے سب باتیں حل ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ بھی صراطِ مستقیم پر چلیں اور اس کا طریق یہ ہے کہ پیغامی میرے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی ہتک

کر رہا ہے۔ یہ اعلان کر دیں کہ پیغامی جھوٹے ہیں۔ ہمارا پچھلا بیس سالہ تجربہ ہے کہ پیغامی ہتک کرتے چلے آئے ہیں اور مبائعین نہیں کرتے رہے۔ مبائعین صرف دفاع کرتے رہے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو توفیق نہیں ملی اور یوں معافی نامے چھاپ رہے ہیں۔ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ اعلان کیا تو ہمارا اڈہ جو غیر مبائعین کا ہے اور ہمارا اڈہ جو احراریوں کا ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔ سو اگر اڈہ بنانے کی فکر نہ ہوتی تو کیوں نہ یہ اعلان کرتے مگر یہ اعلان کبھی نہیں کیا۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے مجھے سنایا کہ عبدالمنان نے اُن سے کہا ہم اس لئے لکھ کر نہیں بھیجتے کہ پھر جرح ہوگی کہ یہ لفظ کیوں نہیں لکھا وہ لفظ کیوں نہیں لکھا حالانکہ اگر دیانتداری ہے تو بیشک جرح ہو حرج کیا ہے۔ جو شخص حق کے اظہار میں جرح سے ڈرتا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ حق کو چھپانا چاہتا ہے اور حق کے قائم ہونے کے مخالف ہے۔ غرض جب تک شوریٰ میں معاملہ پیش ہونے کے بعد میں اور فیصلہ نہ کروں اوپر کا فیصلہ جاری رہے گا۔

تمہیں خوشی ہو کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت چلی تھی واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ تمہارے اندر بھی اُسی طرح چلے گی۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ میرا نام عمرؓ نہیں بلکہ محمود ہے مگر خدا کے الہام میں میرا نام فضل عمر رکھا گیا اور اُس نے مجھے دوسرا خلیفہ بنا دیا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ یہ خدائی فعل تھا۔ خدا چاہتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت بالکل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی خلافت کی طرح ہو۔ میں جب خلیفہ ہوا ہوں تو ہزارہ سے ایک شخص آیا اُس نے کہا کہ میں نے خواب دیکھی تھی کہ میں حضرت عمرؓ کی بیعت کر رہا ہوں تو جب میں آیا تو آپ کی شکل مجھے نظر آئی اور دوسرے میں نے حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا کہ اُن کے بائیں طرف سر پر ایک داغ تھا۔ میں جب انتظار کرتا ہوا کھڑا رہا۔ آپ نے سر کھجلایا اور پگڑی اُٹھائی تو دیکھا کہ وہ داغ موجود تھا اِس لئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ پھر ہم نے تاریخیں نکالیں تو تاریخوں میں بھی مل گیا کہ حضرت عمرؓ کو بائیں طرف خارش ہوئی تھی اور سر میں داغ پڑ گیا تھا سو نام کی تشبیہہ بھی ہوگئی اور شکل کی تشبیہہ بھی ہوگئی۔ مگر ایک تشبیہہ نئی نکلی ہے وہ میں تمہیں بتاتا

ہوں اس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی عمر کا آخری حج کیا تو اُس وقت آپ کو یہ اطلاع ملی کہ کسی نے کہا ہے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت تو اچانک ہوگئی تھی یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدؓ نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ پس صرف ایک یا دو بیعت کر لیں تو کافی ہو جاتا ہے اور وہ شخص خلیفہ ہو جاتا ہے اور ہمیں خدا کی قسم اگر حضرت عمرؓ فوت ہوگئے تو ہم صرف فلاں شخص کی بیعت کریں گے اور کسی کی نہیں کریں گے۔[9] جس طرح غلام رسول نمبر ۳۵ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ خلیفۂ ثانی فوت ہوگئے تو ہم صرف عبدالمنان کی بیعت کریں گے۔ دیکھ لو یہ بھی حضرت عمرؓ سے مشابہت ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ ہم اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے فلاں شخص کی کریں گے۔ اِس وقت بھی غلام رسول ۳۵ اور اس کے بعض ساتھیوں نے یہی کہا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے یہ نہیں کیا جیسے مولوی علی محمد اجمیری نے شائع کیا تھا کہ آپ پانچ وکیلوں کا ایک کمیشن مقرر کریں جو تحقیقات کرے کہ بات کونسی سچی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک وکیل کا بھی کمیشن مقرر نہیں کیا اور کہا میں کھڑے ہو کر اس کی تردید کروں گا۔ بڑے بڑے صحابہؓ اُن کے پاس پہنچے اور انہوں نے کہا۔ حضور! یہ حج کا وقت ہے اور چاروں طرف سے لوگ آئے ہوئے ہیں ان میں بہت سے جاہل بھی ہیں ان کے سامنے اگر آپ بیان کریں گے تو نہ معلوم کیا کیا باتیں باہر مشہور کریں گے جب مدینہ میں جائیں تو پھر بیان کریں۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ حج سے واپس آئے تو مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہوگئے اور کھڑے ہو کر کہا کہ اے لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کسی نے کہا ہے کہ ابوبکرؓ کی بیعت تو ایک اچانک واقعہ تھا اب اگر عمرؓ مر جائے تو ہم سوائے فلاں شخص کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے پس کان کھول کر سن لو کہ جس نے یہ کہا تھا کہ ابوبکرؓ کی بیعت اچانک ہوگئی تھی اُس نے ٹھیک کہا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس جلد بازی کے فعل کے نتیجہ سے بچا لیا اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم میں سے کوئی شخص ابوبکرؓ کی مانند نہیں جس کی طرف لوگ دُور دُور سے دین اور روحانیت سیکھنے کے لئے آتے تھے۔ پس اِس وہم میں نہ پڑو کہ ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بیعت ہو جاتی ہے اور آدمی خلیفہ بن جاتا ہے کیونکہ اگر جمہور

مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی شخص نے کسی کی بیعت کی تو نہ بیعت کرنے والے کی بیعت ہوگی اور نہ وہ شخص جس کی بیعت کی گئی ہے وہ خلیفہ ہو جائے گا بلکہ دونوں اِس بات کا خطرہ محسوس کریں گے کہ سب مسلمان مل کر ان کا مقابلہ کریں اور انکا کیا کرایا اکارت ہو جائے گا۔ حالانکہ ابوبکرؓ کی بیعت صرف اس خطرہ سے کی گئی تھی کہ مہاجرین اور انصار میں فتنہ پیدا نہ ہو جائے مگر اس کو خدا تعالیٰ نے قائم کر دیا۔ پس وہ خدا کا فعل تھا نہ کہ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کوئی ایک دو شخص مل کر کسی کو خلیفہ بنا سکتے ہیں۔

پھر علامہ رشید رضا نے احادیث اور اقوال فقہاء سے اپنی کتاب ''الخلافۃ'' میں لکھا ہے کہ خلیفہ وہی ہوتا ہے جس کو مسلمان مشورہ سے اور کثرتِ رائے سے مقرر کریں۔ مگر آگے چل کر وہ علامہ سعد الدین تفتازانی مصنف شرح المقاصد اور علامہ نووی وغیرہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کا جمع ہونا وقت پر مشکل ہوتا ہے۔ پس اگر جماعت کے چند بڑے آدمی جن کا جماعت میں رسوخ ہو کسی آدمی کی خلافت کا فیصلہ کریں اور لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں تو ایسے لوگوں کا اجتماع سمجھا جائے گا اور سب مسلمانوں کا اجتماع سمجھا جائے گا اور یہ ضروری نہیں ہوگا کہ دنیا کے سب مسلمان اکٹھے ہوں اور پھر فیصلہ کریں۔ اسی بناء پر میں نے خلافت کے متعلق مذکورہ بالا قاعدہ بنایا ہے جس پر پچھلے علماء بھی متفق ہیں۔ محدثین بھی اور خلفاء بھی متفق ہیں۔ پس وہ فیصلہ میرا نہیں بلکہ خلفائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور صحابہ کرامؓ کا ہے اور تمام علمائے اُمت کا ہے جن میں حنفی شافعی وہابی سب شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑے آدمی سے مراد یہ ہے کہ جو بڑے بڑے کاموں پر مقرر ہوں جیسے ہمارے ناظر ہیں اور وکیل ہیں۔ اور قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مومنوں کی جماعت کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں مراد ایسے ہی لوگوں کی جماعت ہے نہ کہ ہر فردِ بشر۔ یہ علامہ رشید کا قول ہے کہ وہاں بھی یہ مراد نہیں کہ ہر فردِ بشر بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے آدمی۔ [10]

پس صحابہؓ، احادیثِ رسول اور فقہاءِ اُمت اس بات پر متفق ہیں کہ خلافت مسلمانوں کے اتفاق سے ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہ ہر مسلمان کے اتفاق سے بلکہ ان مسلمانوں کے اتفاق سے جو مسلمانوں میں بڑا عہدہ رکھتے ہوں یا رسوخ رکھتے ہوں اور اگر ان لوگوں کے سوا چند

او باش مل کر کسی کی بیعت کر لیں تو نہ وہ لوگ مبائع کہلائیں گے اور نہ جس کی بیعت کی گئی ہے وہ خلیفہ کہلائے گا۔[11]

اَب خلافتِ حقّہ اسلامیہ کے متعلق میں قرآنی اور احادیثی تعلیم بھی بتا چکا ہوں اور وہ قواعد بھی بیان کر چکا ہوں جو آئندہ سلسلہ میں خلافت کے انتخاب کے لئے جاری ہونگے۔ چونکہ انسانی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا نہ معلوم میں اُس وقت تک رہوں یا نہ رہوں اِس لئے میں نے اوپر کا قاعدہ تجویز کر دیا ہے تاکہ جماعت فتنوں سے محفوظ رہے۔

---

1. النور: ۵۶
2. الجامع الصغير للسيوطى الجزء الثانى صفحہ۱۲۶ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ
3. مشكوٰة باب الانذار والتحذير
4. تذکرہ صفحہ ۲۳۲ (طبع اوّل)
5. الوصیت صفحہ ۷۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵
6. الوصیت صفحہ ۸۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۶
7. بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء
8. رسالہ الخلافۃ صفحہ ۱۱ مصنفہ شیخ رشید رضا مصری
9. تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۳، رسالہ الخلافۃ صفحہ ۱۳ مصنفہ رشید رضا مصری
10. الخلافۃ صفحہ ۱۴ مصنفہ رشید رضا مصری
11. الخلافۃ صفحہ ۹ تا ۱۸ مصنفہ رشید رضا مصری

تم نَسۡلاً بَعۡدَ نَسۡلٍ اپنے آپ کو نظامِ خلافت سے وابستہ رکھو

مجلس خدام الاحمدیہ کے اٹھارویں سالانہ اجتماع کے موقع پر۲۳؍اکتوبر ۱۹۵۸ءکو افتتاحی اجلاس میں محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا جونہایت ایمان افروز اور رُوح پرور پیغام پڑھ کر سنایا اور ۲۴؍اکتوبر کوخود حضور نے بھی پڑھ کر سنایا وہ درج ذیل ہے۔

"اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ھُوَالنَّاصِرُ

خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کو میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ انسان دنیا میں پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ ہمیشہ کیلئے زندہ رہ سکتی ہیں پس تمہیں اپنی قومی حیات کے قیام اور استحکام کے لئے ہمیشہ کوشش کرنی چاہیے اور نَسۡلاً بَعۡدَ نَسۡلٍ اسلام اور احمدیت کو پھیلانے کی جدوجہد کرتے چلے جانا چاہیے۔ اگر مسیح موسویؑ کے پیرو آج ساری دنیا پر پھیل گئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسیح محمدیؑ جو اپنی تمام شان میں مسیح موسویؑ سے افضل ہے اس کی جماعت ساری دنیا میں نہ پھیل جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا بھی کی ہے اور فرمایا

ہے کہ:۔

پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار[1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعا اور خواہش کو پورا کرنے کیلئے جدو جہد کرنا آپ لوگوں میں سے ہر ایک پر فرض ہے اور آپ لوگوں کو یہ جدوجہد ہمیشہ جاری رکھنی چاہیے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ قیامت تک جدوجہد کرنا صرف ایک خیالی بات ہے بلکہ حقیقتاً یہ آپ لوگوں کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر عائد کیا گیا ہے کہ قیامت تک آپ لوگ اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند رکھیں۔ یہاں تک کہ دنیا میں اسلام اور احمدیت عیسائیت سے بہت زیادہ پھیل جائے اور تمام دنیا کی بادشاہتیں اسلام اور احمدیت کے تابع ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ مجھے ایک دفعہ عالم کشف میں وہ بادشاہ دکھائے بھی گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور جن میں سے بعض ہندوستان کے تھے، بعض عرب کے، بعض فارس کے، بعض شام کے، بعض روم کے اور بعض دوسرے ممالک کے اور مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر ایمان لائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور ان پیشگوئیوں کے مطابق روس، جرمنی، امریکہ اور انگلستان کے بادشاہ یا پریذیڈنٹ احمدی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے گی اور اسلام کے مقابلہ میں باقی تمام مذاہب بے حقیقت ہو کر رہ جائیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آجکل دنیا کے اکثر ممالک میں بادشاہتیں ختم ہو چکی ہیں مگر پریذیڈنٹ بھی بادشاہوں کے ہی قائمقام ہیں پس اگر مختلف ملکوں کے پریذیڈنٹ ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں تو یہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ متواتر اور مسلسل جدوجہد کی جائے اور تبلیغ اسلام کے کام ہمیشہ جاری رکھا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح بھی قرار دیا گیا ہے اور حضرت نوحؑ کی عمر جیسا قرآن کریم بتایا گیا ہے ساڑھے نوسَو سال تھی جو درحقیقت ان کے سلسلہ کی عمر تھی مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز تھے جو

تمام نبیوں سے افضل تھے اور حضرت نوحؑ بھی ان میں شامل تھے پس اگر نوحؑ کو ساڑھے نوسَو سال عمر ملی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز اور آپ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو ساڑھے نو ہزار سال عمر ملنی چاہیے اور اس عرصہ تک ہماری جماعت کو اپنی تبلیغی کوششیں وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جانا چاہیے۔

میں اس موقع پر وکالت تبشیر کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بیرونی مشنوں کی رپورٹیں باقاعدگی کے ساتھ شائع کیا کریں تاکہ جماعت کو یہ پتہ لگتا رہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے کیا کیا کوششیں ہو رہی ہیں اور نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کیلئے زندگیاں وقف کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مگر جہاں یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام ضروری ہے وہاں پاکستان اور ہندوستان میں اصلاح و ارشاد کے کام کو وسیع کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے جس سے ہمیں کبھی غفلت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

دنیا میں کوئی درخت سرسبز نہیں ہو سکتا جس کی جڑیں مضبوط نہ ہوں پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پاکستان اور ہندوستان میں بھی جماعت کو مضبوط کرنے کی کوششیں کریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک ایسے درخت سے دی ہے جس کا تنا مضبوط ہو اور اس کے نتیجے میں اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں یعنی ایک طرف تو سچے مذہب کے پیرو اپنی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے ساری دنیا میں پھیل جائیں اور دوسری طرف خدا تعالیٰ اس کے ماننے والوں کو اتنی برکت دے کہ آسمان تک ان کی شاخیں پہنچ جائیں یعنی ان کی دعائیں کثرت کے ساتھ قبول ہونے لگیں اور ان پر آسمانی انوار اور برکات کا نزول ہو۔ یہی **فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ**[1] کے معنی ہیں۔ کیونکہ جو شخص آسمان پر جائے گا وہ خدا تعالیٰ کے قریب ہو جائے گا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسمانی وجود نہیں اس لئے اس کے قریب ہونے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کی دعائیں سنے گا۔ حدیثوں میں بھی آتا ہے کہ مومن جب رات کو تہجد کے وقت دعائیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی قبولیت کیلئے آسمان سے اُتر آتا ہے۔[2]

پس ضروری ہے کہ تمام جماعت کے اندر ایسا اخلاص پیدا ہو کہ اس کی دعائیں

خدا تعالیٰ سننے لگ جائے اور پاتال تک اس کی جڑ چلی جائیں اور دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ رہے جس میں احمدی جماعت مضبوط نہ ہو اور احمدی جماعت کا کوئی حصہ ایسا نہ ہو جس کی دعائیں خدا تعالیٰ کثرت کے ساتھ قبول نہ کرے۔ پس تبلیغ بھی کرو اور دعائیں بھی کرو تا کہ خدا تعالیٰ احمدیت کو غیر معمولی ترقی عطا فرمائے۔ سکھوں کو دیکھو ان کا بانی نبی نہیں تھا مگر پھر بھی وہ بڑے پھیل گئے اور اب بھی ان میں اتنا جوش ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ تمہارا بانی تو نبی تھا اور اپنی تمام شان میں مسیح موسویؑ سے بڑھ کر تھا پھر اگر مسیح موسویؑ کی امت ساری دنیا میں پھیل گئی ہے تو مسیح محمدیؐ جو ان سے بڑے تھے ان کی جماعت کیوں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتی۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق یہ بھی فرمایا کہ:۔

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار[۳]

اور جالوت اُس شخص کو کہتے ہیں جو فسادی ہو اور امن عامہ کو برباد کرنے والا ہو۔ پس اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ دنیا میں امن قائم فرمائے گا اور ہر قسم کے فتنہ وفساد اور شرارت کا سد باب کر دے گا۔

پس تبلیغ اسلام کو ہمیشہ جاری رکھو اور نظامِ خلافت سے اپنے آپ کو پورے اخلاص کے ساتھ وابستہ رکھو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الوصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے''۔[۴]

اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

''تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا''۔[۵]

سوتم قیامت تک خلافت کے ساتھ وابستہ رہو تا کہ قیامت تک خدا تعالیٰ کے تم پر بڑے

بڑے فضل نازل ہوتے رہیں۔

حضرت مسیح ناصریؑ سے آپ کا مسیح بہت بڑا تھا مگر عیسائیوں میں اب تک پوپ جو پطرس کا خلیفہ کہلاتا ہے چلا آرہا ہے اور یورپ کی حکومتیں بھی اس سے ڈرتی ہیں۔ نپولین جیسا بادشاہ ایک دفعہ پوپ کے سامنے گیا اور وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا تو اُس وقت قاعدہ کے مطابق پوپ کو مقدم رکھنا ضروری تھا مگر نپولین نے یہ ہوشیاری کی کہ وہ دوسری طرف سے اُسی وقت اندر جا کر بیٹھ گیا جس وقت پوپ بیٹھا تھا اور اِس طرح اُس نے چاہا کہ وہ پوپ کے برابر ہو جائے۔ اگر عیسائیوں نے اپنی مردہ خلافت کو اب تک جاری رکھا ہوا ہے تو آپ لوگ اپنی زندہ خلافت کو کیوں قیامت تک جاری نہیں رکھ سکتے۔

بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ**[۶] یعنی قیامت ایسے لوگوں پر ہی آئے گی جو اشرار ہوں گے اخیار نہیں ہوں گے۔ مگر آپ لوگوں کی ترقی چونکہ خدائی پیشگوئیوں کے ماتحت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو خدا تعالیٰ نے **خَیْرُ الْاُمَمِ** قرار دیا ہے اس لئے اگر آپ قیامت تک بھی چلے جائیں گے تو خدا تعالیٰ آپ کو نیک ہی رکھے گا اور اخیار میں ہی شامل فرمائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں کہ

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے[۷]

مگر ضروری ہے کہ اس کیلئے دعائیں کی جائیں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں ہمیشہ صالح لوگ پیدا کرتا رہے اور کبھی وہ زمانہ نہ آئے کہ ہماری جماعت صالحین سے خالی ہو یا صالحین کی ہماری جماعت میں قلت ہو بلکہ ہمیشہ ہماری جماعت میں صالحین کی اکثریت ہو جن کی دعائیں کثرت کے ساتھ قبول ہوتی ہوں اور جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا وجود اس دنیا میں بھی ظاہر ہو۔ میں اِس وقت تمام خدام سے تبلیغ اسلام کے متعلق ایک عہد لینا چاہتا ہوں تمام خدام کھڑے ہو جائیں اور اِس عہد کو دُہرائیں۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کیلئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے اور اس مقدس فرض کی تکمیل کیلئے ہمیشہ اپنی زندگیاں خدا اور اس کے رسولؐ کے لئے وقف رکھیں گے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کر کے قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اونچا رکھیں گے۔

ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم نظامِ خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کیلئے آخر دم تک جدو جہد کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تا کہ قیامت تک خلافت احمدیہ محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔ اے خدا تو ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

یہ عہد جو اِس وقت آپ لوگوں نے کیا ہے متواتر چار صدیوں بلکہ چار ہزار سال تک جماعت کے نوجوانوں سے لیتے چلے جائیں اور جب تمہاری نئی نسل تیار ہو جائے تو پھر اسے کہیں کہ وہ اس عہد کو اپنے سامنے رکھے اور ہمیشہ اسے دُہراتی چلی جائے اور پھر وہ نسل یہ عہد اپنی تیسری نسل کے سپرد کر دے اور اس طرح ہر نسل اپنی اگلی نسل کو اس کی تاکید کرتی چلی جائے۔ اسی طرح بیرونی جماعتوں میں جو جلسے ہوا کریں ان میں بھی مقامی جماعتیں خواہ خدام کی ہوں یا انصار کی یہی عہد دُہرایا کریں یہاں تک کہ دنیا میں احمدیت کا غلبہ ہو جائے اور اسلام اتنا ترقی کرے کہ دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل جائے۔

مجھے بھی ایک دفعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا نور ایک سفید پانی کی شکل میں دنیا میں پھیلنا شروع ہوا ہے یہاں تک کہ پھیلتے پھیلتے وہ دنیا کے گوشے گوشے اور اس کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔ اُس وقت میں نے بڑے زور سے کہا کہ احمدیوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوتے ہوئے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان

یہ نہیں کہے گا کہ اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! تو نے مجھے کیوں پیا سا چھوڑ دیا بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! تو نے مجھے سیراب کر دیا یہاں تک کہ تیرے فیضان کا پانی میرے دل کے کناروں سے اُچھل کر بہنے لگا۔

پس اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو اور ہمیشہ دین کے پھیلانے کے لئے قربانیاں کرتے چلے جاؤ۔ مگر یاد رکھو کہ قومی ترقی میں سب سے بڑی روک یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ افراد کے دلوں میں روپیہ کا لالچ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ طوعی قربانیوں سے محروم ہو جاتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو۔ وہ تمہاری غیب سے مدد کرے گا اور تمہاری مشکلات کو دور کر دے گا بلکہ تمہارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سامان بھی کیا ہوا ہے کہ اُس نے ایک انجمن بنا دی ہے جو تمام مبلغین کو با قاعدہ خرچ دیتی ہے مگر گذشتہ زمانوں میں جو مبلغین ہوا کرتے تھے اُن کو کوئی تنخواہ نہیں دیتا تھا بعض دفعہ ہندوستان میں ایران سے دو دوسَو مبلغ آیا ہے مگر وہ سارے کے سارے اپنے اخراجات خود برداشت کرتے تھے اور کسی دوسرے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے تھے۔

پس اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت بجالاؤ اور لالچ اور حرص کے جذبات سے بالا رہتے ہوئے ساری دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند کرنے کی کوشش کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

> ''مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہوں گے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانے کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرتِ مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اِس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں''۔ [۸]

پس لالچ اور حرص کو کبھی اپنے قریب بھی مت آنے دو اور ہمیشہ احمدیت کو پھیلانے کی جدوجہد کرتے رہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلح موعود کے متعلق الٰہی بشارات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مَہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الاَعَادِیْ [9]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں غیر معمولی تغیرات پیدا فرمائے گا جن کے نتیجہ میں ہماری جماعت اتنی ترقی کرے گی کہ ساری دنیا کے لوگ اس میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے۔

اسی طرح اس شہادت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دشمنوں کو رُسوا اور ناکام کرے گا اور ہمیں کامیابی اور غلبہ عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور وہ ہمیشہ اسلام کے غلبہ اور احمدیت کی ترقی کیلئے آپ کو رات دن کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے یہاں تک کہ ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے اور کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا دوسرے مذاہب کے پیرو سب کے سب احمدی ہو جائیں۔لیکن جب تک وہ وقت نہیں آتا تمہیں کم از کم پاکستان اور ہندوستان میں تو اپنے آپ کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرشن کا اوتار بھی قرار دیا گیا ہے اور آپ کا الہام ہے کہ:۔

''ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے'' [10]

پس اگر دنیا نہیں تو کم سے کم ہندوستان کے ہندوؤں کو تو اسلام اور احمدیت میں داخل کرلو تاکہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ [11] کی مثال تم پر صادق آجائے اور فَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ بھی اس کے نتیجے میں پیدا ہو جائے۔آجکل ہندوستان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے لوگوں کو احمدیت کی

طرف بڑی رغبت پیدا ہو رہی ہے اور بڑے بڑے مخالف بھی احمدیت کے لٹریچر سے متاثر ہو رہے ہیں اور زیادہ اثر ان پر ہماری تفسیر کی وجہ سے ہوا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس اثر کو بڑھا دے تو لاکھوں لوگ ہماری جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ بے شک ہم میں کوئی طاقت نہیں لیکن ہمارے خدا میں بہت بڑی طاقت ہے پس اُسی سے دعائیں کرو اور ہمیشہ اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے تمام مذاہب کے جھنڈوں سے بلند رکھنے کی کوشش کرو۔

(الفضل ۲۸؍اکتوبر ۱۹۵۹ء)

---

۱ درثمین اُردو صفحہ ۱۱۹

۲ ابراھیم: ۲۵

۳ بخاری کتاب التھجد باب الدعاء و الصلوٰۃ من اخر اللیل

۴ درثمین اُردو صفحہ ۱۲۳

۵ الوصیت صفحہ ۸ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۶

۶ الوصیت صفحہ ۷ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵

۷ مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعۃ

۸ درثمین اُردو صفحہ ۱۴

۹ الوصیت صفحہ ۲۱ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۹

۱۰ درثمین اُردو صفحہ ۴۵

۱۱ تذکرہ صفحہ ۳۸۰۔ ایڈیشن چہارم

۱۲ ابراھیم: ۲۵
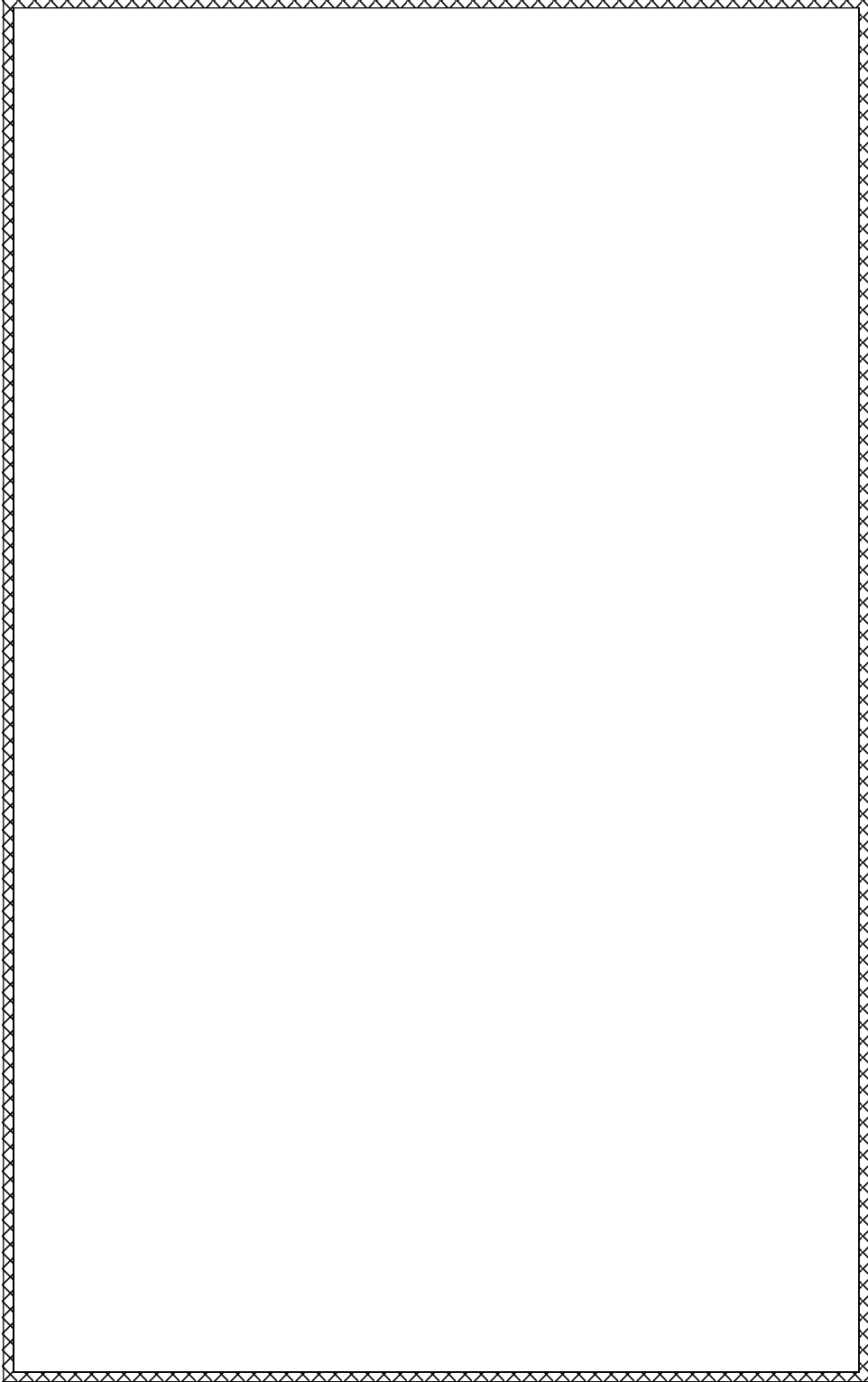
احباب جماعت کے نام ضروری پیغام

(فرمودہ ۱۷ مئی ۱۹۵۹ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ

ہم دوسرے انسانوں سے الگ قسم کے انسان نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے خبر دی کہ مسیح موعود شاہی خاندان میں پیدا ہوگا اور اس کے ذریعہ سے پھر اسلامی بادشاہت قائم ہوگی اس کی وجہ سے باوجود نہایت نالائق ہونے کے ہم نے ایک لمبی سُکھ کی زندگی بسر کی اور اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کے مطابق شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ہماری اس میں کوئی خوبی نہیں تھی ہم ذلیل تھے اس نے ہمیں دین کا بادشاہ بنا دیا ہم کمزور تھے ہمیں اس نے طاقتور کر دیا اور اسلام کی آئندہ ترقیوں کو ہم سے وابستہ کر دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے طفیل ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلائیں۔ یہ وہ مشکل کام تھا جس کو بڑے بڑے بادشاہ نہ کر سکے لیکن خدا تعالیٰ نے ہم غریبوں اور بے بسوں کے ذریعہ سے یہ کام کروا دیا اور اس بات کو سچا کر دکھایا کہ **سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ** (یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے اسلام کے دشمنوں کو ذلیل کر دیا) مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اسلام کو برتری بخشتا رہے گا اور مجھے امید ہے کہ میری اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہمیشہ اسلام کے جھنڈے کو اونچا کرتی رہے گی اور اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی قربانی کے ذریعے سے اسلام کے جھنڈے کو ہمیشہ اونچا رکھے گی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گی۔ میں اس دعا میں ہر احمدی کو شامل کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو اور ان کو اس مشن کے پورا کرنے کی توفیق دے وہ کمزور ہیں لیکن ان کا خدا ان کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے انسانوں کی طاقت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ دنیا کی بادشاہتیں ان کے ہاتھ چومیں گی اور دنیا کی حکومتیں ان کے آگے گریں گی۔ بشرطیکہ نبیوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق یہ لوگ نہ بھولیں اور اسلام کے جھنڈے کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہے اور ہمیشہ ان کو سچا راستہ دکھاتا رہے۔ بے شک وہ کمزور ہیں تعداد کے لحاظ سے بھی اور روپے کے لحاظ سے بھی اور علم کے لحاظ سے بھی لیکن اگر وہ خدائے جبار کا دامن مضبوطی سے پکڑیں گے تو خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں ان کے حق میں پوری ہونگی اور دین اسلام کے غلبہ کے ساتھ ان کو بھی غلبہ ملے گا۔ اس دنیا میں بھی اور اگلی دنیا میں بھی۔ خدا تعالیٰ ایسا ہی کرے اور قیامت کے دن نہ وہ شرمندہ ہوں نہ اُن کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ ہوں۔ نہ خدا تعالیٰ شرمندہ ہو کہ اس نے ایسی نالائق جماعت کو کیوں چنا یہ خدا تعالیٰ کا لگایا ہوا آخری پودا ہے جو اس پودے کی آبیاری کرے گا خدا تعالیٰ قیامت تک اس کے بیج بڑھاتا جائیگا اور وہ دونوں جہاں میں عزت پائے گا۔ **اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی**۔

اے عزیزو! ۱۹۱۴ء میں خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا بوجھ مجھ پر رکھا تھا اور میری پیدائش سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ میری خبر دی تھی میں تو ایک حقیر اور ذلیل کیڑا ہوں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے مجھے نوازا اور میرے ذریعہ سے اسلام کو دنیا میں قائم کیا جس خدا نے میرے جیسے حقیر انسان کے ذریعہ سے دنیا میں اسلام کو قائم کیا میں اسی خدائے قدوس کا دامن پکڑ کر اس سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اسلام کو برتری بخشے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اگلے جہان میں ساری دنیا کے سردار ہیں اس جہان میں بھی ساری دنیا کا سردار بنائے بلکہ ان کے خدام کو بھی ساری دنیا کا بادشاہ بنائے مگر نیکی اور تقویٰ کے ساتھ نہ کہ ظلم کے ساتھ، توحید دنیا سے غائب ہے خدا کرے کہ پھر

توحید کا پرچم اونچا ہو جائے اور جس طرح خدا غالب ہے اسی طرح اس کا جھنڈا بھی دنیا میں غالب رہے اور اسلام اور احمدیت دنیا میں توحید اور تقویٰ اور اسلام کی عظمت پھر دنیا میں قائم کردیں اور قیامت تک قائم رکھتے چلے جائیں یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے کہ خدا کے فرشتے آسمان سے نازل ہوکر خدا کے بندوں کی روحوں کو بلند کرکے آسمان پر لے جائیں اور ان میں ایک ایسا مضبوط رشتہ قائم کردیں جو ابد تک نہ ٹوٹے۔ آمین ثم آمین

بادشاہت سب خدا کا حق ہے مگر افسوس ہے کہ انسان نے اپنی جھوٹی طاقت کے گھمنڈ میں اس بادشاہت کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور خدا کے مسکین بندوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ اس غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو نیکی پر ہمیشہ قائم رکھے اور اعتدال کے راستہ سے پھرنے نہ دے۔ اس سے یہ بات بعید نہیں گو انسان کی نظر میں یہ بات بڑی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ میں اس کے بندوں کی باگ اسی کے ہاتھ میں دیتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ ان کا خیر خواہ ثابت ہوگا اور قریب کی قیامت بلکہ دور کی قیامتوں کے موقع پر سچے مسلمانوں کی سرخروئی اور اعزاز کا موجب ہوگا۔ میں اپنے لڑکوں، لڑکیوں اور بیویوں کو بھی اس کے سپرد کرتا ہوں میری نرینہ اولاد موجود ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا انسان کچھ نہیں کرسکتا اس لئے میں اولاد در اولاد اور بیویوں اور ان کے وارثوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں جس کی حوالگی سے زیادہ مضبوط حوالگی کوئی نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا

سپردم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

ہم نے اس الہام کی سچائی کو ۵۱ سال تک آزمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ دنیا کے آخر تک اس الہام کی سچائی کو ظاہر کرتا رہے گا۔ اس کا کلام ہمیشہ سچا ہی ثابت ہوتا رہے گا۔ اصل عزت وہی ہے جو مرنے کے بعد انسان کو ملے گی لیکن پھر بھی اس دنیا میں نیکی کا بیج قائم رکھنے سے انسان دعاؤں کا مستحق بن جاتا ہے اور اپنے پرائے اس کی بلندی کیلئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ خوبی کا مقام بھلایا نہیں جاسکتا اور میں اپنے خاندان کے

مردوں عورتوں کیلئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ مقام ہمیشہ عطا رکھے اور اسی طرح میرے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کو بھی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی پیدا نہیں ہوا نہ آگے پیدا ہوگا آپؐ کو خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں اور اگلے جہان میں بھی سردار مقرر کیا ہے خدا کرے آپ کی یہ سرداری تا اَبد قائم رہے اور ہم قیامت کے دن درود پڑھتے ہوئے آپؐ کے نشان والا جھنڈا لے کر آپؐ کے سامنے حاضر ہوں اور اپنے خدا سے بھی کہیں کہ اے خدا تو نے جس انسان کی عزت کو اپنی عزت قرار دیا تھا ہم اس کی عزت قائم کر کے آئے ہیں ہم پر بھی رحم کر اور اپنے فضلوں کا وارث بنا۔ آمین ثم آمین

میری اولاد کے نام

میری نعش میری اماں جان کی نعش اور میری بیویوں کی نعشوں کو قادیان پہنچانا تمہارا فرض ہے میں نے ہمیشہ تمہاری خیر خواہی کی تم بھی میری خواہش پوری کرنا اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو اور تمہیں عزت بخشے۔

میں ساری جماعت احمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیوں کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف کریں اور قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اونچا رکھیں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو، ان کی مدد کرے اور اپنی بشارتوں سے ان کو نوازے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یورپ کے نئے احمدی اپنی جان اور مال سے ایشیا کے پرانے احمدیوں کی مدد کریں گے اور تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا پر غالب آجائے۔ اگر لینن کے متبعین نے چند سال میں ساری دنیا پر اپنا سکہ جما لیا تھا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین یہ کام کیوں نہیں کر سکتے۔ صرف عزم اور ارادہ کی پختگی کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ انکا حامی و ناصر ہو وہ کبھی ظلم نہ کریں اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کے بندوں کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ سر جھکائیں تا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کی مدد ان کو ملتی رہے اور اسلام کا سر ہمیشہ اونچا رہے اور قیامت کے دن خدا کا

آخری نبی بلکہ خدائے واحد خود نہایت شوق سے اپنے ہاتھ پھیلا کر ان کی ملاقات کیلئے آگے بڑھے اور وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے خدا تعالیٰ کی برکات کے وارث ہوں میں احمدیت اور اس کے آثار کو بھی خدا کے سپرد کرتا ہوں وہی ان کا بھی محافظ ہو اور ان کی عزت کو قیامت تک قائم رکھے۔ آمین ثم آمین

اے دوستو! میری آخری نصیحت یہ ہے کہ سب برکتیں خلافت میں ہیں نبوت ایک بیج ہوتی ہے جس کے بعد خلافت اس کی تاثیر کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے تم خلافت حقہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کی برکات سے دنیا کو متمتع کرو تا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تم کو اِس دنیا میں بھی اونچا کرے اور اُس جہان میں بھی اونچا کرے تا مرگ اپنے وعدوں کو پورا کرتے رہو اور میری اولاد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو بھی ان کے خاندان کے عہد یاد دلاتے رہو۔ احمدیت کے مبلغ اسلام کے سچے سپاہی ثابت ہوں اور اس دنیا میں خدائے قدوس کے کارندے بنیں۔

کیا ہمارا خدا اتنی طاقت بھی نہیں رکھتا جتنا کہ حضرت مسیح ناصریؑ رکھتے تھے۔ مسیح ناصریؑ تو ایک نبی تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار تھے خدا تعالیٰ ان کی سرداری کو دونوں جہان میں قائم رکھے اور ان کے ماننے والوں کا جھنڈا کبھی نیچا نہ ہو اور وہ اور ان کے دوست ہمیشہ سربلند رہیں۔ آمین ثم آمین

میں یہی نصیحتیں پاکستان سے باہر کے احمدیوں کو بھی کرتا ہوں وہ بھی خدا تعالیٰ کے ایسے ہی محبوب ہیں جیسے پاکستان میں رہنے والے احمدی اور جب تک وہ اسلام کو اپنا مطمع نظر قرار دیں گے خدا تعالیٰ ان کو بھی اور اسلام کو بھی دنیا میں بلند کرتا چلا جائے گا اِنْشَاءَ اللّٰہ۔ خدا کرے احمدیوں کے ذریعہ سے کبھی دنیا میں ظلم کی بنیاد قائم نہ ہو بلکہ عدل، انصاف اور رحم کی بنیاد قائم ہوتی چلی جائے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کے دائیں بھی کھڑے ہوں اور بائیں بھی کھڑے ہوں اور کوئی شخص ان کی طرف نیزہ نہ پھینکے جسے خدا تعالیٰ کے فرشتے آگے بڑھ کر اپنی چھاتی پر نہ لے لیں۔ آمین ثم آمین

آدم اوّل کی اولاد کے ذریعہ سے بالآخر دنیا میں بڑا ظلم قائم ہوا اب خدا کرے۔ آدم ثانی

یعنی مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کے ذریعہ سے یہ ظلم ہمیشہ کیلئے مٹا دیا جائے اور سانپ یعنی ابلیس کا سر کچل دیا جائے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت اسی طرح دنیا میں بھی قائم ہو جائے جس طرح آسمان پر ہے اور کوئی انسان دوسرے انسان کو نہ کھائے اور کوئی طاقتور انسان کمزور انسان پر ظلم اور تعدی نہ کرے۔ آمین ثم آمین۔ مرزا محمود احمد ۷ امئی ۱۹۵۹ء

(الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۹)